TAGPK.COM

خواتین ڈائجسٹ

خط و کتابت کا پتہ

خواتین ڈائجسٹ

37- اردو بازار کراچی

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

بانی و مدیر اعلیٰ — محمود ریاض

مدیرہ — نادرہ خاتون

مدیر — آذر ریاض

نائب مدیرہ — رضیہ جمیل

مدیرہ خصوصی — امت السبور

بلقیس بھٹی

نغمیات — عدنان

اشتہارات — خالدہ جیلانی

قانونی مشیر — نورالدین سرکی اینڈ کمپنی

ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

ستمبر 2021

جلد 49 شمارہ 05

قیمت 80 روپے

واٹس اپ

03172266944

TAGPK.COM

TAGPK.COM

کہنی سُنی — مدیر 8

کرن کرن روشنی — ادارہ 9

ہمارے نام — نادرہ خاتون 30

آپ سے کیا پردہ

شادی کارڈ — انشاجی 14

خصوصی مضمون

سفر تمام ہوا — امت الصبور 28

خاتون کی ڈائری

میری ڈائری سے — امت الصبور 244

مجھ سے ملئے

حمیرا بانو سے باتیں — شاہین رشید 16

انٹرویو

عزالہ کیفی سے ملاقات — شاہین رشید 22

ناول

رنگ ریز میرے — عفت سحر 36

زندگی ہم تجھے گزاریں گے — راحت جبیں 214

مکمل ناول

روپ بہروپ — نعیمہ ناز سلطان 90

پرواز سے پہلے — سنیعہ عمیر 132

مرگ — صدف ریحان گیلانی 168

ناولٹ

تتلیوں کے پر — شمائلہ دلعبد 64

افسانے

پرچھائی — ماریہ کھوسہ 59

من میلا — حنا بشریٰ 118

ہاں یا ناں — صائمہ نور 125

دو رُخ کہانی — ماہم اوزلین 82

ماہنامہ خواتین ڈائجسٹ اور ادارہ خواتین ڈائجسٹ کے تحت شائع ہونے والے ہر طرح کے مواد، شعائع اور ماہنامہ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی ٹی وی چینل پہ ڈراما، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پیشگی تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

GPK.COM

نظمیں غزلیں

غزل — احمد فراز 238
غزل — فرحت عباس شاہ 239
نظم — فاطمہ نجیب 238
غزل — راحت اندوری 239

رنگا رنگ پھول

رنگا رنگ سلسلہ — شگفتہ جاہ 240
خبریں وبریں — واصف ناصر 251

نفسیات

نفسیاتی ازدواجی الجھنیں — عدنان 256

پکوان

موسم کے پکوان — خالدہ جیلانی 255
آپ کا باورچی خانہ — صبا شفیق 253

بیوٹی بکس

بیوٹی بکس کے مشورے — امت صبور 258

میری بیاض سے

آپ کی بیاض سے — خالدہ جیلانی 243

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ..... 960/- روپے
ایشیائی ممالک ..... 18,000 روپے
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ..... 20,500 روپے

سالانہ خریداری کے لیے ای میل کریں
subscriptions@khawateendigest.com

خط و کتابت کا پتہ: خواتین ڈائجسٹ، 37 - اُردو بازار، کراچی۔

[illegible] 91 [illegible] W.C. [illegible] کراچی

Phone: 32721777, 32726617 Fax 92-21-32766872 0317 2266944
Email: info@khawateendigest.com Website www.khawateendigest.com

TAGPK.COM

TAGPK.COM

مدیر

کہی سنی

خواتین ڈائجسٹ کا ستمبر کا شمارہ لیے حاضر ہیں۔

جب سے ذرائع ابلاغ میں وسعت آئی ہے، پوری دنیا کی طرح ہم بھی اس کے ثمرات سے مستفید ہو رہے ہیں۔ میڈیا اور خصوصاً سوشل میڈیا نے جس طرح ہماری زندگی میں قدم جما لیے ہیں، اس کو ہم نکال نہیں سکتے لیکن جہاں اس کے بے شمار فائدے ہیں، وہاں اس کا اندھا دھند اور غلط استعمال بہت سے نقصانات کا سبب بھی بن رہا ہے۔

اپنے خیالات کی تشہیر کرنے اور انہیں پھیلانے کے لیے انگلی کی ایک جنبش ہی کافی ہوتی ہے۔ ایک خبر یا واقعہ خواہ وہ صحیح ہو یا غلط، منٹوں میں پوری دنیا کا سفر طے کر لیتا ہے۔ اس میں نقصان کا پہلو جھوٹ کی تشہیر ہے۔ اپنے مؤقف کو صحیح ثابت کرنے کے لیے کسی پہ الزام تراشی، غلط اعداد و شمار پیش کرنا معمول کی بات ہے۔ یہ سوچے بغیر کہ اس سے متعلقہ شخص کی زندگی پر کیا اثرات مرتب ہوں گے اور اس جھوٹی الزام تراشی سے اس کے متعلقین کتنا متاثر ہوں گے۔

سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ کچھ لوگ اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لیے قابل احترام اور برگزیدہ ہستیوں سے غلط اور جھوٹی باتیں منسوب کر کے سوشل میڈیا کے ذریعے پھیلاتے ہیں اور ہم لوگ بنا سوچے سمجھے انگلی کی ایک جنبش سے اسے آگے بڑھا دیتے ہیں۔ اس میں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور قرآن پاک کی آیات کے سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط کرنا چاہیے کہ اس میں ایک لفظ یا حرف کی تبدیلی سے مفہوم بدل جاتا ہے اور ہم صرف لاپروائی کی وجہ سے گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں۔

بہتر یہ ہے کہ جب تک کسی مستند کتاب سے تصدیق نہ ہو، اس طرح کے میسیج آگے نہ بڑھائے جائیں۔

ایک چراغ اور بجھا

مقبول مصنفہ بہن رخ چودھری راہی ملک عدم ہوئیں۔ رخ چودھری نے لکھنے کا آغاز ادارہ خواتین ڈائجسٹ سے کیا اور آخر دم تک ہمارے ادارے سے منسلک رہیں۔

وہ قارئین میں بہت مقبول تھیں۔ زیادہ تر طویل تحریریں لکھتی تھیں۔ انہوں نے متعدد ناول لکھے، جو بے حد پسند کیے گئے۔

رخ چودھری عام طور پر معاشرتی مسائل پر لکھتی تھیں لیکن ان کی انفرادیت ان کی مزاح نگاری تھی۔ ان کی شگفتہ تحریریں قارئین کے ذہن پر ایک خوش گوار تاثر مرتب کرتیں۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے اپنے رنج و غم اور پریشانی کو بھول جاتے۔

رخ چودھری ایک اچھی مصنفہ ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اچھی انسان بھی تھیں۔ بہت سادہ فطرت اور مخلص۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور متعلقین کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

اس شمارے میں

☆ روپ بہروپ..... نعیمہ ناز سلطان کا مکمل ناول۔

☆ پرواز سے پہلے..... سدیعہ عمیر کا مکمل ناول۔ ☆ مُرک..... صدف ریحان گیلانی کا مکمل ناول۔

☆ تتلیوں کے پر..... شمائلہ دالعباد کا ناولٹ۔ ☆ راحت جبیں اور عفت سحر طاہر کے سلسلے وار ناول۔

☆ ماریہ کامران، ماہم اوزلین، حنا بشریٰ اور صائمہ نور کے افسانے۔

☆ ماضی کی معروف اداکارہ غزالہ کیفی سے ملاقات۔ ☆ باتیں حمیرا بانو سے۔

☆ کرن کرن روشنی، نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔

TAGPK.COM

قرآن پاک زندگی گزارنے کے لیے ایک لائحہ عمل ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی قرآن پاک کی عملی تشریح ہے۔ قرآن اور حدیث دین اسلام کی بنیاد ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ قرآن مجید دین کا اصل ہے اور حدیث شریف اس کی تشریح ہے۔

پوری امت مسلمہ اس پر متفق ہے کہ حدیث کے بغیر اسلامی زندگی نامکمل اور ادھوری ہے، اس لیے ان دونوں کو دین میں حجت اور دلیل قرار دیا گیا۔ اسلام اور قرآن کو سمجھنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا مطالعہ کرنا اور ان کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔

کتب احادیث میں صحاح ستہ یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، سنن نسائی، جامع ترمذی اور موطا مالک کو جو مقام حاصل ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں۔

ہم جو احادیث شائع کر رہے ہیں، وہ ہم نے ان ہی چھ مستند کتابوں سے لی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کے علاوہ ہم اس سلسلے میں صحابہ کرام اور بزرگان دین کے سبق آموز واقعات بھی شائع کریں گے۔

کرن کرن روشنی

ادارہ

عشاء کے بعد بات چیت کی کراہت

اس سے مراد وہ بات چیت ہے جو اس وقت کے علاوہ دیگر اوقات میں جائز ہے اور اس کا کرنا اور چھوڑنا دونوں برابر ہوں۔ لیکن وہ بات جو اس وقت کے علاوہ دیگر اوقات میں حرام ہو تو وہ اس وقت (عشاء کے بعد) زیادہ حرام اور زیادہ مکروہ ہوگی۔ لیکن بھلائی کی بات، جیسے علمی مذاکرہ، نیک لوگوں کی حکایت، عمدہ اخلاق کا تذکرہ، مہمان کے ساتھ اور کسی ضرورت مند وغیرہ کے ساتھ گفتگو کرنا، تو اس میں کوئی کراہت نہیں بلکہ یہ مستحب (پسندیدہ) ہے۔ اسی طرح کسی عذر یا سبب کی وجہ سے بات کرنے میں بھی کوئی کراہت نہیں ہے۔ یہ تمام باتیں جن کا میں نے ذکر کیا، ان پر صحیح حدیثیں دلالت کرتی ہیں۔ (یہ احادیث ملاحظہ ہوں)

حضرت ابو برزہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے پہلے سونے کو اور عشاء کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

فوائد ومسائل: (1) عشاء سے قبل سونے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس طرح عشاء کی نماز فوت ہو جانے کا قوی اندیشہ ہے اور عشاء کے بعد جائز بات چیت اس لیے ناپسندیدہ ہے کہ اس سے سونے میں تاخیر ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے انسان کے لیے تہجد یا فجر کے وقت اٹھنا مشکل ہو جاتا ہے، اس صورت میں گویا نماز فجر کے فوت ہونے کا اندیشہ رہتا ہے۔ علاوہ ازیں انسان عشاء کی نماز کے فوراً بعد سو جائے تو اس لحاظ سے بھی بہتر ہے کہ اس کی دن کی سرگرمیوں کا اختتام نماز پر ہوگا جو افضل ترین عمل ہے۔

(2) یہ بھی یاد رہے کہ جب عشاء کے بعد بات چیت ناپسندیدہ ہے تو دوسرے کام بھی، جن میں کوئی دینی فائدہ اور شرعی غرض نہیں ہے، مکروہ ہوں گے، جیسے کھیل کود، تاش بازی، شطرنج وغیرہ اور آج کل کی عالمی لعنت ٹیلی ویژن اور ریڈیو وغیرہ دیکھنا ہے۔ یہ ساری چیزیں تو ویسے بھی حرام ہیں۔ عشاء کے بعد ان لغویات میں مصروف رہنا اور بھی زیادہ حرام ہوگا۔ اسی طرح امام نووی رحمۃ اللہ نے علمی مذاکرے وغیرہ کو جو

TAGPK.COM

جائز بلکہ مستحب قرار دیا ہے تو یہ بھی مشروط ہے بروقت نماز فجر کی ادائیگی کے ساتھ۔

پیش گوئی

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں عشا کی نماز پڑھائی۔ پس جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرا تو فرمایا۔

''بھلا بتلاؤ تو سہی، یہ رات کون سی ہے؟ بے شک جو شخص آج روئے زمین پر زندہ ہے، صدی کے پورے ہونے تک وہ باقی نہیں رہے گا۔'' (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: (1) یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش گوئی فرمائی تھی کہ آج کی رات کے بعد جو زندہ ہیں، وہ صدی کے راس (پورے ہونے یا سرے) پر باقی نہیں رہیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پہلی صدی ہجری کے اختتام تک وفات پا گئے۔ سب سے آخر میں وفات پانے والے صحابی ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ ہیں جن کا انتقال ایک سو دس ہجری میں ہوا۔ یعنی آپؐ کے فرمان کے پورے سو سال بعد۔

(2) اس میں عشاء کے بعد ضروری باتیں اور علم سے متعلق گفتگو کا جواز ہے۔

عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن صحابہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے۔ چنانچہ آپ ان کے پاس تقریباً آدھی رات کو آئے اور ان کو عشاء کی نماز پڑھائی (حضرت انس فرماتے ہیں) پھر ہمیں خطبہ دیا جس میں فرمایا۔

''سنو! بے شک بعض لوگ نماز پڑھ کر سو گئے اور تم جتنی دیر انتظار کرتے رہے۔ برابر نماز ہی میں رہے۔'' (بخاری)

فائدہ: اس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ عشاء کی نماز نصف رات تک موخر کی جا سکتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے معلوم ہوئی کہ اس کے لیے جاگنا بھی جائز ہے تاکہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جا سکے۔ تیسری بات یہ ہے کہ انتظار کی ساری مدت نماز میں شمار ہوگی اور اس حساب سے زیادہ اجر و ثواب ملے گا۔

شوہر کی اجازت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، بے شک رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے فرمایا۔

''عورت کے لیے جائز نہیں کہ وہ خاوند کی موجودگی میں اس کی اجازت کے بغیر روزہ رکھے اور نہ یہ جائز ہے کہ وہ اس کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کو داخل ہونے کی اجازت دے۔'' (بخاری مسلم)

فوائد و مسائل: (1) روزے سے مراد نفلی روزہ ہے۔ علاوہ ازیں اسی طرح دیگر نفلی عبادات ہیں۔ مثلاً نفلی نماز اور تلاوت وغیرہ، یہ سب کام خاوند کی موجودگی میں خاوند کی اجازت کے بغیر کرنے جائز نہیں۔

(2) اسی طرح خاوند کی رضامندی کے بغیر عورت کو گھر میں اپنے محرم کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں دینی چاہیے چہ جائیکہ غیر محرم مردوں اور رشتے داروں کو۔ البتہ جن محرموں کے لیے اس نے صراحتاً اجازت دے رکھی ہو یا اس پر وہ خاموش رہتا ہو تو ان کو عورت گھر کے اندر آنے کی اجازت دے سکتی ہے۔

امام سے پہلے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''کیا تمہارا ایک آدمی، جب اپنا سر امام سے پہلے اٹھاتا ہے۔ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے سر کو گدھے کا سر بنا دے یا اللہ اس کی صورت کو گدھے کی صورت میں بدل دے۔'' (بخاری و مسلم)

فائدہ: اس میں امام سے پہل کرنے کی وعید بیان کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کے سر یا شکل و صورت کو گدھے کے سر یا صورت میں بدل دینا کوئی مشکل کام نہیں۔ اس لیے مقتدی کو ہر کام امام کے بعد کرنا چاہیے۔ امام سے پہلے رکوع یا سجدے میں جانا یا پہلے سر اٹھانا یا کوئی اور کام پہلے کرنا سخت گناہ اور

TAGPK.COM

نہایت خطرناک ہے۔

نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے کی کراہت کا بیان

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نماز میں کوکھ پر ہاتھ رکھنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ (بخاری ومسلم)

فائدہ: انسان کے دائیں بائیں دو پہلو ہیں انہیں کوکھ کہا جاتا ہے۔ نماز کی حالت میں ان پہلوؤں (کوکھوں) پر ہاتھ رکھنا تکبر کی علامت ہے جب کہ نماز تو سراسر بارگاہ الٰہی میں عجز و نیاز مندی کے اظہار کا نام ہے۔ تاہم پہلو میں درد ہو اور اس کی وجہ سے کوکھ پر ہاتھ رکھنے کی ضرورت پیش آجائے تو بات اور ہے۔ اس وقت ایسا کرنا جائز ہوگا۔

نماز سے پہلے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

''کھانے کی موجودگی میں نماز نہیں اور نہ اس وقت جب کہ پیشاب، پاخانے کی شدید حاجت ہو۔'' (مسلم)

فائدہ: یہاں نفی بمعنی نہی ہے۔ یعنی کھانے یا پیشاب پاخانے کی حاجت کے وقت کوئی شخص نماز نہ پڑھے۔ لیکن یہ حکم ایسے شخص کے لیے ہے جس کو شدید بھوک لگی ہو اور کھانا بھی سامنے تیار ہو۔ کیونکہ اس صورت میں وہ کھانے سے پہلے نماز پڑھے گا تو سکون اور خشوع وخضوع سے نماز نہیں پڑھ سکے گا۔ اسی طرح پیشاب پاخانے کی ضرورت بھی شدید ہو تو پہلے قضائے حاجت کا اہتمام کرے اور پھر نماز پڑھے۔

نماز میں آسمان کی طرف دیکھنا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''لوگوں کا کیا حال ہے کہ وہ اپنی نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔'' چنانچہ اس کی بابت آپ کا لہجہ سخت ہوگیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''لوگ اس سے باز آجائیں ورنہ ان کی نگاہیں اچک لی جائیں گی۔'' (بخاری)

فائدہ: نماز میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھانا خشوع وخضوع کے منافی ہے، اس لیے اس پر سخت وعید فرمائی گئی ہے۔ تاہم نماز کے علاوہ مثلاً دعا کے وقت یا غور وفکر کے وقت آسمان کی طرف نگاہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

بغیر عذر کے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی کراہت کا بیان

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کی بابت پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''یہ ایک جھپٹ ہے جس کے ذریعے سے شیطان بندے کی نماز کا کچھ حصہ اچک لیتا ہے۔'' (بخاری)

فائدہ: جھپٹ یا اچک لینے کا مطلب ہوتا ہے، کسی کی غفلت اور بے خبری میں نہایت تیزی سے اس کی چیز لے لینا۔ جب انسان نماز میں خشوع وخضوع کے بجائے ادھر ادھر دیکھتا ہے تو یہ گویا انسان کی غفلت اور بے خبری ہے جس سے شیطان فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کی نماز کو بے اثر کر دیتا ہے۔

قبروں کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت کا بیان

حضرت ابومرثد کناز بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

''قبروں کی طرف رخ کر کے نماز مت پڑھو اور نہ ان کے اوپر بیٹھو۔'' (مسلم)

فوائد ومسائل: (1) قبروں کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کی ممانعت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس طرح مشرکین کے ساتھ مشابہت ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں غیر اللہ کی تعظیم کا پہلو بھی اس سے نکلتا ہے جو انسان کو شرک کی طرف لے جاتا ہے۔

TAGPK.COM

(2) قبروں پر بیٹھنے سے انسان کی تذلیل ہوتی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو توقیر و تکریم سے نوازا ہے۔ اس لیے ان دونوں کاموں سے بچنا چاہیے۔

نمازی کے آگے سے گزرنے کی حرمت کا بیان

حضرت ابو جہیم عبداللہ بن حارث بن صمہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والے شخص کو یہ علم ہو جائے کہ اس کا کتنا گناہ ہے تو وہ گزرنے کے بجائے چالیس تک کھڑے رہنے کو اپنے لیے بہتر سمجھے گا۔''

حدیث کے راوی بیان کرتے ہیں، مجھے یاد نہیں کہ آپ نے چالیس دن، چالیس مہینے یا چالیس سال فرمایا تھا۔ (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: (1) اس سے معلوم ہوا کہ نمازی کے آگے سے گزرنا نہایت سخت گناہ ہے۔ نمازیوں کو بھی کوشش کرنی چاہیے کہ وہ سترے یا ستون کے بغیر عام گزرگاہ پر کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھیں۔ اس سے یا تو گزرنے والوں کو تکلیف ہوتی ہے یا مسئلے سے ناواقف لوگ آگے سے گزرتے رہتے ہیں۔

(2) اگر سترہ وغیرہ نہ ہو تو کتنے فاصلے سے نمازی کے آگے سے گزرنا جائز ہے، اس کا اندازہ تین میٹر یا تین صف کیا گیا ہے۔ مزید احتیاط کے طور پر چار پانچ صف کا اندازہ کر لیا جائے تو بہت رہے۔ واللہ اعلم۔

جمعے کے دن کو روزے کے لیے اور جمعے کی رات کو نماز پڑھنے کے لیے مخصوص کرنے کی کراہت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''تم جمعے کی رات کو دوسری راتوں کے درمیان سے قیام (نفلی نماز وغیرہ) کے لیے خاص نہ کرو اور جمعے کے دن کو دوسرے دنوں کے درمیان سے روزے کے لیے خاص نہ کرو، مگر یہ کہ جمعہ اس مدت میں آجائے جس میں تمہارا ایک آدمی روزے رکھتا ہو۔'' (مسلم)

فائدہ: جیسے ایک دن چھوڑ کر روزہ رکھنا کسی شخص کا معمول ہو، اس میں جمعے کا دن آجائے۔ یا عاشورے یا عرفے کا روزہ رکھتا ہو۔ اس میں جمعہ کا دن آجائے، یا ایام بیض کے روزوں میں جمعہ آجائے، یا اس نے نذر کے روزے شروع کر رکھے ہوں، ان میں جمعہ آجائے۔ ان تمام صورتوں میں جمعے کے دن روزہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ صرف بطور خاص جمعے کے دن کا روزہ رکھنا مکروہ ہے۔

جمعہ کے دن کا روزہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

''تم میں سے کوئی شخص جمعے کے دن روزہ نہ رکھے۔ ہاں، اس کے ساتھ ایک دن پہلے یا ایک دن بعد کا روزہ ملا لے (تو پھر کوئی حرج نہیں۔)'' (بخاری و مسلم)

فائدہ: اس میں جمعے کے دن روزہ رکھنے کی ایک اور صورت کا بیان ہے کہ جمعرات یا ہفتے کے دن کا روزہ ساتھ ملا لیا جائے تو ٹھیک ہے۔

ممانعت

حضرت محمد بن عباد بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا۔

''کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعے کے دن کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا ہے؟''

انہوں نے فرمایا ''ہاں۔'' (بخاری و مسلم)

جمعہ کا روزہ

ام المومنین حضرت جویریہ بنت حارث رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) جمعے والے دن ان کے پاس تشریف لائے جب کہ وہ روزے سے تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا۔

''کیا تم نے کل روزہ رکھا تھا؟''

''انہوں نے عرض کیا۔ ''نہیں۔''

TAGPK.COM

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''کیا تمہارا ارادہ کل کا روزہ رکھنے کا ہے؟''

انہوں نے عرض کیا۔ ''نہیں۔''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''روزہ افطار کرلو۔'' (بخاری)

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی نے صرف جمعے کا روزہ رکھا ہو تو اسے توڑ دینا ضروری ہے۔

بغیر کھائے پیے دو دن یا زیادہ دن مسلسل روزہ رکھنا

حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا (بخاری و مسلم)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال کا روزہ رکھنے سے منع فرمایا۔ صحابہ نے عرض کیا۔

''آپ خود تو وصال کرتے ہیں (بغیر کھائے پیے مسلسل روزہ رکھتے ہیں؟''

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''میں تم جیسا نہیں ہوں، مجھے تو (اللہ کی طرف سے) کھلایا پلایا جاتا ہے'' (بخاری و مسلم)

فوائد و مسائل: (1) بعض شرعی معاملات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خصوصی احکام تھے، جن کی رو سے بعض چیزیں آپ پر واجب تھیں، امت پر وہ واجب نہیں، آپ کے حق میں وہ جائز تھیں۔ امت کے لیے ان کا جواز نہیں۔ ایسی چیزیں آپ کی خصوصیات کہلاتی ہیں جن میں امت کے لیے آپ کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے بلکہ گناہ ہے۔ ان ہی خصوصیات میں سے ایک صوم وصال ہے جس کا مطلب ہے بغیر کھائے پیے مسلسل کئی کئی دن کا روزہ رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو صبر و تحمل کی جو خصوصی قوت عطا فرمائی تھی، اس کی وجہ سے آپؐ روزوں میں وصال فرمایا کرتے تھے۔ لیکن افرادِ امت میں وہ قوت نہیں کہ وہ اس کا تحمل کرسکیں، اس لیے ان کے لیے وہ جائز نہیں۔

(2) میں تم جیسا نہیں کا مطلب بھی یہی ہے کہ اللہ نے مجھے جو خاص قوت عطا کی ہے، اس سے تم محروم ہو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم جیسا انسان ہی نہیں۔ کیونکہ یہ مطلب انما انا بشر مثلکم نص قرآنی کے خلاف ہے۔

(3) کھلائے پلائے جانے سے مراد بھی روحانی قوت ہی ہے نہ کہ روزے کی حالت میں کسی خصوصی غذا کا اہتمام، کیونکہ کھانا پینا تو روزے ہی کے منافی ہے۔

قبر پر بیٹھنے کی حرمت کا بیان

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

''تم میں سے کسی شخص کا انگارے پر بیٹھنا، جو اس کے کپڑوں کو جلا دے اور اس آگ کا اثر اس کی جلد تک پہنچ جائے۔ کسی قبر پر بیٹھنے سے بہتر ہے۔'' (مسلم)

فائدہ: قبر پر بیٹھنے میں مردے کی اہانت کا پہلو ہے۔ اس لیے اس کو بھی سخت گناہ قرار دیا ہے۔ اس سے اجتناب ضروری ہے۔

قبر کو پختہ کرنے اور اس پر عمارت (قبہ وغیرہ) بنانے کی ممانعت

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے کہ قبر کو پختہ کیا جائے، اس پر بیٹھا جائے اور اس پر کوئی عمارت بنائی جائے۔ (مسلم)

فائدہ: قبروں کو پختہ کرنا ایک تو فضول خرچی ہے، کیونکہ اس سے کوئی فائدہ مردے کو نہیں ہوتا۔ دوسرے، اس میں فوت شدگان کی ایسی تعظیم ہے جو انسان کو شرک کی طرف لے جاتی ہے۔ قبروں پر قبہ اور گنبد وغیرہ بنانے کا بھی یہی معاملہ ہے اور قبروں پر بیٹھنا تکریم انسانیت کے منافی ہے۔ اس لیے ان تینوں کاموں سے روک دیا گیا ہے۔

☆

TAGPK.COM

شادی کارڈ

انشاجی

لچھ ہماری زندگی اور تہذیب کا ٹریڈ مارک ہے۔ سمبل ہے، ہماری کوئی بات، کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ ہمیں لچھے دار زبان بولنے کا شوق ہے۔ لچھے دار عبارتیں لکھنے کا شوق ہے اور لچھے دار تقریریں کرنے کا شوق ہے۔ لچھی کو بھی لچھے ہی میں شامل سمجھیے۔ بحوالہ ایک پنجابی شاعر کے۔

اگے تیرے بھاگ لچھیے

غالب روایت شکن آدمی تھے اور اردو نثر کو سلیس بلکہ پانی کر گئے ہیں لیکن القاب و آداب میں کبھی کبھی جمیل المناقب، خمیم الاحسان وغیرہ کے لچھے وہ بھی چھوڑ دیتے تھے۔ اس زمانے کے حساب سے یہ کچھ بھی نہ تھا کیونکہ اس عہد کی ایک کتاب پر تو ہم نے مصنف کا نام یوں لکھا دیکھتے ہیں۔

ناشر عدیم النظیر و ناظم فقید المثال، بذلہ سنج نازک خیال، جلا بخش اردو زبان، اعجاز بیان ''جناب میرزا رجب علی بیگ سرور۔''

ایک عامی کے لیے اس طومار میں سے نام کی سوئی تلاش کرنا اور اس طرہ پر پیچ و خم کے پیچ و خم نکالنا ایسا آسان کام نہیں۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اصل نام جلا بخش نہیں۔ جب مولا بخش اور خدا بخش اور پیر بخش نام ہو سکتے ہیں تو جلا بخش کیوں نہیں۔ عدیم النظیر اور فقید المثال اس لچھے کی گرہوں میں سے صرف رجب علی برآمد ہوتا ہے۔ سرور بھی تخلص یعنی مصنف کی اپنی ایجاد ہے۔ کیا عجب رجب علی بھی بچپن میں فقط رجبے ہی کہلاتے ہوں۔ بڑا ہو کر یہ پرسا پرس رام بنا ہو۔

☆☆☆

اب عبارت آرائی کتابوں اور قصوں کہانیوں میں تو متروک ہوئی۔ یہ کاروباری زمانہ ہے۔ لوگوں کے پاس دماغ سوزی اور کاوکاو کی فرصت کم ہے، آداب و تسلیم کا خلاصہ نکل کر ''ہوائے'' گیا ہے۔ لوگ آپ سے تم، تم سے تو ہی نہیں ابے تبے پر اتر آئے ہیں۔ اشٹام کے کاغذوں اور شادی بیاہ کے رقعوں میں بیٹی ابھی تک نور چشمی ہے۔ اگر دختر ہے تو نیک اختر ضرور ہے۔ فرزند ہے تو دلبندی کے رشتے میں بندھا ہے۔ باپ احقر اور چشم براہ ہے۔ آج کل کے نئے پڑھے لکھے تو احقر کو بھی نام سمجھتے ہیں اور نیک اختر جو ویسے دختر کا تابع مہمل یا غیر مہمل ہے، صاف کسی لڑکی کا نام معلوم ہوتا ہے۔ اردو میں ابھی اس قسم کے سیدھے سادے رقعوں کا رواج نہیں ہوا کہ ''اے صاحب! فلاں تاریخ، فلاں وقت میری بیٹی کی شادی ہے۔ آیئے اور نیوتہ دیجیے۔ تحفہ دیجیے اور خالی ہاتھ لٹکاتے ہوئے مت آیئے۔ ہم نے تمبو شامیانے کا سخت انتظام کیا ہے۔ دیگیں پکی ہیں۔ گوشت روٹی کھا کر جایئے۔ کیونکہ آپ نے ہمیں بھی کھلائی تھی وغیرہ۔ پنجاب والے ہمیشہ دوسروں سے نسبتاً کم سرگشتہ خمار رسوم و قیود رہے ہیں۔ ایک پرچے نے کسی صاحب کی شادی کے کارڈ کا مضمون نقل کیا ہے جو راوی اور چناب ہی نہیں بیاس کے پانی میں بھی دھلا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ یوں کہیے ابھی پوری طرح نچوڑا بھی نہیں گیا۔ نقل مطابق اصل۔

''سچے سجنوں تے مترو۔ شالا تسیں رب دیاں رحمتاں تلے پھلو تے پھلو۔ ساڈے لاڈلے پتر..... دا ویاہ، لاڈلی دھی..... دے نال..... ہونا ایں۔ تسیں وی خوشیاں وچ رل کے تے دعاواں دی ساجھ پا کے ساڈا مان تے پت ودھاؤ۔

TAGPK.COM

آیاں اگے اکھیاں وچھان والے

(بمعنی چشم براہ)

امابعد۔ ''ویلے دی ونڈ'' یعنی تقسیم الارمات یا ٹائم ٹیبل کے عنوان تھلے درج ہے۔

سہرے دیاں لڑیاں سجان داویلا

جنج دے ٹرن داویلا (روانگی برات)

لاڑے ولوں ان پانی

اس آخری جملے کا مطلب ہے دولھا کی طرف سے دانا دنکا یا آب ودانہ۔ مطلب ولیمہ۔ تھوڑی بہت پنجابی تو اپنی مادری زبان ہونے کی وجہ سے ہمیں بھی آتی ہے لیکن گیانیوں والی نہیں اور ویلے دی، ونڈ تو ہم نے آج ہی سنا۔ اسے ایجاد بندہ بلکہ گندہ کہتے ہیں۔ سجنوں تے مترو۔ ماں تے پت (ماں تے پت نہیں) وغیرہ پڑھ کر تو مذکورہ پرچے کے ایڈیٹر کی طرح ہمیں بھی دربار صاحب امرتسر ہی یاد آیا۔

☆☆☆

اردو میں بھی دعوت ناموں کو سلیس بنانے کا ایک تجربہ کیا گیا ہے، ہمیں پسند آیا۔ آج کل نظام امتحان بھی بدل گیا ہے۔ ہمارے زمانے کا سا نہیں کہ لمبے لمبے جواب مضمون لکھنے پڑتے تھے۔ گزرے ہوئے بادشاہوں کی پالیسی بتانے کے علاوہ ان کے چال چلن کا سرٹیفکیٹ بھی دینا پڑتا تھا۔ یہ سوال و جواب کا زمانہ ہے۔ اسی سے لیاقت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ بابر نے پانی پت کے میدان میں ابراہیم لودھی کو مار مار کر کیا نکال دیا تھا؟ اگر آپ جواب میں فقط بھرکس لکھ دیں تو آپ شاندار نمبروں سے پاس ہیں۔ نادر شاہ کو دیکھ کر محمد شاہ کی کیا بندھ گئی تھی؟ کھگھی۔ صحیح جواب ہے شاباش بیٹھ جاؤ۔ یحییٰ خاں نے قوم کو کیا بنایا؟ الو۔ اس کے بجائے کبوتر یا توتا یا کسی اور جانور کا نام لکھنا غلط ہوگا۔ آپ کے نمبر کٹ جائیں گے۔ ہم ذمہ دار نہ ہوں گے۔

☆☆

خیر ذکر دعوت نامے کا تھا۔ اور دعوت نامہ ہمارے ایک بہت عزیز دوست کی شادی اور لاڑے ولوں ان پانی یعنی ولیمے کا ہے۔ چونکہ یہ دن عید کے تھے اس لیے ہر کارڈ جو آتا تھا، لوگ اسے عید کارڈ سمجھ کر ایک طرف ڈال دیتے تھے یا بچوں کو دے دیتے تھے۔ اس لیے ابتدا اسی اطلاع سے کی گئی ہے کہ یہ کارڈ کیا ہے کس کا ہے اور کہاں ہے؟ کس طرف کو

TAGPK.COM

باتیں حمیرا بانو سے

شاہین رشید

1 ''اصلی نام؟''

''حمیرا بانو۔''

2 ''پیار کا نام؟''

''ہما۔''

3 ''تاریخ پیدائش؟''

''17 دسمبر 1971ء۔''

4 ''قد/ستارہ؟''

''5 فٹ 4 انچ/Sagittarius (قوس)۔''

5 ''بہن بھائی/آپ کا نمبر؟''

''تین بہنیں، تین بھائی اور میں ساتویں نمبر کی ہوں۔''

6 ''مادری زبان؟''

''پنجابی۔''

7 ''شادی/بچے؟''

''طلاق ہو چکی ہے اور ایک بیٹا ہے بائیس سال کا۔ طلاق کے بعد اس کے باپ نے اسے مجھ سے لے لیا تھا اور آج تک اسی کے پاس ہے۔''

8 ''تعلیمی قابلیت؟''

''بی اے۔''

9 ''شوبز میں آمد/گھر والوں کا ردعمل؟''

''2004ء میں اس فیلڈ میں آئی تھی۔ ماشاء اللہ کافی ٹائم ہو گیا ہے۔ گھر والوں کا ردعمل..... سب کا مختلف ہی تھا۔''

10 ''بچپن میں کس سے بہت ڈر لگتا تھا؟''

''اندھیرے سے۔''

11 ''پہلی کمائی کیا تھی/کس کے ہاتھ میں رکھی تھی؟''

''شاید سات سو یا ہزار تھی اور امی کو دی تو امی نے کہا کہ اپنے پاس رکھو۔''

12 ''بچپن کا پہلا پیار؟''

''اس کا کیا جواب دوں..... بس یہ جو اپنی امیوں (امی) کے پیارے بیٹے ہوتے ہیں، یہ محبت کے قابل نہیں ہوتے۔''

13 ''آپ کا سورج کب نکلتا ہے؟''

''جب کام پر جانا ہو تو نو بجے ورنہ دوپہر ایک بجے۔''

14 ''صبح کے وقت کیا نہ ملے تو صبح نہیں ہوتی؟''

''چائے۔''

15 ''کیا برداشت نہیں بھوک یا غصہ؟''

''بھوک بھی برداشت ہو سکتی ہے اور غصہ بھی..... مگر ہمیشہ نہیں۔''

16 ''پاکستان کے لیے کیا سوچتی ہیں؟''

''ترقی یافتہ اور پاور فل مملکت ہونی چاہیے۔''

17 ''سیاست میں کون پسند ہے؟''

''کوئی بھی نہیں، سب ایک ہی چہرے ہیں اور سب ایک ہی ذہنیت کے لوگ ہیں۔''

18 ''کس ملک کی شہریت کی خواہش ہے؟''

''ہمیشہ پاکستانی ہونے پر فخر کرتی ہوں اور پاکستانی ہی مرنا چاہتی ہوں۔''

19 ''کیا آپ نے لاک ڈاؤن میں اچھا وقت گزارا۔ کورونا کا شکار ہوئیں؟''

''اچھا وقت گزرا۔ گارڈننگ کی۔ سبزیاں لگائیں، خوب انجوائے کیا۔ اللہ کا شکر ہے کورونا کا شکار نہیں ہوئی۔''

20 ''شوبز میں کیا اچھا ہے کیا برا ہے؟''

''اچھا برا تو ہر شعبے میں ہے۔ بس یہ انسان پر منحصر ہے کہ وہ اپنی طبیعت اور تربیت کے حساب سے کیا اڈاپٹ کرتا ہے۔''

TAGPK.COM

21 ''کھیلوں سے آپ کا لگاؤ..... کون سا کھیل پسند ہے؟''

''کھیلوں سے بہت لگاؤ ہے اور مجھے جو گیمز پسند ہیں ان میں بیڈمنٹن اور سوئمنگ۔''

22 ''زندگی سے کیا سیکھا؟''

''زندگی جب تک سمجھ میں آتی ہے زندگی گزر جاتی ہے۔''

23 ''تین چیزیں جنہیں خریدنا آپ کا خواب ہے؟''

''کاش کچھ خریدا جا سکتا۔''

24 ''کس کی خاطر شوبز چھوڑ سکتی ہیں؟''

''ابھی تک اس بارے میں سوچا نہیں۔''

25 ''پہلی بار کیمرہ فیس کیا تو کیا کیفیت تھی؟''

''پہلی بار بھی اتنی ہی پراعتماد تھی جتنی کہ اب ہوں۔''

26 ''تنہائی کا احساس کب ہوتا ہے؟''

''ہمیشہ سے ہی تنہائی کا احساس ہوتا ہے اور شاید ہمیشہ ہی رہے گا۔''

27 ''گھر کی کوئی چیز خراب ہو جائے تو ٹھیک کرنے کی ذمہ داری کس کی ہوتی ہے؟''

''میری ہی ہوتی ہے۔ خواہ گھر کی کوئی بھی چیز خراب ہو جائے۔''

28 ''زندگی میں کچھ واپس ملنے کا موقع ملے تو آپ کیا واپس لینا چاہیں گی؟''

''اپنا بچپن اور ماں باپ کا ساتھ۔''

29 ''گھر میں آپ کے فیصلے پر مداخلت کون کرتا ہے؟''

''میرے گھر میں کوئی نہیں ہے جو مداخلت کرے۔ مجھے ہی ہر فیصلے کا اختیار ہے۔''

30 ''بیمار ہونے پر بیماری کو سیریس لیتی ہیں؟''

''بہت سیریس لیتی ہوں۔ اپنا بہت خیال رکھتی ہوں اور دوسروں کا بھی بہت خیال رکھتی ہوں۔''

31 ''آپ کے اب تک کے ڈراموں کی، کمرشل اور فلمز کی تعداد مقبولیت کے لحاظ سے؟''

TAGPK.COM

''ڈرامہ سیریلز یاد نہیں۔ کمرشلز بہت کم کیے ہیں۔ ''ہم'' ٹی وی کا سیریل ''ملال یار'' بہت پسند کیا گیا۔ لیکن مجھے نہیں پسند آیا۔''

32 ''کردار کون سے اچھے لگتے ہیں نگیٹو یا پوزیٹو؟''

''پوزیٹو کردار پسند ہیں۔ لوگ ہم کو حقیقی زندگی میں بھی ویسا ہی سمجھتے ہیں جیسے ہم اسکرین پہ نظر آ رہے ہوتے ہیں۔''

33 ''ادب سے لگاؤ..... کس کو زیادہ پڑھتی ہیں؟''

''جی..... ادب سے لگاؤ ہے اور پروین شاکر، احمد فراز کو زیادہ پڑھا ہے۔''

34 ''کوئی فیصلہ جو غلط ثابت ہوا ہو؟''

''بہت سے فیصلے ہوتے ہیں جو غلط ثابت ہوتے ہیں..... ہمارے لیے۔''

35 ''کچن سے لگاؤ۔ کبھی شیف بننے کی خواہش ہوئی؟''

''کچن سے مجھے بہت زیادہ لگاؤ ہے اور شیف بھی بن سکتی تھی اگر کوشش کرتی۔''

36 ''کبھی سوچا کہ سوشل میڈیا نہ ہوتا؟''

''سوشل میڈیا نہ ہوتا تو بھی کیا ہوتا.....''

37 ''کس شخصیت پہ چاہتے ہوئے بھی غصہ نہیں کر سکتیں؟''

''غصہ جس پر آتا ہے اسی پر آتا ہے۔ کسی کے لیے غصہ روک نہیں سکتی۔ یہ تو نیچرل سی بات ہے۔''

39 ''ایک نصیحت جو سب کو کرتی ہوں؟''

''تعلیم بہت ضروری ہے..... سب کو یہی کہتی ہوں۔''

40 ''ملک کی ترقی کی راہ میں کون رکاوٹ ہے۔ عوام یا حکمران؟''

''عوام اور حکمران دونوں..... اگر یہ دونوں مل کر کام کریں تو ملک میں ترقی ہوگی۔''

41 ''کبھی غربت میں وقت گزرا؟''

''جی گزرا..... میں نے اپنی طلاق کے بعد 2003ء سے 2004ء تک کا وقت کافی مشکل گزارا۔ محنت کی اللہ نے میرا ساتھ دیا۔ آج جہاں ہوں اپنی امی کی دعا سے ہوں۔ الحمد للہ۔''

43 ''طالب علمی کے زمانے میں کون سا مضمون برا لگتا تھا؟''

''میتھس۔''

44 ''حکیم، ڈاکٹر، ہومیو پیتھک..... بیمار ہونے پر کس کو ترجیح دیتی ہیں؟''

''ڈاکٹر۔''

45 ''پاکستان میں کیا چیز فری ہونی چاہیے؟''

''تعلیم و تربیت فری ملنی چاہیے۔ یہ دونوں بہت ضروری ہیں۔''

46 ''کیا دل سے اترا ہوا انسان پہلے جیسا مقام حاصل کر سکتا ہے؟''

''دل سے اترا ہوا انسان کبھی بھی پہلے جیسا مقام حاصل نہیں کر سکتا۔''

47 ''اپنے ہر کام کے لیے کس سے مشورہ لیتی ہیں؟''

''اپنے کسی بھی کام کے لیے کسی سے بھی مشورہ نہیں لیتی خود ہی فیصلہ کرتی ہوں..... صحیح ہو یا غلط۔''

48 ''موجودہ حکومت سے مطمئن ہیں؟''

''موجودہ حکومت سے مطمئن تب ہوتی جب ایک غریب روٹی کے لیے فکر مند نظر نہ آ رہا ہوتا۔''

49 ''غصے کے وقت منہ سے کیا نکلتا ہے؟''

''بُرے الفاظ ہی نکلتے ہیں۔''

50 ''اگر مستقل طور پر ملک سے باہر رہنا پڑا تو آپ کی کیا مصروفیات ہوں گی؟''

''اگر مستقل طور پر رہنا پڑ گیا تو پھر گارڈننگ سے دل بہلاؤں گی یا پھر فیشن سے متعلق کوئی کام کر لوں گی۔''

51 ''ٹی وی ٹاک شو کے بہترین اینکر پرسن؟''

TAGPK.COM

''نعیم بخاری۔''

52 ''آپ کا راز دار کون ہے؟''

''میری بہن ہے جس سے میں ہر بات شیئر کرتی ہوں۔''

53 ''فیملی پر آپ کا کتنا رُعب ہے؟''

قہقہہ..... ''کوئی رُعب نہیں ہے۔''

54 ''کون سی تاریخیں یاد رکھتی ہیں؟''

''صرف اپنی سالگرہ کی تاریخ۔''

55 ''کوئی کھانا جو جب ملے کھا سکتی ہیں؟''

''شامی کباب اور روٹی۔''

56 ''اپنی پرفارمنس میں کیا کمی نظر آتی ہے؟''

''لو..... یہ تو کبھی سوچا ہی نہیں، نہ ہی غور کیا۔ اب سوچوں گی بھی اور غور بھی کروں گی۔''

57 ''اپنا ڈراما دیکھ کر بے ساختہ کیا کہتی ہیں؟''

''کہ دیکھو میں کتنی ڈرامہ باز ہوں..... ہاہاہا۔''

58 ''کس چینل پر ریموٹ رک جاتا ہے؟''

''نیوز چینل پر۔''

59 ''پہلی فلم جو سینما ہاؤس میں دیکھی؟''

''King Kong بچپن میں امی اور بھائیوں کے ساتھ دیکھی تھی۔''

60 ''کوکنگ یا کھانا کھانا..... کیا پسند ہے؟''

''کوکنگ کرنا ہمیشہ سے پسند ہے۔''

61 ''کون سا رول کرنے کی خواہش ہے؟''

''کسی پاگل کا کردار کرنا چاہتی ہوں۔''

62 ''آپ کا ناقابل فراموش کردار؟''

''ثمرین'' ''ملال یار'' ڈرامے کا نام ہے۔''

63 ''کس رول کو کرنے سے انکار کیا؟''

''ایک بازاری عورت کا کردار کرنے سے منع کر دیا تھا۔''

64 ''کس سیاست دان کا رول کرنا چاہتی ہیں؟''

''کسی کا بھی نہیں۔''

65 ''چاند پر پہنچ کر دنیا میں سب سے پہلا پتھر کس کو ماریں گی؟''

''آم کے درخت کو جہاں ''کیریاں'' لگی ہوں گی۔''

66 ''علم نجوم پر کتنا یقین ہے کبھی نجومی کو ہاتھ دکھایا؟''

''تھوڑا بہت یقین ہے۔ ایک بار دکھایا تھا۔''

67 ''کس کام کو کرنے کے لیے بہت سوچنا پڑتا ہے؟''

''کسی کے انتقال پر ان کے لواحقین سے تعزیت یا افسوس کرنے کے لیے سوچنا پڑتا ہے۔''

68 ''پسندیدہ فوڈ اسٹریٹ؟''

''فوڈ اسٹریٹ تو سب ہی اچھی ہوتی ہیں۔''

69 ''آئینے کو کتنا وقت دیتی ہیں؟''

''شوٹ پہ زیادہ وقت دینا پڑتا ہے ورنہ گھر میں ہوں تو زیادہ نہیں دیتی۔''

70 ''کیا شادی کرنا ضروری ہے؟''

''جی..... بالکل ضروری ہے۔''

71 ''اپنا گزرا کل سوچ کر کیا احساسات ہوتے ہیں؟''

''یہی احساس ہوتا ہے کہ کتنے اچھے دن تھے۔ اب تو ہر طرف موت کا خوف ہے۔ ہر طرف موت کے سائے منڈلا رہے ہیں۔''

72 ''سگنل پر کھڑے ہو کر کس چیز کا جائزہ لیتی ہیں؟''

''سگنل پر سگنل توڑنے والوں کو نوٹ کر رہی ہوتی ہوں۔''

73 ''بچپن میں کون سے فنکار پسند تھے ٹی وی اور فلم کے؟''

''سب ہی اچھے لگتے تھے خواہ وہ ٹی وی کے ہوں یا پھر فلم کے ہوں۔''

74 ''خواتین رائٹرز میں آپ کی پسندیدہ

TAGPK.COM

رائٹرز؟''

''آمنہ مفتی اور عمیرہ احمد۔''

75 ''بچپن میں کون سے گیمز کھیلے؟''

''پتنگ اڑائی، کنچے کھیلے، کرکٹ کھیلی، چھپن چھپائی کھیلا۔ میوزیکل چیئر اور یہ تو ہمیشہ اپنی سالگرہ پر کھیلتی تھی سب کے ساتھ۔''

76 ''کب ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس کرتی ہیں؟''

''کبھی بھی محسوس نہیں کیا۔''

77 ''شاپنگ کے لیے نکلتی ہیں تو سب سے پہلے کس کا خیال آتا ہے؟''

''اپنا ہی خیال آتا ہے۔ اپنے لیے ہی شاپنگ کرتی ہوں۔''

78 ''کبھی چھپ چھپ کر دوسروں کی باتیں سنیں؟''

''نہیں..... میرے سامنے بھی کوئی فون پر بات کر رہا ہو تو مجھے نہیں پتا ہوتا کہ کیا بات ہو رہی ہے۔ کبھی دھیان ہی نہیں دیا، نہ ضرورت محسوس کی اور نہ عادت ہے۔''

79 ''اپنی کمائی کن چیزوں پر خرچ کرتی ہیں؟''

''شاپنگ پر..... پرفیوم لینا۔ کپڑے لینا، اپنی پسند کی چیزیں لینا اور گھومنے پھرنے پر خرچ کرتی ہوں۔''

80 ''ڈیتھ سین آسانی سے کر لیتی ہیں؟''

''جی..... بہت آسانی سے۔''

81 ''اگر آپ کو کسی سلیبریٹی کا انٹرویو کرنا پڑے تو کس کو کریں گی؟''

''کسی کا بھی نہیں۔''

82 ''نیند کتنی پیاری ہے؟''

''بہت پیاری ہے۔ مگر کام بھی بہت ضروری ہے۔''

83 ''آپ کے گھر میں اور کون ہے اس فیلڈ میں..... یا کوئی آنا چاہتا ہے؟''

''کوئی بھی نہیں ہے اور نہ ہی کوئی آنا چاہتا ہے۔''

84 ''بچت کس شکل میں کرتی ہیں؟''

''پرائز بانڈ کی شکل میں۔''

85 ''شادی میں کن رسموں کے خلاف ہیں؟''

''سب رسموں کے خلاف ہوں۔ بہت پیسے خرچ ہو جاتے ہیں۔''

86 ''خواتین آئینے کو زیادہ وقت کیوں دیتی ہیں؟''

''اس لیے کہ فارغ ہوتی ہیں۔''

87 ''آج کی فکر زیادہ ہوتی ہے یا کل کی؟''

''مجھے بس آج کی فکر زیادہ ہوتی ہے۔''

88 ''بستر سے اٹھتے ہی کیا الفاظ منہ سے نکلتے ہیں؟''

''الحمد للہ کہتی ہوں۔ ایک اور زندگی کا دن ملنے پر اس کا شکر ادا کرتی ہوں۔''

89 ''فیملی میں کون مزاج کا گرم ہے؟''

''والد مزاج کے گرم تھے اور میں بھی مزاجاً گرم ہوں۔''

90 ''کچن سے آپ کا لگاؤ؟''

''بہت ہے۔ تھکن کے باوجود بھی کچن کے کام کر سکتی ہوں۔''

91 ''بچپن کا کون سا خواب پورا نہیں ہوا؟''

''بچپن سے ہی اپنا گھر بنانے کا بہت شوق تھا جو پورا نہیں ہوا ابھی تک۔''

92 ''پسندیدہ تہوار؟''

''14 اگست سب سے زیادہ پسند ہے۔''

93 ''جانوروں میں پسندیدہ جانور؟''

''بندر۔''

''اگر آپ کی شہرت کو زوال آ جائے تو؟''

''اللہ کی مرضی۔''

☆

TAGPK.COM

TAGPK.COM

بہنوں کا اپنا ماہنامہ شعاع

ستمبر 2021 کے شمارے کی ایک جھلک

ستمبر 2021

کا شمارہ شائع ہو گیا ہے

- ''پچھتاوے'' اُم ایمان قاضی کا مکمل ناول،
- ''خوشیوں کے راستے'' آسیہ رزاقی کا مکمل ناول،
- ''نورالقلوب'' تنزیلہ ریاض کا ناول،
- ''شام کی حویلی میں'' رخسانہ نگار عدنان کا ناول تکمیل کے مراحل میں،
- ''تلاش ذات کا سفر'' جبین چیمہ کا ناولٹ،
- فرحی نعیم، ریحانہ چوہدری، فرحانہ مہناز، شازیہ الطاف ہاشمی، اور قرۃ العین سکندر کے افسانے،
- ''ریاض فاطمہ اور توقیر حسین'' کا بندھن،
- ''دستک'' معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ،
- ''جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے'' قارئین کے تجربات،
- ''پیارے نبی ﷺ کی پیاری باتیں'' احادیث کا سلسلہ،
- خط آپ کے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

شعاع ہر ماہ پوری محنت سے ترتیب دیتے ہیں، لیکن آپ کے خط ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم اپنی محنت میں کتنے کامیاب ٹھہرے، ہمیں خط لکھنا نہ بھولیے گا۔

شعاع ستمبر 2021 کا شمارہ آج ہی خرید لیں

TAGPK.COM

ماضی کی معروف اداکارہ

غزالہ کیفی سے ملاقات

شاہین رشید

اپنے وقت کی حسین ترین اور باصلاحیت فنکارہ 'غزالہ کیفی' سب کو یاد ہیں..... ہاں نئی نسل ان سے تھوڑی ناواقف ہے اسی لیے اس بار ہم نے غزالہ کیفی صاحبہ کو زحمت دی ہے..... وقت کے ساتھ ساتھ انسان کی زندگی میں بہت تبدیلیاں آتی ہیں..... مگر غزالہ کیفی آج بھی اتنی ہی حسین ہیں جتنی اپنی جوانی میں تھیں..... اور اب تو رعب اور بردباری نے ان کی شخصیت کو اور بھی زیادہ دلکش بنا دیا ہے.....

''کیسے مزاج ہیں آپ کے؟''

''اللہ کا شکر ہے۔''

''ایک مختصر سا انٹرویو کرنا چاہتی ہوں..... دیں گی؟''

''ضرور..... تمہیں کبھی انکار کیا ہے..... تم کو تو انکار کر ہی نہیں سکتی۔''

''بہت شکریہ..... خوش رہیں..... تو پھر شروع کریں؟''

''ضرور۔''

''تو جناب اپنا فیملی بیک گراؤنڈ بتائیے؟''

''میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ والدہ میری حیات ہیں..... اللہ انہیں لمبی عمر عطا کرے۔ والدین کی طرف سے آپ کو بتاؤں کہ اصولوں کے پکے اور تھوڑے سے کنزرویٹو تھے۔ یعنی لڑکیوں کو زیادہ گھر سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں تھی..... ہم دو بہنیں اور دو بھائی ہیں۔ بہن مجھ سے بڑی ہیں اور بھائی مجھ سے چھوٹے ہیں..... اور ماشاء اللہ سب شادی شدہ ہیں۔ اپنے بچوں اور بچوں کے بچوں کے ساتھ خوش حال زندگی گزار رہے ہیں۔ بھائی ملک سے باہر رہتے ہیں جبکہ بہن اسلام آباد میں رہتی ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا کہ والدہ حیات ہیں اور سب کی چہیتی ماں ہیں تو کبھی کسی کے یہاں تو کبھی کسی کے ہاں رہتی ہیں۔''

''کنزرویٹو فیملی کی لڑکی ٹی وی تک کیسے آئی؟''

''کالج میں پڑھتی تھی..... تو معلوم ہوا کہ ''بجیا'' کو اپنے ڈرامے کے لیے ایک نئی لڑکی کی ضرورت ہے..... میں قسمت آزمانے ٹی وی اسٹیشن چلی گئی۔ جہاں بجیا سے ملاقات ہوئی۔ انہیں اپنے سیریل ''شمع'' کے لیے ایک لڑکی چاہیے تھی۔ مجھے دیکھا تو اپنے سیریل کے بک کر لیا..... اور یہ بات ہے 1976ء کی، اس وقت میں کالج میں سیکنڈ ایئر میں پڑھتی تھی..... میرا پہلا ہی سیریل کامیاب ہوا اور بس..... پھر آفرز آنا شروع ہو گئیں..... میں نے کم کام کیا مگر ''کوالٹی ورک'' کیا۔''

''آج کل کیا مصروفیات ہیں..... اور ٹی وی اسکرین کو کیوں چھوڑا.....؟''

''گزشتہ پانچ چھ سال سے میں نے کام بالکل چھوڑ دیا تھا..... پہلے تو پھر بھی کرتی رہتی تھی۔ سال دو سال میں ایک سیریل پی ٹی وی کے وقت میں..... پھر پرائیویٹ چینلز کا دور آ گیا۔ تو سال دو سال میں ایک آدھ پلے کر لیتی تھی..... مگر پھر کام چھوڑ دیا۔ اس کی یہ وجہ نہیں تھی کہ میں کام نہیں کرنا چاہتی تھی۔ بلکہ میری اپنی کچھ گھریلو مصروفیات تھیں..... پھر میں نے یہ بھی محسوس کیا کہ پرائیویٹ پروڈکشن کا کام اتنا معیاری بھی نہیں ہوتا۔ مطلب میں پرائیویٹ پروڈکشن کے کام سے زیادہ مطمئن بھی نہیں تھی..... بس اس لیے کام میں آہستہ آہستہ کمی کرتی گئی تھی۔ مگر اب اسلام آباد اور دیگر جگہوں پر [illegible]

TAGPK.COM

چینلز آ گئے ہیں تو اب میں نے دوبارہ سے کام شروع کیا ہے۔۔۔۔"

"تھوڑی تفصیل بتائیں؟"

"ہم" ٹی وی کے لیے دو پلے کر رہی ہوں۔ ایک "اے آر وائی" کے ساتھ ہے۔ "ہم" ٹی وی کے تو تقریباً ختم ہی ہونے والے ہیں مگر ابھی ریکارڈنگز چل رہی ہیں۔۔۔۔ اسی طرح اے آر وائی کا کام بھی ہو رہا ہے۔۔۔۔ اور لوگوں کے کہنے پر ہی میں نے دوبارہ کام شروع کیا ہے۔ بہت اصرار بڑھتا جا رہا تھا کہ آپ کام کریں۔۔۔۔ آپ کام کیوں نہیں کر رہیں۔۔۔۔ تو پھر سنجیدگی سے سوچا کہ کچھ کر ہی لوں۔"

"لوگوں کا اصرار تو تھا ہی۔۔۔۔ آفرز بھی آتی ہوں گی؟"

"بالکل جی۔۔۔۔ آفرز تو آتی ہی رہتی تھیں اور آتی ہیں۔۔۔۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے عزت اور نام دیا ہوا ہے۔ بہت عزت ملی، لوگوں سے بہت پیار ملا۔۔۔۔ لوگوں نے پوچھا بھی بہت کہ آپ کام کیوں نہیں کر رہیں۔۔۔۔ آپ یقین کریں کہ مجھے ہر چینلز سے کمرشلز کے لیے اور ڈراموں کے لیے کالز آتی رہیں اور آتی ہیں۔۔۔۔ اب آپ اسے میری مصروفیات کہہ لیں یا تھوڑی سی لاپروائی کہہ لیں کہ میں کام نہیں کر پائی کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ میں ٹائم میچ نہیں کر پاتی تھی۔۔۔۔ اب جب یہاں ہم اور دیگر چینلز نے کام شروع کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ میں یہاں آسانی سے کام کر سکتی ہوں۔۔۔۔ اور میں کر رہی ہوں۔۔۔۔ ورنہ تو میرا زیادہ وقت اپنے گھر کی مصروفیات اور بچوں کے ساتھ گزرتا ہے۔۔۔۔ فروری 2021 سے ریکارڈنگ شروع ہوئیں اور اب ان شاء اللہ ختم ہو جائیں گی۔"

"آپ نے کہا کہ بچوں کے ساتھ مصروف رہتی ہوں تو اپنے بچوں کے بارے میں بتائیں؟"

TAGPK.COM

چینلز آ گئے ہیں تو اب میں نے دوبارہ سے کام شروع کیا ہے۔۔۔۔"

"تھوڑی تفصیل بتائیں؟"

"ہم" ٹی وی کے لیے دو پلے کر رہی ہوں۔ ایک "اے آر وائی" کے ساتھ ہے۔ "ہم" ٹی وی کے تو تقریباً ختم ہی ہونے والے ہیں مگر ابھی ریکارڈنگز چل رہی ہیں۔۔۔۔ اسی طرح اے آر وائی کا کام بھی ہو رہا ہے۔۔۔۔ اور لوگوں کے کہنے پر ہی میں نے دوبارہ کام شروع کیا ہے۔ بہت اصرار بڑھتا جا رہا تھا کہ آپ کام کریں۔۔۔۔ آپ کام کیوں نہیں کر رہیں۔۔۔۔ تو پھر سنجیدگی سے سوچا کہ کچھ کر ہی لوں۔"

"لوگوں کا اصرار تو تھا ہی۔۔۔۔ آفرز بھی آتی ہوں گی؟"

"بالکل جی۔۔۔۔ آفرز تو آتی ہی رہتی تھیں اور آتی ہیں۔۔۔۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے عزت اور نام دیا ہوا ہے۔ بہت عزت ملی، لوگوں سے بہت پیار ملا۔۔۔۔ لوگوں نے پوچھا بھی بہت کہ آپ کام کیوں نہیں کر رہیں۔۔۔۔ آپ یقین کریں کہ مجھے ہر چینلز سے کمرشلز کے لیے اور ڈراموں کے لیے کالز آتی رہیں اور آتی ہیں۔۔۔۔ اب آپ اسے میری مصروفیات کہہ لیں یا تھوڑی سی لاپروائی کہہ لیں کہ میں کام نہیں کر پائی کیونکہ بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ میں ٹائم میچ نہیں کر پاتی تھی۔۔۔۔ اب جب یہاں ہم اور دیگر چینلز نے کام شروع کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ میں یہاں آسانی سے کام کر سکتی ہوں۔۔۔۔ اور میں کر رہی ہوں۔۔۔۔ ورنہ تو میرا زیادہ وقت اپنے گھر کی مصروفیات اور بچوں کے ساتھ گزرتا ہے۔۔۔۔ فروری 2021 سے ریکارڈنگ شروع ہوئیں اور اب ان شاء اللہ ختم ہو جائیں گی۔"

"آپ نے کہا کہ بچوں کے ساتھ مصروف رہتی ہوں تو اپنے بچوں کے بارے میں بتائیں؟"

TAGPK.COM

''جی..... میرے ماشاء اللہ چار بچے ہیں۔ ایک بیٹی اور تین بیٹے۔ اور میں ''نانی'' بھی ہوں اور ''دادی'' بھی ہوں بڑے بیٹے کا نام ''سبطین'' ہے اس کے ماشاء اللہ سے دو بیٹے ہیں..... دونوں پڑھتے ہیں..... پھر ''علی'' ہے اس کے بھی دو بچے ہیں ایک بیٹی اور ایک بیٹا..... اس کے بعد میری بیٹی ''سونم'' ہے اس کے بھی دو بچے ہیں۔ ایک بیٹی اور ایک بیٹا..... اور آخر میں ''حسن'' جو ابھی زیر تعلیم ہے۔ اور ایک دو ماہ بعد اسے پڑھائی کے لیے ملک سے باہر جانا ہے..... پوتے پوتیوں کے ساتھ ہر گزرتے وقت کے لیے میں اللہ تعالیٰ کی شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے۔ یہ ''نعمتیں اور رحمتیں'' عطا کی ہوئی ہیں۔ اپنے بچے تو پیارے ہوتے ہی ہیں۔ لیکن بچوں کے بچوں کے ساتھ زیادہ پیار ہوتا ہے۔ جب ان کے ساتھ میں وقت گزارتی ہوں تو مجھے ٹائم گزرنے کا پتا ہی نہیں چلتا۔ میں بالکل اپنا آپ بھول جاتی ہوں کہ میں کون ہوں، کہاں ہوں..... میں کیا کر رہی ہوں..... مجھے بچوں کے ساتھ رہنا، کھیلنا، کھانا پینا سب بہت اچھا لگتا ہے۔ میری نواسی اور نواسا مجھ سے بہت زیادہ اٹیچ ہیں۔ اور انہیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں ان کی سہیلی ہوں..... تو بس ان ساری نعمتوں کے لیے میں اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ شکر گزار ہوں.....''

''آپ آج کل ریکارڈنگ پر جاتی ہیں تو اپنے دور میں اور آج کے دور میں کیا فرق محسوس کرتی ہیں..... ہر لحاظ سے بتایئے گا؟''

''بہت فرق ہے..... ہمارے دور کے کام میں اور آج کے دور کے کام میں۔ اب تو ٹیکنیکل فیلڈ بہت آگے چلی گئی ہے اور ٹیکنالوجی کی وجہ سے ہر چیز بہت مختلف ہوئی ہے۔ بہت فرق آ گیا ہے..... پی ٹی وی کا دور کچھ علیحدہ ہی دور تھا اور اس وقت کام کرنا بہت اچھا لگتا تھا..... ایسا لگتا تھا کہ جیسے ہم سب ایک ہی فیملی ہیں۔ اور اس وقت کا چارم ہی کچھ اور تھا۔ اسٹوڈیو تھا۔ چار کیمرے لگے ہوتے تھے۔ اب ایسا کچھ نہیں ہے۔ سنگل کیمرہ شوٹ ہوتا ہے۔ مائیک ہمارے ساتھ لگے ہوتے ہیں۔ تو یہ تو موٹی موٹی سی باتیں ہیں..... اس دور میں ہم بہت دھیرے دھیرے چل رہے تھے..... اب جس طرح تیزی کے ساتھ زمانہ گزر رہا ہے اس طرح اس فیلڈ میں بھی بہت تیزی کے ساتھ تبدیلیاں آ رہی ہیں..... اس وقت کا فائدہ اس وقت کا نقصان ہے اور اب اس وقت کا فائدہ اس وقت کا نقصان تھا.....

مثلاً ہم نے بہت تھوڑا کام کیا ہے مگر اس کے باوجود ہمارے وقت کے لوگوں کو آج کے دور کے لوگ بھی جانتے ہیں..... جبکہ آج کے دور میں لڑکے اور لڑکیوں (آرٹسٹوں) میں بہت زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ مگر کچھ ہی ہیں جو اپنا نام بنا جاتے ہیں ورنہ تو لوگوں کو یاد ہی نہیں رہتا کہ کون آیا کون گیا..... یا پھر شکل یاد ہوتی ہے مگر نام سے ناواقف ہوتے ہیں.....

اس دور میں بہت تھوڑے لوگ تھے..... سب کو ایک دوسرے کا پتا ہوتا تھا..... اب تو بہت سے چینلز ہیں۔ بہت زیادہ ڈرامے ہیں اور اتنے لوگ ہیں کہ بس آپ دیکھتے چلے جائیں..... پھر تھوڑے دنوں میں آپ بھول بھی جاتے ہیں ڈرامے بھی، آرٹسٹوں کو بھی..... کوئی چہرہ مسلسل نظر آئے تو یاد رہ جاتا ہے ورنہ نہیں..... اب ایڈیٹنگ پہلے کے مقابلے میں بہت اچھی ہونے لگی ہے۔ ٹیکنیکلی سمجھ بوجھ زیادہ ہو گئی ہے..... آپ بچوں کی ہی مثال لے لیں۔ ہم جب چھوٹے تھے تو ٹی وی دیکھ لیتے تھے اور باہر آؤٹ ڈور گیمز کھیل لیا کرتے تھے تو اچھی خاصی ایکسر سائز ہو جاتی تھی۔

اب ایسا نہیں ہے بچوں کے ہاتھ میں ''آئی پیڈ'' اور موبائل ـــ ہیں..... اب بچوں کے پاس گھر سے باہر کھیلنے کے لیے ٹائم ہی نہیں ہے۔ گیمز بھی موبائل میں ہی کھیل رہے ہوتے ہیں..... ہم جب کام کرتے تھے تو ہمیں اپنے اردو تلفظ کا بہت خیال رکھنا پڑتا تھا..... زبان کی وضع داری کا خیال رکھا جاتا

TAGPK.COM

تھا۔ عامیانہ زبان استعمال نہیں کرتے تھے..... جبکہ اب بہت عام سی زبان بولی جاتی ہے..... زبان وبیان میں بہت فرق آ گیا ہے..... تو کچھ اگر اچھا ہوا ہے تو کچھ برا بھی ہوا ہے۔ مطلب بچوں کی زبان خراب ہوتی ہے..... اب کچھ فرق نہیں پڑتا کہ ہم کیا دکھا رہے ہیں۔ بچے اور بڑے کیا دیکھ رہے ہیں۔ پہلے شادی کے سین بھی بہت تہذیب کے دائرے میں ہوتے تھے۔ مگر اب بہت بے ہودگی اور بے باکی آ گئی ہے پہلے ہم فلموں سے بھاگتے تھے، بڑوں کے ساتھ دیکھنے میں کہ ایسا رومانس دکھایا جاتا تھا کہ شرم آتی تھی..... اب سب کچھ ٹی وی ڈراموں میں دکھایا جا رہا ہے۔ تو کچھ چیزیں اچھی ہوئیں تو کچھ بری بھی ہوئی ہیں۔

''پہلے اسٹوڈیو کے اندر سیٹ لگتے تھے اب سب کچھ آؤٹ ڈور ہوتا ہے۔ یہ تبدیلی کیسی ہے؟''

''اسٹوڈیو میں سیٹ لگا کر ریکارڈنگ کرنا زیادہ آسان تھا..... مائیک ہوتا تھا اور چار کیمرے..... ہمارا کام ایک یا ڈیڑھ گھنٹے میں مکمل ہو جاتا تھا..... اب آؤٹ ڈور کی مشکلیں زیادہ ہیں۔ موسم اگر گرم ہے تو ریکارڈنگ کے وقت ''اے سی'' وغیرہ بند ہو جاتے ہیں..... اسٹوڈیو میں اے سی مسلسل چلتے رہتے تھے اور پسینہ نہیں آتا تھا۔ اب لوڈ شیڈنگ اتنی ہوتی ہے..... تو مشکل بھی بہت ہوتی ہے اور گرمی کی وجہ سے پسینے بھی بہت آتے ہیں تو اب ہم صحیح معنوں میں جو کما رہے ہیں وہ ہمارے خون پسینے کی کمائی ہوتی ہے۔

اس دور میں آسانیاں زیادہ تھیں اور مشکلیں کم تھیں۔ اب آسانیاں کم ہیں اور مشکلیں زیادہ ہیں بہت ٹف جاب ہے اب کی..... پہلے ایک سین ایک گھنٹے مکمل ہو جاتا تھا اب آج کل سنگل کیمرہ ہوتا ہے اور ایک سین چار بار شوٹ ہوتا ہے مختلف اینگل کے ساتھ تو ڈیڑھ سے دو گھنٹے تو لگ ہی جاتے ہیں..... کافی فرق آ گیا ہے لائٹنگ میں، ایڈیٹنگ میں کیمرہ

ورک میں۔

تو بہتری تو بہت آئی ہے۔ میک اپ میں بھی کافی تبدیلیاں آئی ہیں۔ پہلے ہماری توجہ میک اپ پر کم اور کام پر زیادہ ہوتی تھی۔ اب لڑکیوں کے لیے میک اپ زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ سین سے پہلے۔ سین کے درمیان پھر اختتام پر..... مطلب میک اپ کا رجحان بہت بڑھ گیا ہے تو وقت کے ساتھ ساتھ اچھا بھی بہت ہوا ہے اور برا بھی ہوا ہے۔''

''پہلے ''سوپ'' نہیں ہوتے تھے۔ صرف تیرہ اقساط پر محیط سیریل ہوا کرتے تھے..... آپ کچھ کہیں گی اس بارے میں؟''

''یہ سوپ والا سلسلہ تو انڈیا سے آیا ہے۔ اور یہ سلسلہ چل رہا ہے۔ لوگ اسے شوق سے دیکھ بھی رہے ہیں۔ وہ طبقہ اور وہ خواتین جو صرف گھر داری کرتی ہیں۔ جن کے پاس کوئی دوسری مصروفیات نہیں ہیں انہیں اس طرح کے سیریلز اچھے لگتے ہیں..... اس طرح کے سیریلز ان لوگوں کے لیے نقصان دہ ہیں جہاں ساس بہو اور دیگر لوگ مل کر رہتے ہیں۔ کہیں کچھ سیکھنے کو مل جاتا ہے کہیں نہیں بھی

TAGPK.COM

ملتا — ہمارے لوگ انڈیا کو فالو کر رہے ہیں جن کی لڑکیاں میک اپ کر کے سوتی ہیں اور میک اپ کر کے اٹھتی ہیں..... ایسا عام گھرانوں میں یا رئیل گھرانوں میں کہاں ہوتا ہے۔

میرے حساب سے یہ سوپ صرف اور صرف وقت کا زیاں ہے۔ چینل کی کمائی، فنکاروں کی کمائی کا ایک ذریعہ بنا ہوا ہے۔ کہانی کا کوئی سر پیر نہیں ہوتا اور وہ چلے جا رہا ہوتا ہے۔ چلے جا رہا ہوتا ہے۔ پچھلی قسط کو تھوڑا دکھاتے ہیں تو دس منٹ اس کے لیے وقف ہو گئے۔ دس منٹ کمرشل کے اور بیس منٹ نئی قسط کے..... اس طرح آدھا پون گھنٹہ نکل جاتا ہے۔ سب کمرشل پوائنٹ آف ویو سے چل رہے ہوتے ہیں ان میں دم نہیں ہوتا..... سوپ کے فنکار بھی پھر اس لحاظ سے جاب ہی کر رہے ہوتے ہیں کہ صبح اٹھے اور شوٹ پر آ گئے۔ سال ڈیڑھ سال چلتے ہیں یہ سوپ سچی بات یہ ہے کہ میں تو بالکل بھی سوپ کے حق میں نہیں ہوں۔''

''آپ ٹی وی ڈرامے ریگولر دیکھتی ہیں یا کبھی کبھار؟''

''میں ریگولر ڈرامے نہیں دیکھتی۔ لیکن جب مجھے چاروں طرف سے یہ آواز سنائی دیتی ہے کہ فلاں سیریل بہت اچھا ہے۔ آپ ضرور دیکھیں تب میں دیکھتی ہوں..... تو گزشتہ کچھ عرصہ قبل صبا قمر کا ایک سیریل دیکھا تھا نام یاد نہیں آیا۔ ''پھانس'' مجھے اچھا لگا وہ دیکھا اور آج کل آن ایئر سیریل ''آخر کب تک'' دیکھ رہی ہوں..... اے آر وائی، جیو اور ہم ٹی وی کے ڈرامے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ ٹی ون سے ایک پلے چلا تھا۔ ''دل نا امید تو نہیں'' اس میں یمنیٰ زیدی کی اداکاری بہت اچھی تھی۔ پلے بھی بہت اچھا تھا..... اور اسے دیکھ کر مجھے ''صبیحہ خانم'' کی فلم ''اک گناہ اور سہی'' یاد آ گئی۔ کہانی میں دم ہو تو وہ سیریل خود بخود آپ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ہر کوئی اپنے مزاج کے حساب سے کہانی کو پسند کرتا ہے کسی کو رومانٹک پلے اچھے لگتے ہیں تو کسی کو ہارر اور مجھے وہ کہانیاں اچھی لگتی ہیں جن میں لڑکیوں کے مسائل پر بات ہو جیسے ''آخر کب تک'' اور ''پھانس'' وغیرہ اور ہاں صبا قمر کا سیریل ''چیخ'' تھا وہ بہترین تھا تو جن ڈراموں میں کوئی پیغام ہو وہ اچھے لگتے ہیں۔ البتہ ساس بہو کے جھگڑے والے ڈرامے مجھے اچھے نہیں لگتے۔ جائیداد پر بنے ڈرامے، یا دو لڑکیاں ایک لڑکا..... یا دو لڑکے ایک لڑکی..... اس طرح کے ڈرامے مجھے قطعی پسند نہیں ہیں۔ عشق و محبت سب سچائی ہے مگر ڈراموں کے ذریعے اتنا پرچار نہ کریں۔''

''سوشل میڈیا کے بارے میں آپ کیا کہیں گی؟ اچھا ہے یا برا؟ آپ ہیں سوشل میڈیا پر؟''

''سوشل میڈیا اگر اچھا ہے تو وہاں برا بھی ہے ایک منٹ میں کوئی بھی ویڈیو وائرل ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ جان بوجھ کر بھی پیسہ لگا کر وائرل کرواتے ہیں اور اپنی پبلسٹی کا ذریعہ بناتے ہیں اور جن لوگوں کو سوشل میڈیا کے بارے میں زیادہ سن گن نہیں ہوتی جب ان کی ویڈیو وائرل ہوتی ہے تو پھر ان کے لیے نقصان دہ ثابت ہوتی ہے..... میرے حساب سے سوشل میڈیا بچوں اور بچیوں کے لیے بہت برا ہے خاص طور پر ٹین ایج کے بچوں کے لیے..... کیونکہ بہت سی ایسی چیزیں بھی نظر آ رہی ہوتی ہیں جو ان کے ذہن اور دماغ کے لیے مناسب نہیں ہوتیں..... اور والدین تو ہر وقت نگرانی نہیں کر سکتے..... آج کل تو میں دیکھتی ہوں کہ تین سال، چار سال کے بچوں کے ہاتھ میں بھی موبائل ہوتے ہیں وہ گیمز کھیلتے کھیلتے کہیں اور بھی نکل جاتے ہیں جو کہ ٹھیک نہیں ہے۔ پھر غلطیاں ہو جاتی ہیں اور بلیک میل بھی ہوتے ہیں۔ کہنے کو تو ترقی کر رہے ہیں مگر بچوں کے ذہنوں پر بہت برے اثرات پڑ رہے ہیں۔

یہ سب قیامت کی نشانیاں نہیں تو کیا ہیں..... میں ہوں سوشل میڈیا پر مگر زیادہ ایکٹیو نہیں ہوں۔

TAGPK.COM

''ہم کہنے کو مسلمان ہیں..... مگر آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب کوئی ایوارڈ کی یا کوئی بھی بڑی تقریب ہوتی ہے تو ہماری نوجوان لڑکیاں کس طرح کے لباس میں آتی ہیں..... جو کہ باعث شرم ہوتی ہیں..... یہ زمانے کی ضرورت ہے یا.....؟''

''اس بارے میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ آپ بھی دیکھتی ہیں، میں بھی..... لڑکیاں اپنے آپ کو کور کر کے بھی فیشن کر سکتی ہیں۔ عورت کی عزت اس کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ تو جب آپ خود اپنی عزت کی حفاظت نہیں کریں گی تو پھر دوسروں سے کیا شکوہ.....

''میں سمجھتی ہوں کہ ''مشرقی لباس'' میں جتنی خوب صورتی ہے اور کسی لباس میں نہیں ہے..... آپ لمبے کرتے چوڑی دار پاجامے اور چنری دوپٹہ لیں آپ بہت خوب صورت نظر آئیں گی..... اس طرح کے بہت سے لباس ہیں جو یونیک اور باوقار ہیں انہیں پہنیں آپ کی عزت میں اضافہ ہی ہوگا۔ لیکن اچھا ذوق ہر انسان کے پاس نہیں ہوتا..... لڑکیاں سمجھتی ہیں کہ شاید ہم اس طرح ماڈرن کہلائیں گی۔ تو ان کی یہ سوچ بہت غلط ہے۔''

اور کیا مصروفیات ہیں سیاست، کھیل، کوکنگ وغیرہ؟''

''سیاست مجھے بالکل بھی پسند نہیں ہے۔ اسکول کے زمانے میں ہر طرح کے گیمز کھیلتی تھی بیڈ منٹن اور باسکٹ بال کھیلا کرتی تھی۔ اب صرف ـــ دیکھنے کی حد تک شوق رہ گیا ہے۔ کھانا بنانے کا شوق بھی ہے اور بنا بھی لیتی ہوں۔ پہلے بہت کوکنگ کرتی تھی۔ پھر خانساماں رکھا تو کوکنگ چھوڑ دی۔ جب خانساماں نہ ہو تو پھر میں ہی کوکنگ کرتی ہوں..... میرے گھر والوں کو میرے ہاتھ کا پکا بہت پسند آتا ہے۔ باقی سب سے ملنا جلنا رہتا ہے کہ خاندانی رکھ رکھاؤ کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔''

''اپنے دور کے لوگوں سے ملنا جلنا رہتا ہے؟''

''جی..... جی بالکل رہتا ہے۔ بشریٰ انصاری،

حمیرا ظہیر، سائرہ کاظمی اور دیگر..... سب کے ساتھ بہت اچھے تعلقات ہیں۔ فیلڈ کے علاوہ اسکول کالج کے زمانے کے لوگوں سے بھی ملنا جلنا رہتا ہے اور بہت اچھا بھی لگتا ہے۔ ملک کے اندر ہوں یا ملک سے باہر، سب سے رابطہ رہتا ہے۔''

''کچھ اور کہنا چاہیں گی؟''

''بس یہی کہ محبت کریں، محبت بانٹیں۔ ایک دوسرے کا خیال رکھیں۔ یہ نہ دیکھیں کہ اس کے پاس زیادہ کیوں ہے اور میرے پاس کم کیوں ہے..... سب کو اپنے نصیب اور اپنی محنت کا ملتا ہے..... ہماری خواہشات لامحدود ہیں اور خواہشات ہی ہمیں مارتی ہیں۔''

اس کے ساتھ ہی ہم نے انٹرویو کا اختتام کیا۔

TAGPK.COM

TAGPK.COM

سفر تمام ہوا

امت الصبور

رُخ چودھری رخصت ہوگئیں۔

انسان کی حقیقت بس اتنی ہے۔ زندگی نامی چیز کا اعتبار ہی نہیں۔ کسی بھی موڑ پر خاموشی سے، ہاتھ چھڑا کر رخصت ہوجاتی ہے۔ بے بسی سی بے بسی ہے۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا، یہ گورکھ دھندا کیا ہے اور کیوں ہے۔

نہ ابتدا کی خبر ہے، نہ انتہا معلوم
رہا یہ وہم کہ ہم ہیں، سو وہ بھی کیا معلوم

[illegible] سے بات ہوئی تو اس نے بتایا کہ صبح تک بالکل ٹھیک تھی۔ فجر کی نماز کے بعد چاشت کی نماز پڑھی۔ دن کے گیارہ بجے کے قریب دل میں درد اٹھا اور وہ خاموشی سے دنیا کو الوداع کہہ گئی۔

رخ چودھری نے ادارہ خواتین کے پرچوں کے لیے بہت لکھا۔ متعدد ناول، ناولٹ، افسانے۔ ایک وقت تھا، جب تینوں پرچوں میں اس کا نام ضرور شامل ہوتا تھا۔ وہ مہینے میں ایک بار اور کبھی دو بار بھی آفس ضرور آتی تھی۔ کبھی ناہید ساتھ ہوتی اور کبھی ریحانہ۔ ناول کی قسط دینے کے لیے وہ ہمیشہ خود آتی تھی۔ وہ ہمارے ساتھ گھنٹوں بیٹھتی۔ ہم ہلکی پھلکی باتیں کرتے۔ وہ بہت غور سے میری باتیں سنتی تھی اور عمل بھی کرتی تھی۔ اپنے چھوٹے چھوٹے مسئلے بتاتی۔

بہت سالوں پہلے جب وہ اپنی پہلی تحریر لے کر آئی تھی۔ میں نے اس کا ناول پڑھا تو محسوس کیا کہ رخ میں لکھنے کی صلاحیت ہے۔ وہ اچھا لکھ سکتی ہے۔ تحریر میں روانی اور تاثر تھا لیکن کہانی بہت سطحی تھی۔ میں نے کہا۔ ''رخ! تم نے اس کہانی میں جس مسئلے کو اٹھایا ہے، اسے بہت سطحی انداز میں لکھا ہے۔ تم میں صلاحیت ہے۔ تم اس کہانی میں کوئی بڑا موڑ لاؤ۔''

کچھ دن پہلے کراچی یونیورسٹی کی ایک طالبہ میرے پاس اپنا مسئلہ لے کر آئی تھی۔ میں نے رخ کو اس لڑکی کی کہانی سنائی کہ اس لڑکی نے کس طرح دھوکا کھایا تھا۔ رخ خاموشی سے سنتی رہی۔ میں نے محسوس کیا اس کے چہرے کا رنگ اڑ گیا تھا۔

دو دن بعد وہ ناول دوبارہ لکھ کر لائی تو بہت پریشان نظر آرہی تھی، کہنے لگی۔ ''امتل! میں دو راتوں سے سو نہیں سکی ہوں۔ مجھے بار بار اس لڑکی کا خیال آرہا تھا۔''

مجھے بہت افسوس ہوا کہ میں نے اسے پریشان کردیا۔ کچھ عرصہ بعد میں نے محسوس کیا کہ اس کی مزاحیہ تحریریں بہت پسند کی جاتی ہیں تو میں نے اس سے کہا۔ ''رخ! تمہاری تحریر میں مزاح کا رنگ ہے۔ بہتر ہوگا، تم مزاح پر توجہ دو۔ اس طرح تم اپنا ایک منفرد مقام بنا سکتی ہو۔''

اس کے بعد اس نے زیادہ تر ہلکی پھلکی مزاحیہ تحریریں ہی لکھیں جو بے حد پسند کی گئیں۔

اب تو خواتین ڈائجسٹ میں لکھنے والی بہت سی رائٹر مختلف چینلز کے لیے لکھ رہی ہیں، اس وقت زیادہ چینلز نہیں تھے۔ قیصر خان نظامانی نے اس کے ایک ناول پر جو ہمارے ہاں شائع ہوا تھا، ایک سیریل بنائی تھی جو بے حد کامیاب ہوئی۔

کئی دفعہ ایسا ہوا کہ وہ قسط لکھ کر لائی، میں نے اس سے کہا۔ رخ! یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس میں تبدیلی کرلو تو بہتر ہوسکتی ہے۔ وہ بہت غور سے بات سنتی اور پھر فوراً مان جاتی۔

میں اس سے اکثر کہتی تھی۔ رخ! تم مطالعہ پر توجہ دو۔ اچھی کتابیں پڑھو۔ اس سے تمہارے تخیل میں وسعت پیدا ہوگی اور تمہارے موضوعات میں بھی

TAGPK.COM

تنوع آئے گا۔ انسان کا تجربہ محدود ہوتا ہے، مشاہدے کی بھی ایک حد ہوتی ہے لیکن مطالعہ ہمیں بہت سی دنیاؤں سے روشناس کراتا ہے۔ اگر دیر تک لکھنا چاہتی ہو تو پڑھا کرو۔

ریاض صاحب رخ کی تحریریں بہت پسند کرتے تھے۔ جب بھی آفس آتی، وہ اس سے ضرور ملتے۔ وہ بھی ان کی بہت عزت کرتی تھی۔ بڑے احترام سے بات کرتی۔

ایک دن وہ ریاض صاحب کے پاس بیٹھی تھی، وہ پوچھنے لگے۔ ''رخ! آپ نے نادرہ خاتون کی کتابیں پڑھی ہیں؟'' رخ نے بے ساختہ کہا۔ ''سر! میں نے آج تک کوئی بھی کتاب نہیں پڑھی۔ میں تو پرچے بھی نہیں پڑھتی۔'' ریاض صاحب کو بہت حیرانی ہوئی۔ انہوں نے نادرہ خاتون کا ناول شعاع پڑھنے کے لیے دیا لیکن شاید وہ اسے پڑھ نہیں سکی۔

اپنی والدہ کے انتقال کے بعد وہ بہت بجھ گئی تھی۔ اس نے لکھنا بھی بہت کم کر دیا تھا۔ کرن میں اس کا ناول شائع ہوا لیکن وہ اب آفس نہیں آتی تھی۔ ریاض صاحب کے انتقال کے بعد اس نے ہمارے آفس آنا چھوڑ دیا تھا۔ اس لیے میری اس سے بہت کم ملاقات ہوتی تھی۔

آخری بار میری اس سے ملاقات سائرہ کے بھائی کی شادی میں ہوئی تھی۔ مجھے دیکھا تو لپک کر آئی اور بہت محبت سے گلے ملی، کہنے لگی۔ ''امتل! آپ تو سدا بہار ہیں، بالکل نہیں بدلیں۔ بہت اچھی لگ رہی ہیں۔''

مجھے اس دن بخار تھا۔ چکر آ رہے تھے۔ یقیناً تکلیف کے آثار چہرے پر بھی ہوں گے۔ رخ نے کہا تو مجھے ہنسی آ گئی۔

میں نے کہا۔ ''رخ! یہ صرف تمہاری محبت ہے۔ ویسے بدلی تو تم بھی نہیں ہو، ویسی ہی سادہ اور مخلص دوست۔''

وہ بہت سادہ دل اور نیک فطرت تھی۔ طبیعت میں بے حد مروت اور لحاظ تھا۔ میں نے اس کی زبان سے کبھی کسی کی برائی نہیں سنی۔ سب کی خوشیوں میں شریک ہوتی۔ اس کے جانے سے ایک اچھی دوست سے محروم ہو گئی ہوں۔

جب ہم سفر ایک ایک کر کے داغ مفارقت دے جائیں تو تنہائی کا احساس گہرا ہو جاتا ہے۔

آنے والوں کو ایک دن جانا ہی ہوتا ہے لیکن اچھے لوگوں کی یادیں ایک کسک بن کر دل میں رہتی ہیں۔ رخ چودھری ان اچھے لوگوں میں شامل ہے۔ ہم سب اسے کبھی نہ بھول پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ رخ چودھری کی مغفرت فرمائے، اسے عذاب قبر سے محفوظ رکھے اور جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے، آمین۔

☆

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لئے خوبصورت ناول

شائع ہو گئے ہیں

☆ فصل غم کا گوشوارہ — رضیہ جمیل — قیمت: -/300 روپے

☆ زرد موسم — راحت جبیں — قیمت: -/1000 روپے

☆ حساب دل رہنے دو — نبیلہ عزیز — قیمت: -/400 روپے

خوبصورت سرورق
خوبصورت چھپائی
مضبوط جلد
آفسٹ پیپر

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37۔ اردو بازار، کراچی۔ فون: 32216361

TAGPK.COM

نادرہ خالون

ہمسفر

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
خواتین ڈائجسٹ۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:Info@khawateendigest.com

مثل یاقوت ..... انگلینڈ

آپ کے رسالوں سے تو بہت پرانا رشتہ ہے۔ جب مطلب سمجھ میں بھی نہیں آتا تھا تب سے پڑھتی ہوں۔ اللہ بخشے میرے ابو بھی کبھار اپنے ایک دوست کے گھر سے (ان کی بیٹی پڑھتی تھی) تکیے کے غلاف میں بھر کر آپ کے ادارے کے تینوں رسالے لاتے تھے اور اس دن میری خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا تھا۔ کیا دن تھے وہ بھی، بے فکری کا دور اور ہر چیز سے خوشیاں کشید کرنے کا زمانہ..... ہر کام کرتے ہوئے رسالہ پڑھنا بڑا ضروری تھا حتیٰ کہ جھاڑو لگاتے وقت بھی ہاہاہا اور خاص طور پر کھانا کھاتے ہوئے میرا کھانے کا مزہ دوبالا ہو جاتا تھا نیند سے بھی مرغ مسلم لگتے تھے۔ ہاہاہا۔

کبھی کبھی ہی امی غصہ کرتی تھیں ورنہ میں ہر کام تمام پر کر کے انہیں شکایت کا کوئی خاص موقع نہیں دیتی تھی۔ (میرا تو یہی خیال ہے اب آگے کچھ کہہ نہیں سکتے ہاہاہا) کیا نمونے تھے ہم بھی۔ میری امی نے مجھے اسکول جانے سے پہلے اردو ہجے کر کے پڑھانا شروع کروا دیا تھا اور ان کو بہت شوق تھا کہ اسکول جاؤں کیونکہ وہ خود بھی پڑھی لکھی خاتون ہیں۔

مئی کے رسالے میں بہن زرینہ خانم کا خط پڑھا ان کے بھائی کی بیماری کا پڑھ کر دکھ ہوا اللہ ان کو صبر اور حوصلہ دے۔ ان کا ایک جملہ ''جب دعائیں دوائیں کچھ بھی کام نہیں آتیں'' پر کہنا چاہوں گی کہ دعائیں کبھی ضائع نہیں جاتیں اگر اس وقت آپ کی دعا اللہ نے اس مقصد کے لیے جس کے لیے آپ نے مانگی قبول نہیں کی تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ کام نہیں آئے گی رائیگاں چلی گئی۔ وہ اللہ کے پاس محفوظ ہے اور آپ کی زندگی میں یا مرنے کے بعد کام آئے گی، احادیث کے مطابق تو میں یہی سمجھی ہوں باقی واللہ اعلم۔

اردو ادب پڑھنے کے باوجود بہت بے ادب ہوں یہ کالج میں میری سہیلیوں کا کہنا تھا اور اب تو ادھر انگریزوں کے منہ دیکھ دیکھ کر مزید ''چار چاند'' لگ گئے ہیں اس کے باوجود آپ کی کہانیوں میں مسجع و مقفیٰ اردو پڑھ کر بہت اچھا لگتا ہے کہ بہت سے الفاظ استعمال نہ ہونے کی وجہ سے ذہن کے پچھلے گوشے میں چلے گئے ہیں۔ اچانک نظر کے سامنے آتے ہیں تو اچھا لگتا ہے۔

ج: پیاری مثل یاقوت! بہت پیارا نام ہے آپ کا بالکل منفرد اور انوکھا۔ آپ نے ہماری محفل میں شرکت کی۔ دلی مسرت ہوئی۔ وطن سے اتنی دور دیار غیر میں بیٹھ کر بھی اردو اور مطالعہ سے آپ کا تعلق جڑا ہوا ہے۔

ہمیں اندازہ ہے باہر رہنے والی قارئین کو پرچے تاخیر سے ملتے ہیں، آپ پرچا پڑھ کر ہمیں ای میل ضرور کیجیے گا۔ ہم آپ کا خط آئندہ شمارے میں شامل کر لیں گے۔

ڈاکٹر فریال خان ..... ڈی جی خان

فرزانہ کھرل! کیا کمال کا لکھا۔ مزا آ گیا یوں سمجھ لیں۔ اب پورا اگست میرا بہترین گزرنے والا ہے کیونکہ میں اس کو کم و بیش چار سے پانچ مرتبہ پڑھنے والی ہوں۔ کہانی میں اتنا الجھاؤ اور پھر سمجھاؤ تھا کہ بار بار پڑھتی ایسے لائن کو۔ پڑھنے کے بعد جو حظ آیا ہے اور جو خوشی ہو رہی ہے کیا بتاؤں۔ آپ کو ایک پیار بھری چپی ڈالنا چاہتی ہوں۔ کوئی ماریں کو روتا کو بہت ہو گیا۔ آ گئی ویکسین۔ لگوا

TAGPK.COM

بھی لی سب نے۔ کیا جاندار کہانی اور کیا جان دار انداز۔ کمال کر دیا اور حیران کر دیا۔

ویسے آپ مجھے بھی مبارک باد دیں کہ میں بھی لکھاری بن گئی ہوں۔ پتا ہے کیسے۔ میرے خط خواتین اور شعاع دونوں میں شائع ہوتے ہیں تو کیا میں لکھاری نہیں ہوں۔ آپ ہی انصاف کریں۔ آپ سے ڈھیروں شکوے کرنے ہیں، شکایات کرنی ہیں۔ مجھے پیزا اور آئس کریم سے منائیں تب جا کے میں مانوں گی۔

چلیں جی سب سے پہلے تو ''رنگ ریز میرے'' عفت سحر کا۔ مزہ بھی آ رہا ہے پڑھنے میں۔ اب یہ نہ ہو کہ اگلے مہینے قسط شائع نہ ہو اور ہمارا دل اٹکا رہ جائے۔ ''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' ایک دم سے رخ بدلتا ہے کیا کہنے بھئی۔ ''درنایاب'' قرۃ العین نے اچھا لکھا لیکن خاص نہیں۔ ناولٹ ''تقدیر بدلتی ہے'' نے بہت متاثر کیا کہ ماں باپ کی محبت بھی کیا چیز ہے، اولاد جو بھی کرے باپ کچھ سخت ہو جاتا ہے لیکن ماں نہیں۔ میں آپ کے ادارے کے توسط سے تمام بچیوں کو یہی کہوں گی پلیز پیار محبت کے چکر میں ان ماں باپ کا خیال کر لیا کریں۔ اور ماں باپ کے سامنے ہاتھ جوڑ کے گزارش ہے کہ برائے مہربانی اپنے بچوں کو اعتماد دیں، پیار دیں اور غیر شرعی رسموں اور رواجوں کی بھینٹ مت چڑھائیں اور نہ ہی بچے پل ہیں کہ یہ آپ کو آپ کے نکمے رشتے داروں سے جوڑیں گے۔ افسانے لکھنے والے تو کمال کرتے ہیں وہ بس ایک یوں سمجھ لیں کہ ایک فقرے میں ہی ساری بات کو سمیٹ کے اور لپیٹ کے ہمارے ہاتھوں میں تھما دیتے ہیں۔ انٹرویو میں رائٹرز کے انٹرویو مجھے بڑا مزا دیتے ہیں۔ ویسے ایک درخواست پلیز یہ تو پرچہ مہینے میں دوبار آئے یا صفحے بڑھائیں۔ ویسے میں تو سمجھتی تھی آپ میرے اتنے مہینوں کی غیر حاضری پہ ضرور ہی مجھے فون پھڑکا دیں گی میرے کان ترس گئے پر نہ جی ظالموں نے خبر ہی نہ لی۔

ج: پیاری فریال! الٹی گنگا بہنا اسی کو کہتے ہیں۔ ایک تو چپ چاپ غائب ہو گئیں، اوپر سے ہم سے ناراضی کا اظہار بھی۔ قارئین ہر ماہ خطوں میں ہم سے پوچھتے ڈاکٹر صاحبہ کہاں غائب ہیں۔ ہم کیا بتاتے ہمیں تو [illegible] کہاں مصروف ہیں اور فون کیسے کرتے

خیر چلیں جانے دیں۔ محبتوں میں شکایتیں تو ہوتی ہیں۔ شکوے بھی اپنوں سے ہی کیے جاتے ہیں۔ ہمارے لیے تو یہی کافی ہے کہ آپ محفل میں لوٹ آئی ہیں۔

فرزانہ کھرل تک آپ کی تعریف پہنچا رہے ہیں۔ چھٹی کو فی الحال ملتوی کر دیں۔ کرونا بہت ظالم حقیقت ہے۔ آپ سے بہتر یہ بات کون جانتا ہوگا۔

فرزانہ کھرل سے جو سوالات پوچھنا چاہتی ہیں، فوراً بھجوائیں۔ اگلے ماہ ہم ان کا انٹرویو کرنے والے ہیں۔

ہادیہ عابد چیمہ..... حافظ آباد

میں پانچویں میں تھی جب سے میں نے خواتین اور کرن پڑھنا شروع کیا۔ اور اب میں نویں میں ہوں۔ مجھے کرن اور خواتین سے بہت لگاؤ ہے۔ ''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' بہت ہی مزے کی اسٹوری ہے۔ ''عفت سحر'' باجی کی اسٹوری ''رنگ ریز میرے'' اف اللہ کیا اسٹوری ہے۔ عفت باجی میری آپ سے ایک اپیل ہے کہ نزہت کو ایک اچھی اور قدر کرنے والی ساس بنا دیں۔ مائرہ کو کہیں دور بھیج دیں۔ اور حریم کے حالات اچھے کر دیں۔ بس اور کچھ نہیں۔ ''متاع'' ام ایمان قاضی نے بہت اچھا لکھا ہے۔ ''محبت کو نج ہے سائیں'' فرح بھٹو نے بھی بہت اچھا لکھا ہے۔ میری ایک خواہش ہے خواتین کی رائٹرز سے کہ قسط وار ناول کے صفحات زیادہ کریں۔

ج: پیاری ہادیہ! ہمیں بہت خوشی ہوئی کہ آپ نے ہماری محفل میں شرکت کی۔ ہم اپنی چھوٹی سی قاری بہن کو خوش آمدید کہتے ہیں جو اتنی چھوٹی عمر سے ہمارے پرچے پڑھ رہی ہے۔

بہت اچھا خط لکھا ہے آپ نے ہم آپ کا پیغام مصنفین تک پہنچا رہے ہیں۔

گڑیا راجپوت..... گجرات

میں ناراض تھی، خود سے، آپ سے اور پورے ڈائجسٹ سے۔ اس لیے خاموش تھی، اس خود ساختہ ناراضی کو ختم کیا شہزادی نذیر نے۔ تھینک یو شہزادی۔ چلو کوئی تو ہے جو مجھے شوق سے پڑھتا ہے۔ خط ہی سہی۔ ورنہ تو میرے سات میں سے چھ ناولٹ، ناول اور افسانے ری جیکٹ ہو چکے ہیں۔ یعنی میرے اندر کوئی قابلیت ہی نہیں۔

14 اگست کے حوالے سے ایک ناول یا افسانہ تک نہ

TAGPK.COM

تھا۔ ''تقدیر بدلتی ہے'' جبین چیمہ کو پہلی بار پڑھا۔ ناولٹ کا عنوان پڑھ کر ہی اختتام کا اندازہ لگا لیا تھا۔ ''درنایاب'' نے بور کیا۔ ''وہ میرے کیسری پھول'' میں نے مہینے کے اینڈ لیے رکھ لیا ہے۔ فرزانہ کھرل کو سمجھ سمجھ کر فرصت سے نا پڑتا اس لیے تبصرہ اگلے ماہ ہی کروں گی۔ افسانے کی میں جھانکا تو چار افسانے نظر آئے۔ (کاش میرا بھی لگ ئے) مجھے لگتا ہے افسانہ صرف لطف لینے کے لیے نہیں ہوتا کا تعلق ناول اور ناولٹ سے زیادہ زندگی کے مسائل سے ہے۔ افسانے سارے اچھے تھے۔

نازیہ رزاق سے ملاقات اتنی مزے کی رہی کہ میں اس دیو کو دو بار پڑھ چکی ہوں اور تیسری بار پڑھنے کا ارادہ ہے، ٹیلنٹ ہے محترمہ میں اور آئندہ ان کا کوئی ناول مس کروں گی۔ انشاجی نے تو ''کاہلی'' میرے لیے ہی لکھی ی۔ جنید اختر سے باتیں ہو ہی رہی تھی کہ ایک خوب صورت کی میرے کندھے سے لٹک گئی۔ میری پیاری بھتیجی..... آپ کو سلام بول رہی ہے آپ بھی میٹھا سا پیار دے دیں۔ ں مہینے کی ہے اور ماشاءاللہ بہت ایکٹیو..... جیسے ہی فلائٹس کھلیں سعودی عرب چلی جائے گی۔ مجھے تو سوچ کے رونا آتا ہے۔ بھائی سعودیہ میں ہیں، پوری فیملی وہی سیٹل ہو رہی ہے۔ ہمیں بھی پاسپورٹ بنانے کا کہا ہے۔ عمرے کے لیے اللہ خیر رکھے آپ بھی دعا کر دیجیے گا۔

ج: پیاری گڑیا! آپ سب سے ناراض ہو جایا کریں بس خود سے ناراض نہ ہوا کریں۔ آپ خود سے بت نہیں کریں گی، تو دوسرے آپ سے کیوں محبت کریں گے۔ اپنی قدر کریں۔ آپ دنیا میں ایک ہی تو ہیں دوسری وئی گڑیا نہیں ہو سکتی۔

اپنی پیاری سی بھتیجی کو ہماری طرف سے پیار دیں۔ آپ کی بھتیجی ہے تو ذہین تو ضرور ہو گی۔

زینب نور..... جہانیاں

راحت جبیں کی ''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' کیا بات ہے جناب، کیا بات ہے مراد کے چہرے پہ اترتا سکون اور نرمین کے ابا کے چہرے پہ پھیلا انتشار یوں سمجھ لیں کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ مجھے لگتا تھا ثریا کے چاچے کے بیٹے سے اقصیٰ کی شادی ہو جائے گی مگر..... راحت جی! کر دیجیے شادی۔ ابھی بھی کچھ نہیں بگڑا دیکھی جائے گی۔

''سکندر اعظم کی آمد'' راشدہ رفعت ہر بار کی طرح کیا خوب موضوع لائیں۔

گل ارباب ''مریض عشق'' مریض شوگر لگی۔ اب کی بار کہانی ذرا اچھی تھی۔ کم از کم پنچ پھلاں رانی اور سپنوں کی شہزادی سے تو اچھی تھی۔ میری پانچوں بہنوں کی گل ارباب کی کہانیوں کے بارے میں رائے ہے کہ ''یہ رومانس بالکل بھی اچھا نہیں لکھتیں۔ اور ہم تو حیران ہوئے یہ جان کر کہ ان کی کہانیاں ان کے ابا جی پڑھ کر داد بھی دیتے ہیں۔ بولڈ رومینس نہیں ہوتا مگر ابا جی کے پڑھ کر داد دینے والا بھی نہیں ہوتا۔ (گل ارباب، معذرت، مگر پسند اور اظہار رائے کا حق محفوظ رکھتے ہیں ہم..... دل آزادی کے لیے پھر سے معذرت)

ماہم بشیر کا بچپن پر تبصرے کا شدت سے انتظار ہے۔ پیارا سا تبصرہ املی جیسا کھٹا میٹھا مزیدار۔

آپ اسی کاغذ کے ذریعے پلیز میرے سوال کا جواب دے دیں۔ سمیرا حمید آپ کے لکھے ہوئے بائیس صفحات میں کچھ اضافہ ہوا یا نہیں؟

سوال یہ ہے کہ..... سدرۃ المنتہیٰ آپ کا مبہم انداز پیچ دار جملے گنجلک راستوں سے گزرے الفاظ (اگر میں آؤں تو کیا مجھے سکھا دیں گی آپ؟) اور اس قدر خشک موضوع، چوبیس گھنٹوں میں کسی پہر لکھتی ہیں؟ کیا کوئی مخصوص وقت! کہ جس میں ذہن کی ساری گرہیں کھل جاتی ہوں اور الفاظ الہام ہوتے ہوں۔ جملے جادو نگری پہ برستے تاروں کی طرح برستے ہوں۔

ج: پیاری زینب! آپ کے سوالوں کے جواب تو سمیرا حمید اور سدرۃ المنتہیٰ ہی دیں گی۔ ہم ان کے جواب شائع کر دیں گے۔ رنگ ریز میرے کی کہانی کھل چکی ہے۔ عفت سحر نے خود ہی بتا دیا ہے کہ حریم کی شادی عباد سے نہیں زیاد سے ہوئی ہے۔ ویسے ہمیں تو کبھی نہیں لگا کہ حریم کی شادی عباد سے ہوئی ہے۔

ناہید اسماعیل..... کراچی

''کہنی سنی'' ہمیشہ کی طرح مختصر اور پر اثر ہے۔ پھر بڑھے اس محفل میں شامل ہونے پر جو پیاری بہنوں کے رنگا رنگ خطوط اور آپ کے محبت بھرے جوابات سے سجی ملی چند ایک کو چھوڑ کر اکثر نئے نام نظر آئے مگر سب کے تبصرے گے۔ تبسم بشیر کئی ماہ سے غیر حاضر ہیں،

TAGPK.COM

خیریت تو ہے نا؟ کوثر خالد صاحبہ بھی کافی عرصے سے نہیں لکھ رہیں۔ بلوچ سسٹرز بھی غائب، آخر یہ سب کہاں ہیں؟ ہم ان سب کو یاد کررہے ہیں۔ ریحانہ چوہدری آئیں مگر تبصرہ مختصر۔ زینب نور نے ہمیں یاد کیا، بہت شکریہ۔ ہماری بہن ڈیسنٹ پرسنالٹی کے الفاظ پر خاصی جز بز ہوگئیں۔ ''ہنہ..... ڈیسنٹ، کوئی ہم سے پوچھے'' ہم نے بھی جواباً لاپروائی سے شانے اچکائے۔ ''دنیا جلتی ہے'' کہہ کر انہیں اور تپادیا۔ زینب آپ کو رائٹرز کی صف میں کھڑا ہونے پر بہت مبارک باد۔ آپ کی تحریر کی بے ساختہ روانی اور پختگی دیکھ کر لگا ہی نہیں کہ بالکل ہی نئی رائٹر نے لکھا ہے۔

راحت جبیں کا ناول ان کے مخصوص دل نشیں انداز میں اپنے عنوان کی طرح خوب صورت ہے۔ کسی قاری بہن نے سو فیصد درست کہا تھا کہ ایسی تحریر جو سوشل میڈیا، موبائل اور انٹرنیٹ کے ذکر بغیر کے بھی بہترین ہے۔

''وہ میرے کیسری پھول'' شعاع میں خواتین کے اشتہار میں یہ آرٹسٹک عنوان دیکھتے ہی ہم نے سوچا تھا کہ اگر اس پر رائٹر کا نام نہ بھی ہوتا تب بھی ہم پہچان لیتے کہ یہ فرزانہ کھرل ہیں۔ ان کے خوب صورت الفاظ اور دلکش تشبیہات بے جان شے میں بھی جان ڈال دیتے ہیں۔ جیسے آنکھوں کی لالی کے ساتھ ہلکورے لیتی اک باادب سی خوشبو اور یہ کہ سیاہ ڈوری میں سے جھلکتا خوش کن ریشم۔ اب پشیمانی کی کیفیت میں تھی کہ کسی ایک غلط ٹانکے نے سب کچھ الجھا دیا تھا، واہ بہت خوب..... تحریر زبردست تھی اور کرداروں کے نام منفرد۔ اب اس تحریر کا سحر نہ جانے کب تک ہمیں اپنے حصار میں رکھے گا۔ قرۃ العین خرم کا ناول بھی اچھا لگا۔ در نایاب کو رشتوں کی ناقدری کا بدلہ سوکن کی شکل میں ملا۔ جبیں چیمہ صاحبہ کو جب بھی پڑھا، یہ محسوس ہوا کہ حساس اور بامقصد موضوعات ان کی تحریروں کا خاصا ہیں۔

افسانوں میں ''وقت کا آئینہ'' سبق آموز تحریر تھی۔ سچ ہے، کچھ لوگوں کی نظر اپنے رویوں پر جاتی ہی نہیں۔ ثنا پری وش کی تحریر نے ہلکے پھلکے انداز میں کچے ذہنوں کی رہنمائی کی۔ ''پتھر کا بت'' ساس بہو کا روایتی تعلق بیان کرتی دکھائی دی۔ ''محبت ہم سفر'' نند بھاوج کی چپقلش۔ ماہا کے بھائی بیوی کے ہم نوا، فصیحہ نے نیک نیتی کے ساتھ خلوص و محبت کا راستہ اپنایا، سو خوشیاں اس کا مقدر بنیں۔

''کرن کرن روشنی'' میں قرآن مجید کے موضوع پر مفید معلومات ملیں۔ ''ذکر کابلی کا'' پڑھتے گئے، مسکراتے گئے۔ رائٹرز کے انٹرویوز کا سلسلہ ہمارا پسندیدہ ترین ہے۔ نازیہ رزاق کا انٹرویو اچھا لگا۔

پچھلے چند ماہ کی اکثر تحریریں اس قدر شان دار تھیں کہ دل بے اختیار چاہ رہا ہے کہ ان میں سے کچھ کا تو ضرور ذکر کرتے چلیں۔ عنیزہ سید کی تحریر ''سو سے صفر''۔ عنیزہ جی کا انداز بیاں کیا خوب کہ اختتام پر ہم اپنی آنکھوں کو بھیگنے سے نہ روک پائے اور رلایا تو عالیہ بخاری نے بھی، خوشی کی محرومیوں پر۔ دل کررہا تھا کہ دونوں رائٹرز سے درخواست کریں کہ پلیز اختتام بدل دیں۔ جبیں چیمہ کی تحریر ''صاحب، بی بی اور غلام'' میں میاں جی، قمرن اور شکورا کے کردار کیا خوب تھے۔ اختتام بھی خوش گوار تھا۔ ''دل کو بددعا ہے'' بے حد بدتمیز اور تند خو گوہر، اس کی زہر فشاں باتوں پر غصہ، ترس اور کبھی ہنسی آئی۔ خوب صورت جملے۔ ضدی، انا پرست محبت کی جنوں خیزی، منفرد کرداروں کے ساتھ ایک اچھی تحریر۔ ''سکندر اعظم کی آمد'' دلچسپ عنوان، کرداروں کے خوب صورت نام۔ راشدہ رفعت کے مخصوص دھیمے اور میٹھے انداز میں لکھی تحریر دل کو جیسے سکون دے گئی۔ قرۃ العین خرم کی مختصر تحریریں ''بانٹ'' اور ''کرونا والی گلی'' سبق اور نصیحت کے ساتھ ساتھ۔

پچھلے کئی ماہ سے ہر رسالے پر تبصرے کا دل چاہا لیکن کبھی طبیعت کی خرابی تو کبھی کچھ ایسے حالات آڑے آگئے کہ کوشش کے باوجود لکھ نہ سکے لیکن زندگی کے حالات جو بھی رہے، ڈائجسٹ سے ناتا کبھی نہیں ٹوٹا کیونکہ بقول پیاری سمیرا حمید ''بات تو تعلق کی ہے''۔ کبھی یہ سہیلی ہے تو کبھی مشفق استاد، کہیں ڈھارس ہے تو کہیں محبت، کہیں ماں بیٹی کی دوستی جیسا ہے تو کہیں بچپن کے اس کھلونے جیسا جو ہمیشہ سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ لفظوں سے بندھے دل کے تار، دوری ہے ملنا ملانا بھی نہیں لیکن محبت تو ہے۔ یہ خوب صورت الفاظ سمیرا حمید کے ہیں، انہوں نے جس طرح سالگرہ کے موقع پر ڈائجسٹ کو خراج تحسین پیش کیا، ہم اش اش کر اٹھے۔

☆ پیاری ناہید! جہاں تعلق محبتوں کا ہو، وہاں معذرت کا کیا کام۔ آپ ناراض ہوئیں، ہمیں افسوس ہوا کہ آپ کے دل کو تکلیف پہنچی لیکن ہماری مجبوری تھی۔ ہم سخت الفاظ خواہ وہ کسی کے لیے ہوں، کبھی شائع نہیں کرتے۔ خصوصاً مصنفین کے سلسلے میں بہت محتاط رہتے ہیں۔ آپ سوچ بھی نہیں

TAGPK.COM

خیریت تو ہے نا؟ کوثر خالد صاحبہ بھی کافی عرصے سے نہیں لکھ رہیں۔ بلوچ سسٹرز بھی غائب، آخر یہ سب کہاں ہیں؟ ہم ان سب کو یاد کررہے ہیں۔ ریحانہ چوہدری آئیں مگر تبصرہ مختصر۔ زینب نور نے ہمیں یاد کیا، بہت شکریہ۔ ہماری بہن ڈیسنٹ پرسنالٹی کے الفاظ پر خاصی جز بز ہوگئیں۔ ''ہنہ..... ڈیسنٹ، کوئی ہم سے پوچھے'' ہم نے بھی جواباً لاپروائی سے شانے اچکائے۔ ''دنیا جلتی ہے'' کہہ کر انہیں اور تپادیا۔ زینب آپ کو رائٹرز کی صف میں کھڑا ہونے پر بہت مبارک باد۔ آپ کی تحریر کی بے ساختہ روانی اور پختگی دیکھ کر لگا ہی نہیں کہ بالکل ہی نئی رائٹر نے لکھا ہے۔

راحت جبیں کا ناول ان کے مخصوص دل نشیں انداز میں اپنے عنوان کی طرح خوب صورت ہے۔ کسی قاری بہن نے سو فیصد درست کہا تھا کہ ایسی تحریر جو سوشل میڈیا، موبائل اور انٹرنیٹ کے ذکر بغیر کے بھی بہترین ہے۔

''وہ میرے کیسری پھول'' شعاع میں خواتین کے اشتہار میں یہ آرٹسٹک عنوان دیکھتے ہی ہم نے سوچا تھا کہ اگر اس پر رائٹر کا نام نہ بھی ہوتا تب بھی ہم پہچان لیتے کہ یہ فرزانہ کھرل ہیں۔ ان کے خوب صورت الفاظ اور دلکش تشبیہات بے جان شے میں بھی جان ڈال دیتے ہیں۔ جیسے آنکھوں کی لالی کے ساتھ ہلکورے لیتی اک باادب سی خوشبو اور یہ کہ سیاہ ڈوری میں سے جھلکتا خوش کن ریشم۔ اب پشیمانی کی کیفیت میں تھی کہ کسی ایک غلط ٹانکے نے سب کچھ الجھا دیا تھا، واہ بہت خوب..... تحریر زبردست تھی اور کرداروں کے نام منفرد۔ اب اس تحریر کا سحر نہ جانے کب تک ہمیں اپنے حصار میں رکھے گا۔ قرۃ العین خرم کا ناول بھی اچھا لگا۔ در نایاب کو رشتوں کی ناقدری کا بدلہ سوکن کی شکل میں ملا۔ جبیں چیمہ صاحبہ کو جب بھی پڑھا، یہ محسوس ہوا کہ حساس اور بامقصد موضوعات ان کی تحریروں کا خاصا ہیں۔

افسانوں میں ''وقت کا آئینہ'' سبق آموز تحریر تھی۔ سچ ہے، کچھ لوگوں کی نظر اپنے رویوں پر جاتی ہی نہیں۔ ثنا پری وش کی تحریر نے ہلکے پھلکے انداز میں کچے ذہنوں کی رہنمائی کی۔ ''پتھر کا بت'' ساس بہو کا روایتی تعلق بیان کرتی دکھائی دی۔ ''محبت ہم سفر'' نند بھاوج کی چپقلش۔ ماہا کے بھائی بیوی کے ہم نوا، فصیحہ نے نیک نیتی کے ساتھ خلوص و محبت کا راستہ اپنایا، سو خوشیاں اس کا مقدر بنیں۔

''کرن کرن روشنی'' میں قرآن مجید کے موضوع پر مفید معلومات ملیں۔ ''ذکر کابلی کا'' پڑھتے گئے، مسکراتے گئے۔ رائٹرز کے انٹرویوز کا سلسلہ ہمارا پسندیدہ ترین ہے۔ نازیہ رزاق کا انٹرویو اچھا لگا۔

پچھلے چند ماہ کی اکثر تحریریں اس قدر شان دار تھیں کہ دل بے اختیار چاہ رہا ہے کہ ان میں سے کچھ کا تو ضرور ذکر کرتے چلیں۔ عنیزہ سید کی تحریر ''سو سے صفر''۔ عنیزہ جی کا انداز بیاں کیا خوب کہ اختتام پر ہم اپنی آنکھوں کو بھیگنے سے نہ روک پائے اور رلایا تو عالیہ بخاری نے بھی، خوشی کی محرومیوں پر۔ دل کررہا تھا کہ دونوں رائٹرز سے درخواست کریں کہ پلیز اختتام بدل دیں۔ جبیں چیمہ کی تحریر ''صاحب، بی بی اور غلام'' میں میاں جی، قمرن اور شکورا کے کردار کیا خوب تھے۔ اختتام بھی خوش گوار تھا۔ ''دل کو بددعا ہے'' بے حد بدتمیز اور تند خو گوہر، اس کی زہر فشاں باتوں پر غصہ، ترس اور کبھی ہنسی آئی۔ خوب صورت جملے۔ ضدی، انا پرست محبت کی جنوں خیزی، منفرد کرداروں کے ساتھ ایک اچھی تحریر۔ ''سکندر اعظم کی آمد'' دلچسپ عنوان، کرداروں کے خوب صورت نام۔ راشدہ رفعت کے مخصوص دھیمے اور میٹھے انداز میں لکھی تحریر دل کو جیسے سکون دے گئی۔ قرۃ العین خرم کی مختصر تحریریں ''بانٹ'' اور ''کرونا والی گلی'' سبق اور نصیحت کے ساتھ ساتھ۔

پچھلے کئی ماہ سے ہر رسالے پر تبصرے کا دل چاہا لیکن کبھی طبیعت کی خرابی تو کبھی کچھ ایسے حالات آڑے آگئے کہ کوشش کے باوجود لکھ نہ سکے لیکن زندگی کے حالات جو بھی رہے، ڈائجسٹ سے ناتا کبھی نہیں ٹوٹا کیونکہ بقول پیاری سمیرا حمید ''بات تو تعلق کی ہے''۔ کبھی یہ سہیلی ہے تو کبھی مشفق استاد، کہیں ڈھارس ہے تو کہیں محبت، کہیں ماں بیٹی کی دوستی جیسا ہے تو کہیں بچپن کے اس کھلونے جیسا جو ہمیشہ سنبھال کر رکھا جاتا ہے۔ لفظوں سے بندھے دل کے تار، دوری ہے ملنا ملانا بھی نہیں لیکن محبت تو ہے۔ یہ خوب صورت الفاظ سمیرا حمید کے ہیں، انہوں نے جس طرح سالگرہ کے موقع پر ڈائجسٹ کو خراج تحسین پیش کیا، ہم اش اش کر اٹھے۔

☆ پیاری ناہید! جہاں تعلق محبتوں کا ہو، وہاں معذرت کا کیا کام۔ آپ ناراض ہوئیں، ہمیں افسوس ہوا کہ آپ کے دل کو تکلیف پہنچی لیکن ہماری مجبوری تھی۔ ہم سخت الفاظ خواہ وہ کسی کے لیے ہوں، کبھی شائع نہیں کرتے۔ خصوصاً مصنفین کے سلسلے میں بہت محتاط رہتے ہیں۔ آپ سوچ بھی نہیں

TAGPK.COM

سکتیں، یہ اہل قلم کتنے حساس دل رکھتے ہیں۔ ایک تلخ، ترش جملہ ان کی تخلیقی صلاحیت کو مجروح کر دیتا ہے۔ وہ پھر لکھ نہیں پاتیں۔ اس لیے ہمیں ان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

آپ ہماری محفل میں واپس آ گئیں، ہمارے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ ہم نے ہمیشہ آپ کے تبصروں کو سراہا ہے اور آپ کے طویل خط بھی شائع کیے ہیں۔

ویسے آپ کا تبصرہ پڑھ کر ہمیشہ ایک ہی بات سوچتے ہیں کہ آپ نے کبھی افسانوں پر طبع آزمائی کیوں نہیں کی؟

عنبر حسین، مریم حسین..... گجرات

ان تمام چاند چہروں کو سلام جو سر آئینہ اور پس آئینہ روشنی بکھیرنے میں مصروف ہیں۔ ابا کے لائے ہوئے ان صفحات کو دیکھ کر یاد آیا کہ کتنی مدت گزر گئی، آپ سے بات کیے ہوئے۔ ابا کو گئے تین سال ہو گئے اور آج بہت ساری یادیں بھی ساتھ ہی اکٹھی ہو گئی ہیں۔ پہلا خط انہوں نے ارسال کیا تھا اور وہ آپ نے شائع بھی کر دیا تو ان کی خوشی اور ایکسائٹمنٹ ہم سے بھی زیادہ تھی۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے، آمین۔

اس ماہ یعنی اگست کا خواتین ہاتھ میں ہے اور امر محال ہے اس دریا کو کوزے میں سمونا۔ لیکن مدیر صاحب کی ''کہنی سنی'' سے استفادہ کرتے ہیں جنہوں نے نہایت جامع انداز سے ہر بات پہنچا دی۔

''کرن کرن روشنی'' بہت اچھا لگا۔ بہت زیادہ تحریک ملی قرآن حکیم سے اور استفادہ کرنے کی، اور زیادہ غور کرنے کی۔

نازیہ رزاق سے ملاقات اچھی رہی۔ ان کا بے تحاشا سبزے والا گھر اور گھر کے مکین اور ماحول بہت اچھا لگا اور خاص طور پر ان کی اسٹیپ مدر نے بہت متاثر کیا۔ سب کو سلام۔

''میرے وہ کیسری پھول'' اصل میں تو اس نے ہماری کاہلی پر کاری ضرب لگائی۔ فرزانہ! آپ بہت خوب صورت ہیں۔ اتنا پیارا سوچا، اتنا اچھا لکھا کہ پڑھتے ہوئے ایک فسوں سا طاری رہا۔ چاندنی کا ہالہ اپنے اردگرد محسوس ہوتا رہا اور کیسری پھولوں کی خوشبو کو بکھیلتی ہوئی محسوس ہوئی اور محبت زندہ، سانس لیتی ہوئی لگی۔ کیا کہانی لکھی ہے، تہذیب کی کہانی، حسن خلق کی کہانی، احسن عمل کی کہانی اور یہی تو جان لیوا انداز ہیں فرزانہ کے۔ کوئی نہ کہے کہ آج کل ہمایوں اور دیوان صاحب جیسا کون ہوتا ہے؟ اب شاید واقعی نہ ہو لیکن یہ روایات ہیں ہمارے پرکھوں کی کہ پناہ دیں تو دل و جان سے حفاظت بھی کریں۔ اب یہ روایات اٹھ گئیں تو خلوص اور محبت بھی ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ اب ان باتوں پر اور ان اعمال کے بارے میں لکھنا چاہیے، شاید اگلی نسل میں سے ان کی انگلی تھام کر کوئی ان کو ساتھ لے چلے۔ اس کہانی کے بارے میں علیحدہ سے خط لکھنا پڑے گا فرزانہ کو۔

میرے پاس فرزانہ کی کہانیوں کی پوری کلیکشن ہے۔ لوک داستانوں کا سحر لیے ہوئے، ان کی ہر تحریر اور ان کے کردار پڑھنے والے کو ساتھ ہی باندھ لیتے ہیں جیسے ''قسام مالک'' مست اور مگن اپنی محبت میں..... اور ورثہ تیمور اپنی خودداری برقرار رکھنے کے لیے بے حال۔ ہر ہر جملہ جان لیوا اور دل موہ لینے والا۔ جیتی رہیے فرزانہ!

آپ کے چاند چہروں میں سے ایک چہرہ راحت جبیں بچپن سے ہی بہت پسند ہیں (کہ ہم نے بچپن میں ہی شروع کر دیا تھا ڈائجسٹ پڑھنا)۔ ان کی کہانیوں کی فضا بہت ہی مانوس ہوتی ہے۔ ان کے کھیتوں، کھلیانوں، چڑیوں، درختوں اور سادہ لوحوں کی کہانیاں ہمیشہ سے دل کے بہت قریب رہیں۔ جن سے ہماری مٹی کی خوشبو چپک کر رہ گئی ہے۔ ''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' کے یہ کردار نرمین، رشیداں اور مراد ہمیں بھی حوصلہ دے رہے ہیں۔ لیکن بہت دکھی ہوتی ہے اسٹوری۔ ''کوئی تو چارہ گری کو اترے، کوئی مسیحا ادھر بھی آئے''۔ باقی کرداروں پر تبصرہ ادھار رہا۔

قرۃ العین کی ''درنایاب'' اوور آل ٹھیک تھی کہانی۔

جبیں چیمہ کی ''تقدیر'' موضوع اور سبق کے لحاظ سے بہت اچھی اور سبق آموز تھی۔

افسانے ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔ ''ٹو دی پوائنٹ'' بات تھوڑے سے جملوں میں بڑی سی بات۔

دیگر مستقل سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔ عدنان بھائی کا ابتدائیہ بہت عمدہ تھا۔ دل جیتنے کے سارے ہی نسخے۔ شاعری ہمیشہ سے ہی جان ہے اور بہت اچھی کلیکشن تھی جو باتیں رہ گئی ہیں، وہ اگلی بار پر ادھار رہیں۔

☆ پیاری عنبر اور مریم! اب تک کہاں تھیں، اتنا خوب صورت تبصرہ..... اتنی صاف ستھری، دلکش لکھائی اور اتنا پیارا

TAGPK.COM

سکتیں، یہ اہل قلم کتنے حساس دل رکھتے ہیں۔ ایک تلخ، ترش جملہ ان کی تخلیقی صلاحیت کو مجروح کر دیتا ہے۔ وہ پھر لکھ نہیں پاتیں۔ اس لیے ہمیں ان کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔

آپ ہماری محفل میں واپس آ گئیں، ہمارے لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی کیا بات ہو سکتی ہے۔ آپ جانتی ہیں کہ ہم نے ہمیشہ آپ کے تبصروں کو سراہا ہے اور آپ کے طویل خط بھی شائع کیے ہیں۔

ویسے آپ کا تبصرہ پڑھ کر ہمیشہ ایک ہی بات سوچتے ہیں کہ آپ نے کبھی افسانوں پر طبع آزمائی کیوں نہیں کی؟

عنبر حسین، مریم حسین..... گجرات

ان تمام چاند چہروں کو سلام جو سر آئینہ اور پس آئینہ روشنی بکھیرنے میں مصروف ہیں۔ ابا کے لائے ہوئے ان صفحات کو دیکھ کر یاد آیا کہ کتنی مدت گزر گئی، آپ سے بات کیے ہوئے۔ ابا کو گئے تین سال ہو گئے اور آج بہت ساری یادیں بھی ساتھ ہی اکٹھی ہو گئی ہیں۔ پہلا خط انہوں نے ارسال کیا تھا اور وہ آپ نے شائع بھی کر دیا تو ان کی خوشی اور ایکسائٹمنٹ ہم سے بھی زیادہ تھی۔ اللہ ان کی مغفرت فرمائے، آمین۔

اس ماہ یعنی اگست کا خواتین ہاتھ میں ہے اور امر محال ہے اس دریا کو کوزے میں سمونا۔ لیکن مدیر صاحب کی ''کہنی سنی'' سے استفادہ کرتے ہیں جنہوں نے نہایت جامع انداز سے ہر بات پہنچا دی۔

''کرن کرن روشنی'' بہت اچھا لگا۔ بہت زیادہ تحریک ملی قرآن حکیم سے اور استفادہ کرنے کی، اور زیادہ غور کرنے کی۔

نازیہ رزاق سے ملاقات اچھی رہی۔ ان کا بے تحاشا سبزے والا گھر اور گھر کے مکین اور ماحول بہت اچھا لگا اور خاص طور پر ان کی اسٹیپ مدر نے بہت متاثر کیا۔ سب کو سلام۔

''میرے وہ کیسری پھول'' اصل میں تو اس نے ہماری کاہلی پر کاری ضرب لگائی۔ فرزانہ! آپ بہت خوب صورت ہیں۔ اتنا پیارا سوچا، اتنا اچھا لکھا کہ پڑھتے ہوئے ایک فسوں سا طاری رہا۔ چاندنی کا ہالہ اپنے اردگرد محسوس ہوتا رہا اور کیسری پھولوں کی خوشبو کو بکھیلتی ہوئی محسوس ہوئی اور محبت زندہ، سانس لیتی ہوئی لگی۔ کیا کہانی لکھی ہے، تہذیب کی کہانی، حسن خلق کی کہانی، احسن عمل کی کہانی اور یہی تو جان لیوا انداز ہیں فرزانہ کے۔ کوئی نہ کہے کہ آج کل ہمایوں اور دیوان صاحب جیسا کون ہوتا ہے؟ اب شاید واقعی نہ ہو لیکن یہ روایات ہیں ہمارے پرکھوں کی کہ پناہ دیں تو دل و جان سے حفاظت بھی کریں۔ اب یہ روایات اٹھ گئیں تو خلوص اور محبت بھی ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ اب ان باتوں پر اور ان اعمال کے بارے میں لکھنا چاہیے، شاید اگلی نسل میں سے ان کی انگلی تھام کر کوئی ان کو ساتھ لے چلے۔ اس کہانی کے بارے میں علیحدہ سے خط لکھنا پڑے گا فرزانہ کو۔

میرے پاس فرزانہ کی کہانیوں کی پوری کلیکشن ہے۔ لوک داستانوں کا سحر لیے ہوئے، ان کی ہر تحریر اور ان کے کردار پڑھنے والے کو ساتھ ہی باندھ لیتے ہیں جیسے ''قسام مالک'' مست اور مگن اپنی محبت میں..... اور ورثہ تیمور اپنی خودداری برقرار رکھنے کے لیے بے حال۔ ہر ہر جملہ جان لیوا اور دل موہ لینے والا۔ جیتی رہیے فرزانہ!

آپ کے چاند چہروں میں سے ایک چہرہ راحت جبیں بچپن سے ہی بہت پسند ہیں (کہ ہم نے بچپن میں ہی شروع کر دیا تھا ڈائجسٹ پڑھنا)۔ ان کی کہانیوں کی فضا بہت ہی مانوس ہوتی ہے۔ ان کے کھیتوں، کھلیانوں، چڑیوں، درختوں اور سادہ لوحوں کی کہانیاں ہمیشہ سے دل کے بہت قریب رہیں۔ جن سے ہماری مٹی کی خوشبو چپک کر رہ گئی ہے۔ ''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' کے یہ کردار نرمین، رشیداں اور مراد ہمیں بھی حوصلہ دے رہے ہیں۔ لیکن بہت دکھی ہوتی ہے اسٹوری۔ ''کوئی تو چارہ گری کو اترے، کوئی مسیحا ادھر بھی آئے''۔ باقی کرداروں پر تبصرہ ادھار رہا۔

قرۃ العین کی ''درنایاب'' اوور آل ٹھیک تھی کہانی۔

جبیں چیمہ کی ''تقدیر'' موضوع اور سبق کے لحاظ سے بہت اچھی اور سبق آموز تھی۔

افسانے ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔ ''ٹو دی پوائنٹ'' بات تھوڑے سے جملوں میں بڑی سی بات۔

دیگر مستقل سلسلے بھی ہمیشہ کی طرح اچھے تھے۔ عدنان بھائی کا ابتدائیہ بہت عمدہ تھا۔ دل جیتنے کے سارے ہی نسخے۔ شاعری ہمیشہ سے ہی جان ہے اور بہت اچھی کلیکشن تھی جو باتیں رہ گئی ہیں، وہ اگلی بار پر ادھار رہیں۔

☆ پیاری عنبر اور مریم! اب تک کہاں تھیں، اتنا خوب صورت تبصرہ..... اتنی صاف ستھری، دلکش لکھائی اور اتنا پیارا

TAGPK.COM

ہائی وے پر ٹرالر اور کار کا شدید ایکسیڈنٹ ہوتا ہے ٹرالر کا ڈرائیور بھاگ جاتا ہے، کار بری طرح پچک جاتی ہے۔ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا مرد اور اگلی نشست پر ہی بیٹھی عورت خون میں لت پت ہیں۔ ریسکیو عملے کا انتظار ہے کہ وہ آئے تو گاڑی کی باڈی کاٹ کر لاشیں نکالی جائیں اسی وقت گاڑی سے ایک بچے کے رونے کی آواز آتی ہے۔

ہاسپٹل میں چار لوگ آئی سی یو کے باہر بیٹھے ہیں نرس باہر آ کر کہتی ہے آپ کے پیشنٹ کو ہوش آ گیا ہے۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔

سرخ پھولوں سے سجی گاڑی پوش ایریا کے ایک بنگلے کے آگے رکتی ہے تو۔ دولہا کی ماں ملازمہ سے کہتی ہے کہ دلہن کو لے کر اندر آؤ۔ ملازمہ دلہن کو بیڈ روم میں بٹھا کر جانے لگتی ہے تو دلہن اس سے سر درد کی گولی مانگتی ہے۔ ملازمہ کہتی ہے کہ چائے بھی لے آؤں۔

دولہا کمرے میں آتا ہے۔ تو وہ اس کی شکل دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے۔ وہ ایک بچی کو لے کر آتا ہے کہ اس کے لیے میں نے تم سے شادی کی ہے۔

نرمین کو ہواؤں میں اڑنے اور اونچے خواب دیکھنے کا شوق ہے حریم اس کی چھوٹی بہن اسے سمجھاتی ہے۔

نرمین کی سہیلی سجل کہتی ہے کہ تمہیں عباد وسیم پوچھ رہا تھا۔

نرمین اپنی دوست صوما کی سالگرہ میں جانے کی ضد کرتی ہے لیکن اس کی اماں کو اعتراض ہوتا ہے کہ جوان جہان لڑکی آدھی رات کو سالگرہ میں سے واپس آئے گی تو محلے والے کیا کہیں گے۔ اس کے اصرار پر ابا سے جانے کی اجازت

عفت سحر طاہر

رنگ ہے دل میرا

TAGPK.COM

TAGPK.COM

TAGPK.COM

TAGPK.COM

دے دیتے ہیں لیکن اس کی اماں ناراض ہی رہتی ہیں۔

نرمین صوما کی سالگرہ کی تقریب میں (جو کہ تھیم پر تھی) گھر سے تیار ہو کے نہیں جاتی بلکہ سجل کے گھر سے تیار ہو کر جاتی ہے۔ راستے میں سجل رانا سعید سے عباد وسیم کے متعلق بات کرتی ہے کہ رانا سعید عباد کا دوست ہے وہ عباد سے نرمین کی دوستی کرا دے۔ وہ کہتا ہے کہ اپنی دوست کو بربادی کے راستے پر مت ڈالو۔ پارٹی میں نرمین کی عباد سے ملاقات ہوتی ہے لیکن وہ یمنی الطاف کے ساتھ ہوتا ہے۔ اگلی ملاقات میں سجل بتاتی ہے کہ عباد وسیم، رانا سعید سے تمہارا پوچھ رہا تھا۔ نرمین بے یقین ہوتی ہے۔

وہ اپنے حواس میں نہیں تھی فیملی ڈاکٹر فریحہ کی ولیمے کی صبح اس کا چیک کرنے آیا تو اس نے کہا کہ شاکڈ اور ڈپریسڈ ہیں۔ میڈیسن دیں آرام کرائیں شام تک بہتر ہو جائیں گی۔

سجل نرمین کو آفس کے بعد لے کر کلب آ جاتی ہے نرمین کا موڈ آف ہے۔ وہاں ان کی ملاقات عباد وسیم سے ہوتی ہے۔ دونوں کے درمیان رکھائی سے بات چیت ہوتی ہے۔ عباد وسیم ان کے جوس کا بل ادا کر دیتا ہے۔ نرمین کو برا لگتا ہے۔

نصرت زلفی کو کہتی ہیں کہ اٹھ کر دکان پر چلا جا لیکن وہ نہیں سنتا۔ وہ نرمین کی ہم راہی کا خواب دیکھتا ہے نصرت کہتی ہیں کہ وہ پڑھی لکھی لڑکی تجھ سے شادی سے انکار کر دے گی۔ زلفی کہتا ہے کہ وہ میرے بچپن کی منگ ہے۔

نرمین کے پاس چھٹی والے دن عباد کا فون آتا ہے کہ وہ اس کے ساتھ دن گزارنا چاہتا ہے۔ نرمین، سجل کے گھر کا بہانہ کر کے اس کے بتائے ہوئے ریسٹورنٹ میں اس کا انتظار کرتی ہے۔

عباد وسیم کے ساتھ ایک بھرپور دن گزار کر نرمین خوشی خوشی گھر لوٹ آتی ہے۔ نرمین کو اس کی کھوجتی چمکتی آنکھوں کی گہرائی کا اندازہ نہیں ہوتا۔

نرمین کی غیر موجودگی میں اماں کے پیٹ میں درد ہوتا ہے۔ حریم ابا کے گھر میں نہ ہونے کی وجہ سے نرمین کو فون کرتی ہے، فون بند ہونے کی صورت میں وہ تھک ہار کر سجل کے نمبر پہ کال کرتی ہے، اسے مبارک باد دیتی ہے تو وہ حیران رہ جاتی ہے کہ کس چیز کی مبارک باد اور اپنے گھر میں صبح سے کپڑے دھونے کی مظلومیت کا رونا روتی ہے۔ حریم پریشان ہو جاتی ہے۔ ابا آ جاتے ہیں وہ اماں کو ڈاکٹر کے پاس لے جاتے ہیں۔

نرمین کے آنے پر حریم اس سے پوچھتی ہے کہ وہ کہاں تھی، نرمین سچ اسے بتا دیتی ہے۔

عباد وسیم، رانا سے ملتا ہے تو نرمین کی بات ہوتی ہے، رانا کہتا ہے کہ وہ شریف گھرانے کی ہے اس کو بخش دے۔ عباد ہنسنے لگتا ہے۔

مائرہ صبح صبح پھپھو کے گھر پہنچتی ہے جہاں عباد وسیم اور نزہت ناشتہ کر رہے ہیں۔ مائرہ اور نزہت کی معنی خیز باتوں سے انجان بنتا عباد وہاں سے اٹھ کر چلا جاتا ہے۔

حریم بے ساختہ میرب کو پیار کرتی ہے، وہ گھبرا جاتی ہے۔

نزہت گھر واپسی پر حریم کو کہتی ہیں کہ وہ میرب کے سلسلے میں کوئی کوتاہی برداشت نہیں کریں گی۔

حریم عباد سیٹھی کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اس کے شوروم تک آ جاتی ہے عباد اسے دھمکاتا ہے وہ اس سے کہتی ہے کہ تم خراب کیریکٹر کے ہو۔ میری بہن کا پیچھا چھوڑ دو۔ نرمین پتا چلنے پر ناراض ہوتی ہے اور عباد سے معذرت کرتی ہے وہ معذرت قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔

مارک ڈینیئل کو بتاتا ہے کہ اس کی مسلمان لڑکے سے دوستی ہے۔ نصرت پھپھو تاریخ طے کرنے کے لیے مٹھائی اور شادی شدہ بیٹی کو لے کر آتی ہیں۔ نرمین گھر میں نہیں ہوتی۔

حریم کو وہ اس کے گھر لے کر آتا ہے اماں اور طوبیٰ بہت خوش ہوتی ہیں لیکن ابا کے آنے سے پہلے اسے جانے کا کہتی ہیں۔

عباد کی برتھ ڈے کے موقع پر عباد نرمین کو اپنے فلیٹ پر تنہا بلاتا ہے، وہاں جانے کے بعد نرمین کو باپ کی بات یاد

TAGPK.COM

آتی ہے کہ دو نامحرموں کے بیچ تیسرا ہمیشہ شیطان ہوتا ہے۔

عباد نرمین کو اپنے فلیٹ پر بلاتا ہے۔ اس کے قریب آنے پر وہ وہاں سے واپس آ جاتی ہے۔ عبد کی پرکھ کہ وہ پورا اترتی ہے۔ ادھر نصرت پھپھو تاریخ لینے آ جاتی ہیں۔ اماں اور حریم کے پوچھنے پر نرمین شادی کی ہامی بھر لیتی ہے۔ نصرت پھپھو اور زلفی خوش ہو جاتے ہیں۔ سجل فون کر کے نرمین کو لاتی ہے۔ وہاں عباد وسیم موجود ہوتا ہے اور اسے پرپوز کرتا ہے۔ نرمین خوشی خوشی گھر آتی ہے۔

رات میں حریم نریم سے کہتی ہے کہ شادی کا کارڈ پسند کر لو۔ وہ کہتی ہے پہلے لڑکا تو پسند کر لوں۔ پھر اسے بتاتی ہے کہ عباد وسیم نے اسے پرپوز کیا ہے۔ دروازے میں کھڑی اماں یہ سن کر بے سدھ ہو کر گر پڑتی ہیں۔

سجل کے سمجھانے پر حریم کو احساس ہوتا ہے کہ وہ غلطی پر ہے، اس نے اپنی زندگی کو تباہ کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ حالات کو انتہا پر آتے دیکھ کر حریم شوہر سے کہتی ہے کہ وہ میرب سے دور نہیں رہ سکتی۔ وہ کہتا ہے کہ وہ اسے آخری چانس دے رہا ہے، اس کے بعد اسے یہاں سے جانا پڑے گا۔

وہ میرب کے لیے شاپنگ کا کہتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آؤٹ لیٹ پر آ جاتا۔ زیاد واپس پہنچتا ہے تو کیتھی کی ساتھی ویٹرس اسے بتاتی ہے کہ اس کا اسپیشل کسٹمر آیا ہے۔

زیاد کیتھی کو بتاتا ہے کہ اس کے بھائی نے پسند کی شادی کر لی ہے اور ماں باپ نے اسے گھر سے نکال دیا ہے اور بھائی کی منگیتر اس کے سر منڈھنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ بڑی مشکل سے جان بچا کر آیا ہوں۔

پال کیتھی سے کہتا ہے کہ اسے اب مارک کے مستقبل کی پلاننگ کرنی چاہیے۔ وہ اکتا کر وہاں سے ہٹ جاتی ہے۔

مارک اس سے راستے میں معافی مانگتا ہے، کیتھی کے انکار پر ثبوت ملنے کا کہتا ہے۔

کیتھی زیاد سے کہتی ہے کہ وہ مسلمان ہونا چاہتی ہے۔ عباد ماں باپ سے معافی مانگ کر گھر واپس آنے کا کہتا ہے۔

مائرہ، حریم کو آؤٹ لیٹ پر دیکھ کر برہم ہو جاتی ہے۔ نزہت بھی اس پر ناراض ہوتی ہے۔ حریم میرب کو لے کر اپنے والدین کے گھر آتی ہے۔

حریم میرب کو لے کر اپنے والدین کے گھر جاتی ہے۔ اماں کو یہ سن کر بہت صدمہ ہوتا ہے کہ حریم کا شوہر پہلے سے شادی شدہ ہے۔ وہ بچی کو پیار کرتی ہیں کہ اس میں نرمین کی شباہت ہوتی ہے۔

مائرہ کو دیکھنے کچھ لوگ آنے والے ہیں۔ وہ ماں پر ناراض ہوتی ہے لیکن وہ کہتی ہیں کہ اپنی پھپھو کے سراب سے باہر نکل آؤ۔

نزہت بیٹے پر ناراض ہوتی ہیں کہ اسے حریم کے میکے کیوں بھیجا۔ مائرہ اسے اپنے آنے والے رشتے کے بارے میں بتاتی ہے۔ وہ اسے سمجھاتا ہے کہ اسے اب زندگی میں آگے بڑھ جانا چاہیے۔ مائرہ باہر جانے کا پروگرام بناتی ہے لیکن وہ منع کر دیتا ہے کہ اسے حریم اور میرب کو لینے جانا ہے۔ مائرہ شدید غصے میں گھر آتی ہے جہاں اس کے رشتے کے لیے کچھ لوگ آئے ہوتے ہیں، وہ ان سے بدتمیزی کرتی ہے۔ فوزیہ بیٹی کو ڈانٹتی ہیں، وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

کیتھی کے گھر والوں کو پتا چل جاتا ہے کہ وہ اسلام قبول کر چکی ہے۔ وہ اسے لے کر غائب ہو جاتے ہیں۔ زیاد ہر جگہ اسے تلاش کرتا ہے لیکن اس کا کچھ پتا نہیں چلتا، مائرہ خودکشی کر لیتی ہے۔

انیسویں قسط

آہستہ چل زندگی،
ابھی کچھ قرض چکانا باقی ہے
کچھ درد مٹانا باقی ہے،

TAGPK.COM

کچھ فرض نبھانا باقی ہے
رفتار میں تیرے چلنے سے کچھ روٹھ گئے،
کچھ چھوٹ گئے
روٹھوں کو منانا باقی ہے روتوں کو ہنسانا باقی ہے

(گلزار)

حریم کی دھڑکنیں سست روی کا شکار ہونے لگیں، اس نے کتنی ہی دیر اس تصویر اور نام کو بے حد بے یقینی سے دیکھا پھر بے اختیار واش روم کے بند دروازے کی طرف نگاہ ڈالی۔ زیاد کے باہر نکلنے کے فی الحال کوئی آثار نظر نہیں آ رہے تھے۔ حریم نے تیزی سے دھڑکتے دل اور کپکپاتے ہاتھوں کے ساتھ جلدی سے موبائل اٹھا کر اس نمبر سے آئی مسڈ کال کو ریموو کر کے فون نمبر بلاک لسٹ میں ڈالا اور کھٹکے کی آواز سن کر جلدی سے موبائل تکیے کے نیچے گھسا دیا۔ وہ واش روم کا دروازہ کھول کر باہر نکلا۔ حریم کی رنگت بدلی وہ جلدی سے پلٹ کر لرزتے ہاتھوں سے یونہی خود کو مصروف ظاہر کرنے کے لیے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھول کر چیک کرنے لگی۔

زیاد نے تولیے سے بال خشک کرتے ہوئے اچٹتی نگاہ سے حریم کو دیکھا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔'' ہلکے سے کھنکھار کر دھیمی سی آواز میں جواب دیتے ہوئے حریم نے دراز سے اپنا موبائل نکال کر سائیڈ ٹیبل پر رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میرب کہاں ہے؟''

''وہ باہر لان میں کھیل رہی ہے۔ میں ناشتے کے لیے تمہیں بلانے آئی تھی۔'' زیاد نے دیکھا وہ کتنا ڈری ہوئی سی تھی اس سے نگاہ ملائے بغیر جیسے بھاگنے کو تیار ہو۔

تولیہ کرسی کی پشت پر ڈالتے ہوئے وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''اچھا تو پھر بلاؤ ناشتہ کے لیے۔''

وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔ حریم نے بے اختیار اس کی طرف دیکھا تھا اور پھر اس کی مسکراہٹ دیکھ کر گویا اس سے خفا ہو گئی۔

''تم میرا مذاق اڑا رہے ہو۔''

''ارے ارے..... مذاق اڑا نہیں رہا۔ مذاق کر رہا ہوں۔'' وہ تصحیح کرتے ہوئے سنجیدہ ہوا۔

''تو آ جاؤ پھر۔'' وہ باہر نکلنے کو تھی۔

''حریم!'' اس نے پکارا تو حریم کا دل دھڑک اٹھا اور قدم چلنے سے انکاری۔

''کوئی مسئلہ ہے کیا؟'' اس کے سوال نے حریم کو مزید سن کیا، بدقت تمام جواب دے پائی۔

''نن..... نہیں.....''

''تو پھر پریشان کیوں ہو؟''

''میں..... نہیں تو..... ایسے ہی فتوے مت لگاؤ۔ کنفیوز کر رہے ہو تم مجھے۔'' وہ کوئی راہ فرار نہ پا کر واقعی چڑ سی گئی تو زیاد ہنسنے لگا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔ مگر رکو تو..... اکٹھے چلتے ہیں ناشتے کے لیے۔ ایک کپل کی طرح۔ سب پہ اچھا امپریشن پڑتا ہے۔'' حریم کے لیے اس سے نگاہ ملانا مشکل ہوا۔

''تم کیتھی سے محبت کرتے ہو۔ یہ مت بھولو۔'' اس نے اپنے اس احساس کو رد کرنے کے لیے ایک بالکل

TAGPK.COM

ہی غیر متعلق بات کی تو زیاد کی مسکراہٹ سمٹی۔

''تمہیں سب سچ بتانے کا مقصد ہمارے آپسی رشتے کو ایمان داری سے استوار کرنا ہے۔ یہ نہیں کہ تم ان باتوں کو طعنے کے طور پہ محفوظ کرلو۔'' قدرے توقف کے بعد وہ ناگواری سے بولا تو حریم شرمندہ سی ہوئی۔

''یہ طعنہ نہیں۔ یاددہانی تھی۔ وہ گم ہوئی ہے لیکن زندہ سلامت ہے۔ کبھی بھی لوٹ سکتی ہے۔''

''حال میں جینا سیکھو مسز! وہ ''تھی'' اور تم ''ہو''۔ زیاد نے آگے بڑھ کر اسے شانوں سے تھامتے ہوئے جھک کر اس کی آنکھوں میں دیکھا تو اس نے نظر چرائی۔

''ماضی کو بار بار پلٹ کر سامنے مت لاؤ۔ جینا مشکل ہونے لگتا ہے۔'' وہ بہت ضبط سے بولا تو حریم نے کسمسا کر اپنا آپ اس کی گرفت سے چھڑایا۔

''اگر وہ گم نہ ہوتی تو شاید آج میری جگہ وہی ہوتی۔''

''یقیناً۔'' زیاد نے سوچنے کا بھی وقت نہیں لیا اور نہ ہی اس کا دل رکھنے کو جھوٹ بولا تھا۔

''اچھا۔ تب کہاں جاتی عباد بھائی کی وصیت اور آخری خواہش؟'' وہ نا چاہتے ہوئے بھی کہہ گئی۔

''وہ واقعی میرب کی ماں بن جاتی۔ تم اسے نہیں جانتیں۔ وہ سراپا محبت ہے۔'' زیاد کے لب و لہجے میں موجود یقین نے حریم کو سن کیا تھا۔

''مگر وہ مجھ سے کھوئی۔'' زیاد کے انداز میں محسوس کیے جانے والا کرب تھا۔

اس روز حریم نے کتنی ہی دیر اپنے اور زیاد کے تعلق کے بارے سوچا، وہ بہت آسانی سے اسے اپنی زندگی میں شامل کر گیا تھا۔ ''اور میں؟''

مجھے یہ سب کیسا لگ رہا ہے؟'' حریم نے خود کو ٹٹولا تو اپنے اندر بس ایک ٹھہراؤ کی سی کیفیت پائی۔ جیسے زندگی کے اس موڑ پہ آ کر سب ٹھیک ہو گیا ہو۔ لیکن اب۔ کیتھی کا فون آنے کے بعد اس ٹھہراؤ پہ اچانک ہی وحشت اور خوف غالب آ گیا۔

اُف۔ اب یہ کیتھی؟ اس کا دل ڈوب کر ابھرا۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ زیاد اپنے آپ سے منسلک رشتوں کو کس حد تک جا کر نبھاتا ہے۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ اگر کیتھی واپس لوٹ آئی تو حریم مصطفیٰ کہاں کھڑی ہوگی۔ بلکہ یقیناً کیتھی کے لوٹ آنے پر وہ واپس اسی کی جانب لوٹ جاتا۔

☆☆☆

مہوش نے آج اچھے موسم کا فائدہ اٹھاتے ہوئے لان ہی میں لنچ کا انتظام کیا تھا۔ میرب کی بے فکر قلقاریاں پورے لان میں گونج رہی تھیں۔ زیاد کچھ دیر پہلے ہی میرب کو گھوڑے کی سیر کروا کر لایا تھا۔

مہوش اندر کچن میں کھانے کا انتظام دیکھنے گئی تو حریم اٹھ کر لان میں ٹہلنے لگی۔ زیاد اور میرب اب فش پونڈ کے کنارے بیٹھے مچھلی پکڑنے کی کوشش میں تھے۔ رانا نے ایک چھوٹا فشنگ راڈ ان کے حوالے کر دیا تھا تاکہ دونوں اپنے کھیل میں حقیقت کا رنگ بھر سکیں۔ ذرا ذرا دیر بعد ان دونوں کی ہنسی فضا میں گونج رہی تھی۔

''ہے گرل۔'' اونچی آواز پہ وہ بے اختیار مڑی، زیاد نے اسے پکارا تھا، اسے پلٹتے دیکھ کر فضا میں ہاتھ ہلا کر اسے بلایا۔

''کم ہیئر۔''

وہ نا چاہتے ہوئے بھی ان کی طرف آ گئی۔

''ماما۔ فش۔'' میرب بے انتہا خوش تھی۔ کوئی مچھلی کانٹے میں تو نہیں پھنس رہی تھی لیکن میرب اسی بات پہ خوش تھی کہ وہ مچھلی کا شکار کر رہی ہے۔

TAGPK.COM

''آہا۔ میرو نے کتنی مچھلیاں پکڑی ہیں؟'' حریم نے اسے خوش کرنے کے لیے تالاب کے کنارے گول پتھروں سے بنی منڈیر پہ بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ مایوس ہوئی۔

''ایک بھی نہیں۔''

''اوہو۔ بھئی پاپا نے بھی میرو کی ہیلپ نہیں کی؟''

''پاپا نے ہیلپ کے لیے ہی تو مما کو بلایا ہے۔ ہم تو ناکام ہو گئے فشنگ میں۔'' زیاد نے مسکرا کر کہا تو حریم ہنسی۔

''میں کون سا مچھیروں کے ساتھ کام کرتی رہی ہوں۔'' اس کی بات پر زیاد کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

''میرب آپ ریبٹ (خرگوش) کے ساتھ کھیلیں۔ فش کا دل نہیں کر رہا ابھی پانی سے باہر آنے کو۔''

''مما۔ فش نہا رہی ہے اس لیے؟'' میرب کو الگ ہی توجیہہ سوجھی حریم نے مسکراہٹ دبائی۔

''یس۔ اور جب فش نہا لے گی تب ہم اسے فوراً پکڑ لیں گے۔ ابھی آپ ریبٹ کے ساتھ کھیل لیں۔''

میرب اس کی بات سے متفق ہو کر خرگوشوں کے جوڑے کی طرف بھاگ گئی۔

''بچوں کے لیے خوش ہونا کتنا آسان ہے نا۔'' تھوڑی دیر محویت سے میرب کو دیکھتے رہنے کے بعد حریم نے رشک سے کہا۔

''کیونکہ بچے کوئی بات دل میں نہیں رکھتے۔ اپنی فیلنگز کا آرام سے اظہار کر دیتے ہیں۔''

زیاد برجستہ بولا تو حریم نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا۔ زیاد نے استفہامیہ انداز میں ابرو اچکایا جیسے اس سے کچھ پوچھ رہا ہو حریم کا دل بے ترتیبی سے دھڑکا۔

''تمہیں بھی اگر کوئی مسئلہ ہو تو کھل کر بات کیا کرو مجھ سے۔ قربت وہی پائیدار ہوتی ہے جس کی بنیاد میں باہمی اعتماد ہو۔ جو دل میں ہو وہی زبان پر بھی ہو۔'' وہ گہرے لہجے میں بولا تو حریم کو اس کے پاس کھڑے رہنا دوبھر ہونے لگا۔

''میں ذرا کچن میں دیکھوں۔ مہوش بھابی کو کوئی کام نہ ہو۔''

وہ کہہ کر فوراً ہی اندر کی طرف بڑھ گئی۔ زیاد کی پرسوچ نظروں نے اس کا دروازے میں گم ہونے تک پیچھا کیا تھا۔ اندر آ کر حریم نے اطمینان کی گہری سانس بھری، اب زیاد چاہے جس بھی تناظر میں بات کر رہا ہو حریم کا دھیان کیتھی کا نمبر بلاک کرنے والی اپنی غیر اخلاقی حرکت کی طرف ہی جا رہا تھا۔

(اب جب بھی اس کا موبائل ہاتھ لگا سب سے پہلے کیتھی کا نمبر ہی ان بلاک کروں گی) مہوش کے ساتھ ٹرالی میں برتن سیٹ کرتے ہوئے اس نے دل ہی دل میں خود سے تہیہ کیا، بھلا اس طرح ڈر کر جینے میں کیا مزا۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ لیکن اگلے دو تین روز میں ایک بار بھی اسے یہ موقعہ نہیں مل پایا تھا، موبائل زیاد کے پاس ہی ہوتا اور ایک رات جب وہ سونے کے لیے کمرے میں آیا اور حسب عادت شاور لینے گھسا تو حریم نے جلدی سے اس کا موبائل اٹھایا لیکن یہ دیکھ کر اس کے ارمانوں پر اوس پڑ گئی کہ زیاد نے موبائل پہ اسکرین لاک لگا رکھا تھا۔ اسے خیال آیا کل جب میرب نے اس کے موبائل کے ساتھ کھیلتے ہوئے غلطی سے کوئی کال ملا دی تھی تب شاید اس نے یہ احتیاط کی کہ اسکرین لاک لگا دیا، وہ مایوس ہو گئی۔ میرب کو سلاتے ہوئے وہ زیاد کے نکلنے سے پہلے سر منہ ڈھانپ کر لیٹ چکی تھی

☆☆☆

کچھ حسرت ابھی ادھوری ہے،
کچھ کام بھی اور ضروری ہے

TAGPK.COM

خواہش جو گھٹ گئی اس دل میں،
اس کو دفنانا باقی ہے
کچھ رشتے بن کر ٹوٹ گئے کچھ جڑتے جڑتے چھوٹ گئے
ان ٹوٹے چھوٹے رشتوں کے،
زخموں کو مٹانا باقی ہے
(گلزار)

حیان الشافع نے سامان سے بھری آخری ٹرالی لڑکوں کے حوالے کی تو وہ جلدی سے کاسمیٹکس کا سامان مختلف ریکس میں رکھنے لگے اسٹور میں اکا دکا کسٹمر آنے شروع ہو گئے تھے۔ ابھی مکمل مارکیٹ کھلنے میں وقت تھا۔ حیان کے اسٹور کا سامان آج آنا تھا، اس لیے وہ وقت سے پہلے ہی وہاں پہنچ گیا تھا۔ اسٹور پہ کام کرنے والے دونوں لڑکے بہت پھرتیلے تھے۔ انہوں نے دو گھنٹوں میں سارا سامان ترتیب سے ریکس میں جما دیا تھا عائشہ اور آمنہ (کیتھی) کے آنے تک دن چڑھ آیا تھا اور حیان الشافع نامی اسٹور کسٹمرز سے بھر چکا تھا۔ حیان نے انہیں گھور کر دیکھا۔

''مجھے مت گھورو۔ یہ جو میری دوست ہے نا۔ یہ بہت دقت سے تیار ہوتی ہے اس کا موڈ ہی نہیں بنتا آنے کے لیے۔''

عائشہ نے حیان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی جلدی سے سارا قصور آمنہ پہ ڈالتے ہوئے کہا تو وہ انہیں نظر انداز کرتی میک اپ کے ریکس کی طرف چلی گئی اسے دیکھ کر اس کی جگہ ڈیوٹی دیتے لڑکے نے شکر کیا اور اپنے کاؤنٹر کی طرف بھاگ گیا۔

''کیا ہوا ہے اسے؟'' حیان نے آمنہ پر اچٹتی نگاہ ڈال کر بہن سے پوچھا۔

''اس کا رابطہ نہیں ہو پا رہا زیاد کے ساتھ۔''

''ہو سکتا ہے وہ اسے دغا دے گیا ہو۔'' حیان نے بیدردی سے تبصرہ کیا تو عائشہ بھائی کو گھور کر اپنے کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔ حیان کوفت سے سر ہلاتا کسٹمر کے سامان کی لسٹ کمپیوٹر میں لکھ کر بل بنانے لگا۔

وقفے کے دوران وہ دونوں لنچ کے لیے نکلیں تو حیان نے عائشہ کو آواز دی۔

''ٹھہرو۔ مجھے بھی جانا ہے لنچ کرنے۔'' وہ دروازے پہ وقفے کا کارڈ لگاتا ان کے ساتھ قریبی فوڈ اسٹریٹ پہ نکل آیا۔ وہ دونوں لانگ اسکرٹس اور حجاب میں ملبوس تھیں۔ وہ تینوں چلتے ہوئے سڑک کنارے اوپن ایئر ریسٹورنٹ تک آئے اور ہجوم سے بچ کر ایک طرف کی میز کے گرد کرسیاں سنبھال لیں ان کا آرڈر جلد ہی سرو ہو گیا۔

''تم اپنے ماضی کو بھول کر اپنی اپنے کام اور اسٹڈیز پہ توجہ کیوں نہیں دیتیں۔ یہ چیز تمہارے زیادہ کام آئے گی۔'' حیان اس سے بہت کم مخاطب ہوتا تھا اس لیے آمنہ چونکی۔

''مشورے کا شکریہ۔'' نیلی آنکھوں میں خفگی بھرے اسے ایک نظر دیکھ کر وہ اپنے سوپ کے پیالے پہ جھک گئی۔ اسے ترکش کھانے پسند آنے لگے تھے۔ عائشہ نے آنکھ کے اشارے سے حیان کو مزید کوئی بات کرنے سے منع کیا۔

مگر وہ ڈھٹائی سے بولا۔

''سچ کہہ رہا ہوں میں۔ جو آپ کا ہو وہ کہیں نہیں جاتا لوٹ کر آپ تک ہی آتا ہے۔ اور جس کے پیچھے آپ بھاگتے رہتے ہیں اگر وہ قسمت میں نہیں تو ساری بھاگ دوڑ بے کار جاتی ہے، اس لیے اللہ پہ چھوڑ دینا چاہیے

TAGPK.COM

حالات کو۔"

"بس کرو بھائی! ہر کوئی ہر وقت فلاسفی کی کلاس لینے کے موڈ میں نہیں ہوتا۔" عائشہ کو آمنہ کے تاثرات اچھی طرح سمجھ میں آرہے تھے اس لیے اس نے اپنے سے دو سال بڑے بھائی کو ٹوکا تو وہ لاپروائی سے کندھے جھٹک کر اپنے کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا مگر واپسی پر اس نے ایک مرتبہ پھر آمنہ کو آفر کی۔

"اگر تم مجھے اس شخص کا رابطہ نمبر دو تو میں اسے ڈھونڈنے کی کوشش کر سکتا ہوں۔"

"میرا خیال ہے کہ میں یہ کام خود تم سے بہتر طریقے سے کر سکتی ہوں۔" آمنہ نے بے رخی سے کہا تو عائشہ نے اپنی ہنسی چھپانے کا بھی تکلف نہ کیا۔ حیان نے اسے گھور کر دیکھا۔

"تو پھر کل سے کوئی "کسی بھی وجہ" سے لیٹ آیا تو اس کی تنخواہ میں سے پیسے کٹیں گے ان شاء اللہ۔" وہ بھی بے مروتی سے کہتا ان سے پہلے اسٹور میں داخل ہو گیا تھا۔ عائشہ نے آمنہ کا ہاتھ تھام لیا۔ شیشے کے دروازے پر سے وقفے کا بورڈ ہٹاتے ناراض سے حیان کو دیکھ کر وہ دونوں ہنسنے لگیں۔

"وہ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ تم چاہو تو وہ تمہاری مدد کر سکتا ہے، زیاد کے متعلق ساری انفارمیشن اسے دو۔ مردوں کا اپنا وسیع دائرہ کار ہوتا ہے کسی کے متعلق پتا لگانے کا۔"

"معاف کرنا۔ مگر تمہارے اس سڑیل سے بھائی پہ مجھے کوئی خاص اعتبار نہیں ہے وہ زیاد کے متعلق جلی کٹی باتیں ہی کرتا ہے ہمیشہ۔" آمنہ نے ریک پر پڑی لپ اسٹک کو ٹھیک کرتے ہوئے صاف گوئی سے کہا تھا۔

"ہاں۔ یہ تو ہے۔ شاید وہ کھری بات کرتا ہے بناوٹ کے بغیر۔ اس لیے۔" عائشہ مان گئی لیکن ساتھ ہی حیان کی تعریف بھی کر دی تو آمنہ کے ہونٹوں پہ مسکراہٹ آئی اور ساتھ ہی آنکھیں بھی نم ہو گئیں۔

"ارے۔ کیا ہوا؟"

"ایسے ہی۔ ڈینیئل یاد آ گیا۔ میرا بھائی بھی مجھ سے غیر مشروط محبت کرتا ہے۔ ہم لڑتے بھی تھے اور اختلاف کے باوجود ایک دوسرے پہ جان وارنے کو تیار بھی رہتے تھے۔"

"میں سمجھ سکتی ہوں آمنہ! آج تم یہاں میرے ساتھ بیٹھی ہو تو یہ بھی تمہارے بھائی ڈینیئل ہی کی مہربانی ہے، کیسے جان پہ کھیل کر اس نے تمہیں وہاں سے نکالا تھا۔ ورنہ شاید تمہاری کمیونٹی کے لوگ تمہیں ایسے غائب کرتے کہ تمہارا نام و نشان تک نہ ملتا۔" عائشہ نے ڈینیئل کے کردار کو سراہا تو آمنہ کا چہرہ چمکنے لگا۔

"بس کچھ وقت گزر جائے، میرے اسلام قبول کرنے کا واقعہ دب جائے تب میں رابطہ کروں گی ڈینی سے۔ ابھی تو اس نے سختی سے منع کیا ہوا ہے۔"

"ہاں۔ تب تک تمہارے ماں باپ کا دل بھی نرم پڑ جائے گا ان شاء اللہ۔" عائشہ نے دل سے دعا کی تھی۔

"آمین۔" بے اختیار کہتے ہوئے روتھ اور پال کا ظالمانہ اور بے اعتنائی سے بھرا انداز یاد کر کے آمنہ کو رونا آنے لگا۔ اس نے تیزی سے پلکیں جھپک کر اپنے آنسو اندر ہی اتار لیے کیونکہ حیان عرف جلاد انہی کی طرف آ رہا تھا۔"

"مانا کہ تمہارے باپ کا اسٹور ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم اپنا کاؤنٹر چھوڑ کر فضول کے مسائل پہ گپیں لگاتی پھرو۔" اس نے جلے کٹے انداز میں عائشہ کو ڈپٹا تو وہ دانتوں تلے زبان دباتی تیزی سے کاؤنٹر کی طرف بڑھی۔

"اور تم....." وہ گہری سانس بھرتا آمنہ کی طرف پلٹا۔

"مائنڈ یو۔ میں اپنے کاؤنٹر پر ہی ہوں۔" وہ رکھائی سے جتا کر بولی۔ حیان الشافع اسے گھور کر رہ گیا جو مسکراتے ہوئے اپنی کسٹمر کی طرف متوجہ ہو گئی تھی وہ اسے تیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پلٹ گیا۔ آمنہ نے تشکر کی

TAGPK.COM

سانس بھری اور اپنی کسٹمر کو پوری توجہ کے ساتھ میک اپ کے آئٹمز دکھانے لگی۔

ڈینئل کی مہربانی سے انگلینڈ سے فرار ہو کر وہ اپنی مصری دوست عائشہ کے ساتھ ترکی آ گئی یہ وہی عائشہ تھی۔ زیاد کے بعد جس کے اخلاق و کردار سے متاثر ہو کر پیٹھی اسلام کی طرف مائل ہوئی اور آج آمنہ بن گئی تھی۔ وہ دونوں عائشہ کے مصر جانے کے بجائے احتیاطاً ترکی آ گئیں جہاں حیان الشائع اپنے باپ کا اسٹور سنبھال رہا تھا۔ اس کا باپ اپنا کام بیٹے کے کندھوں پر ڈال کر مصر واپس چلا گیا تھا۔ ترکی آ کر خود کو سنبھالتے ہوئے اس نے کم روزگار چلانے کے لیے عائشہ کے سڑیل بھائی کے ملٹی اسٹور میں نوکری کر لی تھی۔ عائشہ اور وہ دونوں ایک گرلز ہوسٹل میں رہ رہی تھیں، ان کی نوکری اور مناسب تنخواہ سے ان کی زندگی کی گاڑی اب آہستہ آہستہ چلنے لگی تھی۔ حیان خود یہاں ایک کرائے کے گھر میں ترک دوستوں کے ساتھ شیئرنگ پر رہتا تھا اگر وہ اپنا فلیٹ خرید لیتا تو شاید ان کا کرایہ بھی بچ جاتا اور تنخواہ بھی۔ لیکن حیان کی کفایت پسند سوچ (جبکہ دونوں لڑکیوں کے خیال میں اس کی کنجوسی) اسے اس بات کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ وہ یہاں فلیٹ خریدتا۔

☆☆☆

''روبینہ بتا رہی تھی کہ شاذل واپس آ رہا ہے اگلے ہفتے۔'' کھانے کی میز پر رابعہ نے بڑی خوشی سے بتایا تو مائرہ حیرت کا شکار ہوئی۔

''اس کا تو ابھی جھگڑا چل رہا تھا اپنی بیوی کے ساتھ۔ پچھلے دنوں میری بات ہوئی تھی اس سے۔'' ''فارغ کر دیا ہوگا اس والی نے بھی۔'' مائرہ ہنسی۔

''وہ معاملہ حل ہو گیا ہے۔'' رابعہ نے لاپروائی سے کہا۔

''اچھا۔ مطلب تیسری بیوی بھی چھوڑ گئی ہوگی محترم کو۔ تب ہی آ رہا ہے۔'' بات کے آخر میں مائرہ نے قہقہہ لگایا تو میاں کی بے ساختہ مسکراہٹ نے رابعہ کو چڑایا۔

''کیوں بھئی۔ اس کا بھی ملک ہے۔ والدین ہیں، بہن بھائی ہیں اس کے یہاں۔''

''فار گاڈ سیک مما!'' مائرہ نے ہنستے ہوئے انہیں ٹوکا۔ ''اب آپ اپنے بھانجے کی غیر موجود بلکہ ''نادیدہ'' حب الوطنی کے قصے نہ سنانے لگ جائیے گا۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں اسے، پاکستان اس کی لسٹ پلاننگ میں کبھی رہا ہی نہیں۔ یونہی تو دس سال سے امریکن سٹیزنشپ لے کر عیش نہیں کر رہا ہوں گا۔''

''تو کون چھوڑتا ہے امریکہ کی سٹیزنشپ؟ کسی کو بھی چانس ملے، فوراً سے پہلے بھاگے گا یہاں سے۔'' رابعہ چڑ گئیں تو مائرہ نے مسکراہٹ دبائی۔

''چھوڑیں بیگم! آپ بس یہ بتائیں کہ اس کی تیسری بیگم کا کیا بنا؟'' میاں نے بھی چھیڑا تو وہ خفگی سے انہیں دیکھنے لگیں۔

''آپ دونوں باپ بیٹی کو تو بس کوئی ٹاپک ملنا چاہیے۔ اس بے چارے نے تو نیک نیتی سے ہی شادی کی تھی تینوں بار۔ اب باہر کی لڑکیوں کو گھر بسانے کا ڈھنگ ہی نہیں تو اس میں میرے بھانجے کا کیا قصور ہے۔''

دونوں باپ بیٹی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ رابعہ زچ ہو گئیں۔

''تم لوگوں سے تو بات کرنا ہی فضول ہے۔ میں شاذل کے واپس آنے کی خوش خبری سنا رہی ہوں تم لوگ اس کی شادیاں اور ناکامی کی وجوہات پہ روشنی ڈالنا شروع ہو گئے ہو۔''

''یہ اب آپ پھر سے خود ہی ہنسانے والی باتیں کر رہی ہیں۔'' مائرہ نے ہنستے ہوئے متنبہ کیا۔

''شٹ اپ۔'' وہ ناراضی سے اپنے کھانے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''اچھا۔ یہ تو بتائیں، آ کب رہا ہے۔ میرا بھی دوست ہے، مجھے بھی خوشی ہے اس کے آنے کی۔'' مائرہ ان

TAGPK.COM

کی ناراضی دور کرنے کی خاطر دلچسپی دکھاتے ہوئے بولی تو ان کا چہرہ پھر سے کھلا۔

''اگلے ہفتے کی سیٹ کروائی ہے اس نے۔ تم چلو گی اسے ریسیو کرنے؟''

''نہیں بھئی۔ ایک تو یہ کہ مجھے اس نے اپنے آنے کا بتایا ہی نہیں اس لیے آئے گا تو ملاقات ہو جائے گی۔ یہ ایرپورٹ جا کے ملاقات والے فلمی سین مجھ سے نہیں ہوتے۔'' مائرہ نے حسب فطرت صفاچٹ جواب دیا تھا۔

''ایک تو تم اور تمہارے خیالات۔'' رابعہ نے سر جھٹکا۔

''آپ تو ضرور جائیں گی روبی خالہ کا دایاں ہاتھ بن کے؟''

''ظاہر ہے۔ میری اس سے تم لوگوں جیسی کوئی خود ساختہ دشمنی تھوڑی ہے۔'' ان کے طنز نے دونوں باپ بیٹی کو ہنسا دیا تھا۔

''دشمنی تو میری بھی نہیں ہے۔ لیکن آپ جانتی ہیں کہ مجھے ایرپورٹ جانا پسند نہیں۔''

مائرہ نے ایک بار پھر ان کا دل رکھنے کے لیے انہیں یاد دہانی کرائی تو رابعہ اس احساس سے خوش ہوئیں کہ ان کی پرانی والی مائرہ واپس لوٹ رہی تھی جو اپنی تمام تر خود پسندی کے باوجود بات کرتے ہوئے کم از کم اپنے والدین کے جذبات کا ضرور خیال کر لیتی تھی۔

☆☆☆

ایک بہترین ہفتہ گزار کر وہ رانا اور مہوش سے اجازت لے کر واپسی کے لیے آج نکلنے والے تھے۔ واپسی پہ حریم کی خاموشی کو زیاد نے بہت اچھی طرح محسوس کیا۔

''کیا بات ہے؟ دل نہیں کر رہا واپس جانے کو تو کچھ دن اور ٹھہر جاتے ہیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا حریم گڑبڑائی۔

''نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ واپس تو لوٹنا ہی ہے ایک نہ ایک دن۔ آج ہی سہی۔'' اس نے اپنے پراعتماد انداز میں لوٹتے ہوئے کہا تھا۔

''پھر دو دن سے یوں گم صم سی کیوں ہو۔ جیسے کسی بات نے اندر ہی اندر پریشان کر رکھا ہو۔'' اس نے احتیاط کے ساتھ گاڑی کا موڑ کاٹتے ہوئے کہا تو حریم جز بز ہوئی، ایسا بھی کیا کھلی کتاب ہونا کہ ہر کوئی پڑھ لے۔

''اچھا! بڑا غور کرتے ہو تم مجھ پہ۔'' اپنی طرف سے اس نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا لیکن زیادی ہنسی نے اسے جھینپنے پر مجبور کر دیا۔

''کیا کروں۔ شریف آدمی ہوں، اپنی بیوی پر ہی غور کر سکتا ہوں۔'' وہ محظوظ ہوتے ہوئے چھیڑنے والے انداز میں بولا تھا۔

''نہیں۔ میری طرف سے اجازت ہے۔ دوسری اور تیسری پر بھی غور کر سکتے ہیں۔'' حریم نے قدرے اعتماد کا مظاہرہ کیا۔

''اچھا۔ تو پھر بھلا چوتھی کا کیا قصور ہے۔'' وہ ہنسا۔

''ہش۔'' حریم نے اسے آواز کم رکھنے کا اشارہ کرتے ہوئے پچھلی سیٹ پہ سیٹ بیلٹ باندھے سوئی ہوئی میرب کو مڑ کر دیکھا وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے دیکھتے ہی سو گئی تھی۔

''کوئی بھی بیوی میرا نہیں خیال کہ اپنے شوہر کو پابند بنا کر رکھ سکتی ہے۔ جب تک کہ شوہر خود اس رشتے میں توحید کا قائل نہ ہو۔''

میرب کی طرف سے مطمئن ہوتے ہوئے حریم سیدھی ہو بیٹھی اور اس سے نظر ملائے بنا سامنے دیکھتے ہوئے رسان سے کہا۔

TAGPK.COM

''واہ۔ بڑی فلاسفر ہو تم تو۔'' زیاد پھر سے ہنسا۔

''اور حقیقت پسند بھی۔ تم تب ہی تک میرے ہو جب تک کیتھی نہیں مل جاتی۔'' حریم نے سینے پہ بازو لپیٹتے ہوئے ظالمانہ حد تک صاف گوئی سے کہا تو زیاد کی مسکراہٹ سمٹنے میں ایک سیکنڈ بھی نہ لگا۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا۔ تمہیں دو روز سے کیتھی کیوں اتنی یاد آ رہی ہے؟ تمہیں اپنی زندگی کے بارے میں سچ بتانے کا مقصد یہ نہیں کہ اب تم ہر بات پہ اسے میرے منہ پہ مارتی رہو۔ پرسوں بھی منع کیا تھا میں نے تمہیں۔'' وہ بڑی ناگواری سے بولا تو حریم خائف ہوئی۔

''میں نے تو یونہی ایک بات کی ہے۔''

''آئندہ کبھی تم ''یونہی بھی'' کیتھی کے بارے میں بات نہیں کرو گی۔'' اس کی بات کاٹتے ہوئے زیاد نے بہت سنجیدگی سے اسے متنبہ کیا تھا حریم کو اپنی بے جا جذباتیت پر افسوس ہوا۔ اچھا بھلا اس کا موڈ وہ اپنے بے کار کے جملے کی وجہ سے خراب کر چکی تھی۔ باقی کا سفر تقریباً خاموشی ہی میں کٹا میرب گھر پہنچنے تک جاگ گئی تھی۔

گھر میں نزہت نے بیٹے اور پوتی کا پرتپاک استقبال کیا جبکہ حریم کی طرف اٹھتی نگاہ بہت سلگتی ہوئی تھی۔

''میرے تو گھر کی ساری رونق ہی تم میرب کے ساتھ لے گئے تھے۔'' نزہت نے میرب کو خود میں بھینچتے ہوئے زیاد سے شکوہ کیا تو وہ مسکرا دیا۔

''لے آیا ہوں آپ کی رونق کو۔ اب آپ جی بھر کر باتیں کیجیے گا اس سے۔'' سائڈ والے صوفے پر بیٹھی حریم کو اپنا آپ ان کے درمیان مس فٹ لگ رہا تھا۔ نزہت نے اس کا حال چال پوچھنا تو دور سلام دعا بھی نہ کی تھی۔ حریم کا دل بوجھل ہونے لگا۔ پھر وہی بے رونق دن واپس آنے والے تھے۔

''میں چینج کر لوں۔'' وہ معذرت کرتی اٹھ گئی تھی نزہت نے نخوت سے سر جھٹکا۔

''اس کے ساتھ بھی دعا سلام کر لیتیں مما! بہو ہے وہ آپ کی۔ میری بیوی ہے۔''

زیاد انہیں ٹوکے بنا نہیں رہ سکا تھا۔

''تم نبھاؤ یہ زبردستی کے رشتے، مجھ سے توقع مت رکھو۔'' وہ نخوت سے کہتی اسے گہری سانس بھرنے پہ مجبور کر گئیں۔

☆☆☆

کمرے کا دروازہ بڑے برے طریقے سے بجا تھا۔ مائرہ نے ناگواری سے موبائل سے نگاہ اٹھا کر دروازے کو گھورا اگر تو یہ کوئی ملازمہ تھی تو اس کی بہت بری طرح کلاس لگنے والی تھی۔

''آ جاؤ۔'' اس نے غصے سے اجازت دی تھی مگر دروازہ کھلتے ہی دکھائی دینے والی شکل نے اس کے غصے کی ساری ہوا نکال دی۔

''سرپرائز۔'' وہ دونوں ہاتھ دائیں بائیں پھیلائے دروازے میں کھڑا تھا۔ مائرہ کے تاثرات فی الفور بدلے، موبائل رکھ کر وہ تیزی سے اٹھی تھی۔

''یو ڈفر۔ تم تو ہفتے کو آنے والے تھے؟'' اس کا بڑھا ہوا ہاتھ تھام کر چلائی۔

''اچھا۔ تو پھر تم سب کی یہ ہونق شکلیں کیسے دیکھتا۔'' شاذل ہنسا اور اسے بتایا کہ وہ بتائی ہوئی تاریخ سے تین دن پہلے یعنی کل رات ہی آ گیا تھا۔

''روبی خالہ تو شاکڈ رہ گئی ہوں گی؟'' وہ ہنستے ہوئے اس کے ساتھ باہر آ گئی۔

''ارے۔ ایسی ویسی۔ ساتھ آئی ہیں ابھی پوچھنا چل کے۔'' اس نے اپنا مخصوص بلند و بانگ قہقہہ لگایا۔ رابعہ نے بھانجے کو محبت سے دیکھا جو طویل پانچ سالوں کے بعد وطن واپس لوٹا تھا۔ دس سالوں سے امریکہ میں

TAGPK.COM

مقیم شاذل عباس کا دل وہاں ایسا لگا کہ تین شادیاں بھی یکے بعد دیگرے وہیں کر لیں۔ مگر کوئی بھی قائم رہ نہ پائی تھی۔

''تمہیں بھی امریکیوں نے نکالا ہوگا تب ہی واپس آئے ہو ورنہ اس جنم میں تو تمہارا کوئی ارادہ نہیں لگ رہا تھا واپسی کا۔'' مائرہ نے اس کے لیے چائے نکالتے ہوئے چھیڑا۔ رابعہ اور روبینہ ہنسیں تو شاذل تڑپ کر اٹھا۔

''ایکسکیوزمی۔ ایسا کوئی اندھیر نہیں مچا ہوا۔ تین امریکیوں کا داماد ہوں میں۔ وہ بھلا کیا نکالیں گے مجھے۔'' لہجے میں تفاخر اتر آیا۔

''مائنڈ یو۔ سابق داماد..... جس کی کوئی ویلیو نہیں ہوتی۔'' مائرہ نے ہنستے ہوئے تصحیح کی۔

''تم اپنی سناؤ۔ ابھی تک ''ماؤں بلی'' کیوں لنڈوری گھوم رہی ہے؟'' شاذل کی اس سے خوب ہی بنتی تھی حالانکہ وہ اس سے پانچ سال بڑا تھا لیکن دونوں کی دوستی خوب تھی۔

''تم جیسوں سے عبرت پکڑی ہوئی ہے بلی نے۔ اس لیے لنڈوری ہی بھلی۔'' وہ برجستہ بولی۔

''بچی خالہ! یہ ابھی تک سنجیدہ نہیں ہوئی اپنی زندگی کے لیے؟'' شاذل نے رابعہ کی طرف دیکھتے ہوئے تشویش سے پوچھا تو وہ تو گویا بھری بیٹھی تھیں۔

''تم ہی کچھ سمجھاؤ اس لڑکی کو۔ میں تو سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں۔ اسے پیار ہی نہیں رہا اپنی زندگی سے۔'' ماں کی بات پر مائرہ کی مسکراہٹ سمٹی اور چہرے کے عضلات میں کھنچاؤ سا آ گیا۔

''کیوں بھئی۔ ہم ادھر تین تین نمنا بیٹھے ہیں اور تم ابھی تک شروع ہی نہیں ہوئیں۔'' شاذل کا انداز اس قدر مسخرانہ تھا کہ مائرہ کو بے اختیار ہی ہنسی آ گئی۔

''تمہارا ریکارڈ تو کوئی نہیں توڑ سکتا۔'' مائرہ نے اس کی ٹانگ کھینچی تو روبینہ حسب عادت ہنسنے لگیں۔

''چلو۔ اس کا شوق تو پورا ہوا گوری سے شادی کا۔''

''اچھا چھوڑو، یہ فضول باتیں۔ اب یہ بتاؤ کتنی چھٹی پہ آئے ہو؟'' رابعہ نے موضوع بدلا۔ مائرہ نے پیزا کا پیس نفاست سے پلیٹ میں رکھ کر اسے پیش کیا تھا۔

''تھینک یو۔'' اس نے پلیٹ تھامی۔

''فی الحال تو لمبی ہی چھٹی ہے خالہ! دل اکتا گیا تھا وہاں کے ماحول سے تو بھاگ آیا ہوں۔''

''پانچ سال بعد۔ کچھ جلدی ہی تنگ نہیں پڑ جاتے تم؟'' مائرہ نے ہنسی اڑاتے ہوئے کیچپ کی بوتل اسے تھمائی تو اس نے دانت پیسے۔

''اب تو بالکل بھی نہیں جانے دوں گی اسے۔ تم فکر مت کرو، اس بار اس کا پکا بندوبست کروں گی یہیں پہ۔'' روبینہ نے بہن کے سامنے مصمم ارادہ ظاہر کیا تو مائرہ نے بے اختیار ہنستے ہوئے شاذل کو انگلیوں کی تعداد سے اشارہ کیا۔

''چوتھی۔'' وہ اسے گھور کر رہ گیا۔

☆☆☆

اجنبی نمبر سے آیا میسج حریم نے بے دھیانی ہی میں کھول لیا۔ ''ہیلو حریم مصطفیٰ۔ کیسی ہو؟''

''ہیں۔ یہ..... کون ہے بھلا؟'' وہ متذبذب ہوئی اس نے تمام ہی نمبر ناموں سمیت محفوظ کیے ہوئے تھے۔ کتنی ہی دیر وہ اس نمبر کو گھورتی رہی مگر اسے قطعاً یاد نہیں آیا کہ وہ نمبر کس کا تھا۔

''آپ کون؟'' اس نے میسج کر کے پوچھ ہی لیا۔

''ارے۔ اپنے چاہنے والے کو اتنی جلدی بھول گئیں۔'' آنے والے میسج سے اس کا دماغ بھک سے اڑا

TAGPK.COM

گیا، وہ لیٹی ہوئی تھی، تڑپ کر اٹھ بیٹھی۔

''یہ کیا بکواس ہے۔ اگر مذاق ہے تو بہت گھٹیا ہے۔ تم ہو کون؟'' اس نے غصے سے لکھا۔

''تعارف بھی ہو جائے گا۔ اتنی جلدی کیا ہے۔ پہلے دو چار باتیں تو ہو جائیں۔ سنا ہے کہ تمہارے شوہر نے دھوکے سے شادی کی ہے تم سے۔ اور اس کی پہلے سے ایک بیٹی بھی ہے۔'' وہ جانے کیا کیا ہانک رہا تھا۔ حریم کے ہاتھ پاؤں سنسنا اٹھے، اس نے کوئی جواب نہ دیا تھا۔

''اور یہ بات تمہارے ماں باپ کو پتا چلے گی تب تو بالکل بھی معاف نہیں کریں گے وہ تمہارے نام نہاد دھوکے باز شوہر کو۔''

''شٹ اپ۔ اب اگر کوئی میسج کیا تو پولیس میں رپورٹ کروا دوں گی اور تمہارے نمبر کی ساری معلومات لے کر تم تک پہنچنا مشکل نہیں ہے۔'' حریم نے بھی دھمکی لگا دی۔

''یہ بھی کر کے دیکھ لو۔۔ ہاہاہا۔''

حریم نے اس کی ڈھٹائی دیکھتے ہوئے فون پاور آف کر کے سائڈ پہ ڈال دیا۔ اللہ جانے کون شیطانی سوچ کا مالک تھا اور کیا چاہتا تھا۔ حریم خوف زدہ سی ہو کر سوچنے لگی۔ اتنی ساری معلومات تو صرف قریبی انسان ہی کو ہو سکتی تھیں۔ اُف۔ کس قدر کمینے لوگ ہیں اس دنیا میں۔ سوچ سوچ کر اس کے سر میں درد کی ٹیسیں اٹھنے لگیں۔

☆☆☆

تو آگے چل میں آتا ہوں، کیا چھوڑ تجھے جی پاؤں گا
ان سانسوں پر حق ہے جن کا،
ان کو سمجھانا باقی ہے
آہستہ چل زندگی، ابھی کچھ قرض چکانا باقی ہے

(گلزار)

☆☆☆

''میں پاکستان جانا چاہتی ہوں۔''

اس نے جیسے تھک کر کہا تو عائشہ اپنا اسکارف درست کرتے ہوئے بے تحاشا ٹھٹکی۔ آج صبح ہی سے اس کا گم صم انداز اور بیزار کن رویہ دیکھ کر وہ مسلسل اسے نظر انداز کر رہی تھی کہ کہیں اس کی ذرا سی ہمدردی پا کر اپنے آپ کو سمیٹے بیٹھی وہ لڑکی بکھر نہ جائے۔ لیکن اس کی احتیاط کے باوجود بھی بالآخر وہی ہوا۔

''اتنی مشکل سے تو یہاں پہنچے ہیں آمنہ! ابھی کچھ عرصہ صبر کرو۔ یوں بھاگم دوڑ میں کسی کی نظر میں آ گئیں تو مسئلہ بن جائے گا۔''

''پہلے کون سا زندگی پھولوں کی سیج بنی ہوئی ہے۔ ایک مسئلہ یہ بھی سہی۔ مگر اسے یوں کھو دینا مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔'' آمنہ کا دل ہی نہیں آنکھیں بھی بھر آئیں۔

''چند دن صبر کر لو آمنہ! ان شاء اللہ سب بہتر بلکہ بہترین ہو جائے گا۔'' عائشہ نے اسے گلے لگاتے ہوئے تسلی دی۔

''اگر تم لوگوں کا یہ میلوڈرامہ بند ہو گیا ہو تو کیا میں اسٹور بند کر سکتا ہوں؟'' حیان کی آواز ان کے قریب ہی سے ابھری تو وہ دونوں بدک کر الگ ہوئیں۔

''ال مینرڈ۔'' آمنہ کا دل چاہا منہ میں بدبدائے یہ لفظ کاش وہ اونچی آواز میں اس کھڑوس بندے سے کہہ

TAGPK.COM

سکتی۔

''تمہیں کسی نے دعوت نہیں دی کہ تم آ کر ہمارا ڈراما دیکھو۔'' وہ خفگی سے اتنا ہی کہہ پائی۔

''اپنے مالک کو جواب دینے کی سزا جانتی ہو؟'' حیان نے نتھنے پھلائے تو عائشہ دوست کی مدد کے لیے سامنے آئی۔

''مائنڈ یو برادر! ڈیوٹی ٹائم آف ہو چکا ہے، اب تم ہمارے باس نہیں ہو۔ سو۔ اپنے کام سے کام رکھو۔''

وہ رکھائی سے کہتی آمنہ کا ہاتھ تھام کر حیان کے گھورنے کی پروا کیے بغیر باہر نکل گئی۔ پیچھے وہ دانت پیستے ہوئے لیک کر اسٹور بند کرنے لگا، باہر نکلا تو وہ دونوں اس کی گاڑی کے پاس کھڑی ابھی بھی شاید دکھ سکھ کی باتیں ہی کر رہی تھیں۔

اسے آتے دیکھ کر آمنہ (کیتھی) نے کچھ کہا اور عائشہ چپ ہو گئی۔ حیان الشافع نے ایک نظر آمنہ کی بھیگتی پلکوں پر ڈالی اور گاڑی کا دروازہ ان لاک کیا وہ دونوں گاڑی میں بیٹھ گئیں۔

''آمنہ پاکستان جانا چاہتی ہے۔'' عائشہ نے کہا تو حیان نے بیک ویو مرر میں سے پیچھے نگاہ ڈالی۔ وہ پژمردہ سی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ عائشہ کی بات پر بھی متوجہ نہ ہوئی۔

''اسے بہت شوق ہے فوت ہونے کا۔'' وہ سلگا۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ۔'' عائشہ بھائی کی صاف گوئی پر جز بز ہوئی۔

''پتا تو ہے کس طرح چھپتے چھپاتے یہاں تک کا سفر کیا ہے اس نے۔ اور ابھی وقت ہی کتنا ہوا ہے اس معاملے کو۔'' وہ جانے کیوں بھنا رہا تھا۔

''یہی تو میں اسے سمجھا رہی ہوں۔'' عائشہ بے بس ہوئی۔

''پہلے ہی بہت دیر ہو گئی ہے۔ اس سے میرا رابطہ منقطع ہے۔ فیس بک پہ وہ پچھلے کئی ماہ سے آف لائن ہے۔ واٹس اپ سے ناٹ ریسپانڈنگ ہے۔ مجھے بس اس کی خیریت مل جائے کہیں سے۔'' وہ کھڑکی سے سر ٹکائے آزردگی سے کہہ رہی تھی۔ حیان نے لب بھینچے۔

''دیکھو۔ میں کوئی سخت الفاظ نہیں بولنا چاہتا۔ لیکن تمہاری جلد بازی سے ہمیں بھی نقصان پہنچ سکتا ہے۔''

''تم سے صرف مشورہ مانگا ہے۔ مدد نہیں۔'' آمنہ نے رکھائی سے کہا۔

''یہ مشورہ بھی ہے اور مدد بھی۔ تھوڑے دن اور صبر کر لو پھر اس کا بھی کوئی حل نکالتے ہیں ان شاء اللہ۔'' وہ پہلی بار قدرے نرم لہجے میں بولا تو آمنہ کا دل بھرانے لگا۔ اس نے کھڑکی سے سر ٹکا کر آنکھیں موندیں تو آنسوؤں نے اس کے رخسار بھگو دیے۔ یہ نظارہ کسی کے دل کو بہت بوجھل کر گیا۔

''حیان ٹھیک کہہ رہا ہے۔ جہاں اتنا صبر کیا ہے، وہاں تھوڑا اور انتظار کر لو۔ ڈینیئل نے بھی تو یہی کہا تھا تم سے۔'' عائشہ نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اسے یاد دلایا تھا۔ وہ یونہی آنکھیں موندے چپ چاپ بیٹھی رہی۔

☆☆☆

حریم جب سے فارم ہاؤس سے لوٹی تھی تب سے کیتھی کا نمبر بلاک کرنے والی حرکت پہ اس کا دل بوجھل تھا جیسے کوئی گناہ عظیم سرزد ہو گیا ہوا۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ زیاد کیتھی ہی کا تھا لیکن کیتھی کا نمبر بلاک کر کے حریم اسے زبردستی خود تک محدود رکھنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اسے کیتھی کا نمبر بلاک نہیں کرنا چاہیے تھا۔ پتا تو چل جاتا کہ زیاد کیا فیصلہ کرتا ہے۔ اور میرا مستقبل کیا ہوگا۔ وہ گومگو کی کیفیت میں تھی ایک دل کرتا کہ ساری بات زیاد کو بتا دے۔ اسے بتا دے کہ اس کی کیتھی لوٹ آئی تھی۔ مگر پھر اپنی بے سروسامانی یاد آتی وہ تو نہ سسرال میں رچ بس پائی اور میکے سے ویسے ہی دربدر تھی تو اگر کیتھی کے لوٹ آنے پر زیاد اسے چھوڑ دیتا تو وہ کہاں جاتی؟

TAGPK.COM

''میں شاید خود غرض ہو رہی ہوں۔'' اس نے اپنی دکھتی کنپٹیوں کو دبایا۔

''مما۔'' میرب ایک دم سے آ کر اس سے لپٹی تو وہ چونک گئی وہ اچھے موسم کا فائدہ اٹھاتے ہوئے میرب کو لے کر قریبی پارک میں آئی ہوئی تھی تبھی سجل کو آتے دیکھ کر وہ بینچ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں لیٹ تو نہیں ہوئی؟'' سجل مسکراتے ہوئے اس کے گلے لگی۔

''بس تھوڑا سا۔'' وہ مسکرائی۔

''ہیلو لٹل فیری۔ کیسی ہیں آپ؟'' وہ اب میرب کو پیار کر رہی تھی۔

''بالکل اپنی ماں جیسی ہے۔ نازک اور حسین۔'' میرب کو دوسرے بچوں کی طرف بھاگتے دیکھ کر سجل نے حسرت سے کہا۔

''ہمم.....'' زمین کے ذکر پر حریم کی آنکھیں نم ہوئیں۔

''تم کیسی ہو؟''

''پتا نہیں۔'' وہ تھک سی گئی۔ ''کبھی لگتا ہے کہ اب سب کچھ ٹھیک ہو گیا ہے اور پھر اچانک جیسے بند گلی میں آ کر کھڑی ہو جاتی ہوں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔''

ساری بات سجل کو بتانے کے بعد وہ آزردہ تھی۔

''تم نے ٹھیک کیا ہے حریم! کیتھی بے شک اسی جگہ کھڑی ہے لیکن زیاد وہاں سے آگے بڑھ چکا ہے، اس کی اب اپنی الگ زندگی ہے۔ یہ قدرت کے فیصلے ہیں جیسے چل رہا ہے۔ اسے چلنے دو خود کو الزام مت دو۔''

''لیکن مجھے فیصلہ زیاد پہ چھوڑنا چاہیے تھا سجل! اس طرح تو ہر پل ''کچھ ہو نہ جائے'' والی تلوار لٹکا لی ہے میں نے اپنے سر پر۔''

''تم سے شادی کا فیصلہ بھی زیاد ہی کا ہے وہ بھی زبردستی۔ اب وہ اس سے پھر نہیں سکتا۔''

''تب اگر کیتھی موجود ہوتی تو وہ وصیت کو چھوڑ کر کیتھی ہی سے شادی کرتا۔ یہ بات وہ مجھے خود بتا چکا ہے۔'' حریم نے کرب سے کہا۔

''لیکن کیتھی موجود نہیں تھی حریم۔'' سجل نے تحمل سے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

حریم اسے دیکھنے لگی۔

''کیا مجھے دیکھنا نہیں چاہیے کہ زیاد کی کیا چاہت ہے۔ مجھے اپنا آپ چور اور مجرم لگ رہا ہے۔ نجانے کیتھی کس مشکل میں تھی۔ اور میں نے اس کا رابطہ نہیں ہونے دیا زیاد سے۔''

''جتنی زیادہ تمہاری ناقابل یقین لائف گزر رہی ہے نا۔ یقین کرو حریم! تم زیادہ مشکل میں ہو۔'' سجل نے اسے احساس دلایا۔

''اور اگر وہ آ گئی تو.....؟''

''کل کے خدشات میں اپنے آج کو برباد مت کرو۔ جتنا وقت ملا ہے، اس میں کوشش کرو اپنے گھر اور اپنے شوہر کے دل میں جگہ بنانے کی۔ ایسے کہ کسی کے آنے جانے سے تمہیں کوئی فرق نہ پڑے۔''

''پتا نہیں سجل! لیکن مجھے یوں لگتا ہے میری زندگی دوسروں کے فیصلوں کی محتاج ہے مجھے موقع ہی نہیں ملتا کہ میں اپنے لیے کچھ کر سکوں اپنی مرضی سے۔'' وہ بے بس ہوئی۔

''سب ٹھیک ہو جائے گا۔ بس تم اپنے آپ کو مضبوط بناؤ۔ زیاد وسیم کی بیوی ہو تم، اسی حیثیت سے سوچا کرو۔'' سجل نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے اس کا ہاتھ تھپتھپایا۔

''مما!'' میرب بچوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے خوشی اور جوش سے اسے پکار رہی تھی۔

TAGPK.COM

''سب سے بڑھ کر یہ کہ تم میرب کی ماں ہو۔ اس کے ساتھ تمہارا خون کا رشتہ ہے حریم! جو اور کسی کا نہیں ہو سکتا اور خوش قسمتی سے یہ بات زیاد بھی بہت اچھی طرح سمجھتا ہے۔''

سجل مسکرا رہی تھی ان دونوں کی نظریں سلائڈ پہ پھسلتی میرب پر تھیں حریم کا دل اس بات پر ٹھہر سا گیا۔

☆☆☆

وہ دوپہر کا کھانا تیار کروا کر باہر نکلی تو لاؤنج میں مائرہ کے ساتھ ایک خوش شکل اٹھائیس تیس سالہ نوجوان کو دیکھ کر جھجک سی گئی۔ مگر چونکہ ان سب کی نظر اس پر پڑ چکی تھی تو حریم نے سر ہلا کر سلام بھی کر دیا۔

''وعلیکم السلام۔ بھئی یہ نیا چہرہ کون ہے؟'' بقول مائرہ۔ شاذل عباس کی زبان تو ویسے بھی کھجلی زدہ تھی۔ نزہت کی مسکراہٹ سمٹی۔

''او کے۔ یعنی زیاد کی وائف ہیں۔ آپ کی بہو۔'' شاذل نے نزہت سے خوش دلی سے پوچھا تو ان کا چہرہ تاریک ہوا لیکن وہ کوئی جواب دیے بغیر بس مسکرا دیں۔ مائرہ نے دانت پیسے۔

وہ آج عباد اور نزمین کی تعزیت کے لیے آیا تھا لیکن اس کا یوں حریم کو توجہ دینا مائرہ کو زہر لگا۔

''ہاں۔ فی الحال۔'' مائرہ کہہ کر خود ہی ہنسی۔ شاذل نے اس کے بدتمیزانہ انداز پر پہلے بے اختیار نزہت اور پھر حریم کو دیکھا۔ نزہت تو یونہی گردن اکڑا کر بیٹھی بھتیجی کا جملہ انجوائے کر رہی تھیں لیکن حریم کی رنگت ضرور بدلی وہ تیزی سے وہاں سے گزر گئی تھی۔

''واٹس دس ربش یار؟ یہ..... مذاق تھا یا؟'' شاذل الجھ کر مائرہ کی طرف پلٹا۔

''یہ اس لڑکی کی حیثیت ہے اس گھر میں۔ جو اپنی بہن کی جگہ پُر کرنے کے لیے لائی گئی ہے صرف اس کی بچی کی دیکھ بھال کے لیے۔'' وہ تنفر سے بولی۔

''پھر تو بہت مستحکم حیثیت ہے اس گھر میں اس کی۔ ایک لاوارث بچی کی ماں بن کے آئی ہے وہ۔'' شاذل توصیفی انداز میں بولا۔

''لاوارث کیوں۔ خیر سے دادا، دادی، چچا سب ہیں اس کے۔'' نزہت نے پہلو بدلا۔

''لیکن پھر بھی اس کے لیے ماں کی کمی محسوس کی گئی آنٹی! تو اس کا مطلب یہی ہوا کہ ماں باپ کے رشتہ کا موجود ہونا سب سے امپورٹنٹ ہے۔'' وہ دس سال امریکہ جیسے ملک میں گزار کر آیا تھا۔ جو دل میں آیا بلا جھجک کہہ ڈالا۔

''اب وہ اتنی بھی امپورٹنٹ نہیں ہے کہ تم اس کے حق میں تقریر کرنی شروع کر دو۔ بس ایک زبردستی کا سودا ہے۔ زیاد بے چارہ تو بھائی کی وصیت نبھا رہا ہے۔ تمہیں بتایا تو تھا۔''

''جو بھی ہے۔ اب اس کی بیوی ہے وہ۔'' شاذل نے شانے جھٹکے۔

نزہت اس کی باتوں سے سخت بے آرامی محسوس کر رہی تھیں، دراصل انہوں نے عباد سے لے کر اب زیاد تک مائرہ کو اتنی شدت سے بہو بنانے کا سوچا تھا کہ انہیں اس گھر میں حریم کی اہمیت دکھائی ہی نہیں دیتی تھی۔ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ ان کا بیٹا اب اپنی زندگی میں پرسکون ہے اور میرب بے وجہ رولی دکھائی نہیں دیتی، ہر وقت صاف ستھری بجی سنوری گڑیا کی طرح چہکتی پھرتی ہے انہیں صرف مائرہ کی ناکام زندگی کا دکھ تھا، انہیں نزمین کا مائرہ کی خوشیوں پہ شب خون مارنا یاد تھا اور اب حریم کا ان کی خواہش کے برخلاف زیاد کی زندگی میں شامل ہو جانا۔ ایسے میں وہ بس کسی بھی طریقے سے مائرہ کی خوشیاں واپس اسے لوٹانا چاہتی تھیں۔ اس لیے انہیں یہ لڑکا خاص پسند نہیں آیا تھا جو ان کے منہ پر بیٹھ کر انہیں غلط اور حریم کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کر رہا تھا شاذل کی باتوں کی وجہ سے ہی مائرہ جلد ہی اسے لیے وہاں سے اٹھ گئی۔

TAGPK.COM

''بہت ال منیرڈ ہو تم۔'' وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بھنائی ہوئی تھی۔
''شکریہ۔ پر یہ ایوارڈ کس لیے؟'' وہ دانت نکوس کر پوچھنے لگا۔
''دوسروں کے معاملات میں ٹانگ اڑانے اور بنا پوچھے تبصرے کرنے کے لیے۔'' وہ تپی۔
''اوہ۔ تم اپنی پھپھو کی بات کر رہی ہو۔ تو وہ کون سا صحیح کر رہی ہیں۔'' وہ ریلیکس ہو کر بیٹھا۔
''جن کے ساتھ زندگی صحیح نہ کرے، انہیں ہر بات کی اجازت ہوتی ہے۔''
''یہ حق تو پھر ان کی بہو کو بھی حاصل ہے۔ تم نے اسٹوری بتائی تھی اس کی۔ وہ بھی مظلوم ہے۔'' شاذل نے شانے جھٹکے۔
''ہاں۔ دوسروں کے منگیتر ہتھیانے والی مظلوم۔ دونوں بہنیں ہی ایوارڈ یافتہ مظلوم ہیں۔'' وہ تنگی اور جھٹکے سے گیئر بدل کر جیسے سارا غصہ نکالا ہو۔ شاذل نے کچھ کہنے کو لب کھولے پھر بھینچ کر جیسے بولنے کا ارادہ ملتوی کر دیا۔

☆☆☆

حریم میرب کو سلا کر اب خود بھی سونے کی تیاری میں تھی۔ زیاد تولیے سے بال رگڑ کر خشک کرتا اس کی پھرتیاں دیکھ رہا تھا۔ تولیا کرسی کی پشت پہ پھیلاتے ہوئے وہ آ کر اس کے مقابل بیڈ پر بیٹھا۔ حریم کی کلائی تھامی تو اس کا دل سکڑ سا گیا بے اختیار اس کی طرف دیکھا۔
''کیا بات ہے۔ کس سے بھاگ رہی ہو؟'' وہ سنجیدہ تھا۔
''کیا مطلب؟'' حریم کی ہوائیاں اڑیں۔
''میرے کمرے میں آنے سے پہلے ہی سو جانا صبح سویرے کمرے سے ''بھاگ'' جانا۔ میرا نہیں خیال کہ میں ایسا ہی کوئی ڈریکولا بن چکا ہوں جس سے تم انتہائی خوف زدہ ہو۔'' وہ رسان سے کہہ رہا تھا۔ حریم شرمندگی سے مر جانے والی ہوئی، وہ اپنی ان حرکتوں کو زیاد کا سامنا کرنے سے بچنے میں کامیابی تصور کر رہی تھی یہ نہیں پتا تھا کہ مقابل بھی دو عدد آنکھیں اور ایک مکمل اور ذہین دماغ رکھتا ہے۔
''میں بھلا کیوں بھاگوں گی؟'' وہ مکر گئی حلق خشک ہونے لگا تھا۔
''یہ تو تم ہی بتا سکتی ہو۔'' وہ برجستہ بولا اور اس کا دوسرا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں تھام لیا تو حریم کی سانس تھمی۔ اب کون کمبخت کچھ بھی بتا سکتا تھا بھئی۔
''ایسا کچھ نہیں ہے۔ مجھے نیند آ جاتی ہے۔ اور جلدی سونے کی وجہ سے صبح جلدی آنکھ بھی کھل جاتی ہے۔'' اس نے جھوٹ سچ ملا کر اپنے ہاتھ کھینچے لیکن زیاد کی گرفت مضبوط تھی۔ حریم نے تھوک نگلتے ہوئے اسے دیکھا تو دھک رہ گئی وہ پوری توجہ سے اس کی طرف متوجہ تھا۔
''میں شکل سے تمہیں بے وقوف نظر آتا ہوں جو رات جلدی سونے اور صبح جلدی جاگنے کے فوائد سن کر بہل جاؤں گا؟'' تحمل سے پوچھا حریم نے نفی میں سر ہلایا۔
''تو پھر تم مجھ سے بچ کر، کترا کر مجھے کیوں اس بات کا احساس دلانا چاہتی ہو کہ ہمارے بیچ ابھی بھی سب کچھ ٹھیک نہیں۔ یا جو کچھ ہے، وہ درست نہیں ہے؟''
حریم کی مزاحمت بالکل ختم ہو گئی اس کے ہاتھ زیاد کی گرفت میں ڈھیلے پڑ گئے۔
''ایسا کچھ نہیں ہے۔''
''تو پھر اس گریز کی صاف وجہ بتا دو۔ مجھ سے یہ پہیلیاں نہیں بوجھی جاتیں۔ میں صاف اور سیدھی زندگی گزارنے کا قائل ہوں جو دل میں ہے، زبان پہ لے آؤ۔'' وہ رسان سے بولا۔ مگر حریم کے پاس اتنی ہمت ہوتی یا

TAGPK.COM

اسے آگے پیچھے کوئی دکھائی دیتا تو وہ دل کی بات زبان پر لاتی لیکن فی الحال تو لاوارثوں جیسی کیفیت تھی۔

''پتا نہیں۔ یونہی دل پریشان سا ہے۔'' اسے رونا آنے لگا۔

''کل جا کر اپنے ابو امی سے مل آؤ۔ طبیعت بہل جائے گی۔'' اس کے اعصاب ڈھیلے پڑے تو ہمدردی سے مشورہ دیا۔ حریم نے آنسو پیتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔ زندگی نے انجر پنجر ڈھیلے کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی اس پہ ستم یہ کہ ماں بہن کا شانہ بھی میسر نہ تھا جس پہ سر رکھ کر دل کا بوجھ ہلکا کر لیتی یا مشورہ ہی مانگ لیتی۔

وہ اس کا ہاتھ تھپتھپاتے ہوئے اٹھ گیا اور آئینے کے سامنے کھڑا ہو کر بال سنوارنے لگا۔ حریم چپکے سے اپنی جگہ لیٹی اور آنکھوں پہ بازو رکھ لیا۔ تھوڑی دیر وہ اور پوچھ گچھ کرتا تو شاید آج وہ دل کے سارے خوف اس کے سامنے اگل ہی دیتی۔ اس کی آنکھیں جلنے لگیں۔

☆☆☆

''شاذل کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' رابعہ نے دوستانہ انداز میں پوچھا تو مائرہ نے گہری سانس لی۔ پھر تیکھی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

''اس سوال کا بیک گراؤنڈ پوچھ سکتی ہوں میں؟'' مائرہ نے تیوری چڑھائی۔

''ویسے ہی۔ اتنی دوستی ہے تم دونوں میں۔ اس لحاظ سے پوچھ رہی ہوں۔'' وہ ٹالتے ہوئے سرسری بولیں۔

''وہ میرا اچھا دوست ہے مما! اور اسے دوست ہی رہنے دیں۔ اس کے اور میرے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے۔'' مائرہ نے ان کی سوچ کے آگے بند باندھتے ہوئے حفظ ماتقدم کے طور پر پہلے ہی متنبہ کر دیا۔

''لیکن پھر بھی تم دونوں اچھے دوست ہو۔'' رابعہ نے اسی کے الفاظ جتانے والے انداز میں دہرائے۔

''بہت اچھے دوست ہیں میرے، تو کیا کرنا چاہیے مجھے والدہ محترمہ؟'' طنزیہ پوچھا۔

''زندگی کی طرف لوٹنا چاہیے اور کیا۔ روبی کی پہلی دونوں بہوویں بھی دیکھ لو، عیش کر رہی ہیں کوئی روک ٹوک نہیں۔ اپنی مرضی کا سونا جاگنا۔ اگر شاذل بہت پہلے امریکہ نہ چلا جاتا تو آج تم اپنے گھر کی ہو چکی ہوتیں۔'' وہ صاف گوئی سے بولیں۔

''فار گاڈ سیک مما!'' اس نے گویا تنگ آ کر دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے کو لگائے۔

''یہ مڈل کلاس ماؤں کی طرح اپنی ہر تان میری شادی پہ لا کر مت توڑا کریں۔ ہر لڑکے میں اپ کو اپنا ہونے والا داماد دکھائی دینے لگتا ہے۔''

''میں خود سے نہیں کہہ رہی۔ روبی نے اشاروں میں بات کی ہے مجھ سے۔ وہ شاذل کی پہلی تین ناکام شادیوں کی وجہ سے جھجک رہی ہے ورنہ شاید کھل کر بات کرتی۔'' انہوں نے اپنی صفائی پیش کی۔

''انہیں جھجکنا بھی چاہیے۔'' مائرہ تیز لہجے میں بولی۔

''لو۔ کیوں بھلا۔ شاذل! میں ماشاء اللہ کیا کمی ہے اور ویسے بھی یہاں خاندان بھر میں کسی کو بھی شاذل کی تین شادیوں کے بارے میں نہیں پتا۔'' رابعہ برا مان کر بولیں تو مائرہ کو غصے کے ساتھ ہنسی بھی آئی۔

''مجھے تو پتا ہے نا۔ خاندان بھر نے کون سا اس سے شادی کرنی ہے۔ اور ویسے بھی میرے کیا اتنے برے دن آ گئے ہیں کہ کوئی کنوارا نہیں ملے گا اب مجھے؟''

''زیادہ بھی تو شادی شدہ ہے مائرہ۔ اگر تم ابھی تک اس کے متعلق سوچ سکتی ہو تو شاذل کے بارے میں

TAGPK.COM

کیوں نہیں۔ زیاد تو ویسے بھی سیٹل ہے اپنی زندگی میں۔''

رابعہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے جتا گئیں حالانکہ جانتی تھیں کہ اس کا دل دکھے گا لیکن یہ جتانا ان کے خیال میں ضروری بھی تھا۔ مائرہ کی رنگت بدلی۔

''آپ شاذل اور زیاد کو مقابل مت لائیں۔ میری زندگی جیسے گزر رہی ہے، وہ میری اپنی چوائس ہے۔ آپ اس میں شاذل کو مت گھسیڑیں۔'' حسب توقع وہ تپ اٹھی تھی۔

''میرا تو کام تھا تمہیں برا بھلا بتانا، میری جان! جذبے وہاں لٹائے جاتے ہیں جہاں انسان کی قدر ہو۔ تمہاری پھپھو بھی اندھی ہو چکی ہے تمہاری محبت میں۔ نہ اپنی بہو کو پوری زندگی گزارنے دے رہی ہے نہ تمہیں۔ اور یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔''

رابعہ نے تنگ آ کر کہہ ہی دیا جو کتنے ہی عرصے سے ان کے دل میں تھا اور وہ مائرہ کی دل آزاری کے خیال سے زبان پر نہیں لاتی تھیں لیکن اب جبکہ شاذل کی صورت انہیں اس دلدل سے بیٹی کو نکالنے کا موقع دکھائی دیا تو وہ ہر ممکن اقدام کرنا چاہتی تھیں جس سے مائرہ کو عقل آ جائے۔ مائرہ غصے کے مارے بنا کوئی جواب دیے وہاں سے چلی گئی تو وہ سر تھام کر بیٹھ گئیں۔

''یا اللہ۔ ان پھپھی بھتیجی کو ہدایت دے۔''

ان کے دل سے دعا نکلی تھی۔

نزہت سے بھی اب صاف لفظوں میں بات کرنے کا انہوں نے سوچ لیا تھا۔ جو بے جا ضد کے پیچھے نہ بیٹے کا گھر بسنے دے رہی تھیں اور نہ ہی مائرہ کو کسی اور طرف دھیان کرنے دیتی تھیں۔

☆☆☆

آج ان کی روبی خالہ کے گھر دعوت تھی۔ خالہ کی دونوں بیٹیاں اپنے میاں اور بچوں سمیت مدعو تھیں روبی خالہ کے دونوں بیٹے اور بہوویں شان محفل بنے ہوئے تھے۔ مائرہ بھی اپنی فیملی کے ساتھ موجود تھی بہت اچھے ماحول میں کھانا کھایا گیا۔ ہنسی مذاق گپیں۔ ایسے میں سب کو اپنے آپ میں مگن دیکھ کر مائرہ پہ یک دم ہی جیسے خود ترسی اور قنوطیت کا حملہ ہوا۔ وہ سب سے پہلے کھانا ختم کر کے اٹھ گئی۔ تنہائی ملتے ہی اپنی بے رنگ واجاڑ زندگی پہ آزردہ ہونے لگی۔ جذباتیت کے اس سارے سفر میں اس کے ہاتھ بھلا کیا لگا تھا؟ تنہائی اس کی ہم سفر بنی۔ نارسائی کا دکھ ملا اور بس۔

''کیا یار کزن! بوریت پھیلا کر رکھی ہے۔ کیوں اٹھ آئی ہو۔ اندر اتنے مزے کی سٹنگ چل رہی تھی۔ سویٹ ڈش اور چائے باقی تھی ابھی۔'' شاذل اس کے پیچھے لان میں نکل آیا تھا۔

''تم بیٹھو جا کر۔ میں تو بس فل ہو گئی تھی۔'' مائرہ نے رخ موڑا اور واک کرنے لگی۔

''کس سے؟ اس ہنسی مذاق سے یا کھانے سے؟'' وہ اسے گہری نظر سے دیکھتے ہوئے اس کے ساتھ قدم اٹھاتا بظاہر ہلکے پھلکے انداز میں پوچھنے لگا تو مائرہ جلبلائی۔

''زہر لگتے ہیں مجھے دوسروں پہ تبصرے کرنے والے لوگ۔''

''یا تم پسند نہیں کرتیں کہ کوئی تمہارے احساسات جان پائے۔'' ایک اور بے رحمانہ تبصرہ آیا مائرہ نے رک کر اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا، شاذل نے ایسے سر خم کیا جیسے اپنے درست اندازے کی داد چاہی ہو۔

''بکواس۔'' مائرہ نے سر جھٹکا مگر وہ سنجیدہ ہو گیا۔

''کب تک سرابوں کا پیچھا کرتی رہو گی مائرہ! کیوں زندگی برباد کر رہی ہو اپنی؟'' اس نے اس قدر غیر

TAGPK.COM

متوقع طور پر موضوع بدلا تھا کہ مائرہ کے تلووں میں لگی سر پہ جا بجھی۔
''تمہیں کیا تکلیف ہے بھئی۔ تم چار گرل فرینڈز نمٹا آئے۔ تم پر کوئی اعتراض کیا ہے میں نے؟'' وہ اس پہ چڑھ دوڑی۔
''چار نہیں تین۔ ابھی ایک کی گنجائش باقی ہے۔'' وہ اطمینان سے تصحیح کرتے ہوئے بولا۔
''تو جاؤ۔ منع کس نے کیا ہے کرلو چوتھی بھی۔ بیٹھی ہوگی کوئی گوری کالی تمہارے لیے۔'' وہ تنکی۔
''وہ تو میری پسند کی تھیں۔ لیکن سارے تجربے ہی ناکام رہے، اب تو سوچ لیا ہے مام کی پسند کی لڑکی سے چپ چاپ کر کے شادی کر لینی ہے۔''
وہ بڑا کوئی فرماں بردار بیٹا بنا ہوا تھا۔ رابعہ اگر اسے روبی خالہ کی ڈھکی چھپی خواہش کے متعلق بتا نہ چکی ہوتیں تو وہ بھی شاذل کی باتوں کو خوب انجوائے کرتی لیکن اب جبکہ وہ سارے معاملے سے واقف تھی، اس لیے کڑوا کریلا بنی ہوئی تھی۔
''جو مرضی آئے کرو۔ چاہو تو اپنے ڈیڈ کی پسند سے بھی ایک شادی کرلو۔ لیکن میری زندگی میں دخل مت دو سمجھے۔'' وہ تنک کر کہتی اسے بہت کچھ باور کراتی پاؤں پٹختی اندر کی طرف بڑھی۔
''ارے۔ اسے کیا ہوا؟ میں نے کیا کیا ہے بھلا؟ رکو۔ بات تو سنو۔'' شاذل اس کے پیچھے لپکا مگر وہ ان سنی کرتی دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

☆☆☆

''سنو۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''
وہ تیز قدموں سے چلتی اس کے ہم قدم ہوئی چاکلیٹ کے ڈبے ریک میں رکھتے ہوئے حیان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ نیلی آنکھوں سے سجا چہرہ سرمئی رنگ کے حجاب میں دمک رہا تھا۔ نیلی آنکھوں کے زیریں کنارے سرخ اور قدرے سوجن زدہ تھے جیسے وہ روتی رہی ہو۔ اس نے بے ساختہ نگاہ موڑی۔
''یہ کام کا وقت ہے۔ اس میں باتوں کے لیے ٹائم نہیں نکل سکتا۔'' وہ رکھائی سے بولا۔ آج عائشہ کو بخار تھا تو وہ چھٹی پر تھی، اس وجہ سے آمنہ کو اکیلے آنا پڑا تھا۔
''دو منٹ چاہئیں بس۔'' وہ ملتجیانہ لہجے میں بولی۔
''کہا نا۔ کام کے دوران ایک منٹ بھی نہیں۔'' وہ رکھائی سے کہہ کر اپنے کیش کاؤنٹر پہ جا کھڑا ہوا آمنہ اسے دل ہی دل میں گالیاں دیتے ہوئے واپس پلٹی تھی، موڈ اتنا خراب تھا کہ اس نے آج کسٹمرز کو بھی ٹھیک سے ڈیل نہ کیا تھا۔ چھٹی کے وقت کا اسے بے صبری سے انتظار تھا تب اس کا کھڑوس باس بالکل فارغ ہوتا تھا اور شاید راستے میں اس کی بات توجہ سے سن لیتا۔
''آج تم نے میرا کاروبار ڈبونے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ دو کسٹمرز تمہاری شکایت کر کے گئے ہیں۔'' وہ واپسی پر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہی گویا خود بھی ساتھ ہی اسٹارٹ ہو گیا تھا۔ آمنہ کو شدید غصہ آیا۔
''ایکسکیوز می۔ مسٹر! اس وقت تم مجھے میرے کام کے حوالے سے کچھ بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ اسٹور کے باہر تم میرے باس نہیں ہو۔'' وہ نتھنے پھلا کر بولی۔
''یہ جملہ تمہیں عائشہ نے سکھایا ہے۔ لیکن یہ غلط اسٹیٹمنٹ (بیانیہ) ہے۔ باس از آلوز باس (مالک ہمیشہ مالک ہوتا ہے)۔''
''ہوتا ہوگا۔'' اس نے مکھی اڑائی۔
''اب بتاؤ۔ کیا بات کرنی تھی؟'' وہ احتیاط سے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

TAGPK.COM

آمنہ نے گہری سانس بھرتے ہوئے جیسے اپنی ہمت مجتمع کی۔

''مجھے واقعی پاکستان جانا ہے حیان! جائز و ناجائز کسی بھی طریقے سے۔'' اس نے ٹشو سے ناک رگڑی۔ بات کے اختتام تک اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے۔ حیان نے لب بھینچے۔

''دیکھو۔ پہلی بات تو یہ کہ تم یہ رونے والا سین بند کرو۔ میں ایک بہت نرم دل بندہ ہوں لڑکیوں کو روتے دیکھ کر ڈرائیونگ نہیں کر سکتا۔ ہاتھ کانپنے لگتے ہیں، ایسے ہی کہیں گاڑی ٹھونک دی تو تمہارا پاکستان کا ویزا لگے نہ لگے، اوپر کا ضرور لگ جائے گا۔'' وہ اپنی ہی بولی بولے جا رہا تھا۔ آمنہ کے آنسو تو کیا رکتے، دانتوں پہ دانت بھی جم گئے۔

''ہاں۔ اب ٹھیک ہے۔ اب بتاؤ دوبارہ سے۔'' اسے خود کو گھورتے پا کر وہ جیسے مطمئن ہو کر بولا تو آمنہ کا دل چاہا کاش! اس کے پاس ایک پستول ہوتا۔

''بات وہی ہے جو میں تمہیں بتا چکی ہوں۔ میں کسی بھی طرح پاکستان جانا چاہتی ہوں۔''

''اور میں نے تمہیں بتایا تھا کہ فی الحال یہ بالکل بھی ممکن نہیں ہے۔ اور دوسرا یہ کہ ایک بالکل انجان ملک میں اکیلی جا کر کیسے سروائیو کرو گی تم؟''

دیکھو۔ وہاں جا کر زیاد مل گیا تو پھر سارے مسئلے حل ہو جائیں گے میرے۔''

''اور اگر نہ ملا تو؟'' وہ بہت سفاک تھا۔ یہ آمنہ کو اس پل شدت سے احساس ہوا، اس کا دل چاہا حیان الشافع کا خوب صورت چہرہ نوچ لے۔

''پھر ظاہر ہے، میں واپس آ جاؤں گی۔'' بمشکل نرمی سے کہا۔

''تو پھر کچھ دن صبر کر لو اگلے مہینے تک کم از کم۔ میں کچھ دنوں کے لیے فری ہو جاؤں تو تمہارے ساتھ چل سکتا ہوں ایک ہفتے کے لیے۔'' وہ یک لخت ہی بولا تو آمنہ بدکی۔

''یہ کیا مذاق ہے؟''

''میرا کون سا تم سے مذاق چلتا ہے؟'' وہ فوراً روکھا ہوا۔

''تم یہاں ہماری ذمہ داری پر رہ رہی ہو۔ یعنی تمہارے بھائی نے تمہیں ہمارے حوالے کیا ہے۔ اب ہم کل کو اسے کیا جواب دیں گے۔ کدھر گئی اس کی بہن؟''

''لیکن تم وہاں جا کر کیا کرو گے۔ اور کیا ضروری ہے کہ وہ ایک ہفتے کے اندر مل جائے؟'' آمنہ کو اس کی آفر نے صدمے میں مبتلا کیا تھا اس سڑیل شخص کو مستقل اپنے سر پہ برداشت کرنا بڑی ہمت اور حوصلے کا کام تھا۔

''لیکن ہم وہاں مہینوں تک کے لیے نہیں جا سکتے۔ ابھی تو وہاں جانے کے لیے بھی مشکلات فیس کرنی پڑیں گی۔ اگر تمہیں اعتراض ہے تو ٹھیک ہے۔ سارا پروگرام کینسل۔ تم چپ کر کے اپنی جاب کرو بس۔'' وہ فوراً جابر باس بن گیا۔

اب آمنہ کے پاس اس سر پھرے شخص کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا۔

''او کے۔ ڈن کرتے ہیں۔'' آمنہ نے انگوٹھا دکھایا تو اس کے چہرے پہ طمانیت اتر آئی۔ وہ اپنے ہاسٹل کے سامنے اتری گاڑی کا دروازہ بند کر کے کھڑکی میں جھکی۔

''اس مہربانی کے لیے تمہارا بہت شکریہ۔'' آمنہ کو پہلی بار لگا کہ وہ سڑیل بھی اندر سے ایک اچھا شخص تھا۔

''اور ہاں۔ ایک بات کہنا تو میں بھول ہی گیا۔ اس معاہدے کی۔'' وہ جیسے اچانک یاد آنے پر بولا۔ آمنہ نے ناسمجھی سے اسے دیکھا۔

''وہ یہ کہ..... وہ شخص تمہیں ملے یا نہ ملے۔ حالات کے مطابق آخری فیصلہ میرا ہوگا۔''

TAGPK.COM

وہ بے حد اطمینان سے کہتا آمنہ کو زہر سے بھی بری کوئی شے لگا وہ دانت پیستی ٹھک ٹھک پاؤں مارتی واپس ہوئی تھی۔ حیان الشافع مطمئن سی مسکراہٹ کے ساتھ گاڑی آگے بڑھا لے گیا۔ وہ جانتا تھا مقابل کے پاس اس کی بات ماننے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ زندگی، آمنہ عرف کیتھی سے ہر فیصلہ خود اسی کی من مرضی سے کروانے والی ہے۔

☆☆☆

میرب کو سیر کروانے کے لیے نکلی تو شاپنگ مال کا رخ کرلیا۔ ونڈو شاپنگ کرتے کرتے ہی اسے میرب کے لیے پنک اور وائٹ اسکرٹ بہت پسند آئی۔ کپڑے لے کر وہ نکلی تو میرب نے جھولے لینے کا شور مچا دیا۔

''اُف میرو۔ ڈرائیور ویٹ کر رہا ہے۔ پھر آئیں گے پاپا کے ساتھ تو جھولے بھی لیں گے۔'' اسے سمجھانا چاہا لیکن میرب مچل اٹھی۔

''اوفوہ۔ چلو بھئی۔'' اس کا رخسار چوم کر حریم پلے ایریا کی طرف بڑھی جہاں رش اور شور الامان الحفیظ تھا۔

اس نے کاؤنٹر سے سکے خریدے اور میرب کو ایک جھولے پر بٹھا دیا۔

''مما۔ آئس کریم۔'' کسی بچے کو دیکھ کر وہ مچلی تو گہری سانس بھرتے حریم اسے جھولے سے نہ اترنے کا کہہ کر اس کے لیے آئس کریم لینے فوڈ کورٹ کی طرف آئی اسے محض کوئی تین چار منٹ لگے ہوں گے واپسی کے لیے۔ اور اتنی دیر میں میرب کا وہاں نام و نشان تک نہیں تھا۔ حریم کی رنگت اڑی۔ اس نے پاگلوں کی طرح اسے ادھر ادھر دیکھا۔ لیکن بے سود۔ حریم کو لگا جیسے کسی نے اس کے پیروں تلے سے زمین کھینچ لی ہو۔

☆☆☆

وہ ابھی آنے والے موسم سرما کی کیپ شالز کے ڈیزائن کے لیے ڈیزائنز سے سر کھپا کھپا کر فارغ ہوا تھا چند ڈیزائن فائنل کر کے اسے رخصت کیا تو موبائل بجنا شروع ہو گیا۔ اس نے انٹرکام اٹھا کر پہلے اپنے لیے کافی کا آرڈر دیا پھر موبائل اٹھایا تو حریم کی کال آ رہی تھی۔ اس نے کال اٹینڈ کی لیکن دوسری طرف شاید سگنل کم تھے۔ دوسرے شور اتنا تھا کہ اسے ایک لفظ بھی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔

''ہیلو۔ کہاں ہو تم حریم! باہر نکلو وہاں سے سگنل نہیں آ رہے شاید۔ آواز کم ہے۔'' اس نے اونچی آواز میں کہا۔ کال کٹ گئی تھی۔

ایک منٹ کے بعد میسج ٹون بجی تو اس نے دیکھا حریم کا وائس میسج آیا تھا۔ زیاد کے ہونٹوں پہ محظوظ مسکراہٹ پھیلی۔ اس نے میسج سننے کے لیے اسکرین ٹچ کی۔

''زیاد..... میرب نہیں ہے..... وہ..... کہیں بھی نہیں ہے یہاں۔ میں نے اسے ہر طرف دیکھ لیا ہے، وہ نہیں مل رہی۔''

حریم کی لرزتی کپکپاتی وحشت زدہ سی آواز نے زیاد کے دل کو جیسے مٹھی میں لے لیا وہ بے اختیار ہی اپنی نشست سے اٹھ کھڑا ہوا فی الفور حریم کو کال بیک کرتا وہ گاڑی کی چابی اٹھاتے تیزی سے آفس سے باہر بھاگا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

TAGPK.COM

مارینہ کامران

پہلی جدائی

منزہ بیگم آج صبح سے ہی کاموں میں مصروف تھیں، چھوٹی نند شزا کی شادی میں ایک ماہ رہ گیا تھا آج اس کے سسرال والوں کی دعوت تھی۔ گھر کی بڑی اور ذمہ دار بہو ہونے کے ناتے سارے انتظامات ان کو ہی دیکھنے تھے۔ اس لیے صبح سے ہی کاموں میں جت گئی تھیں۔ شزا نے چونکہ اگلے ماہ رخصت ہو جانا

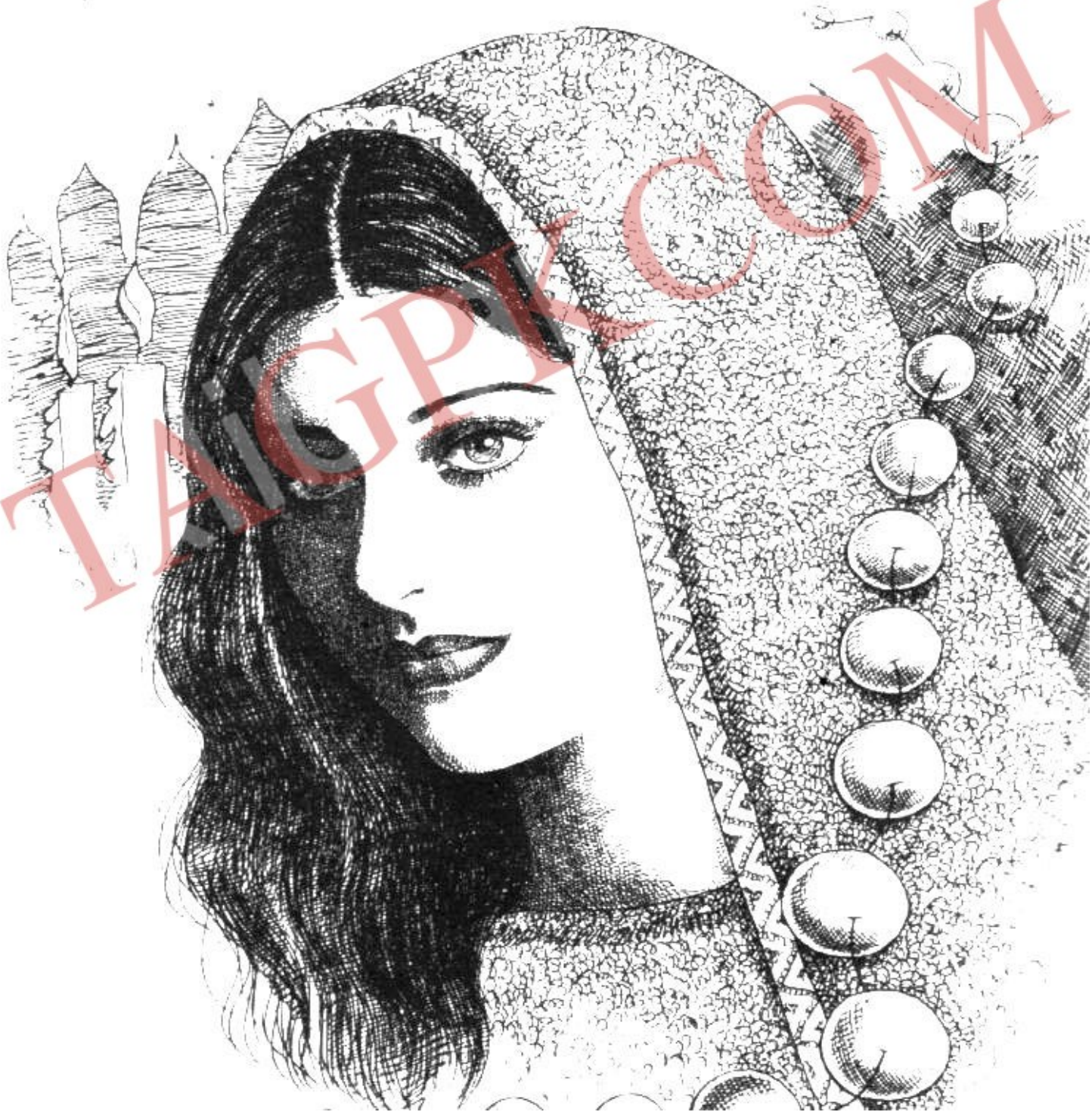

TAGPK.COM

TAGPK.COM

تھا۔ وہ اب اس گھر میں کچھ ہی دن کی مہمان تھی۔ اس لیے منزہ بیگم نے اسے آرام دینے کی غرض سے گھر کے کاموں کو ہاتھ لگانے سے منع کر دیا تھا۔ آج اس کا اپائنمنٹ بھی تھا پارلر میں سو وہ اپنی تیاریوں میں مصروف تھی۔ ساس کئی امراض کا شکار تھیں۔ اس لیے وہ بھی ہاتھ بٹانے کے قابل نہیں تھیں اوپری کاموں کے لیے ایک کل وقتی ملازمہ تھی نسرین مگر وہ بھی بلا کی ست اس لیے زیادہ تر کاموں کا بوجھ منزہ بیگم پر ہی تھا۔

منیزہ بیگم کی ایک بیٹی حیا اور دو بیٹے اذان اور افان تھے۔ منیزہ بیگم اپنی ساس، نند، شوہر اور بچوں کے ساتھ نیچے والے پورشن میں رہتی تھیں۔ اوپر والے پورشن میں ان کی دیورانی اپنے شوہر اور دو بچوں ندا اور اسامہ کے ساتھ رہتی تھیں منیزہ بیگم کی شادی کے تین سال بعد شہلا بیاہ کر آئیں تو دو ماہ بعد ہی شوہر کو لے کر علیحدہ ہو گئیں۔

شہلا تنک مزاج، بلا کی چرب زبان ہونے کے ساتھ ساتھ انتہا درجے کی ست تھیں۔ بھرے پرے گھر میں ان کا گزارا مشکل تھا ذرا سی بات مزاج کے خلاف ہو جاتی تو شہلا پورا گھر سر پر اٹھا لیتی تھیں۔ سونے پر سہاگہ شوہر صاحب ایسے کاٹھ کے الو واقع ہوئے تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر ماں سے جرح کرنے چلے آتے۔ کئی کئی دن تک روٹھے رہتے ماں کے پاس نیچے نہ آتے کئی دن تک اپنی صورت نہ دکھاتے، بیٹے کی محبت اور گھر بھر کے سکون کی خاطر منیزہ بیگم کی ساس شہلا جیسی بہو سے بھی خوش دلی سے پیش آنے پر مجبور تھیں۔ شہلا ہر تقریب اور تہوار میں نیچے ہی ہوتی تھیں مگر کسی بھی کام کو ہاتھ لگانا گناہ سمجھتی تھیں۔ عین وقت پر تیار ہو کر آتیں اور دعوت اڑا کر یہ جا وہ جا۔ منیزہ بیگم صلح جو طبیعت کی مالک تھیں۔ ساس کی مصلحت کو بھی سمجھتی تھیں اور گھر کا سکون بھی انہیں عزیز تھا اس لیے اکیلے ہی کاموں میں جتی رہتی تھیں اور کبھی کوئی اعتراض نہیں اٹھایا۔

آج بھی صبح ناشتے کے بعد کبابوں کا قیمہ چڑھایا، ٹرائفل بنا کر فریج میں رکھا پھر دوپہر کے کھانے کی تیاری کی، کھانے سے فارغ ہو کر پلاؤ کے لیے یخنی چڑھائی اور کچھ دیر ستانے کی غرض سے لاؤنج میں چلی آئیں۔ حیا لاؤنج میں بیٹھی اپنے پیپرز کی تیاری میں مصروف تھی، ماں کو پسینے میں شرابور دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی، جھٹ پٹ اسکوائش کا ٹھنڈا یخ گلاس بنا کر ماں کو دیا۔

''مما! آپ صبح سے کام کر کر کے ہلکان ہو رہی ہیں، میرے پیپرز نہیں ہوتے تو میں کالج سے چھٹی کر لیتی آپ کی کچھ مدد ہی ہو جاتی ایسا کرتی ہوں اکیڈمی نہیں جاتی، آف کر لیتی ہوں آج۔'' حیا کے چہرے پر ماں کے لیے فکرمندی جھلک رہی تھی۔

''نہیں بیٹا! ہو گیا ہے سب کام تم اپنی تیاری کرو پھر شام میں بھی ٹائم نہیں ملے گا پڑھنے کا اور کوئی ضرورت نہیں ہے چھٹی کرنے کی، اکیڈمی جاؤ دو گھنٹے کی ہی تو کلاس ہے۔ تمہیں پتا ہے تمہارے بابا پڑھائی کے معاملے میں کوئی لاپرواہی برداشت نہیں کریں گے۔'' منیزہ بیگم نے رسانیت سے بیٹی کو سمجھایا مگر حیا مستقل الجھن کا شکار تھی۔

''مما! یہ کہاں کا اصول ہے کہ اتنی بڑی دعوت کا انتظام آپ اکیلے ہی کر رہی ہیں، پھپھو کی تو بات چلو الگ ہے مگر کم از کم چچی کو تو چاہیے تھا کہ آپ کا ہاتھ بٹائیں۔ دادی کو چاہیے کہ وہ چچی کو بھی ایک دو ڈشز بنانے کا بولتیں، کسی کام کو چچی ہاتھ نہیں لگاتی ہیں اور عین وقت پر تیار ہو کر دعوت میں چلی آتی ہیں۔'' حیا اٹھارویں سال میں تھی سمجھ دار تھی، ماں کے ساتھ ہونے والی ناانصافی اس کے لیے اب برداشت کرنا مشکل تھا۔

''حیا! میں نے تمہاری یہ تربیت نہیں کی کہ بڑوں کے بارے میں اس لہجے میں بات کرو، تین بجنے والے ہیں اکیڈمی جانے کی تیاری کرو ہو جائیں گے سب کام تم صرف اپنی پڑھائی پر دھیان دو۔''

سدا کی صلح جو اور بچوں کی تعلیم و تربیت کے معاملے میں بلا کی حساس منیزہ بیگم کے لیے بیٹی کا یہ انداز تخاطب ناقابل برداشت تھا گو کہ بات اس کی درست تھی مگر وہ بچوں کو گھریلو اور خالصتاً بڑوں کے معاملات میں بولنے کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتی

TAGPK.COM

تھیں اس لیے سخت لہجے میں حیا کو تنبیہ کر رہی تھیں تاکہ وہ آئندہ محتاط رہے۔

''سوری مما! مجھے جو فیل ہوا میں نے وہی کہا۔ اگر آپ کو برا لگا تو آئی ایم سوری۔'' حیا کے چہرے پر شرمندگی کے آثار تھے وہ کتابیں سمیٹ کر چلی گئی۔ منیزہ بیگم نے ایک ٹھنڈا سانس بھر کر صوفے کی پشت سے سر ٹکا لیا ایک تو بلا کی گرمی، تھکن اوپر سے حیا کی کڑوی مگر سچی باتوں نے حقیقت میں ان کا دماغ چکرا کر رکھ دیا تھا۔ کچھ دیر حواس بحال کرنے کے بعد انہوں نے کچن کی راہ لی تھی جہاں ابھی بھی کئی کام ان کے منتظر تھے۔

☆☆☆

سات بجنے میں کچھ ہی منٹ باقی تھے، جب تک سک سے تیار شہلا نے کچن میں قدم رکھا تھا۔

''بھابھی! کچھ مدد کروا دوں آپ کی مجھے بتا دیں کوئی کام ہو تو۔'' ایک طائرانہ نگاہ پورے کچن پر ڈال کر شہلا نے اچھی طرح تسلی کر لی تھی کہ تمام کام پایۂ تکمیل تک پہنچ چکے ہیں سو انگلی کٹا کر شہیدوں میں شامل ہونے کا فیصلہ کیا۔

منیزہ بیگم نے اچار گوشت کے سالن پر ثابت موٹی ہری مرچیں سجا کر چولہے کی آنچ دھیمی کی تھی یخنی پلاؤ بھی دم پر تھا شہلا کی آمد پر وہ چونک کر مڑی تھیں اور کاؤنٹر پر رکھی کٹی ہوئی سلاد کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

''ہاں شہلا بہت مہربانی ہوگی یہ سلاد پلیٹوں میں سجا کر فریج میں رکھ دو، وہ لوگ بس پہنچنے والے ہوں گے میں بھی تب تک فریش ہو جاؤں ذرا۔''

''جی بھابھی! کوئی مسئلہ نہیں ہے میں کر دیتی ہوں آپ چینج کر لیں جا کر۔'' منیزہ بیگم کے ملتجی سے انداز پر شہلا نے خوش دلی سے جواب دیا اور کٹی ہوئی پیاز کھیرا، گاجر اور دوسری سبزیوں کو سلاد کی پلیٹ میں سجانے لگی اگر یہ سلاد سجانے کے بجائے کاٹنے کا کہا جاتا تو شہلا بیگم کے چہرے کے زاویے ہی بگڑ جاتے تھے۔

منیزہ بیگم نے عجلت میں اپنے بیڈ روم کا رخ کیا تھا..... شہلا نے سلاد کی پلیٹیں فریج میں رکھنے کے بعد اچار گوشت کا ڈھکن ہٹا کر دیکھا اور چولہا بند کر کے مڑی ہی تھی کہ ان کی ساس نے کچن میں جھانکا۔

''ارے منیزہ بیگم ہو گئے سب کام کچھ رہ تو نہیں گیا۔''

''جی جی امی! آپ فکر نہ کریں تمام چیزیں بالکل ریڈی کر دی ہیں میں نے بھابھی کو میں نے آرام کرنے کے لیے بھیج دیا تھا، میں نے کہا باقی کا کام میں کر لیتی ہوں۔'' حسب عادت شہلا نے مبالغہ آرائی سے کام لیا یوں ظاہر کیا جیسے نہ جانے کب سے وہ کچن میں مصروف ہیں۔

''اچھا کیا بیٹا! منیزہ بے چاری تو صبح سے لگی ہوئی ہے اچھا ہے کچھ دیر سستا لے گی۔'' ساس واپس پلٹ گئی تھیں۔ شہلا نے بھی ڈرائنگ روم کی راہ لی مہمان پہنچ چکے تھے منیزہ بیگم بھی تیار ہو کر آ گئی تھیں۔ حسب معمول شہلا اپنی چرب زبانی کی وجہ سے آگے آگے تھیں اور سادہ مگر خوش شکل اور گریس فل سی منیزہ بیگم دھیمی مسکراہٹ سجائے بیٹھی تھیں۔ شہزا کے سسرال والوں نے تمام چیزوں کی خوب تعریف کی۔

''کباب بہت مزیدار ہیں بھئی یہ تیسرا کباب کھا رہا ہوں میں۔'' شہزا کے سسر کھانے پینے کے بے حد شوقین تھے۔

''بہت شکریہ انکل شکر ہے آپ کو پسند آئے تکلف بالکل مت کریے گا اور لیجیے اور یہ ٹرائفل بھی بتائیے کیسا بنا ہے۔'' شہلا نے تیزی سے بولتے ہوئے کریڈٹ اپنے نام کرنے کی کوشش کی۔

منیزہ بیگم میں اس طرح کی چالاکی بالکل نہیں تھی وہ ان باتوں سے بے نیاز رہتی تھیں۔ ویسے بھی آج ان کا دھیان حیا کی طرف تھا۔ جو کچھ خاموش اور خفا خفا سی لگ رہی تھی۔ دعوت شان دار رہی۔ مہمان چلے گئے تو منیزہ بیگم نے نسرین کے ساتھ مل کر پورے کچن کا پھیلاوا سمیٹا اور اس کے بعد حیا کے کمرے کا رخ کیا۔ حیا بیڈ پر کتابیں پھیلائے بیٹھی تھی۔

''کیا بات ہے حیا! خفا ہو مجھ سے؟'' منیزہ بیگم نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے استفسار کیا۔

''نہیں مما! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔'' حیا

TAGPK.COM

نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ منیزہ بیگم نے گہری سانس بھر کر بیٹی کو دیکھا تھا۔

''جانتی ہوں الجھن کا شکار ہو اور تمہاری ماں ہونے کے ناتے تمہاری الجھن کو سلجھانا میرا فرض ہے بیٹا۔'' منیزہ بیگم نے رسانیت سے اپنی بات شروع کی تھی۔

''بیٹا! میرے لیے گھر کا سکون اہم ہے، تمہاری دادی کو اس عمر میں پریشان کرنا وہ بھی اس بات کے لیے جو ان کے اختیار میں نہیں۔ میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا۔ تمہارے بابا جو ہم سب کے لیے سارا دن اتنی محنت کرتے ہیں تمہیں اچھا لگے گا کہ جب وہ سارا دن کے بعد گھر آئیں تو انہیں گھر میں آرام نہ ملے سکون کی فضا نہ ملے وہ شام کو گھر آئیں تو لڑائی جھگڑے نبٹائیں، کیا تمہیں یہ اچھا لگے گا؟'' حیا نے جھکے ہوئے سر کو نفی میں ہلایا تھا منیزہ بیگم نے محبت سے اس کے ہاتھوں کو تھاما تھا۔

''بیٹا! گھریلو سکون ہمیشہ عورت کے ہاتھ میں ہوتا ہے اگر وہ چاہے تو اپنے صبر، برداشت اور حوصلے سے گھر کو جنت بنا سکتی ہے۔ عاقبت نااندیش عورتیں اپنی کم عقلی، بے صبرے پن اور جھگڑالو طبیعت کی وجہ سے ذرا سی دیر میں گھر کی فضا کو تناؤ کا شکار کر دیتی ہیں۔ اگر میں تمہاری دادی، بابا یا پھپھو کی ذہنی اذیت کی وجہ بنوں، گھر میں جھگڑے کا سبب بنوں تو کیا تم ایک ایسی ماں کو آئیڈیلائز کرو گی؟ نہیں نا..... تو بیٹا مجھے صرف ایک بہو کا ہی نہیں ایک اچھی ماں اور بہترین بیوی کا کردار بھی نبھانا ہے، اگر بہت سارے سکون کی خاطر ذرا سی مشقت اٹھالی جائے تو کیا حرج ہے۔ تم اب اس عمر میں ہو کہ ان باتوں کو سمجھو۔ تمہیں یہ باتیں سکھانا سمجھانا میرا فرض ہے۔ اب بتاؤ تمہیں میری باتیں سمجھ میں آ رہی ہیں؟ اب تو کوئی الجھن نہیں ہے نا.....؟'' منیزہ بیگم نے بات ختم کر کے سوالیہ نگاہیں حیا کے چہرے پر مرکوز کی تھیں۔

''یس مما یو آر گریٹ۔'' وہ خوش دلی سے مسکرائی تھی۔ ''آپ سے بہتر مجھے کوئی گائیڈ نہیں کر سکتا۔'' حیا کے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ ماں کی بات کا حرف حرف سمجھ چکی ہے منیزہ بیگم نے سکھ کا سانس لیا تھا۔

''چلو اب یہ کتابیں سمیٹو رات کافی ہو چکی ہے سو جاؤ۔ میں بھی اب آرام کروں گی شب بخیر.....''

''او کے ماما! شب بخیر۔'' منیزہ بیگم نے اپنے کمرے کی طرف رخ کیا تھا۔

☆☆☆

شادی خیر و عافیت کے ساتھ انجام پائی تھی منیزہ بیگم کی بڑی نند گیتی آپا شادی میں شرکت کے لیے اپنے شوہر اور بچوں کے ساتھ دبئی سے آئی ہوئی تھیں۔ گھر میں خوب گہما گہمی تھی آج شزا بھی اپنے شوہر کے ساتھ میکے آئی ہوئی تھی ابھی بھی بڑے کمرے میں محفل جمی ہوئی تھی۔ منیزہ بیگم نسرین کے ساتھ مل کر چائے اور کھانے پینے کے دوسرے لوازمات ٹیبل پر لگوا رہی تھیں۔ تب ہی گیتی آپا نے منیزہ بیگم کا ہاتھ تھاما تھا۔

''منیزہ دو گھڑی یہاں میرے پاس بیٹھو، مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔''

''جی آپا! بولیں، کیا بات ہے؟'' منیزہ بیگم پاس ہی رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے ادب سے گویا ہوئیں۔

''مجھے تم سے کچھ مانگنا ہے۔'' گیتی آپا کے چہرے پر مبہم سی مسکراہٹ تھی، تقریباً سبھی لوگ متوجہ تھے منیزہ بیگم تھوڑا سا گڑبڑائی تھیں۔

''جی آپا! بتائیے، کیا چاہیے آپ کو.....؟''

''تمہاری پرچھائیں۔'' گیتی آپا کے لہجے میں شرارت چھپی تھی۔

''میری پرچھائیں..... آپا! میں کچھ سمجھی نہیں۔'' منیزہ بیگم حیرت کا شکار تھیں۔

''ارے بھئی حیا کو مانگ رہی ہوں حمزہ کے لیے۔ اپنی بہو بنانا چاہتی ہوں دیکھو انکار مت کرنا۔'' گیتی آپا کے لہجے میں پیار بھی تھا اور مان بھی..... منیزہ بیگم نے بے یقینی سے سامنے بیٹھے شوہر کی جانب دیکھا تھا۔ جنہوں نے دھیرے سے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا گویا وہ پہلے سے آگاہ تھے اپنی بہن کے ارادوں سے۔

TAGPK.COM

''آپا! حیا آپ کی ہی بیٹی ہے مجھے بھلا کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔'' منیزہ بیگم کی آواز خوشی سے کپکپا رہی تھی۔

گیتی آپا کا گھرانہ، ان کے بچوں کی تعلیم وتربیت سب بہترین تھا۔ انکار کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی۔ حمزہ بے حد سلجھا ہوا قابل اور سمجھ دار بچہ تھا۔

شہلا نے بے چینی سے پہلو بدل کر جتاتی ہوئی نظروں سے شوہر کو دیکھا تھا۔ منیزہ بیگم کو شہلا کے بنے ہوئے منہ اور دیور کے چہرے کے تنے ہوئے نقوش دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ دونوں میاں بیوی کو یہ بات پسند نہیں آئی کہ ان کی بیٹی کو چھوڑ کر گیتی آپا نے اپنے اتنے لائق فائق بیٹے کے لیے حیا کا رشتہ دیا ہے۔ جب کہ دونوں ہی ہم عمر تھیں کیونکہ منیزہ بیگم کو اللہ نے شادی کے چار سال بعد اولاد سے نوازا تھا یوں حیا اور ندا تقریباً ہم عمر تھیں..... کچھ دیر کے بعد دونوں میاں بیوی تھکن کا بہانہ بنا کر اٹھ کر چلے گئے۔

''آپا مجھے لگ رہا ہے کہ شہلا اور سراج کو اچھا نہیں لگا۔'' ان کے جانے کے بعد منیزہ بیگم نے گیتی آپا سے اپنی الجھن کا اظہار کیا۔

''مجھے اپنے بیٹے کے لیے حیا جیسی لڑکی چاہیے کہنے کو دونوں ہی میری بھتیجیاں ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ شہلا نے اپنی بیٹی کی کوئی تربیت نہیں کی۔ شہلا کی بیٹی لے جا کر مجھے اپنے گھر کو اکھاڑہ نہیں بنانا ہے تمہاری عادت اور تربیت کا مجھے اندازہ ہے مجھے تمہارے جیسی بہو چاہیے جو گھر کو جنت بنا دے۔ حیا تمہاری پرچھائیں ہے اس لیے میں نے حیا کا انتخاب کیا تھا۔ حمزہ کے سامنے میں نے حیا اور ندا دونوں کے نام رکھے تھے مگر حمزہ نے بھی حیا کو چنا اور یہ ہر انسان کا حق ہے کہ وہ اپنے لیے بہترین کو چنے اس معاملے میں کسی کو بھی اعتراض کرنے کا کوئی اختیار نہیں۔'' گیتی آپا قطعیت سے بول رہی تھیں۔ منیزہ بیگم کی ساس نے بھی زور وشور سے تائید کی۔

''ہاں ہاں بالکل یہ تو نصیبوں کے کھیل ہیں ندا کا جہاں نصیب لکھا ہوگا وہاں ہو جائے گی۔ دو چار دن میں خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے دونوں میاں بیوی۔'' منیزہ بیگم نے سکھ کا سانس لیا تھا بیٹی کے لیے گھر بیٹھے ہی بہترین بر مل گیا تھا۔

گیتی آپا نے جانے سے پہلے منگنی کی تقریب رکھ لی تھی۔ شہلا اور سراج کو گیتی آپا نے جانے کیا کہا کہ وہ روٹھے روٹھے سے ہی سہی مگر تقریب میں شریک ہو گئے تھے۔ چھوٹی سی منگنی کی تقریب خوب پررونق رہی۔ رات گئے سب لوگوں نے تھک ہار کر اپنے اپنے کمروں کی راہ لی تو منیزہ بیگم حیا کے کمرے میں چلی آئیں۔ حیا ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنی جیولری اتار رہی تھی۔ ٹی پنک اور گولڈن امتزاج کے غرارہ سوٹ میں وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ منیزہ بیگم نے محبت بھری نگاہوں سے بیٹی کے سجے ہوئے روپ کی بلائیں لی تھیں۔

''خوش ہونا۔'' منیزہ بیگم کے سوال پر حیا نے سر جھکا لیا تھا۔

''جی۔'' منیزہ بیگم نے مسکرا کر اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''دیکھا تم نے حیا! نیک نیتی کبھی بھی رائیگاں نہیں جاتی ہے ساری زندگی کے صبر، برداشت اور بہترین عمل کا کیسا بہترین ثمر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے..... کیسا اعزاز ملا ہے مجھے، آپا نے تمہیں چنا ہے کیونکہ تم میری پرچھائیں ہو میں بہت خوش ہوں کہ تمہیں اتنا اچھا سسرال ملا ہے حمزہ بہترین لڑکا ہے۔ بس بیٹا نئی زندگی میں سنبھل کے چلنا، آپا نے جس مان سے تمہیں مانگا ہے وہ مان بنائے رکھنا۔ ہمیشہ خوش اور آباد رہو (آمین)۔'' منیزہ بیگم ڈھیروں دعائیں دیتے ہوئے چلی گئی تھیں۔

حیا نے اپنے مہندی سے سجے ہاتھوں کی لکیروں پر نگاہ مرکوز کی تھی وہ سوچ رہی تھی۔ واقعی بیٹیوں کے نصیب ماؤں کے کردار سے جڑے ہوتے ہیں۔ اس کی ماں کا بہترین کردار اس کے بہترین نصیب کا سبب بنا تھا۔ آسودہ سی مسکراہٹ نے ہونٹوں کو ایسے چھوا تھا کہ کھڑکی سے جھانکتا چاند بھی مسکرا اٹھا تھا۔

☆

TAGPK.COM

شمائلہ دلعباد

سنگیر کے پر

رات اپنے آخری پہر میں داخل ہو رہی تھی، ں کے کان سے چپکا فون اور کان دونوں گرم چکے تھے۔ فون کی بیٹری بھی شاید آخری سانسیں لے رہی تھی۔ سرگوشیاں کر کر کے منہ کے جبڑے بھی ڑ کرنے لگے تھے لیکن اونچی آواز میں بولنے کا ک وہ نہیں لے سکتی تھی کہ پاس ہی تو محافظ تھی۔ ں سے پہلے کہ وہ جبراً ''خدا حافظ'' کہتی مردانہ ہاری ہاتھ نے فون چھین لیا۔

اسے لگا اس کا چڑیا جتنا دل پھٹ جائے گا۔ نوں میں سارا گھر جاگ اٹھا۔

''ہائے، ہم سوتی رہ گئیں اور ہماری ناک کے نیچے یہ چھٹانک بھر کی چھوکریاں یہ گل کھلا رہی ہیں۔'' عورتوں کے بین کرنے کا انداز ہی الگ تھا۔

''میں اسے جان سے مار ڈالوں گا۔ ہماری عزت کو یوں فون پر رولتے اسے شرم نہ آئی۔ بتاؤ کون ہے وہ؟''

''بلاؤ اس کو دو بول پڑھا کر رخصت کریں۔''

''یہ سارا لڑکوں کے ساتھ پڑھنے کا نتیجہ ہے، نہ کالج بھیجتے نہ آج یہ دن دیکھنا پڑتا۔''

اتنی آوازیں گڈمڈ ہو رہی تھیں کہ اس کا دماغ بند ہونے لگا۔

''کال کرو، دیکھو تو سہی، آخر کون بے غیرت ہے جو ہماری عزت کو للکار رہا ہے۔''

''ہاں نمبر نکال کر کال تو ملاؤ۔''

وہ مزید خوف زدہ ہوئی تھی کہ اس کے باپ کے نمبر سے کال ریسیو کر لی گئی، وہ تو کہتا تھا، نئے نمبر سے کال ہی نہیں اٹھاتا۔

''کون بول رہا ہے؟''

''میں اس کا باپ بول رہا ہوں جس سے کچھ

ناولٹ

TAGPK.COM

TAGPK.COM

TAGPK.COM

TAGPK.COM

دیر پہلے بات کر رہے تھے۔'' باپ کا ایسا جھلسا ہوا ٹوٹا ہوا لہجہ اس نے کبھی سنا ہی نہ تھا۔

''صبح کو اپنے والدین کے ساتھ میرے گھر آ جاؤ اور نکاح کر کے اسے لے جاؤ۔''

''بڈھے! سٹھیا گئے ہو کیا، اپنی لڑکی سنبھالی نہیں جاتی، رعب مجھ پر ڈال رہے ہو۔ ٹائم پاس کر رہے تھے ہم۔ اپنی بیٹی سے پوچھو بھی شادی کا لارا نہیں لگایا۔ وہ بھی ٹائم پاس کر رہی تھی..... میں بھی۔ ریلیشن میں رہ کر وقت اچھا گزر جاتا ہے بوریت نہیں ہوتی اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم بچپن میں ہی شادی کرنے بیٹھ جائیں۔ مجھے ایسی کوئی آ جلدی نہیں۔ آپ کی بیٹی کو ہے تو بھلے جس سے مرضی کر دو۔ اب میں یہ کام ہمیشہ کے لیے بند کر رہا ہوں، ٹریس بھی کروائی تو کچھ ہاتھ نہیں آئے گا کیونکہ کسی کے نام ہی نہیں ہے۔'' ساتھ ہی کال بند کر دی گئی تھی۔

☆☆☆

جوں جوں رات ہو رہی تھی۔ تعبیر کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔ آٹھ بجے سے پہلے پہلے گھر کے سارے مرد حضرات گھر پہنچ جاتے تھے۔ ساڑھے نو تک کھانا کھا لیا جاتا۔ کھانا کھاتے ہوئے برآمدے میں ٹی وی پر چلتے خبرنامے کی بھی کوئی نہ کوئی خبر سن لی جاتی۔ عموماً یہ خبر مہنگائی پر ہوتی اس کے بعد گھر والوں کی بلا سے، ملک میں کیا ہو رہا ہے کیا نہیں۔ انہیں یہی صدمہ کافی ہوتا چینی مہنگی ہو گئی، پٹرول کو آگ لگ گئی۔ ایسے میں بجلی چلی جاتی تو گھر والوں کے ہاتھ نیا معمہ لگ جاتا کہ بجلی نہ آنے کے باوجود بل اتنا زیادہ کیسے آ گیا؟

تعبیر کو حیرت سے زیادہ اب غصہ آتا۔ گھر والے روزانہ اسی وقت صرف اسی قسم کی گفتگو کرتے بور کیوں نہیں ہوتے؟ آخر وہ سو کیوں نہیں جاتے؟ دو مہینے پہلے تک تو اسے گھر کے افراد کے سونے جاگنے سے دلچسپی نہ تھی۔ اسے خبر ہی نہ تھی، دادا کب سوتے ہیں؟ تایا اور تائی کے کمرے کی لائٹ کب بند ہوتی ہے۔ امی، ابو کب خواب خرگوش میں جاتے ہیں۔ گھر کی بچہ پلاٹون کب سوتی ہے کیونکہ وہ تو ان سب سے پہلے ہی گدھے گھوڑے بیچ کر سو جاتی تھی۔ تائی کو اس کا سونا بہت ناگوار گزرتا تھا۔ ہزار بار فریدہ سے کہہ چکی تھیں، اس لڑکی کو گھر داری میں ڈالو، کل کو سسرال میں ناک کٹوا دے گی۔

''یاسمین بھابھی! ساری زندگی کام ہی کرنے ہیں، ابھی تو سترہ کی ہوئی ہے، پڑھ رہی ہے یہی کافی ہے۔ یوں وہ نئی نئی بنی تتلی ہر وقت اڑان بھرا کرتی۔ لیکن اب تتلی کو اڑان بھرنے سے زیادہ فون سے دلچسپی ہو گئی تھی یا شاید صمد نے کروا دی تھی۔

☆☆☆

چچی دودھ سوڈا پھینٹ رہی تھیں جب اس نے نیچے سے بستر اوپر ڈھونے شروع کر دیے۔ کھلی چھت کی وجہ سے اس نے بچپن سے گرمیوں میں سب کو چھت پر سوتے دیکھا تھا۔ اب بھی دائیں طرف احسان احمد یعنی تعبیر احسان کے ابو کا خاندان سوتا تھا۔ انتہائی بائیں طرف عمران احمد کا خاندان سوتا تھا۔ بجلی کی ایک لیڈ پر دو فرشی پنکھوں کے سوئچ لگا دیے جاتے اور گھر کی عوام الناس خواب خرگوش کے مزے لیتی رہتی۔ احمد دین صاحب یعنی تعبیر نے اپنے دادا کو گرمیاں ہمیشہ باہر گلی میں چارپائی پر سو کر گزارتے دیکھا تھا۔ وہ اکیلے بزرگ نہیں تھے جو رات کو گلی میں چارپائی بچھاتے تھے بلکہ باقی گھروں کے بزرگ بھی چھوٹے صحن یا تنگ چھتوں کی مہربانی سے باہر ہی سویا کرتے تھے۔ شہر چھوٹا ہونے کی بدولت آلودگی اور ٹریفک بھی کم تھا۔ لوگ گیارہ بجے تک عموماً سو جاتے تھے۔

سارے اپنی اپنی چارپائیوں پر سو چکے تھے جبکہ خود تعبیر اپنی پہلی چارپائی جو وہ کبھی بھائیوں سے لڑ کر پنکھے کے سامنے بچھایا کرتی تھی پر ساکت لیٹ کر سب کو سونے کا تاثر دے رہی تھی۔ حالانکہ نیند کے بجائے رگوں میں عجیب سا جوش دوڑ رہا تھا۔ میٹھی میٹھی سی بے چینی، ایڈوینچر و تھرل نے بدن میں خون کی رفتار دوگنی کی ہوئی تھی۔ اوندھے پڑے فون سے بار بار نکلتی لائٹ اسے بتا رہی تھی صمد کال کر رہا ہے بار بار کر رہا ہے۔ کیونکہ فری کال ٹائم شروع ہوئے بیس منٹ گزر چکے تھے۔ بالآخر وہ اٹھ کھڑی ہوئی، دائیں

TAGPK.COM

طرف اپنے خاندان کو دیکھا، بائیں طرف تایا کے خاندان کو۔ پھر چھت کے عین درمیان میں اسٹول پر رکھے ٹھنڈے پانی کے نیلے کولر کی طرف بڑھ آئی۔ نیلے ڈھکن کے اوپر سے الٹا پڑا گلاس اٹھایا پانی پیا۔ لیکن کسی نے کروٹ نہ بدلی تو وہ مطمئن ہو کر بلی کی طرح پیر دبا کر چلتی سیڑھیاں اتر آئی۔

برآمدے میں چوکی پر بیٹھ کر کال ریسیو کی۔ اس چوکی پر فریدہ روٹی بنایا کرتی کیونکہ کچن میں کھڑے ہو کر اتنی گرمی میں روٹی بنانا اسے مشکل لگتا تھا چنانچہ چولہا اٹھا کر برآمدے کے کونے میں رکھ لیتی، اور چوکی پر بیٹھ کر روٹیاں پکا پکا کر ہاٹ پاٹ بھرتی جاتی تھی۔

''آج اتنی دیر لگا دی؟''

''تعبیر آیا ہوا ہے ناں۔'' اس نے جوابی سرگوشی کی۔

''تعبیر! تم لوگوں کے گھر کالاٹ صاحب ہے کیا؟''

دبی دبی ہنسی، سرگوشیوں میں بے ضرر گفتگو جو کلاس فیلوز اور ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر مشتمل ہوا کرتی تھی۔ ہنسی مذاق، حاضر جوابی اور کلاس کی لڑکیوں پر تبصرے۔ گھنٹوں گفتگو چلی آخر طرفین نے نیند سے بے حال ہو کر اگلی رات کے وعدے پر فون بند کر دیا۔ صبح کالج میں ایک دوسرے کو دیکھنے کی طلب بھی شدید ہوتی تھی۔ تب ہی تو چھٹی بھی کرنا محال تھا۔

ساری رات کی جاگی آنکھیں
کالج میں کیا پڑھتی ہوں گی

وصی شاہ نے غالباً اسی حیرانی میں شعر کہا ہوگا۔

☆☆☆

صبح تو اتنی افراتفری میں ہوا کرتی کہ یاسمین کہتی وقت سے برکت اٹھ گئی ہے۔ کسی کو ناشتے میں چائے سلائس چاہیے، کوئی انڈہ پراٹھا کا شور مچائے جاتا۔ باف فرائی تو فریدہ منٹ منٹ میں سب کے آگے رکھتی جاتیں لیکن مسئلہ تب بنتا جب گھر کا کوئی مرد آملیٹ پراٹھا اور ساتھ دہی کی میٹھی لسی کی فرمائش بھی کر دیتا۔ ایسے میں وہ دونوں عورتیں مشین بن جاتیں۔ ہاتھ چلا چلا کر اور بھاگ بھاگ کر ٹانگیں تھک جاتی کیونکہ سب نے وقت پر اپنے اپنے اسکول کالج اور دفتر پہنچنا ہوتا۔ بھرا پرا گھر تھا، افراد کے حساب سے کام ہوتا۔ ایسے میں یاسمین تعبیر پر خوب غصے ہوتیں۔

''جن کے گھر میں تعبیر کی طرح جوان لڑکیاں ہیں ان کے گھروں میں ماں کی مشقت آدھی رہ جاتی ہے۔ ایک تم ہو، سارا سارا دن اکیلی ذلیل ہوتی ہو۔ میں پوچھتی ہوں کون سا پروفیسر بنانا ہے اسے؟ آٹھ پچاس پر کلاس ہوتی ہے، مہارانی آٹھ بجے اٹھ کر افراتفری میں یونیفارم پہن کر گاڑی میں بیٹھ جائیں گی۔ تم کڑھتی رہنا، ناشتہ نہیں کیا۔ وہ ادھر کینٹین پر ناشتے میں سموسے کھا لیتی ہے۔''

''توبہ یاسمین بھابھی! آج تو آپ کو جلال ہی آیا ہوا ہے۔'' فریدہ ہنس رہی تھیں۔ یاسمین نے چمٹے سے پراٹھا ٹرے میں رکھا تو فریدہ بھاگ کر تعبیرہ کے سامنے رکھ آئی۔

''بھابھی! چند سال ہیں، سکون سے جی لے پھر میرے اور آپ جیسی زندگی ہوگی۔ میں اسی لیے چپ کر جاتی ہوں۔ سو رہی ہے یا جاگتی ہے تو نہیں ٹوکتی۔ آپ سوچیں، ہم سوچ سکتی ہیں کہ دن آٹھ بجے تک سونے کا؟''

''بہن! ہم سوتی رہیں تو گھر کا نظام کیسے چلے گا؟''

''یہی تو کہہ رہی ہوں ایک دن ہمارے والا حال ہونا ہے بس۔ ابھی تو بے فکری کی عمر ہے۔''

''بے فکری کا ہے کی؟ سارے خاندان کی بچیاں بارہویں میں گھر سنبھال لیتی ہیں۔ چودہ کرتے ہی بیاہ دی جاتی ہیں۔ کبھی نہ دیکھا کوئی سرکاری نوکر لگی ہے یا پروفیسر بنی ہے تو تعبیر کیسے بن جائے گی۔''

''بھابھی! ضروری تو نہیں ہے باقی نہیں پڑھیں تو ہماری تعبیر بھی نہ پڑھے؟'' اب کے فریدہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ساتھ ہی سوچا آج کالج سے واپس آنے پر وہ تعبیر کی بھی کلاس لیں گی۔

☆☆☆

کالج وین سے اترتے ہی اس نے اپنے گروپ کو ڈھونڈا، کہیں نظر نہ آنے پر وہ تھوڑی فکرمندی سے یونہی بنا دیکھے منہ اٹھا کر گیٹ کی طرف بڑھی تو ایک بائیک بمشکل اس کے پہلو میں رکی تھی۔ اس کی چیخ بے ساختہ تھی۔

TAGPK.COM

''مس غلطی آپ کی ہے، چیخ بھی آپ مار رہی ہیں۔ ہم آپ سے زیادہ بلند چیخ سکتے ہیں۔''

''نہیں بھئی، میں تو ان کی چیخ ہی سننا چاہوں گا۔'' وہ بنا ان کا چہرہ دیکھے گیٹ سے اندر داخل ہوگئی۔ سکھیاں اسے کینٹین پر دھکم پیل کرتی چائے بسکٹ لیتی نظر آ گئیں۔ اپنے لیے بھی چائے کا اشارہ کر دیا۔ پہلا پیریڈ ان کے حساب سے بے کار تھا، سو چائے بسکٹ کا ناشتہ کرنے کھڑی ہوگئیں۔

راحیلہ چائے پیتے ہوئے بھی میسیج کر رہی تھی۔

''یار! تمہارے منگیتر کو ذرا بھی چین نہیں ہے، رات سونے تک اور صبح اٹھتے ہی بس تمہیں میسیج کرتا رہتا ہے۔'' حمیمہ کا موڈ منٹ میں خراب ہو جاتا تھا۔

''جیلس کیوں ہوتی ہو، ہر کسی کو نہیں ملتا یہاں پیار زندگی میں۔'' وہ گنگنائی۔

''جب بندی حسین و جمیل اور میرے جیسی اسٹائلش ہو تو چین نہیں آتا۔ اسی لیے تمہیں کہتی ہوں ایک تو نائٹ کریم شروع کرو۔ دوسرا ہر ہفتے چہرے اور بازوؤں کی تھریڈنگ اور ویکس کروایا کرو۔ ورنہ کوئی لڑکا منگنی کیا افیئر بھی نہیں چلائے گا۔ اتنا گندا لگتا ہے یہ بالوں بھرا چہرہ اور ہاتھ۔''

راحیلہ کی پرغرور بات پر ہمیشہ کی طرح بحث چھڑ گئی۔ کوئی کہہ رہی تھی لڑکے صرف اسٹائلش اور ماڈرن لڑکیوں سے ہی شادی کرتے ہیں تو کوئی کہہ رہی تھی پردہ دار سے کرتے ہیں۔ دوپٹا سر پہ رکھنے والی تعبیر چپ ہوگئی کہ وہ بتانا چاہتی تھی کلاس کا سب سے اسمارٹ لڑکا اس کا دوست ہے۔ وہ ساری ساری رات بات کرتے ہیں۔ سہیلیوں کو شک تھا لیکن معلوم نہیں تھا لڑکا کون ہے۔

کلاس میں سب لڑکیوں کے پاس ذاتی موبائل تھا اور سب ہی کلاس میں بھی اور کلاس ختم ہوتے ساتھ ہی پہلا کام موبائل دیکھنے کا کرتی تھیں۔ ایک دوسرے کو اپنا فون لمحہ بھر کو پکڑنے بھی نہ دیتی تھیں۔

''حمیمہ! مجھے لگتا ہے، سب کے چکر چل رہے ہیں جب ہی کوئی ایک دوسرے کو میسیج چیک نہیں کرنے دیتیں۔''

''وہ تو پچھلے مہینے سے تم بھی اپنے موبائل کو ہاتھ نہیں لگانے دیتیں تو کیا تمہارا بھی چکر ہے؟'' حمیمہ نے راحیلہ کا غصہ بھی تعبیر پر نکالا تو تعبیر سٹپٹا گئی۔

''میرا کیوں کوئی چکر ہونے لگا، گھر والے مار ڈالیں گے۔''

''ایسی دبی دبائی لڑکیوں سے کوئی بھی محبت نہیں کر سکتا لکھوا لو۔ یہ گھر والوں کا تو بہانا ہے۔'' راحیلہ نے گل افشانی کی تو تعبیر کا ایک لمحے کو دل چاہا اس کا غرور توڑنے کو بتا دے، صمد کیسے اس پر جان چھڑکتا ہے لیکن اس نے جانے کیوں پھر سے چھپا لیا۔

سوتے جاگتے اس نے باقی کی ساری کلاسز لیں، بیچ بیچ میں صمد کو میسیج بھی کرتی رہی۔ اس کے بھی جواب اور میسیج آتے رہے۔ وہ عمر کے اس حصے میں تھی جہاں لڑکیاں تتلیاں بن جاتی ہیں۔ رنگین، پرشباب، جنہیں آئینہ کہتا ہے، میرے علاوہ کوئی سراہے تو اور نکھر جاؤ گی۔

تعبیر پوری نیند نہ لینے کے باوجود نکھرتی جا رہی تھی رنگوں کا سیلاب اس کے سراپے کو حصار میں لیے رکھتا۔ موٹی موٹی غلافی آنکھیں نیند اور کسی کے ہنسی مذاق کے بوجھ سے مزید بھاری ہوئی رہتیں۔ نئی نئی جوانی کی آمد اس پر کسی کا بے تحاشا اہمیت دینا اس پر سحر طاری کیے رکھتا۔

''تعبیر جیسا خواب تو دنیا میں کوئی لڑکی نہیں دیکھ سکتی۔''

اس نے جھومتے اور رنگین پروں کے سہارے اڑتے سوچا۔

''گھر پہنچ گئے؟''

''پاپا کی ایجنسی پر پہنچا ہوں۔ گھر شام کو جاؤں گا۔ آج آفس میں نے سنبھالنا ہے، پاپا آؤٹ آف سٹی ہیں۔''

''مزے ہیں، آج آپ باس بنو گے۔''

''باس..... چھوڑو میں ادھر بہت بور ہو جاتا ہوں۔ تم نے چیٹنگ کرتے رہنا ہے، جب تک میں آفس میں ہوں۔ سمجھ آئی؟''

''نہیں کرتی، کیا کر لو گے؟'' اس نے شرارتی شکل کا کارٹون بھیجا جواباً اس نے بھی غصے والی

TAGPK.COM

ایموجی بھیج دی۔

''اچھا اچھا، ناراض ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں تائی امی، امی اور سمیر کے سامنے موبائل ہر وقت ہاتھ میں نہیں رکھ سکتی۔ تم میسج کرتے رہو، میں موقع ملتے ہی جواب دیتی رہوں گی۔''

''میں پاگل ہوں نا جو ایسے ہی بکواس کرتا رہوں۔'' وہ حسب توقع چڑ گیا۔

تعبیر اسے مزید چڑانے والا کارٹون بھیج کر موبائل اپنے کمرے میں تکیے کے نیچے چھپا کر باہر نکل آئی۔

اس کا دل چاہتا تھا سہیلیوں کو بتائے کہ دیکھو میرے پاس بھی کوئی ہے جو مجھے خاص سمجھتا ہے لیکن اندر اندر اس کا ضمیر کہتا تھا یہ سب ٹھیک نہیں ہے تبھی آج تک سہیلیوں کو بھی نہ۔ بتا سکی اور گھر میں بھی موبائل چھپانے کی نوبت آ گئی تھی۔

موبائل چھپا کر رکھنے میں حکمت یہ تھی کہ کوئی میسج نہ پڑھ لے حالانکہ وہ ساتھ ساتھ ڈیلیٹ کر دیتی تھی۔ نام بھی اس نے صمد کے بجائے سمرہ لکھا تھا پھر بھی اسے لگتا وہ کہیں مصروف ہو اور کوئی بھی گھر کا فرد فون اٹھائے تو عین اسی وقت صمد کا میسج آ جائے تو یقیناً کوئی پڑھ کر سمجھ جائے گا، یہ لڑکا ہے۔ اس کے بعد کا اس نے کبھی نہ سوچا تھا، وہ یہ وقت لانا ہی نہ چاہتی تھی تبھی تو موبائل چھپا کر رکھنا شروع کر دیا تھا۔ کوئی کال کے لیے مانگتا تو سر پر کھڑے ہو کر کال کرواتی۔ فریدہ نے اس کے فون سے لمبی کال ہی چھوڑ دی تھی۔ جب وہ کال کرتیں تعبیر ان کے سر پر سوار رہتی۔ فون بند کرتے ہی وہ اس کی ہتھیلی پر زور سے مارتیں۔

''دس منٹ بات کرنی تھی، تم فرشتے کی طرح سر پر سوار رہی ہو۔''

''امی! آپ نے بھی تو چغلیاں ہی کرنی تھیں۔'' وہ کہہ کر بھاگ لیتی اور پیچھے فریدہ اس کی سچی بات پر منہ نیچا کیے مسکرا دیتیں۔

وہ کچھ کھانے پینے کی غرض سے لاؤنج کے بجائے کچن میں ماں کے پاس ہی آ گئی۔

''امی! آج آپ کھانے کا بھی نہیں پوچھ رہیں، لفٹ بھی نہیں کروا رہیں۔'' اس نے ماں کے پاس منہ بسورا۔

''تمہیں بڑا ماں کا خیال ہے جو ماں سے شکوے کر رہی ہو۔ تمہاری عمر کی لڑکیاں ماں کو پکا کر کھلاتی ہیں۔ زندگی میں سکھ بھر دیتی ہیں، ایک تم ہو ناشتہ بھی باہر کے دروازے پر ہاتھ میں پکڑاتی ہوں۔ اپنا قد بت ہی دیکھ لو، مجھ سے اونچی ہو گئی ہو، کالج جاتی ہو، ادھر تمہارے استاد یہی سکھاتے ہیں ماں کو تنگ کرنا ہے۔ دوسروں سے باتیں سنواتی ہیں۔''

''امی! کیا ہو گیا ہے میرے پیچھے ہی پڑ گئی ہیں۔''

''وہ جو یاسمین بھابھی میرے پیچھے پڑتی ہیں، اس کا کیا ہے؟''

''ان کی عادت ہے، آپ اگنور کریں۔''

''ان کو اگنور کروں اور تمہیں بگڑتا ہوا دیکھوں؟ سب کی بچیاں پڑھتی ہیں، یوں ہر وقت کوئی کمرے میں نہیں گھسی رہتی، آٹھ بجے سو کر کوئی نہیں اٹھتی۔ پہلے تو سب ٹھیک تھا، چھوٹے بھائیوں کے یونیفارم استری کر دیتی تھیں۔ ان کو ناشتہ، کھانا سب کچھ دے دیا کرتی تھیں، اب یہ دو چار مہینے سے ہی تمہیں کچھ ہوا ہے۔''

''مجھے کیا ہونا ہے۔'' ماں کے آڑے ہاتھوں لینے پر سٹپٹا گئی۔ ''امی کالج دور ہے۔ گرمی کی وجہ سے تھک جاتی ہوں۔'' اس نے جواز دینے کی کوشش کی۔

''میں پتھر کی بنی ہوں جو مجھے گرمی نہیں لگتی۔'' فریدہ بدستور خفا تھیں۔ ''یہ بادام اٹھاؤ، ادھر پنکھے کے نیچے بیٹھ کر کاٹ کر لاؤ اور فرنی پر ڈال دو۔ میں ذرا نہا کر آتی ہوں۔''

''واؤ، آج کس خوشی میں دعوتی کھانا ہے؟'' وہ ایک ایک دیگچی سے ڈھکن اٹھا کر دیکھنے لگی۔ پلاؤ، کباب، فرنی اور کدو گوشت۔

''تو تمہیں یہ بھی نہیں یاد سائرہ آ رہی ہے۔'' فریدہ حیرت سے بیٹی کو دیکھنے لگی۔

وہ خود بھی کنفیوز ہو کر ماں کی شکل دیکھ رہی تھی۔

''امی! کون سائرہ؟'' اب کے گھبرا کر پوچھا ہی

TAGPK.COM

لیا، مبادا ماں پھر سے بے عزتی پیریڈ کا آغاز کردے۔

''تابی! ملتان سے ڈاکٹر سائرہ آرہی ہے، شیراز بھائی کی بیٹی۔ کچھ یاد آیا؟ گھر میں ہفتے بھر سے ڈھول پیٹا جارہا ہے۔ سائرہ کو کون سا کمرہ دینا ہے، سائرہ کہاں رکے گی۔ تم کو کچھ پتا ہی نہیں۔ مجھے بتاؤ تمہارے حواس کہاں رہتے ہیں؟ ساری بات چیت تمہارے سامنے ہی ہوتی رہی ہے۔ ٹھیک کہتی ہیں بھابھی! میں نے تمہیں سر پر چڑھا لیا ہے، کسی کی لڑکی ایسی نہیں ہے۔''

فریدہ کا پارہ ہائی ہوتا دیکھ کر اس نے بھیگے بادا موں کی کٹوری اور چھری اٹھا کر دوڑ لگا دی تاکہ پنکھے کے سامنے بیٹھ بادام کاٹ سکے۔

ماں کو کیا بتاتی گھر آکر بھی دماغ تو صمد کی طرف لگا رہتا ہے۔ میسج کا جواب دینے میں، کبھی کال کیسے سنی ہے کا جگاڑ سوچنے میں۔ فریدہ کا موڈ انتہائی خراب ہو چکا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ اس کی مزید عزت افزائی کرتیں۔ احسان احمد کی آواز سن لی۔

''تعبیر کی ماں، میں بچی کو لینے بس اڈے پر جا رہا ہوں، بس آنے والی ہے۔''

''جلدی کرو تعبیر! تم بھی اوپر کے باتھ روم میں نہا کر کوئی اچھا سا سوٹ پہن لو۔ عمیر، اسد اور بھابھی وغیرہ تو نہا کر کپڑے بدل کر سوئے ہیں۔''

فریدہ بھاگ کر غسل خانے میں گھسی تھیں۔

احسان احمد وقت سے پہلے بس اسٹینڈ پر جا کھڑے ہوئے، ساتھ ہی انہوں نے آٹو رکشہ بھی دیکھ لیا جس میں سائرہ کا سامان گھر تک لے کر جانا تھا۔ جبکہ ڈاکٹر سائرہ ان کے ساتھ ان کی بائیک پر ہی گھر جاتی۔ اسے ہی بس آنے سے پہلے سائرہ کے والد شیراز کا فون آگیا۔ بلا مبالغہ ڈھائی گھنٹے کے سفر کے لیے یہ ان کا پانچواں فون تھا۔ احسان جانتے تھے، شیراز اپنی بیٹی سائرہ کے لیے ایسا ہی دیوانہ ہے۔

احسان احمد اور شیراز عظمت کی دوستی کالج کے زمانے سے ہوئی تھی۔ جب احسان احمد نے میٹرک قصبے سے کر کے مزید پڑھنے کا ارادہ کیا تو ملتان آنے جانے کے سفر سے بچنے کی خاطر وہیں ہاسٹل میں رہائش اختیار کرلی۔ شیراز ان کا کلاس فیلو اور ڈے اسکالر اسٹوڈنٹ تھا۔ شیراز کی والدہ اکثر ہی احسان احمد کے لیے گھر کے کھانے بنا کر بھیج دیا کرتی تھیں۔ بدلے میں احسان احمد کی والدہ ان کو گاؤں کی سوغاتیں بھیجا کرتی تھیں۔

احسان احمد کے بی اے کرنے تک دونوں خاندان بہت قریب آگئے تھے۔ دوستی سے بننے والا تعلق خاندانی رشتوں کی طرح ہی گہرا ہو چکا تھا۔ دونوں گھرانوں کا تعلق روایتی مڈل کلاس سے تھا، اس لیے بھی ان کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ گھلنے ملنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔

شیراز کی والدہ کی بیماری کی وجہ سے شیراز کی شادی انٹر کے دوران ہی ہوگئی تھی۔ جبکہ احسان احمد اور دوسرے کلاس فیلوز کی شادی ہوئی تو شیراز کی فیملی مکمل ہو چکی تھی تین بیٹے اور سب سے چھوٹی بیٹی سائرہ کے ساتھ۔ ان کے بڑے دونوں بیٹے مڈل ایسٹ میں مقیم تھے جبکہ چھوٹا مکینیکل انجینئر تھا اور پاکستان میں ہی کسی فرم میں اچھی تنخواہ پر کام کر رہا تھا۔ سائرہ کی بطور سرکاری ڈاکٹر پہلی تقرری احسان احمد کے قصبے میں ہوئی تھی۔ شیراز پچھلے ہفتے ہی سرکاری ہسپتال دیکھ کر گیا تھا جس میں خاتون ڈاکٹر کا رہنا اسے ناممکن لگا تھا پھر ڈاکٹر اگر اس کی لاڈلی بیٹی ہو تو بالکل ہی ناممکن۔ یوں احسان احمد نے اصرار کر کے کہہ دیا تھا کہ سائرہ تب تک ان کے گھر میں رہے گی جب تک ٹرانسفر نہیں ہو جاتا۔ ویک اینڈ پر وہ ملتان واپس جایا کرے گی۔ روزانہ ڈھائی گھنٹے آنے اور ڈھائی گھنٹے جانے یعنی پانچ گھنٹوں کا سفر سائرہ کے لئے ناممکن تھا چنانچہ اس نے بھی چاچو احسان کے ہاں رہنے کی ہامی بھر لی تھی۔

بس آکر رکی تو احسان لپک کر بس کی طرف بڑھے، اس سے پہلے کہ وہ بس کے اندر جاتے وہ انہیں نظر آگئی۔ لان کی ملتانی کڑھائی والی سفید چادر اوڑھے وہ پائیدان سے نیچے پیر رکھ رہی تھی۔

''آگئی ہماری ڈاکٹر بیٹی۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تو وہ ماں سے ساتھ لگ گئی۔ احسان احمد کو

TAGPK.COM

لگا تعبیر ساتھ لگی ہے۔ کنڈیکٹر نے اس کے سیاہ بیگ کا ہینڈل احسان کی طرف کر دیا جسے تھام کر احسان نے رکشے والے کو پاس بلایا اور اشارہ کیا کہ گھر لے کر چلو۔ رکشہ بھی تو ساتھ والی گلی کا ہی تھا۔

''اور بیٹا! سفر میں کوئی مشکل تو نہیں ہوئی؟''

''نہیں چاچو! اے سی بس سے نکل کر دھوپ میں بس آنکھیں نہیں کھل رہی ہیں۔'' وہ مسکرا دی۔

''ہو جائیں گی ٹھیک، سامان اتنا کم لے کر آئی ہو بیٹا۔'' چاچو! ویک اینڈ پر تو امی ابو کے پاس ہی جانا ہے۔ اس لیے زیادہ کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔''

ان کے پہنچنے سے پہلے سامان گھر پہنچ چکا تھا اور سارا گھر سائرہ کے استقبال کے لیے دروازے پر جمع تھا۔ اب تک ان کے خاندان میں کوئی قریبی رشتہ دار ڈاکٹر نہیں تھا۔ موجودہ نسل میں سے کوئی ڈاکٹر بن جاتا تو الگ بات ہوتی لیکن فی الحال ان کے پاس ڈاکٹر سائرہ ڈاکٹر ہونے کی بنا پر چاند سے اتری مخلوق تھی۔ سائرہ کے فریش ہونے کے بعد برآمدے میں لگی ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا دیا گیا۔ سائرہ نے اکیلے کھانا کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ چٹائی بچھائی جائے تاکہ سارے افراد مل کر بیٹھ کر کھانا کھا سکیں۔ ڈائننگ ٹیبل پر صرف چھ افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ یوں ڈاکٹر سائرہ نے پہلے ہی مرحلے میں گھر کے تمام افراد کے دل میں ڈاکٹر ہونے کے علاوہ بھی جگہ بنا لی۔

اگلے چند دن میں اس کی سگھڑ خوب صورتی اور خوب سیرتی نے سب کو مزید اس کا گرویدہ کر چکی تھی۔ شام کو وہ چلتے کولر پنکھے کے سامنے سبزی لے کر بیٹھ جاتی۔ یاسمین اور فریدہ لاکھ منع کرتیں لیکن وہ سبزی بنا کر ہی چھوڑتی۔

''آج کل کی بچیاں کہتی ہیں سبزی بنا دو، ہانڈی میں چڑھا دوں گی۔ سب سے مشکل کام تو سبزی چننا، سنوارنا، کاٹنا ہی ہوتا ہے۔ وہ کروا کر تڑکا لگا دینا کون سی بڑی بات ہے۔ ایک تم ہو جو کہتی ہو میں سبزی کاٹ دیتی ہوں، پکا آپ خود لیں۔'' یاسمین، سائرہ کے ساتھ ہنس رہی تھیں۔

''آنٹی! کچن میں شدید گرمی جو ہے ذرا سردیاں آنے دیں پھر میں ڈیوٹی بدل لوں گی۔'' فریدہ بھی اس کے جواب پر ہنس دیں۔

سائرہ صحن میں لگے واش بیسن پر ہاتھ دھونے گئی تو یاسمین پھر سے اس کی تعریف میں رطب اللسان ہو گئیں۔

''دیکھ لو فریدہ! لگتا ہی نہیں ہے کہ ڈاکٹر ہے۔ کیسا پیارا مزاج ہے۔ کیسی میٹھی زبان ہے، گھر کے کاموں میں بھی پوری دلچسپی لیتی ہے۔ ایک ہماری لڑکیاں ہیں۔ کمرے سے نہیں نکلتیں۔''

''بھابھی! تعبیر کا صبح ٹیسٹ ہے، وہ اپنے کمرے میں پڑھ رہی ہے۔ آپ کی ابرش کا فیورٹ ڈرامہ آ رہا ہے، وہ اندر ٹی وی دیکھ رہی ہے۔ ہماری بیٹیاں ابھی چھوٹی ہیں، جب سائرہ کی عمر کی ہوں گی تو وہ بھی ذمہ دار ہو جائیں گی۔''

''ارے پوت کے پاؤں پالنے میں ہی نظر آ جاتے ہیں فریدہ۔ جو کچھ سائرہ کی عمر میں کریں گی، مجھے ابھی دکھ رہا ہے۔''

''کیا دکھ رہا ہے آنٹی؟'' سائرہ بشاش لہجے میں پوچھنے لگی۔

''میں کہہ رہی تھی، سائرہ کیسی سلجھی ہوئی بچی ہے۔ ایک ہماری لڑکیاں ہیں۔ مجال ہے عقل پاس سے گزر جائے۔ ایک اندر ڈرامہ دیکھ رہی ہے، دوسری کا آئے روز ٹیسٹ ہوتا ہے۔''

''آنٹی! اس عمر میں سب ہی ایسے ہی ہوتے ہیں۔ میں بھی ایسی ہی تھی۔ چچی! میں نے آپ سے کچھ بات کرنی تھی۔'' وہ فوراً ہی فریدہ کی طرف متوجہ ہوئی۔

''جی بولو بیٹا!''

''چچی! آج سے میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ چھت پر سویا کروں گی۔ آپ سب چھت پر سوتے ہیں تو میرے اکیلی کے لیے رات کو بھی اے سی چلانے کیا ضرورت ہے۔''

''ارے نہیں بیٹا! یہ کیسی باتیں کر رہی ہو۔ سارا دن ہسپتال میں سر کھپا کر تمہیں رات کو سکون سے سونے

TAGPK.COM

کی ضرورت ہے۔ چھت پر کہاں نیند آئے گی۔"

"نہیں چچی! گھر میں بھی میں امی ابو کے ساتھ گرمیوں میں صحن میں ہی سونے کی عادی ہوں۔ آپ نے دیکھا تو ہوا ہے، کتنا بڑا صحن ہے ہمارا۔ ائر کولر لگا کر وہیں سوتے ہیں ہم لوگ۔"

"آپ کے چچا ناراض ہوں گے سائرہ!"

"نہیں ہوتے، میں خود بات کرلوں گی۔"

"پھر ہم بھی برآمدے والا کولر پنکھا چھت پر لے جاتے ہیں فریدہ! برآمدے میں تو ویسے بھی دن کے وقت کوئی نہیں بیٹھتا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں رہتے ہیں۔"

یاسمین نے فوراً حمایت اس لیے بھی کردی کہ بجلی کا بل مشترکہ کھاتے سے ہی جاتا تھا۔ جوائنٹ فیملی بھلے کتنی ہی جوائنٹ ہو کسی نہ کسی کے دل میں تیرا، میرا ضرور ہوتا ہے یہاں یاسمین کے دل میں تھا۔ تعبیر نے کمرے سے نکلتے ہوئے سنا کہ ڈاکٹر سائرہ بھی آج سے اوپر سوئے گی تو دل دھڑک اٹھا۔ آخر اتنے دن سے صمد سے بات نہ ہو پا رہی تھی۔ ہوتی بھی کیسے، برآمدے کے جس حصے میں بیٹھ کر وہ صمد سے بات کرتی تھی اس کے عین سامنے تو سائرہ کے کمرے کا دروازہ تھا۔

"ٹیسٹ کی تیاری ہوگئی تعبیر؟"

"جی۔" اس نے مختصر جواب دے کر پانی کا گلاس منہ سے لگالیا۔

"پہلے اس گھر میں کم افراد تھے جو یہ چڑیل بھی اپنا حصہ ڈالنے آگئی۔ اوپر سے سب لوگ جیسے اسے سر پر بٹھا رہے ہیں، یہ ادھر سے ساری زندگی ٹرانسفر نہیں کروائے گی۔"

تعبیر کے اندر جوار بھاٹا اٹھ رہا تھا۔ یہ اس کی منفی سوچیں تھیں یا جانے کیا کہ سائرہ نے بھی اس نوعمر لڑکی کو نظریں اٹھا کر گہرے انداز سے جانچا تھا۔

☆☆☆

حسب معمول سارا گھر سو گیا تو وہ دبے پاؤں سیڑھیاں اتر آئی۔ اپنی مخصوص چوکی پر بیٹھ کر اس نے نظریں چھت پر جما کر تاکہ کوئی نیچے آنے لگے تو اسے فوراً نظر آجائے، کال ملالی۔

"آج کیسے موقع مل گیا؟ کیا وہ ڈاکٹر دفع ہو گئی۔"

"وہ نہیں دفع ہونے والی، میرے گھر والے جیسا پروٹوکول دے رہے ہیں، مجھے لگتا ہے وہ ساری زندگی نہیں جائے گی۔"

اس کے جلے کٹے انداز پر صمد نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا تو وہ مزید تپ گئی۔ "سارے محلے نے اسے الگ سر پر بٹھایا ہوا جس کا جب دل کرتا ہے ڈاکٹر باجی سے چیک کروانے، دوائی لکھوانے بھاگا آتا ہے۔ دادا ابو الگ سے دو، ٹائم بلڈ پریشر چیک کروا رہے ہیں۔ صمد مجھے گھر کم ہسپتال زیادہ لگنے لگا ہے۔"

"یہ تو نیکی کا کام ہے یار اور بڑی بات ہے جو تمہاری یہ ڈاکٹر کزن....." شیخی مارنے کو تعبیر نے کزن بتا رکھا تھا۔ "مفت چیک اپ کرلیتی ہے اسپیشلائزیشن کرنے دو ذرا پھر نخرے دیکھنا ان محترمہ کے بھی، یہی سننے کو ملا کرے گا۔"

"آپ نے اپائنٹمنٹ لی تھی؟"

وہ لڑکیوں جیسی باریک آواز میں بولا تو تعبیر کی ہنسی چھوٹ گئی۔

"تم جو مرضی کہہ لو، جتنا اس بی بی کو اچھا بننے کا شوق ہے نہ، یہ کبھی بھی ایسے نہیں کہے گی۔"

"لگاؤ شرط۔" وہ چہکا۔

"میں نہیں شرطیں لگاتی، شرط لگانے سے گناہ ہوتا ہے۔"

"اچھا ملانی صاحبہ۔"

"صمد، ہمارے گھر میں کوئی پرائیویسی نہیں رہی۔ سچی پہلے کون سا کم چڑیا گھر تھا جو یہ بھی آگئیں۔ اب تو تائی امی بھی بڑا بن بن کر بات کرتی ہیں۔ ہاتھ دھو کر ہر چیز کو لگانے کو کہتی ہیں۔ میز کی بات کرتی ہیں حالانکہ چند دن پہلے تک دادا ابو تک کو بازار میں اونچا اونچا ڈانٹ آتی تھیں۔"

TAGPK.COM

لایعنی، بے ضرر لیکن دلچسپ گفتگو گھنٹے بدلتی رہی، سائرہ کو نئی جگہ اور پرائے لوگوں کی وجہ سے ابھی تک نیند نہ آئی تھی بالآخر اس نے اٹھ کر ٹھنڈے پانی کا گلاس بھرا اور صحن کی جانب منڈیر کی طرف چلی آئی۔

دبی دبی ہنسی میں بلا کا الہڑ پن تھا۔ لیکن ہنسنے والی اسے نظر نہ آئی تو واپس اپنی چارپائی کی طرف بڑھ گئی۔

ائرکولر کے آگے اس کی چارپائی تھی پھر فریدہ اور تیسری چارپائی خالی تھی۔

سائرہ نے سیدھی لیٹ کر نظریں آسمان کی طرف کر لیں۔ بہت دور اوپر ہی اوپر ستارے جگمگا رہے تھے۔ یہ ستارے اسے اپنے شہر کے ستاروں سے کہیں زیادہ روشن لگے۔ وہ ان ٹھنڈے روشنی بھرے تاروں کو دیکھ رہی تھی جب اسے ان ستاروں کے بیچ آسمان پر کوئی پرندہ اڑتا نظر آیا۔ اس نے نظریں اسی پر جما دیں۔ وہ واقعی ہی کوئی پرندہ تھا جو دور ہونے کی وجہ سے چڑیا جتنا نظر آ رہا تھا۔

رات آرام کے لیے ہوتی ہے لیکن تیسری چارپائی اور پرندہ اپنی عمر کے سرمست دور سے گزر رہے تھے جبھی تو اپنے اپنے مقام پر نہ تھے۔ وہ رات کو اڑ رہا تھا اور تیسری چارپائی کا مکین جاگ رہا تھا۔

سائرہ نے بھاری ہوتے سر کو سوچوں سے آزاد کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگی۔ رات آخری پہر میں داخل ہو رہی تھی جب اسے سیڑھیوں پر قدموں کی چاپ سنائی دینے لگی۔ سائرہ مزید ساکت ہو گئی۔ یوں کہ آنے والی جانچ نہ سکے وہ سو رہی ہے کہ جاگ رہی ہے۔

☆☆☆

دن ویسا ہی اجلا، چمکیلا اور گرم تھا جیسے موسم گرما کے عام دن ہوتے ہیں۔ اس پر رات کو نیند نہ آنے کی کسل مندی طاری تھی جبھی اس نے آج معمول سے لیٹ ہسپتال جانے کا ارادہ کیا تھا۔ لیمن گرین سوٹ، لمبے گھنے بالوں کی سادہ چوٹی باندھ کر

بیوٹی بکس کا تیار کردہ

سوہنی ہیئر آئل

SOHNI HAIR OIL

- گرتے ہوئے بالوں کو روکتا ہے
- نئے بال اگاتا ہے۔
- بالوں کو مضبوط اور چمکدار بناتا ہے۔
- مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے یکساں مفید۔
- ہر موسم میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

قیمت -/150 روپے

سوہنی ہیئر آئل 12 جڑی بوٹیوں کا مرکب ہے اور اس کی تیاری بے حد مشکل ہے۔ یہ بہت کم مقدار میں تیار ہوتا ہے، یہ بازار میں نہ ملنے کی وجہ سے شہر میں دستیاب نہیں، کراچی میں بھی خرید جا سکتا ہے ایک بوتل کی قیمت صرف -/150 روپے ہے دوسرے شہروں کے لئے منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ پارسل کے منگوائیں، رجسٹری سے منگوانے والے منی آرڈر اس حساب سے بھیجیں۔

2 بوتلوں کے لئے ..... -/400 روپے
3 بوتلوں کے لئے ..... -/600 روپے
6 بوتلوں کے لئے ..... -/1100 روپے

نوٹ: اس میں ڈاک خرچ اور پیکنگ چارجز شامل ہیں۔

منی آرڈر بھیجنے کے لئے ہمارا پتہ

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

دستی خریدنے والے حضرات سوہنی ہیئر آئل ان جگہوں سے حاصل کریں

بیوٹی بکس، 53-اورنگزیب مارکیٹ، سیکنڈ فلور، ایم اے جناح روڈ، کراچی

مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37-اردو بازار، کراچی۔

فون نمبر: 32735021

TAGPK.COM

نیچے لیمن گرین ربن باندھا ہوا تھا۔ شفاف رنگت پر ہلکی پرپل لپ اسٹک اور پاؤں میں دو اسٹریپ کی سیاہ چپل۔ فریدہ نے نظر پھیر لی مبادا ان کی نظر نہ لگ جائے۔ فریدہ کو سائرہ کی جگہ موتیا اور گیندا توڑتی تعبیر نظر آنے لگی۔ اتنی باوقار، اتنی جاذب نظر اور اتنی ہی ہر دل عزیز۔

ان کی نظروں کے ارتکاز نے سائرہ کو ان کی طرف متوجہ کیا تھا۔ ''کیا دیکھ رہی ہیں چچی؟''

''مجھے تم میں تعبیر نظر آ رہی تھی۔'' فریدہ نے محبت سے چور لہجے میں سچائی بتائی۔

تعبیر سے محبت کا خانہ ہی الگ تھا اسد اور عمیر سے محبت اپنی جگہ لیکن جو ممتا تعبیر کے لیے ان کے دل میں اٹھتی تھی اس کی لہریں ہی نرالی تھیں۔

''میں بھی تو آپ کی بیٹی ہوں۔'' سائرہ نے محبت سے فریدہ کے ہاتھ تھامے۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے ان دونوں کو سر گما کر دروازہ دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

''ڈاکٹر باجی! میں دو گلیاں پیچھے رہتی ہوں، ساری رات میرا بچہ نہیں سویا۔ یہ دیکھیں جی اب بھی سانس کھینچ کر لے رہا ہے۔ اسے ادھر ہی چیک کر لیں۔ میں فیس لے کر آئی ہوں۔ ہسپتال کھلتے، پرچہ بنواتے بڑی دیر ہو جاتی ہے جی۔'' آنے والی ایک ہی سانس میں بولتی چلی گئی۔

''ریلیکس ریلیکس۔ میں یہیں چیک کر لیتی ہوں، آپ ادھر بیٹھیں۔'' اس نے ڈائننگ ٹیبل کی کرسی کی طرف ہی اشارہ کر دیا۔ اس کے بیٹھنے پر تعبیر ناشتہ ادھورا چھوڑ کر اٹھ گئی۔

''چڑیل کہیں کی۔'' منہ ہی منہ میں بدبدا کر اس نے بیگ کندھے پر ڈال لیا۔

''امی! میری وین کا ٹائم ہو گیا اللہ حافظ۔''

تعبیر کو کالج جا کر یاد آیا، آج اس کا پریکٹیکل ڈے تھا۔ اس نے ماں کو میسج کر کے پریکٹیکل کی وجہ سے لیٹ ہونے کا بتایا۔

جب وہ واپس گھر آئی تو اس نے دیکھا، سارا گھر ٹی وی والے بڑے کمرے میں جمع ہے۔ اسد اور عمیر، ڈاکٹر سائرہ کے موبائل پر گیم کھیل رہے تھے جبکہ وہ خود اس کے سارے گھر والوں کو فٹ بال میچ دکھا رہی تھی۔ ساتھ ساتھ بتاتی جاتی تھی ایسے کیا تو فاؤل ہوگا، لال کپڑوں والی ٹیم کو فائدہ ہوگا، کس کو فری کک ملے گی۔ کون فری کک کے بہترین استعمال میں ماہر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

''اچھا یہ ہے کرسٹینو رونالڈو!'' احسان احمد حیران ہوئے۔ اس نے پیپسی پیچھے ہٹا کر پانی پیا تھا تو پیپسی کمپنی کو اتنا نقصان ہوا تھا۔''

''ہاں جی، ہاں جی۔ وہی ہے۔''

''مجھے اس کی شکل ہی نظر نہیں آئی۔ مجھے دکھاؤ تو سہی کون سا ہے۔''

''دادا جی! میں آپ کو گوگل سے تصویریں نکال کر دکھاتی ہوں۔ اسد مجھے فون دو۔''

''سائرہ باجی، پھر سے واپس دے دیں گی نا؟''

''جی جی، واپس لے لینا۔''

''دیکھا تعبیر! سائرہ باجی کتنی اچھی ہیں۔ تمہاری طرح نہیں جو فون کو ہاتھ بھی نہیں لگانے دیتی ہو۔''

وہ چڑ کر پھر سے بڑے کمرے سے نکل آئی۔

''بوڑھی ہو رہی ہے ابھی تک شادی نہیں ہوئی۔ لگتا ہے اس کے ماں باپ بھی اس کی کمائی کھانے کے شوقین ہیں۔'' غصہ اتنا تھا کہ یہی کچھ میسج میں لکھ کر صمد کو سینڈ کر دیا۔

آگے سے اس نے اپنی پسندیدہ ہنستی ہوئی ایموجی بھیج دی۔ ساتھ ہی میسج آ گیا۔

''یہ جو ڈاکٹر ہوتے ہیں، اکثر ڈاکٹر سے ہی شادی کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے تمہاری ڈاکٹر بی بی کا جس سے چکر ہو وہ اسپیشلائزیشن کے لیے باہر گیا ہوا ہو۔''

''باہر گیا ہوا ہو تو بات تو ہوتی ہوگی۔ میرا مطلب ہے واٹس ایپ میسج وغیرہ، تو ایسے اتنی بے

TAGPK.COM

فکری سے کوئی اپنا فون کسی کو کیسے دے سکتا ہے۔''

''یہ ڈاکٹر لوگ گندی باتیں نہ کرتے ہوں گے۔'' ساتھ آنکھ مارتا کارٹون تھا۔

''تو ہم گندی باتیں کرتے ہیں؟'' وہ بھنا گئی، اسے یہ بات بہت بری لگی۔

''بچے، موبائل پر ٹائپنگ اسپیڈ بڑھانے کے بجائے لیپ ٹاپ پر اسپیڈ بناؤ، تمہارے کام آئے گی۔'' سائرہ اس کے پہلو سے نکلتے ہوئے یہ بات سنا گئی۔

پیچھے وہ تپ کر موبائل دوپٹے کے کونے کے نیچے کرتی بڑے کمرے کی طرف چل دی۔ باپ کے پہلو سے چپک کر بیٹھی تو پھر سے احسان احمد نے سائرہ کا ذکر چھیڑ دیا۔

''سائرہ باجی کو دیکھتی ہو، بالکل ویسی بن جاؤ۔ ہر وقت بھائیوں سے نہ لڑا کرو، جنگلی بلی بن جاؤ گی۔'' ان کے لہجے میں پدرانہ شفقت تھی۔

''لو، بھائیوں سے نہ لڑا کرو، اس کو تو تین مہینے ہو گئے فون کو پیاری ہو گئی ہے۔ ہر وقت موئی یہیں کھیلتی ہے۔ اس کو دیکھ دیکھ کر سارے بچے اپنا اپنا فون مانگتے ہیں۔ ہزار بار بتایا ہے دسویں کر لو پھر لے کر دیں گے۔ نہ یہ اپنا فون ان کو دیتی ہے نہ وہ ضد چھوڑتے ہیں۔'' یاسمین بھابھی کو بڑے دن بعد تعبیر کی شکایات لگانے کا موقع ملا تھا۔ فریدہ نے بھی تائید کی۔

سائرہ کونے کی کرسی پر ٹک کر چپ چاپ ان سب کو دیکھ اور سن رہی تھی۔ اسے تعبیر کے چہرے پر بے چینی اور گھبراہٹ صاف نظر آ رہی تھی جیسے وہ چاہتی ہو جلدی سے فون والا موضوع بدل جائے۔ جانے کیوں وہ بیچ میں کود پڑی۔

''چچا جان! صبح کتنے بجے مجھے ملتان کی بس ملے گی؟''

''بیٹا! ہر تین گھنٹے بعد ہر بڑے شہر کو اڈے سے ٹائم نکلتے ہیں۔ کس وقت جانا ہے، مجھے بتاؤ۔ میں دکان سے آ جاؤں گا۔''

''نہیں نہیں۔ میں چلی جاؤں گی۔ ایکچوئلی میرا ہسپتال سے گھر آنے کا ارادہ نہیں ہے بلکہ وہیں سے ہی دوپہر کو میں اپنے گھر جاؤں گی۔''

''کھانا کھا کر فریش ہو کر جانا سائرہ!'' فریدہ بھی بول اٹھیں۔

''نہیں چچی! دیر ہو جائے گی۔ میں بارہ کے بعد جانا چاہ رہی ہوں۔''

''ایک بجے ملتان ٹائم یہاں سے نکلتا ہے۔''

''بس پھر میں ایک بجے والی بس میں ہی بیٹھ جاؤں گی۔'' وہ جمعہ کو ملتان چلی جاتی تھی۔ ہفتہ اتوار وہیں گزار کر سوموار کی صبح ڈائریکٹ ہسپتال آ کر ڈیوٹی جوائن کر لیا کرتی تھی۔

موضوع بدلنے پر اس نے دیکھا تعبیر اٹھ کر چلی گئی تھی۔ احسان احمد بھی واپس دکان پر چلے گئے۔ احمد زین باہر اور خواتین باورچی خانے کی مصروفیات میں لگ گئیں تو کچھ سوچ کر سائرہ اس کمرے میں چلی آئی جو ابرش اور تعبیر کے ساتھ چھوٹا اسد شیئر کرتا تھا۔

چوتھی کلاس میں پڑھتا اسد اور دسویں کی اسٹوڈنٹ ابرش چوک میں بنی اکیڈمی میں ٹیوشن کے لیے گئے ہوئے تھے۔ سائرہ کو اس کی حرکات و سکنات اور وائبز سے پتا چل چکا تھا وہ اسے پسند نہیں کرتی لیکن وہ احسان احمد اور فریدہ کی بیٹی تھی۔ مروت اور وضع داری خون میں شامل تھی۔ سو مسکرا کر استقبال کیا۔

''آ جائیں سائرہ باجی۔'' کولر کے سامنے والی کرسی سے تولیہ اٹھا کر اس کے لیے جگہ بنائی۔

''کیسی جا رہی پڑھائی؟''

''اچھی ہے۔''

''اکیڈمی کیوں نہیں جاتی ہو؟''

''باجی! اکیڈمی نے ہمارا سلیبس کور کروا دیا ہے۔ اب دو ہفتے بعد اکیڈمی والے سرٹیفکیٹ لینا شروع کریں گے۔''

''کالج کے ٹیسٹ ختم ہو گئے؟''

TAGPK.COM

''کالج میں سلیبس رہتا ہے اس لیے روزانہ ٹیسٹ نہیں ہوتا۔''

''اچھاااا۔'' ساتھ ہی سائرہ نے اسٹڈی ٹیبل پر پڑا موبائل ہاتھ بڑھا کر اٹھالیا۔

''کوئی کال کرنی ہے باجی؟ میرے پاس بیلنس نہیں ہوتا۔'' اس کی آواز اور باڈی لینگویج یکسر تبدیل ہوگئی۔ سائرہ کو تکلیف ہوئی لیکن اس نے بات جاری رکھی۔

''دوستیں بہت فرینک ہیں یا کوئی کلاس فیلو ہر وقت میسیج وغیرہ کرتا ہے۔ یا کلاس کا گروپ ہے؟''

''نن..... نہیں باجی! ایسا تو کچھ نہیں ہے۔''

''بچے! پھر ہر وقت ادھر ادھر جا کر میسیج کرنے کی کیا ضرورت ہے۔''

''وہ سائرہ باجی کلاس کا گروپ ہے نا تو پھر ادھر میسیج کرتے رہتے ہیں۔ ساری کلاس فیلوز بھی ریپلائے کرتی ہیں، اس لیے پھر میں بھی جواب دے دیتی ہوں۔ ہر وقت تو میں موبائل استعمال نہیں کرتی۔''

''شاباش، تم اچھی لڑکی ہو نا اس لیے۔ اپنا ٹائم ٹیبل بنالو کہ اتنے وقت کے لیے بس موبائل استعمال کرنا ہے، باقی سارا ٹائم اپنی اسٹڈی کو دو۔ چاچو احسان اور چچی کو تمہیں اعلا تعلیم دلانے کا بہت شوق ہے۔''

''جی، مجھے پتا ہے۔''

''تعبیر! اسٹوڈنٹ لائف کے یہ چند سال بہت قیمتی ہوتے ہیں۔ اگر ان سالوں میں محنت کرلی جائے اور فضول سرگرمیوں میں وقت نہ برباد کیا جائے تو آئندہ زندگی سہل ہوجاتی ہے۔ دوستوں اور ادھر ادھر ٹائم پاس کرنے کے بجائے اگر اسٹڈی کے ساتھ ٹائم پاس کیا جائے اور باقی تفریح گھر والوں کے ساتھ کی جائے تو ہماری دماغی صحت پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے۔''

سائرہ کو معلوم تھا اتنی جلدی برین واش نہیں ہوگا۔ اسی لیے اس نے آج کے لیے اتنی بات چیت کافی سمجھ کر کر ادھر ادھر کی ہلکی پھلکی باتیں شروع کردیں تاکہ تعبیر کے ساتھ فری ہوا جائے۔ دوستی اور اپنائیت کا احساس دلایا جاسکے۔

☆☆☆

باہر سے گیٹ کی کنڈی کھولنے کا ہنر تو اسے بچپن سے ہی ازبر تھا۔ اپنی اسی مہارت کو استعمال کرتے ہوئے اس نے گیٹ کھولا اور گھر میں داخل ہوگئی۔ ناک چندی اینٹوں والا بڑا سا صحن عبور کرکے برآمدے کا جالی والا دروازہ تھا۔ اس نے کتھئی رنگ کا دروازہ کھولا تو سامنے ماں کانوں میں ہینڈ فری لگائے بھائیوں سے ویڈیو میں مصروف نظر آئیں اسی لیے تو باہر کا گیٹ کھلنے کی آواز نہ سنی تھی۔ بھائیوں اور ماں سے اکٹھا ملنے کے بعد اس نے فون بند کردیا۔

''احسان اور فریدہ ٹھیک تھے۔''

''جی، سب ٹھیک ہے امی۔''

''میں نے آج سارے کھانے تمہاری پسند کے بنائے ہیں۔ ایسا کرو چاچو لوگوں سے مل آؤ، ساتھ ہی کھانے کی ٹرے بنا کر لے جاؤ۔ عاصمہ کے بچوں کو کھلا دینا، صبح سے گھمسان کا رن پڑا ہوا ہے۔ اللہ جانے بچوں کو کسی نے کچھ کھلایا پایا نہیں۔ خود عاصمہ نے تو یقیناً کچھ نہیں کھایا ہوگا۔'' بیگم شیراز کے لہجے میں دکھ بول رہا تھا۔

''آپ نہیں گئیں ادھر؟''

''میری ہمت ہی نہیں پڑی سائرہ! میرا بی پی لو ہونے لگتا ہے سب کے رویوں سے، خاص کر عاصمہ کو دیکھ کر میرے دل کو کچھ ہونے لگتا ہے۔''

سائرہ کو چچازاد بھول گئی اور اپنی ماں کی پڑ گئی۔

''طبیعت زیادہ خراب لگ رہی ہے تو میڈیکل کٹ لے آؤں۔''

''نہیں، میں ٹھیک ہوں۔ تم جاؤ ذرا، بچوں کو کچھ کھلا پلا کے آؤ۔ وہ لوگ بچوں کو ادھر بھی نہیں آنے دیتے۔''

امی جیسے تھک کر لیٹ گئیں تو سائرہ بھی اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ پچھلے سال کا گھسا ہوا پرانا

TAGPK.COM

لان کا سوٹ نکال کر اس نے سر میں پانی ڈالے بنا نہایا، چہرے پر خوب سارا ٹھنڈا پانی ڈالا۔ کپڑے پہن کر کچن میں آ گئی۔ کھانے کی ٹرے بنا کر جالی کا دروازہ کھولا۔ صحن میں کھڑے ہو کر اونچی دیوار کو حسرت سے دیکھا اور گیٹ طرف آ گئی۔ کبھی یہ سارا گھر ایک ہی تھا اور پھر ایک حادثے نے اس گھر کے ساتھ ساتھ گھر کی بیٹیوں کی قسمت بھی بدل دی۔

ہمیشہ کی طرح دیوار پار والوں نے اس کا استقبال سرد مہری اور بے رخی سے کیا۔ اسے اب تک اس بے رخی کی عادت نہ ہوئی تھی، بظاہر نظر انداز کر کے اس نے ماضی کی پیاری سہیلی اور چچا زاد بہن کو گلے لگایا۔

''مانو! ٹیپو! ادھر آؤ۔ دیکھو، خالہ کیا لے کر آئی ہے۔'' بچے بھاگے بھاگے اس تک پہنچے تو اس نے چارپائی پر رکھی ٹرے پھر سے اٹھالی۔ چچی اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح جانے کن کاموں میں الجھ گئیں۔ عاصمہ پر برسوں سے بے حسی طاری تھی۔ بچے کھلے دل سے ملتے تھے سائرہ کو یہی بڑی بات لگتی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے بچوں کو کھانا کھلایا۔ اسی دوران سعد آ گیا تو اس نے کوفتے کی پلیٹ سے بے تکلفی سے کوفتہ اٹھا کر منہ میں ڈال لیا۔ اس سے پہلے کہ سائرہ اس سے حال چال پوچھتی پڑھائی کا پوچھتی اس کے فون پر وائبریشن ہونے لگی۔ وہ ان ہی قدموں پر گھر سے باہر نکل گیا۔ عاصمہ نے طنز سے ہنس کر ماں کو پکارا۔

''ابو کو یہ نظر نہیں آتا، اس کی شادی کیوں نہیں کروا دیتے۔ یا اس کو آپ کے میکے میں سے کوئی لڑکی نہیں دے گا۔ وہ صرف آپ کی بیٹی کا رشتہ لے سکتے ہیں۔''

''تمہاری زبان پر تو کتے بندھے ہوئے ہیں نہ کالے کرتوت کھولتی نا ہمیں یہ سب کرنا پڑتا۔ تمہیں کون سا خبر نہیں تھی، تمہارا باپ کتنا غیرت مند ہے۔ دوسروں کی طرح بے غیرت نہیں ہے۔''

سائرہ نے ضبط سے تھوک نگلا یقیناً چار انچ کی دیوار کے پار اس کی ماں بھی یہ سب سن رہی تھی اور صبح سے سن رہی تھی۔

''میرے باپ کی غیرت صرف بیٹی کی دفعہ جاگی، اب بیٹوں کے وقت کیوں نہیں جاگ رہی۔ سعد کسی لڑکی سے رات دن باتیں کرتا ہے، میں نے آپ کو میسج بھی پڑھ کر سنا دیے۔ اب اس کی بھی شادی کر دو تا کہ مجھے بھی ٹھنڈ پڑے میرے دل کو بھی سکون آئے۔''

''ماں باپ کی عزت رولنے والیوں کو سکون نہیں آتا ان شاء اللہ تمہیں ایسے حال کو پہنچانے والے خود بھی سکون کو ترسیں گے۔''

سائرہ جانتی تھی یہ بددعا اس کے لیے ہے لیکن وہ سننے پر مجبور تھی۔

''امی! اپنی غلطی کیوں نہیں مان لیتے آپ لوگ یا پھر بیٹوں پر بھی بیٹی والا پیمانہ رکھیں۔''

''وہ لڑکا ہے۔'' چچی نے بڑے فخر سے بیٹی کو بتایا۔ اس کا بھائی لڑکا ہے۔

''لڑکا ہے تو کسی کی بیٹی کے ساتھ فون پر ٹائم پاس کر سکتا ہے اگر بیٹی کرے تو اسے آگ لگی ہوئی ہے اس نے خاندان کی عزت کو بٹا لگا دیا ہے۔'' عاصمہ نے سر کے بال نوچ ڈالے۔

''امی! اگر اس لڑکی کا باپ بھی میرے باپ کی طرح غیرت مند نکل آیا تو آپ کے بیٹے کے ٹائم پاس کی وجہ سے کوئی اور عاصمہ بن جائے گی۔'' اس کے لہجے میں بلا کا کرب تھا سائرہ ٹرے چارپائی پر چھوڑ کر اندھا دھند وہاں سے نکلی۔ پیچھے چچی کی آواز گونج رہی تھی۔

''وہ کون سا ہماری سنتا ہے اب کیا گھر سے نکال دیں۔''

''نہیں، بیٹے کو کیوں گھر سے نکالنا، اس معاشرے کا زور بیٹی پر ہی چلتا ہے۔ اسے شادی کے نام پر دیس نکالا دیا جا سکتا ہے۔ اسے غیرت کے نام پر قتل کیا جا سکتا ہے لیکن بیٹے کو مرد ہونے کی وجہ سے ہر گناہ ثواب کا پرمٹ مل جاتا ہے۔ عزت تو دونوں کی

TAGPK.COM

ایک جیسی ہے، اللہ نے دونوں کے لیے اس معاملے میں احکام بھی ایک جیسے رکھے ہیں تو معاشرے میں گناہ کی سزا بھی ایک جیسی ہونی چاہیے۔"

سائرہ گھر آ کر بھی ماں بیٹی کی تکرار سنتی رہی۔ اسے ویک اینڈ پر گھر آنے کا بے حد افسوس ہوا۔

☆☆☆

ہفتے کے پہلے دن ہسپتال میں عموماً زیادہ رش ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے سارا دن اسے سر کھجانے کی فرصت نہیں ملی۔ آف ٹائم میں اسے احسان احمد بھی لینے نہیں آئے تو اسے حیرت ضرور ہوئی لیکن مصروفیت کا سوچ کر خود کو تسلی دی، رکشہ پکڑا اور گھر آ گئی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اسے کچھ عجیب سا لگا۔ زبان سے اللہ خیر کرے کے کلمات بے ساختہ ادا ہوئے۔ سارے افراد اس سے ہمیشہ کی طرح بہت خوش دلی سے ملے، سب کچھ ٹھیک تھا لیکن کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ غلط ضرور تھا، سائرہ کو اس کی چھٹی حس بار بار کچھ غلط ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔

فریش ہونے کے بعد وہ کمرے سے نکلی تو تعبیر اور فریدہ کچن میں مصروف تھیں۔ اتنے ہفتے ساتھ رہتے ہو گئے تھے اس لیے سائرہ کو معلوم تھا۔ تعبیر رات کا کھانا بنانے میں فریدہ اور یاسمین کی مدد نہیں کرتی۔

"یاسمین آنٹی کی طبیعت ٹھیک ہے؟"

"جی بیٹا! ٹھیک ہے۔ بس ذرا کمرے سے نکلنے کا دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

"میں بھی سوچوں آج تعبیر کیوں کھانا بنانے میں مدد کر رہی ہے۔ تعبیر! تم پڑھ لو، میں اور چچی کھانا بنا لیتے ہیں۔"

"نن... نہیں سائرہ باجی! میرا کچھ بھی پڑھنے والا نہیں ہے۔"

"ارے سائرہ بیٹا! تم تو خود تھکی ہوئی آئی ہو، آرام کرو۔ تعبیر میرے کام ساتھ کروائے گی۔ اس کو بھی کھانا بنانا سکھا رہی ہوں، اس کو بھی آنا چاہیے۔ آخر کل کو یہی سب کچھ تو کرنا ہے۔"

سائرہ کو فریدہ کھوئی کھوئی لگیں اور تعبیر کا چہرہ بھی متورم تھا۔ آنکھیں رونے کی چغلی کھا رہی تھیں۔ لیکن سائرہ نے کریدنا مناسب نہ سمجھا۔ اسے لگا شاید کوئی گھر کی بات ہوگی جو اس سے شیئر نہ کرنے والی ہوگی۔

اگلے چند دن یاسمین بھی اکھڑی اکھڑی سی لگیں۔ دادا جی نے بھی بلڈ پریشر چیک نہ کروایا۔ احسان احمد نے بھی اس کے ساتھ بیٹھ کر باکی، فٹ بال کا میچ نہ دیکھا تو سائرہ کو یقین ہو گیا کچھ ایسا ہوا ہے جو نہیں ہونا چاہیے تھا۔ گھر میں مستقل سوگواری و گھٹن کی فضا طاری تھی۔ جو اس گھر میں بہت اجنبی سی لگتی تھی۔

چھوٹے بچے بھی سہمے سہمے سے محسوس ہوتے تھے اور تو اور انہوں نے سائرہ سے اس کا فون لے کر گیم کھیلنے کی فرمائش بھی نہ کی تھی۔ سائرہ نے نوٹس کیا تعبیر کے ہاتھ میں ہر وقت نظر آنے والا فون بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کی چھٹی حس نے اس سب کا تعلق تعبیر اور اس کے فون کے ساتھ جوڑ دیا۔ لیکن اتنی حساس بات وہ اپنے منہ سے کسی سے بھی پوچھنا نہ چاہ رہی تھی۔

☆☆☆

ساری رات اسے نیند نہ آئی اس نے صاف دیکھا تعبیر بھی کروٹ پر کروٹ بدلتی رہی تھی۔ اپنی بھاری طبیعت کے پیش نظر نماز پڑھ کر وہ بچے ہی اسے سی آف کر کے لیٹ گئی۔ عجیب بات یہ ہوئی کہ نیند بھی آ گئی۔ دس بجے وہ اٹھی تو تعبیر کپڑے دھو رہی تھی فریدہ سلائی مشین پر کچھ سلائی کر رہی تھیں جبکہ یاسمین پھلیاں توڑتے ہوئے ٹی وی بھی دیکھ رہی تھیں۔

"تعبیر بچے! اتنے اہم دن ہیں، تم پڑھائی سے یوں غافل ہوئی پھر رہی ہو۔ امتحان کیسے دو گی؟"

"پڑھ لیا اس نے جتنا پڑھنا تھا۔ وہی پڑھا لکھا ہضم کر لے تو بڑی بات ہے۔" یاسمین کی آواز پاٹ

TAGPK.COM

دار تھی۔

فریدہ کا سر اور جھک گیا جبکہ تعبیر نے ہاتھ میں پکڑی شرٹ تیزی سے رگڑنی شروع کر دی۔ سائرہ کو خبر ہو گئی چھٹی حس کی اطلاع درست تھی۔ اس نے معمول کے مطابق لیکن لیٹ تیاری کی، ناشتے سے انکار کیا اور احسان احمد کو کال کر دی۔

''چاچو! مجھے ہسپتال ڈراپ کر دیں۔''

اسے ڈراپ کر کے احسان احمد بائیک کو واپس موڑنے لگے تو اس نے پیچھے سے آواز دی۔

''چاچو! مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔''

''کرو بیٹی!''

''یہاں نہیں، اندر میرے کمرے میں چلتے ہیں۔''

اندر جا کر اس نے وارڈ بوائے سے کہہ کر دو چائے اور سنیکس منگوائے۔ چائے کا کپ احسان احمد کی طرف بڑھا کر وہ بولی۔

''چاچو! مجھے وہ باپ بہت اچھے لگتے ہیں جو میرے ابو کی طرح اپنی بیٹیوں سے بہت پیار کرتے ہیں۔''

''لیکن ہر باپ کی قسمت میں تمہارے ابو کی بیٹی جیسی بیٹی نہیں ہوتی۔'' احسان احمد دل گرفتگی سے بولے۔

سائرہ کو احسان احمد کا اشارہ بہت اچھے سے سمجھ میں آ رہا تھا جب ہی اس کی آنکھوں میں نمی چھلک آئی۔

''میں آپ کو کہانی سناتی ہوں پھر فیصلہ کیجیے گا کہ کس کی بیٹی زیادہ اچھی ہے.....

تعبیر کی عمر کی دو لڑکیوں کی کہانی۔

ایک اپنے باپ کی باقی اولاد سے سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھی جبکہ دوسری اپنے باپ کی سب سے بڑی اور پہلی بیٹی تھی۔ وہ دونوں بھی تعبیر کی طرح بہت شرارتی و شوخ شنگ تھیں۔ چاچو! یہ عمر ہی ایسی ہوتی ہے کچے رنگوں کے پیچھے بھاگنے والی بہت انرجیٹک عمر۔ اس عمر میں تتلیوں کے پروں میں موجود توانائی انہیں اونچی لیکن کبھی کبھی غلط سمت اڑان بھرنے کی طرف بھی مائل کر دیتی ہے۔ وہ تتلیاں بھی باغ چھوڑ کر جنگل کی طرف اڑان بھرنے لگیں۔ یہ اڑان فون پر آنے والی ایک رانگ کال سے شروع ہوئی تھی۔ انہیں پتا ہی نہ چلا وہ کب فون کے سگنلز سے بندھ گئیں۔ ہر وقت میسج اور رات کو فون پر بات کرنا تو معمول بن ہی گیا لیکن ایک دن وہ دونوں ایک جوس کارنر میں فون والے سے ملنے بھی پہنچ گئیں۔ جوس کا گلاس ختم ہونے تک کی ملاقات تھی اس کے بعد معمول کی اکیڈمی اور پڑھائی لیکن چاچو تتلیوں کے پر جنگل کی طرف اتنا تیز اڑنے لگے کہ ایک رات جب سارا گھر سو رہا تھا۔ ایک تتلی بات کر رہی تھی، دوسری گھر والوں کی نگرانی کرتی چھت پر سو گئی تھی تو.....'' سائرہ نے رک کر ٹشو والے ڈبے سے ٹشو کھینچے، آنسو صاف کیے اور خود کو کمپوز کرنے لگی۔ احسان احمد حیرت زدہ سے بیٹھے تتلیوں کی کہانی سن رہے تھے۔

''عاصمہ کی چیخوں سے سارا گھر اٹھ گیا۔ عاصمہ کو تو آپ جانتے ہیں ناں؟ چاچو فراز کی بڑی بیٹی ہے۔''

احسان احمد نے سر ہلا کر بتایا وہ عاصمہ کو جانتے ہیں۔

''عاصمہ کا قصور صرف اتنا تھا وہ میرا ساتھ دیتی تھی یا کبھی کبھار اس لڑکے سے میرے حوالے سے چیٹ کر لیتی تھی۔ لیکن اس لڑکے نے ابو سے واہیات قسم کی باتیں کر کے سارا ملبہ ہم دونوں پر ڈال کر یہ تک کہہ دیا کہ ہم دونوں اس سے ملنے جاتی رہی ہیں۔ چاچو فراز کو آپ جانتے ہیں، وہ کس قدر غصیلے اور جذباتی انسان ہیں۔ چاچو فراز کے ساتھ میرے تینوں بھائی بھی مل گئے۔ سارا گھر ایک بات پر متفق تھا کہ یہ سب کچھ ہماری پڑھائی کی وجہ سے ہوا ہے سو ہمارا کالج چھڑا دیا جائے۔ اور عزت کو بٹہ لگانے کی پاداش میں فوراً کسی بھی للو پنجو سے شادی کر دی

TAGPK.COM

جائے۔ میرا اور عاصمہ کا شرمندگی سے رو رو کر برا حال تھا۔ ہم نے اپنے کانوں سے اس لڑکے کی ساری گفتگو سنی تھی۔ عاصمہ جس کو بھائی کہتی تھی اور میں جس کو دوست سمجھتی تھی وہ جس قدر گھٹیا باتیں کر کے گیا تھا وہ ہی ہمیں ڈبونے کے لیے کافی تھی۔ اوپر سے گھر والوں کا یہ فیصلہ کہ پڑھائی چھڑوا کر جلد از جلد شادی کر کے گھر سے دفع کر دیا جائے۔ مرے پر سو درے کے مترادف تھا۔

ایسے میں ابو کی مجھ سے بے تحاشا محبت آڑے آئی۔ اگلے دن وہ اکیلے میرے کمرے میں آئے، انہوں نے مجھ سے پوچھا اگر میں اس لڑکے کو پسند کرتی ہوں اور وہ لڑکا بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے تو میں دوبارہ سے رابطہ کر کے اس کو اپنے گھر رشتہ لانے کا کہہ سکتی ہوں۔ وقت آنے پر شادی ہو جائے گی۔ ان کا خیال تھا اچانک پڑنے والی افتاد سے گھبرا کر وہ اول فول بک گیا ہے۔

میں جانتی تھی، وہ شادی میں انٹرسٹڈ نہیں تھا، ہم تو صرف ٹائم پاس کر رہے تھے۔ اتنی چھوٹی عمر میں اپنے لڑکے کی شادی کون کرتا ہے، کوئی بھی نہیں۔ اس لیے میں نے ایک بار پھر ابو سے معافی مانگی۔ ان سے کہا وہ مجھے معاف کر دیں مجھ سے محبت کرنا نہ چھوڑیں۔ بھلے پڑھائی چھڑوا دیں بھلے شادی کر دیں لیکن اس غلطی کی معافی ضرور دے دیں۔ مجھے ان کے الفاظ ساری زندگی نہیں بھولیں گے۔

ابو نے کہا ''غلطیاں انسانوں سے ہوتی ہیں میری بیٹی سے غلطی ہوئی اور اس غلطی سے میری بیٹی نے بہت کچھ سیکھا ہے۔ اب میری بیٹی دل لگا کر پڑھے نا صرف پڑھے بلکہ ڈاکٹر بنے۔'' میں نے سہیلیوں کی دیکھا دیکھی میڈیکل کے سبجیکٹ لے لیے تھے سنجیدگی سے ڈاکٹر بننے کا کبھی نہیں سوچا تھا۔ لیکن اس دن میں نے سوچ لیا۔ اس کے بعد ابو کے فیصلے کی بھائیوں نے بھی مخالفت کی اور چچا نے ابو کے فیصلے کی وجہ سے ابو کو بے غیرت ہونے کا طعنہ دے کر اپنی بیٹی کی شادی اپنی سالی کے بیٹے سے کر دی اور گھر میں دیوار اٹھا دی کہ وہ بے غیرتوں سے تعلق نہیں رکھ سکتے۔''

ایک بار پھر ٹشو سے آنسو صاف کیے گئے۔

''میں جیسی بھی ہوں، آپ کے سامنے بیٹھی ہوں اور عاصمہ تین بچوں کے ساتھ شوہر کے رات دن جوتے کھاتی ہے، بدکرداری کے طعنے سنتی ہے۔ چچی سے خرچ لے جا کر اپنے بچوں کا پیٹ پالتی ہے۔ اس پر بھی وہ شخص خوش اور مطمئن نہیں ہے، گاہے بگاہے اسے گھر سے نکال دیتا ہے۔ چاچو کی نام نہاد غیرت نے عاصمہ کی زندگی خراب کر دی ہے۔ پڑھائی سے اٹھانا اور فوراً شادی کا کہنا رشتے داروں کے ساتھ محلے والوں کو بھی مشکوک کر دیتا ہے۔ چھوٹی سی غلطی کو لوگ زنا بنا دیتے ہیں۔ ساری عمر کے لیے کردار پر دھبہ لگ جاتا ہے اور عاصمہ کے شوہر جیسے نکھٹو حقیقت جان کر بھی اپنی بیوی کو عزت و اعتماد نہیں دیتے کہ پارسائی کا رعب ختم ہو گیا تو سسرال خرچ دینا بند کر دے گی۔''

احسان احمد گنگ بیٹھے تھے۔ یہی سب تو تعبیر نے کیا تھا اور تعبیر کی غلطی کی سزا بھی وہ عاصمہ جیسی ہی منتخب کرنا چاہتے تھے جب ہی تو دو دوستوں سے رشتے کا کہہ بھی چکے تھے۔ پہلے انہیں کتنی بے فکری تھی کہ تعبیر شادی ہو کر بھی ہمیشہ ان کی آنکھوں کے سامنے رہے گی کیونکہ عمران بھائی نے بڑی چاہت سے سمیرا اور تعبیر کی شادی کی بچپن میں ہی بات کر رکھی تھی۔

اب جب تعبیر فون پر کسی لڑکے سے بات کرتے ہوئے پکڑی گئی تھی تو سب سے پہلے یاسمین بھابھی نے یہ رشتہ ہی ختم کیا تھا۔

انہیں وہ سارا سین پھر سے یاد آ گیا تو ایک بار پھر اعصاب پر غصہ اور جذبات سوار ہو گئے۔

''اس نے پڑھ لکھ کر کون سا ڈاکٹر بن جانا ہے۔''

''چاچو! ڈاکٹر کے علاوہ بھی بہت فیلڈز ہیں۔ اس کچی عمر کی نادانیوں کو بچیوں کی پوری زندگی پر محیط

TAGPK.COM

ماہم اورلین

دوزخ کہانی

''نرمین! چائے بنادو!''

''آٹا گوندھ دو!''

''کپڑے تہہ کردو۔''

''صفائی کردو۔''

یہ دن بھر گھر میں گونجنے والی وہ آوازیں ہیں جن کا مرکز عموماً لڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ اور اپنے گھر میں اکلوتی بیٹی ہونے کے ناتے ان سب آوازوں کا مرکز میں تھی اور میں چستی سے ہر کام بہ خوبی نبھاتی تھی۔ کام سے نہ میں کبھی گھبرائی، نہ جی چرایا۔ شادی سے پہلے ان کاموں میں مزید مہارت حاصل کرلی۔

سسرال والوں کے دل میں جگہ بنانے کی پوری تیاری کرلی مگر سسرال آکر امیدوں پر سیلاب ہی آگیا۔ مسئلہ سسرال والوں کے دل میں جگہ بنانے کا نہیں تھا، مسئلہ ان کاموں کا تھا جن کی مجھ میں سوجھ بوجھ تک نہیں تھی۔ اور وہ کام ایک چھوٹی ایک سال کی بچی کی ذمہ داری تھی۔

''تسبیحہ کی فیڈر بنادو، اسے نہلا دو، کھلا دو، سُلا دو۔''

غرض دن بھر میری ساس کی یہی آوازیں مجھ تک آتی رہتیں۔ اور میں پوری تن دہی سے ان کے احکام پورے کرنے میں مصروف رہتی اور گھر بھر کی ذمہ داری کے ساتھ ہلکان ہوتی۔

تھکن کے باعث کبھی کبھی میں چڑ جاتی، اکتا جاتی، اور آخر کیوں نہ چڑتی؟ شادی کے بعد ہم سفر کے ساتھ گھومنے پھرنے کی خواہش، اس کے لیے سجنے سنورنے کے ارمان، رات دیر تک جاگ کر مووی دیکھنے کی حسرت۔ یہ سب ہی تو سوچ کر آئی تھی میں۔ مگر حقیقت میں کیا ہوا؟ دو ماہ کی شادی کے بعد دو سال کی بچی میری گود میں ڈال دی گئی تھی، اس کی ذمہ داری تھی، جو میرے نام کردی گئی تھی۔ جس کے لیے نہ میں ذہنی طور پر تیار تھی نا دل سے راضی۔ ایسا نہیں تھا کہ یہ میرے شوہر کی دوسری شادی تھی اور یہ اس کی بیٹی۔

دراصل تسبیحہ میرے جیٹھ کی پہلی اور واحد اولاد تھی۔ ان کی بیوی حیات تو تھی، مگر میرے سسرال میں نہیں رہتی تھی۔ اور معمول کچھ ایسا ہوتا تھا کہ صبح نو بجے ہی میرے جیٹھ اپنی بیٹی کو چھوڑ کر دکان چلے جاتے اور رات کو کبھی نو یا دس کے قریب اسے واپس لے جاتے تھے۔ ماں کے ہوتے ہوئے بھی بیٹی کو میں سنبھال رہی تھی۔ مگر نئی نویلی دلہن ہونے کی وجہ سے سسرال میں سوال کرنے کی نہ میری حیثیت تھی نہ ہمت۔ تو یہ معمہ میرے لئے معمہ ہی تھا۔

☆☆☆

سفید اور آسمانی جوڑے میں سجی سنوری، ہلکے میک اپ اور نازک سیٹ کی آرائش کے ساتھ میں رات کے اس پہر کسی جلے بیر کی بلی کی طرح اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی۔

میرے میکے میں پورے خاندان کی عظیم الشان دعوت ہونا قرار پائی تھی، میری شادی کے بعد یہ پہلی بڑی دعوت تھی۔ اپنوں سے ملنے کے لیے میں بے چین تھی۔ ارادہ تو میرا یہ تھا کہ زین کے آتے ہی تیار ہوکر نو بجے تک نکل جاؤں گی۔ مگر میرا ارادہ

TAGPK.COM

بلاگز سے کھیلنے میں مگن تھی۔ وہ گول مٹول سی گندمی رنگت والی بچی، نہ زیادہ شور کرتی نہ پریشان کرتی۔ کوئی شک نہیں کہ اگر کوئی بھی اسے دیکھتا تو اس کو گود میں لینے اور اس کے ساتھ کھیلنے میں ذرا نہ ہچکچاتا مگر جن حالات میں میرا تسبیحہ سے واسطہ پڑا تھا اس کے باعث میرے دل میں تسبیحہ کے لیے کوئی نرم جذبات نہیں جاگ سکے تھے۔

تسبیحہ سے میری نگاہ سفر کر کے اپنے شوہر زین پر گئی، وہ بھی سکون سے ٹی وی دیکھنے میں مگن تھے مگر مجھے ان کا یہ سکون ایک آنکھ نہیں بھایا۔ صورت حال نازک تھی اور توجہ طلب بھی مگر ان کی ساری توجہ

بس ارادہ ہی رہ گیا۔ رات کے دس بجنے کے باوجود بھی میرے جیٹھ کی واپسی کا کوئی امکان نظر نہیں آ رہا تھا۔ میں نے گردن موڑ کر پیچھے بیڈ پر بیٹھی تسبیحہ کو دیکھا، وہ ہمیشہ کی طرح پُرسکون اور خاموش بیٹھی وہ

TAGPK.COM

کرکٹ کے میچ کی طرف تھی۔

''دس بج گئے ہیں، ہمیں نو بجے پہنچنا تھا۔''

گو کہ انہیں یہ بات معلوم تھی مگر پھر بھی میں نے ابتدا اسی سے ہی کی۔

''مجھے تیار ہونے میں بس پانچ منٹ ہی لگیں گے، کپڑے ہی تو بدلنے ہیں۔'' انہوں نے جھٹ اپنی صفائی دی۔

ان کی اس بات پر میرا جلا ہوا دل مزید جل گیا، جیسے انہیں تو پتا ہی نہیں تھا کہ میں کیوں پریشان ہوں۔

''آپ بھائی صاحب کو کال تو کریں؟'' میرا انداز التجائیہ تھا۔

''بند ہے نمبر۔ امی ابو کے پاس چھوڑ دو۔'' شاید زین کو میری حالت اور جذبات کا خیال آ ہی گیا تھا۔

''سو جاتے ہیں وہ جلدی۔ اٹھانا مناسب نہیں لگ رہا۔'' اپنے نئے نئے سسرال میں ویسے بھی کسی بدمزگی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔

کوئی حل نہ پا کر زین واپس اپنے ٹی وی کی جانب متوجہ ہو گئے۔ اور میں گھڑی کی سوئیوں کی طرف۔ مزید پندرہ منٹ گزرے اور دروازے پر بیل ہوئی۔ اور میرا صبر آزما وقت تمام ہوا۔

''کہہ رہے تھے کہ برابر کی دکان میں چوری ہو گئی تھی تو اسی میں وقت.....''

زین باہر تسبیحہ کو دے کر آنے کے بعد تفصیلات بتا رہے تھے۔ ہمیشہ کی طرح بھائی صاحب نے اندر آنے کے بجائے باہر سے ہی راہ پکڑ لی تھی۔

''آپ جلدی سے تیار ہو جائیں پہلے۔'' زین کی بات کاٹ کر میں سوٹ ان کی جانب بڑھایا۔ تفصیلات سے اس وقت مجھے کوئی سروکار نہیں تھا۔

☆☆☆

''اتنے دن بعد ہم بہنیں اکٹھی ہوئی ہیں۔ آج تو بھائی صاحب ہم سے ملنے آ جاتے۔'' میری بڑی نند فوزیہ کا ملال لہجے سے پتا چلتا تھا۔

''بچی بھی دو سال کی ہو گئی۔ پرانی باتوں کو اب تو بھول جائیں۔'' دوسری نند امینہ نے بھی کہا۔

کچن میں رات کے کھانے کے برتن سمیٹتے میرے ہاتھ سست پڑے اور سماعت تیزی سے کام کرنے لگی۔

''پسند کی شادی ان کا حق تھی، مگر اماں کی زبان کی بھی تو کوئی اہمیت تھی۔'' فوزیہ نے وہ باتوں دہرائیں جن سے میں لاعلم تھی، مگر اپنے علم میں لانا ضرور چاہتی تھی۔

''اب یوں ناراضی میں شادی کے بعد الگ ہو جانا اور اپنی شکل نہ دکھانا کہاں کی دانش مندی ہے۔''

بات تہہ در تہہ کھل رہی تھی، اور میں تجسس میں مبتلا ساکت سن رہی تھی۔

''تسبیحہ کو روز کیوں یہاں چھوڑ چھوڑ کر جاتے ہیں؟''

فوزیہ نے گویا میرے دل و دماغ پر سوار سوال کو سن لیا تھا۔

''شاید اپنی بیوی کو بھی اس سب کا قصوروار گردانتے ہوں۔ ماں کو اولاد سے جدا کرنے سے بڑی تکلیف آخر کیا ہو سکتی ہے۔'' میں نے امینہ کے الفاظ کی تکلیف کو اپنے اندر محسوس کیا تھا۔

''زمین! چائے بن گئی؟'' زین کا انداز عام سا تھا مگر مجھے یوں ساکت کھڑے دیکھ کر وہ ٹھٹکے بنا نہ رہ سکے۔ ''کیا ہوا؟''

''کچھ نہیں..... کچھ بھی نہیں.....'' میں اپنی جگہ چوری بن گئی، اور تیزی سے سنک میں چائے کی کیتلی دھونے لگی۔ پانی کے اور برتن کے شور میں میری نندوں کی آوازوں کا سلسلہ دب گیا تھا مگر حالات کا سرا ہاتھ آنے کے بعد میری سوچ کا سلسلہ چل پڑا تھا۔

☆☆☆

TAGPK.COM

وہ تسبیحہ جو دن رات میرے لیے کسی بوجھ اور اذیت سے کم نہ تھی، وہ اب میرے لیے ہمدردی اور توجہ کا مرکز بن رہی تھی۔ بھائی صاحب کا رویہ میری نظر میں ظلم سے کم نہ تھا۔ باپ ہو کر ایسا کام۔

نرم دل اور شفقت سے بات کرنے والے بھائی صاحب ایک انتقام کے لیے اپنی بیٹی کو ہی مہرہ بنا رہے تھے۔ یہ سوچ کر مجھے ہر بار جھرجھری سی آجاتی۔ میرا دماغ بس ان ہی سوچوں میں گھرا رہتا اور راز کو جاننے کے تانے بانے بنتا رہتا۔

تسبیحہ سے جو انسیت ہو چکی تھی یا یوں کہہ لیں کہ حقیقت پتا لگنے کے بعد جو ہمدردی میرے دل میں جاگ چکی تھی اس کے باعث میں نے ایک فیصلہ کر ڈالا۔

''بھائی صاحب کی بیوی کیسی ہیں؟'' میں نے تسبیحہ کو فیڈر پکڑاتے سرسری انداز میں بات شروع کی۔

زین نے موبائل پر چلتی انگلیوں کو روک کر نظر اٹھا کر مجھے دیکھا۔

''مطلب کبھی یہاں آئیں نہیں۔'' میں نے زین کی تعجب بھری نگاہ کو بھانپ لیا۔

''پتا تو ہے کہ الگ رہتے ہیں اس لیے۔'' زین کا لہجہ اچنبھا لیے تھا۔

''مگر کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ میں تسبیحہ کو دیکھ کر سوچتی تھی کہ بھائی صاحب سے سے الگ دکھتی ہے۔ شاید اپنی ماں پر گئی ہے۔ میں نے کبھی دیکھا نہیں نا انہیں۔'' میں نے بات بنائی اور تسبیحہ کے ہاتھ سے لڑھکتی فیڈر کو ٹھیک سے اس کے ہاتھوں میں قید کیا۔

''ہاں، ننھیال پر ہے۔'' زین نے میری تفصیل پر سر ہلایا۔

''آپ جاتے ہیں بھائی صاحب کے گھر؟'' میں نے ذرا دلچسپی سے آگے ہو کر پوچھا۔

''ہاں! جا چکا ہوں کافی دفعہ۔ جب فلیٹ لیا تھا تب ایڈریس بھیجا تھا مجھے۔ شفٹنگ وغیرہ کا کام آسان تو نہیں ہوتا۔''

''ہاں اکیلے تو مشکل لگتا ہے شفٹ کرنا۔'' میں نے فوراً ہاں میں ہاں ملائی۔ مجھے اپنے مطلب کی بات تو پتا چل ہی چکی تھی۔

بس ایک دو دن بعد میں نے موقع دیکھ کر زین کے موبائل میں بھائی صاحب کی چیٹ سرچ کی اور وہاں بھیجی ہوئی لوکیشن اپنے موبائل پر سینڈ کر دی۔ اب میرا ذہن آگے کے لائحہ عمل میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

''امی! سفیر کہاں ہے۔'' میں نے سبزی کاٹتی اپنی اماں سے پوچھا۔

ہفتے کے بیچ میں زین سے اصرار کر کے میں امی کے گھر رہنے آگئی تھی۔ ساس سسر کے ساتھ رہنے کے باعث مجھے کم ہی رکنے کی اجازت ملا کرتی تھی۔ مگر بھلا ہو میری نند فوزیہ آپا کا جو میکے چلی آئیں اور بہ خوشی میرے میکے رُکنے کا انتظام کروا دیا۔ ایک دن گھر والوں کے ساتھ گزارنے کے بعد میں اگلے دن اپنے مقصد کی تکمیل کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔

خواتین ڈائجسٹ

دستِ مسیحا

نگہت سیما

قیمت - 400 روپے

منگوانے کا پتہ

مکتبہ خواتین ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار کراچی۔ فون نمبر 32735021

TAGPK.COM

''سفیر کہاں ہے؟''

''میں نے گوشت لینے بھیجا تھا، بس آتا ہوگا۔''

امی نے مصروف سے انداز میں جواب دیا مگر مجھے یوں جانے کے لیے تیار دیکھ کر ٹھٹکیں۔

''کہیں جا رہی ہو تم؟ گھر جا رہی ہو؟ زین نہیں آئے گا رات میں لینے۔''

ایک ہی سانس میں انہوں نے اتنے سارے سوال پوچھ لیے۔ پتا نہیں یہ مائیں بیٹیوں کی سسرال اور ازواجی کی زندگی کو لے کر اتنا ہولتی کیوں رہتی ہیں۔

''اف امی! زین آرہے ہیں رات میں لینے، میں ذرا اپنی ایک دوست کی طرف جا رہی ہوں۔ آپ کو بتانا بھول گئی۔'' میں لاڈ سے کہتی ان کے کندھے پر بازو پھیلا کر بیٹھ گئی۔

''اچھا۔ زین کو بتا دیا تھا؟''

زین کو بتانا! بس یہی بات تھی جو مجھے بھی پریشان کیے ہوئے تھی۔ جھوٹ بولنا اور یوں چوری چھپے یہ سب کرنا، زین کے بھروسے کو ٹھیس لگا سکتا تھا، اعتبار کھو سکتا تھا۔ میں اچھی طرح سے جانتی تھی کہ پورا پورا رسک ہے یہ سب۔ مگر اپنے ساتھ رہنے والی تسبیحہ کی فکر بھی تو بے چین کیے رکھتی تھی۔

مجھے یقین تھا کہ زین سمیت میرے ساس سسر بھی بھائی صاحب کے اس رُخ سے بے خبر ہوں گے اور بھائی صاحب کا اصلی کردار سامنے آنے کے بعد وہ بھابھی اور تسبیحہ کے لیے کوئی اچھا فیصلہ کر لیں گے۔

''ہاں!'' میں نے نظریں ملائے بغیر جواب دیا اور موبائل نکال لیا۔

''میں سفیر کو کال کر کے پوچھتی ہوں کب تک آئے گا۔''

''جلدی آجانا۔ زین نے سات بجے آنے کا کہا ہے۔'' امی نے پیچھے سے مجھے یاددہانی کروائی۔

میں سر ہلا کر سفیر کو کال [illegible] لگی۔

☆☆☆

مطلوبہ لوکیشن پر پہنچ کر میں نے سر اٹھا کر اس بلڈنگ کا جائزہ لیا۔ بے حد اونچی بلڈنگ زیادہ پرانی نہیں لگتی تھی، نیچے سے کھڑے ہو کر منزلوں کا شمار کرنا آسان نہیں لگتا تھا۔ میں اتنی بڑی بلڈنگ میں مطلوبہ گھر تک پہنچنے کا سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ اچھی خاصی مسافت بنتی تھی میرے حساب سے تو۔

''یہیں رہتی ہے آپ کی دوست؟'' سفیر نے مجھے یوں ہونقوں کی طرح منہ اونچا کر کے بلڈنگ کا جائزہ لیتے پوچھا۔

''ہاں! ہاں۔ بس مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اتنی بڑی بلڈنگ ہوگی۔'' میں نے سنبھل کر جواب دیا۔

''چوکیدار سے پوچھ لیجیے گا راستہ۔ اور واپسی کے لیے کال کر لیجیے گا مجھے۔'' وہ بائیک اسٹارٹ کر کے چلتا بنا۔

میں چوکیدار سے فلیٹ نمبر پوچھ کر ساتویں فلور تک پہنچی۔ اچھی خاصی سیڑھیاں چڑھنے کے باعث میں ہانپ رہی تھی، اور دل کی دھڑکن تو ویسے ہی انجانے خوف سے بڑھی ہوئی تھی، اب سیڑھیوں کے بعد تو اور ہی زیادہ ہو گئی تھی۔

فلیٹ کے دروازے کے باہر لگی بیل بجا کر میں اپنی چادر ٹھیک کرنے لگی۔ میرے ذہن میں تسبیحہ سے ملتی جلتی شکل کی ایک خوش اخلاق جیٹھانی کا خاکہ تیار ہونے لگا۔ دو منٹ بعد ہی دروازہ کھل گیا، اور سامنے نائٹ سوٹ جیسے ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر شرٹ میں قدرے دبے رنگ والی عورت کھڑی تھی۔

''کون ہو؟ کس سے ملنا ہے؟'' میرے یوں جائزہ لینے پر اس کے چہرے پر ناگواری آئی۔ خوش مزاج جیٹھانی کا خاکہ ڈگمگایا۔

''شہیر کا گھر یہی ہے؟'' میں یا تو غلط ایڈریس پر آئی تھی یا دروازہ غلط خاتون نے کھولا تھا۔

''ہاں، یہی ہے۔''

''میں ان کے چھوٹے بھائی کی بیوی نرمین [illegible] نے مسکرا کر اپنا تعارف کروایا۔

[illegible]رے تعارف کے بعد بھی اس کے چہرے پر

TAGPK.COM

کوئی نرم تاثر نہیں آیا۔

''شہیر بھائی کی بیوی زوبیہ سے ملنا ہے مجھے۔''

''میں ہی ہوں۔ کیا کام ہے۔'' اس کا لہجہ لٹھ مار تھا۔

میرے اوسان بس خطا ہوتے ہوتے رہ گئے، جو خاکہ میرے ذہن میں تھوڑی دیر پہلے آیا تھا وہ اس عورت سے دور دور تک میل نہیں کھاتا تھا۔ تصور کا محل چکنا چور ہو کر زمین بوس ہو گیا تھا۔

''تسبیحہ کو بھائی صاحب میرے پاس ہی چھوڑ کر جاتے ہیں۔ وہ آئی نہیں ایک دو دن سے تو میں ملنے چلی آئی۔'' مجھے معقول بہانا سوجھ ہی گیا۔

اس کے تاثرات تھوڑے بدلے اور وہ دروازے سے ہٹ گئی۔ میں جھجکتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ دروازے سے شروع ہونے والی راہداری کے آخر میں لاؤنج تھا۔ میں اس کی معیت میں چل کر لاؤنج تک آئی۔ اور اب حیران و پریشان لاؤنج کے سرے پر کھڑی وہاں کی بدحالی دیکھ رہی تھی۔ صوفے، ٹیبل، گھر کے سامان میں اور بھی کچھ تھا وہاں مگر میلے اور اجلے کپڑوں کے ڈھیر اور کچرے کے نیچے کچھ پتا نہیں چل رہا تھا۔ جگہ جگہ ریپرز اور کھانے پینے کی چیزوں کے ڈبے یوں پڑے تھے جیسے اسکول میں بریک کے بعد بچے پھینک کر چلے جاتے ہیں۔ دیواروں سے جالے لٹک رہے تھے، اور جگہ جگہ مٹی کی تہہ نظر آ رہی تھی۔ اندازہ ہو رہا تھا کہ زمانوں سے کسی نے وہاں کی صفائی کی کوشش تک نہیں کی تھی۔

زوبیہ نے آگے بڑھ کر ڈائننگ چیئر پر پڑے کپڑوں کو نیچے پھینک دیا اور کرسی مجھے بیٹھنے کے لیے پیش کر دی۔

''اکیلے مجھے دن بھر صفائی کا وقت نہیں ملتا اور ویسے بھی ہمارے یہاں کوئی بھی مہمان یوں بن بلائے آتا نہیں ہے۔'' اس نے تنک کر کہا تھا۔ خدا جانے عذر پیش کیا تھا یا طعنہ مارا تھا۔

''پانی مل جائے گا؟'' اتنی سیڑھیاں چڑھ کر آنے کے بعد پیاس تو لگنی ہی تھی۔

زوبیہ پیچھے بنے گھر کے جیسے ہی گندے کچن کی جانب مڑ گئی۔ گندے برتنوں کا ڈھیر مجھے یہاں سے ہی واضح نظر آ رہا تھا۔ اس نے وہاں سے ہی گلاس اٹھایا اور دھو کر پانی ڈال کر میرے پاس لے آئی۔

میں نے گلاس لبوں سے لگایا تو گلاس میں سے آتی دم مار کی بو میری ناک میں گھس گئی۔ میں نے بہ مشکل دو گھونٹ پانی پی کر واپس رکھ دیا۔

''تسبیحہ اندر ہے۔'' میرے پانی پیتے ہی اس نے رکھائی سے کمرے کی جانب اشارہ کر دیا، گویا کہنا چاہتی ہو، ملو اور دفع ہو جاؤ۔ اس کو مجھ سے ملنے سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

میں اٹھ کر اندر کمرے میں آ گئی۔ کمرے سے اٹھتی بو نے مجھے منہ پر دوپٹا رکھنے پر مجبور کر دیا۔ بچوں کے پیمپر، دودھ کی عجیب سی بو بس گئی تھی وہاں۔ مجھ سے برداشت نہ ہوا تو میں نے سامنے نظر آتی کھڑکی کھول دی۔ دھوپ، ہوا روشنی۔ کمرے کی بو میں کمی سی ہوئی۔ میں نے میلے چیلے کپڑوں میں بیٹھی تسبیحہ کو اٹھا کر گود میں لے لیا۔ مجھے دیکھ کر وہ یوں کھلکھلائی اور خوش ہوئی جیسے میرے ہی انتظار میں ہو۔ میں نے پہلی بار اس کے اور اپنے بیچ اتنے گہرے لگاؤ کو محسوس کیا۔

''شہیر خود ہی نہیں لے کر گیا دو دن سے۔ لے جانا ہے تمہیں تو لے جاؤ۔'' پیچھے سے زوبیہ نے آ کر لاپروائی سے کہا۔ میں ایک ماں کی اس بے زاری پر حیران رہ گئی۔

''نہیں نہیں۔ اچھا ہے، ایک دو دن آپ کے پاس رہ لے۔ آپ کا بھی دل نہیں لگتا ہوگا بیٹی کے بنا۔'' میں نے اپنائیت سے کہا۔ گو کہ زوبیہ کے ایسے اکھڑ رویے کے بعد یہ اپنائیت بڑی مشکل سے میں اپنے لہجے میں لائی تھی۔

''سکون ملتا ہے اس کے بنا۔ رو رو کر آسمان سر پر اٹھا لیتی ہے۔ ہر دو گھنٹے بعد تو کچھ کھانے کو چاہیے ہوتا ہے۔ کون چاکری کرے اس کی۔''

TAGPK.COM

میں نے حیرت سے اس کو اور پھر تسبیحہ کو دیکھا جو خاموشی سے میری گود میں میرے دوپٹے سے کھیل رہی تھی۔ اتنا پریشان تو کبھی مجھے بھی تسبیحہ نے نہیں کیا تھا کہ میں یوں جھنجلاتی۔

''بیٹی ہے آپ کی۔'' تاسف کے باعث میرے منہ سے بس اتنا ہی نکل سکا۔

اس سے پہلے کہ زوبیہ مجھے کوئی جواب دیتی، اس کا موبائل بج اٹھا۔ وہ موبائل کان سے لگائی باہر نکل گئی۔

''تمہارے گھر والے بھی تمہاری طرح ہی جاہل گنوار ہیں۔'' دھیمے لہجے میں بات کرنا شاید میری جیٹھانی کی ڈکشنری میں شامل نہیں تھا۔

اس کے ایسے انداز پر میں چونکی۔ کیا وہ بھائی صاحب سے بات کر رہی تھی۔

''تمہاری بھاوج منہ اٹھا کر یہاں آگئی ہے۔ آنے سے پہلے بندہ بتا ہی دیتا ہے۔ اوپر سے بھری دوپہر میں کون سا وقت ہوتا ہے کسی کے گھر آنے جانے کا۔''

باہر جانے کے بعد بھی اس کی پوری واضح آواز مجھ تک آرہی تھی۔ یہ انداز، یہ بدتمیزی، مگر اس وقت میری پریشانی کا رخ مڑ کر اس بات کی جانب چلا گیا کہ زوبیہ نے بھائی صاحب کو میری یہاں موجودگی کا بتا دیا ہے اور وہ فوراً ہی زین کو اطلاع دیں گے۔ میں گھبراہٹ میں تسبیحہ کو لیے تیزی سے باہر آئی۔

''انجان مت بنو میرے سامنے۔ میں جانتی ہوں کہ سب تمہاری حرکتیں ہیں مجھے زچ کرنے کی۔ فون کرو اس کے میاں کو اور چلتا کرو یہاں سے۔'' اس نے کہہ کر لائن کاٹ دی اور پلٹی تو میں سامنے ہی کھڑی تھی۔ میرے پیچھے کھڑے ہونے پر اور سب سننے پر وہ ذرا نہ چونکی۔ یقیناً مجھے ہی سنانا چاہتی تھی۔

''بھابھی! میں نے یہاں آنے کا کسی کو نہیں بتایا۔ آپ نے کیوں کہا بھائی صاحب سے۔'' میں ٹینشن میں تھی۔

''تم چوری چھپے آئی تھیں؟'' وہ مشکوک نظروں سے مجھے دیکھنے لگی۔

''بھابھی!'' میں اس کے الفاظ پر زچ ہوگئی۔ کیا جواب دوں گی میں اب زین کو۔ ایک جھوٹ بولا تھا بس، اور وہ بھی پکڑا گیا۔ میں بدحواس سی گیٹ کی جانب بڑھی۔

''تسبیحہ کو لے کر جا رہی ہو؟ کپڑے پیک کر دوں اس کے؟'' زوبیہ کے کہنے پر مجھے اپنی گود میں تسبیحہ کی موجودگی کا احساس ہوا۔

''اف۔'' میں کہہ کر تسبیحہ کو اندر بیڈ پر چھوڑ آئی۔ اور فون نکال کر سفیر کو کال ملانے لگی۔ اسی وقت زین کی کال نے میری چلتی انگلیوں کو ساکت کر دیا۔ زین کو پتا لگ چکا تھا۔

''جی؟'' میں نے کال اٹھالی۔

''میں پانچ منٹ میں نیچے آرہا ہوں۔'' انہوں نے سختی سے کہہ کر کال کاٹ دی۔ میں خاموشی سے موبائل پرس میں رکھ کر چادر لپیٹتی باہر نکل گئی۔ اس وقت نہ میرا زوبیہ کو کچھ کہنے کا دل تھا نہ میں نے کہا۔ ایک بھلائی تھی جو میں نے کرنا چاہی تھی، مگر مصیبت تھی جو میرے گلے پڑ گئی تھی۔

میں مرے مرے قدموں سے سیڑھیاں اترتی نیچے آئی تو زین گاڑی میں پہنچ چکے تھے۔ میں دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔

گاڑی اسٹارٹ کرنے سے لے کر آگے تک کا سفر خاموشی سے گزرا پھر میں نے ہی ہمت کر کے بات کی ابتدا کی۔

''میں زوبیہ بھابھی سے ملنا چاہتی تھی۔'' میری آواز گھٹی گھٹی سی تھی۔

''کیوں؟'' زین کا انداز ابھی بھی سختی لیے تھا۔ میں نے ان کا یہ انداز شادی کے بعد پہلی دفعہ دیکھا تھا۔ میں مزید ان سے کچھ نہیں چھپا سکتی تھی۔ میں نے سچ بتانے کی ٹھان لی۔

''میرے علم میں یہ بات آئی تھی کہ بھائی صاحب کسی اور سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ اور امی نے ان کی شادی زوبیہ بھابھی سے کروادی۔ تو زوبیہ

TAGPK.COM

بھابھی۔'' کہتے کہتے میں اٹکی۔

''اور باقی سب کو تکلیف پہنچانے کے لیے تسبیحہ کو ان سے دور کر کے یہاں چھوڑ جاتے ہیں۔'' کہتے کہتے میں خود ہی شرمندہ ہوگئی۔ سوچنے میں اور سوچ کو بیان کرنے میں کتنا فرق ہوتا ہے اس بات کا اندازہ آج ہوا تھا مجھے۔

زین ششدر سے گاڑی روک کر مجھے دیکھ رہے تھے۔

''میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم ایسا سوچ سکتی ہو۔''

''میں.....'' مجھے کچھ کہنے کے لیے الفاظ سمجھ میں نہیں آرہے تھے۔ زین نے میری بات سنے بنا وہ سچ بیان کیا جو جاننے کی یا پوچھنے کی میں نے کبھی زحمت نہیں کی تھی۔

''میرے بھائی کو کوئی اور پسند ضرور تھی مگر امی کی بات کا مان رکھنے کے لیے انہوں نے بلا چوں چراں کیے زوبیہ بھابھی سے شادی کرلی۔ اور اسی مان کی خاطر وہ زوبیہ بھابھی جیسی پھوہڑ اور بدزبان بیوی کو برداشت کررہے ہیں۔ امی کو حقیقت بتا کر وہ انہیں شرمندہ نہیں کرنا چاہتے۔ مجھے انہوں نے اس راز میں شامل کرلیا کیونکہ بھائی سے بڑھ کر کون مخلصی سے حوصلہ دے سکتا ہے۔ میرا ہی یہ مشورہ تھا کہ تسبیحہ کو تمہارے پاس چھوڑ دیں، کیوں کہ اس بُرے ماحول کا اثر تسبیحہ کی صحت پر پڑ رہا تھا۔ اور اصل بات مجھے تم پر بھروسا تھا۔'' زین کا انداز خفگی بھرا مگر تھوڑا لہجہ نرم تھا۔ ان کے نرم لہجے اور الفاظ سے مجھے حوصلہ ملا۔

''میں یہ سب نہیں جانتی تھی زین! مجھے خود اندازہ نہیں تھا کہ زوبیہ بھابھی ایسی ہیں۔ مجھے اس بات کی بھی شرمندگی ہے کہ میں نے آپ سے چھپ کر یہ سب کیا۔''

میں نظریں چرا کر بولی۔ غلطی اور وہ بھی ایسی۔ شرمندگی میرے اندر پنجے گاڑے بیٹھی تھی۔

''اگر تم سب کچھ جج کرنے کے بجائے ایک دفعہ مجھ سے پوچھ لیتیں تو نوبت یہاں تک نہ آتی۔ مگر ہم انسانوں کا یہی تو مسئلہ ہے ہم سامنے والے کے حوالے سے خود ہی سب فرض کرلیتے ہیں۔ کہانی کا ایک رخ دیکھ کر، ججمنٹ کا بیڑا اٹھا لیتے ہیں اور اسی فرضی رائے کو حرف آخر سمجھ کر تکیہ کر کے بیٹھ جاتے ہیں۔ سامنے والے سے پوچھنا یا تصدیق کرنا ہمیں بھاری لگ رہا ہوتا ہے۔ کہانی کا دوسرا رخ دیکھنا مشکل لگ رہا ہوتا ہے۔ اور پوچھیں بھی کیوں؟ ہمارا تو تجربہ ہے، ہماری رائے غلط ثابت تھوڑی ہوگی۔''

میں اپنی گود میں رکھے ہاتھوں کی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ میرے پاس ان کی بات میں جواب میں کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ زین کی بات بالکل درست تھی۔ جلد بازی اور عقل کے اندھے پن میں انسان وہ سب کر بیٹھتا ہے جو اسے زیب تن نہیں دیتا۔ وہ لوگوں کی زندگی کو کسی کہانی کی طرح فرض کرلیتا ہے اور من گھڑت باتوں کو سوچ کر اس کی اصلیت کو کہیں پیچھے دھکیل دیتا ہے۔

''آئندہ میں تم سے ایسی سنگین غلطی کی امید نہ رکھوں۔'' انہوں نے اپنائیت سے میرے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔ میرے اترے چہرے پر شاید ترس آہی گیا تھا۔

میرا چہرہ کھل اٹھا۔

''ایسا دوبارہ کبھی نہیں ہوگا۔'' میں نے واقعی یہ دل سے کہا تھا۔ کیونکہ ''ایسا دوبارہ'' جو کسی بھی رشتے کا اعتبار کھودے، اہمیت کو ختم کردے، میں افورڈ کر بھی نہیں سکتی تھی۔

زین مسکرا کر ڈرائیونگ پر متوجہ ہوگئے، اور میں بھائی صاحب اور زوبیہ کی کہانی پر۔ حقیقت سامنے آگئی تھی۔ ان کی زندگی جیسی تھی ویسی ہونی نہیں چاہیے تھی۔ غلطی پر کون تھا، میں نہیں جانتی یا شاید کوئی تھا بھی نہیں۔ مگر سدھار کی ضرورت دونوں کو تھی۔ شاید اسی بہانے تسبیحہ کو مکمل فیملی کا ساتھ مل سکے۔ یا مجھے اس کے ساتھ سے آزادی مل سکے۔ میں خود غرض تو نہیں بن رہی تھی، میں اپنی سوچ سے مطمئن تھی۔

☆

TAGPK.COM

نعیمہ ناز سلطان

دیکھو مگر پیار سے

بلا کا حبس جو سب کا پسینہ چوٹی سے ایڑی تک بہا چکا تھا، اب منہ چھپائے بھاگ رہا تھا کہ اچانک ہی منہ زور ہوا کا ایسا تند و تیز جھونکا آیا کہ ہر شے گرد و غبار میں اٹ گئی، برآمدے، صحن اور سیڑھیوں پہ رکھے چھوٹے چھوٹے گملے لڑھک کر منہ کے بل گر پڑے، صحن میں رکھی اسٹیل کی بالٹی ایک زور دار آواز کے ساتھ لڑھکتی ہوئی اس طرف پہنچی جہاں پہلے ہی ایک ٹوٹا ہوا گملا اسے سلامی دینے کے لیے منہ کے بل گرا ہوا تھا۔

''ہائے میرے گملے۔''

''ہائے میرے کپڑے!''

جویریہ اور ثنا بیک وقت بھاگی بھاگی اندر سے آئیں۔

ثنا تو دھڑ دھڑ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر پہنچی اور الگنی پر سے کپڑے اتارنے لگی، مگر الگنی پر وہی کپڑے موجود تھے جو کلپ کی مدد سے لگے ہوئے تھے، باقی سب اڑ اڑ کر نیچے فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ جلدی جلدی سارے کپڑے اکٹھے کرتے ہوئے اس نے آسمان دیکھا جہاں کالی گھٹا جھک کر آسمان کی ساری نیلاہٹ اور بادلوں کی ساری سفیدی اپنی سیاہ چادر میں سمیٹ رہی تھی بس منٹوں سیکنڈوں کی بات تھی اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا۔

''اف، کتنی گہری گھٹا ہے! بالکل ہی اندھیرا چھا گیا۔'' ثنا کی نگاہوں میں تشویش لہرائی۔

ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آیا اور موٹی موٹی بوندیں، ٹپ ٹپ گرنا شروع ہو گئیں۔ ثنا کپڑوں کا ڈھیر

مکمل ناول

TAGPK.COM

TAGPK.COM

اٹھائے بھالی۔ نیچے جویریہ بدستور پہلے والی پوزیشن میں کھڑی انتہائی الم ناک نظروں سے اپنے عزیز از جان گملوں، پودوں اور پھولوں کو دیکھ رہی تھی، چاروں اور پھیلی گھٹا اور برستی بوندوں سے یکسر بے نیاز

ثنا کپڑوں کا ڈھیر کمرے میں رکھ کر آئی تو جویریہ ان گملوں کے ٹکڑے ایک جگہ اکٹھے کر رہی تھی کہ کسی کے پیر میں نہ لگ جائیں۔

''ابھی تو ان میں پھول نکلنا شروع ہوئے تھے۔'' بھیگتے ہوئے دوپٹے کو پھیلا کر اوڑھتے ہوئے جویریہ بھی ثنا کے پاس برآمدے میں آ کر کھڑی ہوئی

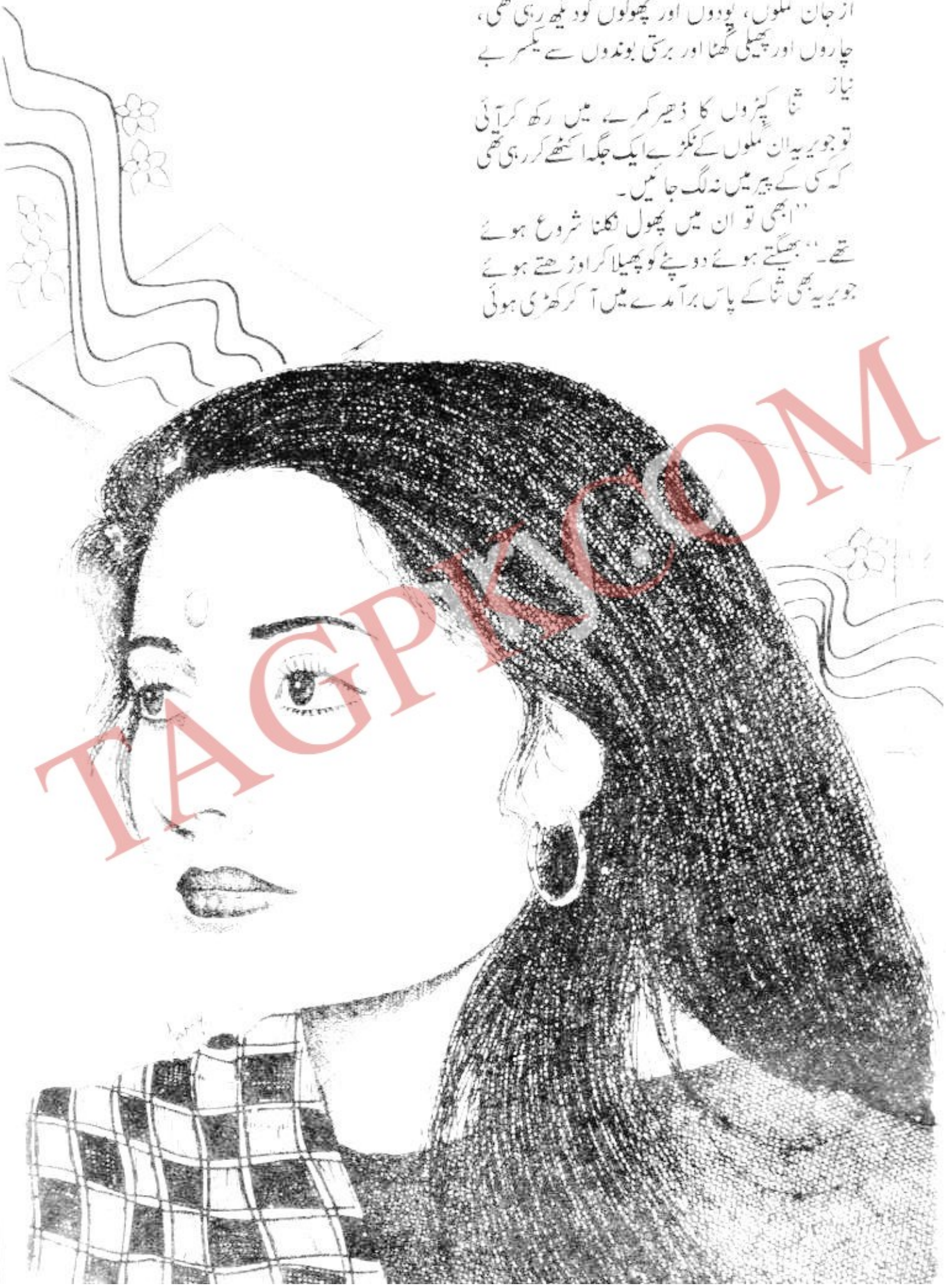

TAGPK.COM

TAGPK.COM

اس کے لہجے میں بڑی حسرت تھی۔

''منع کیا تھا کہ اتنے چھوٹے چھوٹے گملے لے کر برآمدہ اور سیڑھیاں مت سجاؤ، بڑے اور بھاری گملے ٹھیک رہتے ہیں، کم از کم طوفانی ہوا کے آگے ڈٹے تو رہتے ہیں۔'' فقط ایک برس بڑی ثنا کبھی کبھار بالکل ہی دادی اماں بن کر نصیحت کرنے لگ جاتی تھی۔''

''آؤ بارش میں بھیگیں۔ چھت پہ چلتے ہیں۔'' ثنا کی تجویز پہ جویریہ کا تو دم ہی نکل گیا۔

''نہ بابا نہ، مجھے معاف کرو، ایک تو مجھے اس کالی گھٹا سے ہی بڑا خوف آتا ہے اور بجلی کے کڑکنے سے بھی، اس سے تو میری جان نکل جاتی ہے۔'' جویریہ نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

بارش موسلا دھار برسنے لگی تھی، بادلوں کی گڑگڑاہٹ آبشار کی صورت برستی بارش کی زوردار آواز میں اس وقت کوئی اور آواز سننا کسی اور کے لیے تو ممکن نہیں تھا مگر ثنا کی حساس سماعتوں نے اپنے والدین کی بلند ہوتی آوازیں سن لی تھیں۔

پھر وہی ہمیشہ کی طرح کوئی جھگڑا، کوئی جھڑپ بچے بڑے ہوگئے مگر ان کے والدین اب تک بڑے نہ ہوئے تھے نا چاہتی، نا اتفاقی جو شادی کے اولین برسوں میں شروع ہوئی تھی، اب تک چلی آرہی تھی۔

''میں اوپر جارہی ہوں۔'' ثنا نے برآمدے کی سیڑھیوں اور صحن میں بہتے ہوئے پانی کو دیکھا۔

''تمہیں سچ مچ گرجتے ہوئے بادلوں اور کڑکتی ہوئی بجلیوں سے ڈر نہیں لگتا ثنا؟'' جویریہ بھی وہ بارش میں بھیگنے چھت پر جارہی ہے۔

''دنیا میں ڈرنے کے لیے اس سے زیادہ خوف ناک اور بدترین چیزیں ہیں مائی ڈیر!''

ثنا نے اس کا گال تھپتھپایا اور صحن میں سیڑھیوں کی سمت بڑھ گئی جہاں سے پانی کا ریلا بہتا ہوا صحن میں گر رہا تھا۔

☆☆☆

لاؤنج اور کچن کا حال بلکہ حشر ویسا ہی تھا جیسا اکثر ہوتا تھا۔ ٹوٹے ہوئے کپوں اور گلاسوں کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے، صوفوں کے کشن گاؤ تکیے سائیڈ بورڈ پہ رکھے ڈیکوریشن پیسز، الٹے سیدھے نیچے پڑے ہوئے تھے، امی، ابو کی لفظی گولہ باری اور زبانی جنگ اپنے عروج پر تھی۔

''مجھے سب معلوم ہے۔ اس بڑھیا کے گھر کیوں دوڑ دوڑ کر جاتے ہو، پرسوں بھی تمہاری گاڑی اسی کے دروازے پہ کھڑی تھی۔''

امی کا اپنا جاسوسی کا نیٹ ورک تھا۔ شوہر کے پل پل کی خبر رکھتی تھیں، کہاں کہاں گئے، کس کس سے ملے اور مجازی خدا کے لیے یہ تفتیش اور جاسوسی ناقابل برداشت تھی، اس لیے نہیں کہ وہ بے قصور اور معصوم تھے بلکہ اس لیے کہ بدقسمتی سے وہ سارے الزامات سچ ہی تھے۔ وہ اپنی فریدہ پھپھو کے گھر جاتے تھے۔ آئے دن جاتے تھے جہاں ان کی کزن، سابقہ منگیتر اور سابقہ محبت طلاق یافتہ ہو کر مقیم تھی۔

''گھر میں ایک لمحے کو بھی سکون نہ ہو تو انسان باہر ہی سکون ڈھونڈتا ہے۔ گھر کو جہنم بنایا ہوا ہے تم نے اور تمہاری زبان نے۔''

فرمان صدیقی نے آخری بچا ہوا کشن بھی اٹھا کر پھینکا دروازے تک پہنچ کر وہ ثنا کے قدموں سے ٹکرا کر رک گیا۔

''میری زبان نے نہیں، تمہاری حرکتوں نے اس گھر کو جہنم بنایا ہوا ہے تم فاحشہ عورتوں میں دلچسپی لو اور میں گھر کو جنت بنا کر رکھوں تمہارے لیے؟'' فرحت بیگم کی زبان ہی نہیں، آنکھیں بھی شعلے اگل رہی تھیں۔

''امی! آپ ہی خاموش ہو جائیں پلیز۔'' ثنا اپنے بچپن ہی سے مصالحتی کردار ادا کرتی آرہی تھی۔

''مجھے ہی خاموش کراؤ سب..... باپ بھی، بیٹی بھی، ایسا کرو کفن دفن کر کے قبر میں لٹا دو مجھے، تب ہی زبان خاموش ہوگی میری۔'' فرحت بیگم بیٹی پر بھی

TAGPK.COM

بھڑک اٹھیں۔

''ابو! آپ ہی چپ ہو جائیں۔'' ثنا نے ملتجی نظروں سے باپ کو دیکھا اور ایک قدم آگے بڑھی۔

''میں کیا کہتا ہوں بیٹا! یہ دیکھ لو، تم اپنی ماں کی زبان، ایسی تیلی لگائی ہے کہ بندہ آگ بگولا نہ ہو تو کیا کرے۔'' فرمان صدیقی بیٹی کی التجا پہ کچھ دھیمے ہو گئے پھر تیزی سے سیڑھیاں اترتے نیچے چلے گئے۔

''ابو! بارش بہت تیز ہو رہی ہے، کہاں جائیں گے، اس وقت؟'' ثنا پیچھے پیچھے لپکی۔

''ارے رہنے دو، بہت ٹھکانے ہیں اس شخص کے چلا جائے گا کہیں بھی۔'' فرحت بیگم نے ہاتھ نچا کے پھر ایک وار کیا اور صوفے پہ ڈھے سی گئیں۔

''اس شخص نے میری زندگی برباد کر کے رکھ دی۔'' آنکھیں بند کرتے ہوئے وہ بڑبڑائیں۔

نیچے بکھرے ہوئے، ادھر ادھر پڑے ہوئے ڈیکوریشن پیسز کو (جو سلامت رہ گئے تھے) اپنی جگہوں پہ رکھتے اور ٹوٹے گلاسوں، کپوں ٹکڑے اکٹھے کرتے ہوئے ثنا نے ایک نظر ماں کو دیکھا، اس کے باپ کا دعوا اور الزام بھی یہی تھا کہ اس عورت نے ان کی زندگی برباد کر دی ہے۔

کون جانے دونوں میں کون سچا ہے ایک تیسرا سچ اور بھی تو ہے، دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کی زندگی برباد کی ہو یا نہ کی ہو مگر اپنی اولاد کی زندگی تو برباد کر رہے تھے۔

☆☆☆

درمیانے سائز کا کمرہ، رنگ و روغن کچھ کچھ پرانا ہو چلا تھا مگر مجموعی صورت حال بہتر تھی، دیواروں پر قرآنی آیات کے طغرے اور مقدس مقامات کی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ فرش پہ دو عدد تخت اور ایک عدد پلنگ بچھا تھا۔ تینوں پہ جھالردار کڑھی ہوئی سفید چادریں اور ویسے ہی غلاف تھے۔ کمرے کی بڑی بڑی کھڑکیوں پہ موسم کے حساب سے مخملیں موٹے یا جالی کے ہلکے پردے ہوتے تھے مگر وہ زیادہ تر سمٹے ہی رہتے تھے۔ تخت کے ساتھ ایک تپائی تھی جس پر دوائیوں کا ڈھیر، موبائل، چارجر، سگریٹ، لائٹر، کیلنڈر، نیل کٹر، چھوٹی قینچی اور ایک عدد چھوٹا چمچ کس موجود تھے۔ تمام اشیاء ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہو رہی تھیں۔

''ارے کوئی ہے اللہ کا بندہ، ذرا میرا موبائل تو دیکھ لو، وائی فائی کیوں نہیں چل رہا۔'' دادا ابو نے اپنے تخت شاہی پہ بیٹھے بیٹھے آواز لگائی۔

''وہ اللہ کا بندہ اس وقت باہر نکلا ہوا ہے، لائیے مجھے دکھائیے۔'' جویریہ نے ان کا موبائل اپنے ہاتھ میں لیا۔

''اس برسات میں یہ لڑکا کہاں نکل گیا۔ بائیک پر تو نہیں گیا؟ ہر جگہ کیچڑ اور پھسلن ہو رہی ہے۔'' دادی جان کو فکر لاحق ہوئی۔

''بائیک تو گھر پر ہی کھڑی ہے۔'' جویریہ نے موبائل کا جائزہ لیتے ہوئے جواب دیا۔

''برسات سے یاد آیا، ذرا وہ گانا تو لگا دے بیٹی، برسات میں ہم سے ملے تم.....'' دادا نے پوتی سے فرمائش کی۔

''سگنل ویک آ رہے ہیں دادا ابو! تھوڑی دیر میں خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے، آپ کا گانا بھی آ جائے گا۔''

''ہائے ہائے، کیسی دلکش اور چلبلی تھی نمی، یہ بڑی بڑی حسین اور شرارتی آنکھیں، پھینی سی ناک مگر کتنی جچتی تھی اس پہ، چنچل ادائیں۔'' دادا ابو گزرے زمانے میں پہنچ گئے۔

''بڈھے پھونس ہو گئے منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت، اس عمر میں لوگ اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ یہ بیٹھ کر نمی، مدھو بالا اور نرگس کو یاد کرتے ہیں۔'' دادی جان نے کڑی نگاہوں سے مجازی خدا کو دیکھا۔

''اللہ کو تو ہم دل ہی دل میں یاد کرتے ہیں تمہاری طرح دکھاوا نہیں کرتے کہ تسبیح ہاتھ میں لے

TAGPK.COM

کر ہر وقت گھماتے رہیں، اپنا وقت بھول گئیں دلیپ کمار کی کتنی بڑی فین تھیں۔ خط لکھا کرتی تھیں اپنے ہیرو کو اور اس کی وفات کا سن کر ایسے پھوٹ پھوٹ کر روئی ہیں کہ سائرہ بانو بھی کیا روئی ہوگی، شادی بھی ڈھونڈ کر ایسے بندے سے کی جو ہو بہو دلیپ کمار ہو۔''

دادا ابو کی گل افشانیاں اور مبالغہ آرائیاں ہمیشہ کی طرح اپنے عروج پر تھیں۔

''واؤ، سچ میں دادی جان؟ آپ ایسی ڈائی ہارٹ فین تھیں؟'' جویریہ نے بے حد دلچسپی سے سوال کیا۔

''بھئی، دلیپ کمار کی فین فالوونگ تو ہر دور میں رہی ہے اور اس دور میں تو کیا خواص کیا، عوام سب ہی مداح تھے۔ مگر یہ جو خط لکھنے کی بات ہے تو ہم شمع (فلمی رسالہ) میں خطوط لکھا کرتے تھے تو ان میں اپنی پسندیدگی کا اظہار کرتے تھے۔''

دادی جان نے وضاحت کی یا اپنی صفائی پیش کی۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے بڑے میاں پہ ایک ترچھی نظر ڈالی اور پھر گویا ہوئیں۔

''ان کی تو عادت ہے شروع سے ہی، رائی کا پربت اور بات کا بتنگڑ بنانے کی، اور خوش فہمیاں دیکھو، بڑے آئے دلیپ کمار کہیں کے، ہم نے تو بیاہ سے پہلے کبھی دیکھا بھی نہیں تھا۔ اللہ بخشے ان کی اماں [illegible] ایسی دلیر [illegible]، اتنی جوتیاں [illegible] لے کر ہی ٹلیں۔''

''کیوں نہیں دیکھا تھا؟ آپ کی پھپھو، نجم السحر کی بارات میں ہم دولہا والوں کے ساتھ آئے تھے۔ ہم نے تو دیکھا تھا، گلابی بروکیڈ کا غرارہ اور وہ چمک چمک سا دوپٹا، کیا کہتے تھے اسے؟ ہاں یاد آیا۔ ابرق لگا چنا ہوا دوپٹا، لمبے بالوں کی چوٹی اور ٹیکہ۔''

''اللہ جانے کہاں سے دیکھ لیا، ہم تو کسی کے سامنے نہیں آئے تھے۔'' دادی نے تجاہل عارفانہ اختیار کیا اور اپنی مسکراہٹ چھپائی۔

''ہماری آپا بیگم نے دکھایا تھا کسی چلمن کو ہٹا کر کہ بنے میاں وہ رہی تمہاری ہونے والی مہرارو (بیوی)''

دادا ابو مزے سے ساری حکایت سناتے چلے گئے اور جویریہ ہنستے ہنستے اپنے گلوں کا غم بھول گئی۔

دادا ابو اپنے موبائل میں مگن ہو گئے جہاں وائی فائی کے سگنل بھی آ رہے تھے اور نمی بھی۔

''برسات میں ہم سے ملے تم سجن تم سے ملے ہم۔''

اسی اثنا میں محسن اندر داخل ہوا، چھتری بند کرتے ہوئے اس نے سلام جھاڑا اور اپنے گیلے بال بھی۔

''نانو! پکوڑوں کی خوشبو ہمارے گھر تک آ رہی تھی، میں کھنچا چلا آیا۔'' کمرے میں بچھے پلنگ پہ وہ نیم دراز ہو گیا۔

''ہاں، بڑی خوشبوئیں پہنچ رہی ہیں وہاں پہ، یہاں کون بیٹھا ہے کڑھائیاں چڑھا کر پکوان بنانے کو؟ اوپر والی کولڑنے جھگڑنے سے فرصت نہیں، نیچے والی ہمیشہ کی آزاری، اس وقت بھی کمرے میں پڑی ہائے ہائے کر رہی ہوگی۔ ارے اس سے تو ہم بڈھے اچھے ہیں نہ ہر وقت کی کل کل ہائے توبہ، نہ.....''

دادی کی بھڑاس ادھوری رہ گئی، کمرے میں [illegible] داخل ہوئی تھی، وہ [illegible] گھر [illegible] محسن کو دیکھ کر [illegible]

''چار گلیاں پار کر کے [illegible] پوڑے کھانے کو، اپنی ماں سے کہتا بیسن گھول کر دو چار پکوڑے بنا دیتی۔'' اس بار نانا جان نے موبائل اسکرین سے نگاہ ہٹا کر نواسے کو گھورا۔

''جانتے نہیں ہیں آپ اپنی بیٹی کو؟ ان کے سامنے اس قسم کی فرمائشیں کرنا اپنی شامت بلانا ہے۔ دو گھنٹے تک لیکچر سننا پڑتا مہنگائی پہ اور اشیاء کی قیمتوں پہ اور حکمرانوں پہ قصیدہ الگ، اس سے بہتر ہے بندہ بیس روپے کے پکوڑے باہر سے خرید کر کھا لے۔''

TAGPK.COM

محسن نے لیٹے لیٹے ہی رام کہانی سنا دی۔

''تیری ماں، اپنی ماں پہ گئی ہے بالکل، میں بھی برستی بارش میں باہر سے پکوڑے خرید کر کھاتا تھا۔''

نانا صاحب نے بڑے اطمینان سے بارود کو تیلی دکھائی تھی اور حسب توقع نانی جان بھڑک اٹھیں۔

''اے لو، باتیں سنو بڑے میاں کی، کبھی ان کو پکوڑے بنا کر نہیں دیے۔ ویسے اپنے مطلب کی سب باتیں یاد رہتی ہیں اور یہ بھول گئے کہ ادھر ساون آیا اور ادھر تیل بھر کے کڑھائی چڑھوا دیتے تھے چولہے پہ، چلو بیوی، پکوڑے بناؤ، کچوریاں، میٹھے پوڑے، آلو بھرے پراٹھے، ارے کھا کھا کر بھول گئے، توبہ ہے، اللہ ایسا بڑھاپا نہ دے بس بیوی کو سلگائے جاؤ۔''

''اچھا بھاگیہ وان، اب لڑائی لڑائی معاف کرو، اللہ کا گھر صاف کرو۔''

وہ اتنی معصومیت سے گویا ہوئے تھے کہ جملہ حاضرین مسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔

''جا بیٹیا! اس بھوکے کو پکوڑے بنا کر کھلا دے۔'' نانی نے ثنا کو مخاطب کیا۔

''ترکیب اپنی دادی سے پوچھ لینا، انار دانہ اور ثابت دھنیا وغیرہ ڈال کر بڑے مزے کے پکوڑے بناتی تھیں اور ایک پلیٹ بھر کر ادھر دے جاتا۔'' دادا جان نے ہدایات جاری کر کے دوبارہ موبائل میں سر گھسا لیا۔

دادی جان نے حیرت سے مجازی خدا کو دیکھا۔

''یاد تو سب ہے بڑے میاں کو، مگر بس، ناٹک بازی تو جیسے گھٹی میں ملی تھی۔''

ثنا ہچکچا رہی تھی مگر ناچار اوپر آ گئی اور محسن اس کے پیچھے پیچھے آ کر لاؤنج میں بیٹھ گیا تھا۔

''پکوڑے کھانے ضروری ہیں؟'' ثنا نے سوال کیا۔

''اس موسم میں اتنے غیر ضروری بھی نہیں، بائی داوے، بات کیا ہے؟'' محسن نے اسے غور سے دیکھا چہرے پہ صاف صاف پریشانی کا بورڈ لگا ہوا تھا۔

''پھر وہی، ابو بہت غصے میں گھر سے نکلے تھے۔'' ثنا نے مبہم اور مختصر لفظوں کا سہارا لیا، ویسے بھی محسن سے کچھ بھی چھپا ہوا نہیں تھا، وہ بھی بچپن سے یہی سب دیکھتے سنتے بڑا ہوا تھا۔

''ماموں، ممانی کو اب بڑا ہو جانا چاہیے، اب تو بچے بھی بڑے ہو گئے ہیں اور.....''

''آہستہ بولو، امی اندر ہیں۔'' ثنا نے گھبرا کر اسے مزید کچھ کہنے سے روکا اور دزدیدہ نگاہوں سے بیڈروم کے بند دروازے کو دیکھا۔

''اچھا تم پکوڑے تو بناؤ، لاؤ، میں ہیلپ کروا دیتا ہوں۔''

''تم کیا ہیلپ کرواؤ گے! تمہیں تو بیسن اور ہلدی کا فرق بھی نہیں معلوم ہوگا۔'' ثنا مسکرائی۔

''مجھے کیا کرنا ہے یہ فرق معلوم کر کے! تمہیں معلوم ہے بس کافی ہے۔ تم بناؤ، میں کھانے میں ہیلپ کرتا ہوں۔'' محسن نے بڑے مزے سے پیش کش کی.....

''میرا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا کچھ بھی کرنے کو، تم باہر سے ہی لے آؤ نا، اب بارش بھی تھم گئی ہے۔''

ثنا نے دریچے سے باہر جھانکا، چھاجوں مینہ برس کر تھم چکا تھا۔ بس ہلکی ہلکی پھوار تھی اب اور چھتوں سے گرتے پرنالے جو زور و شور سے نیچے گر رہے تھے۔

''دل کو بہلاؤ کسی طرح۔ امی بھی آنے والی ہیں، کہہ رہی تھیں کہ بارش تھم جائے گی تو یہاں کا چکر لگائیں گی۔ مستقبل کی ساس کو خوش رکھا کرو لڑکی! تاکہ تم بھی خوش رہو۔''

''وہ خوشی بھی کوئی خوشی ہے جو سب کو خوش کرنے کے بعد ملے؟''

''کون ہے ثنا؟'' بھن بھن آوازیں سن کر امی دروازہ کھول کر باہر آ گئیں۔

''السلام علیکم ممانی جان۔'' محسن جھٹ الرٹ ہو گیا۔

TAGPK.COM

''وعلیکم السلام۔ کیسے ہو محسن؟'' وہ اپنا سر دباتے ہوئے صوفے پہ بیٹھ گئیں اور محسن کا جواب سنے بغیر بیٹی سے مخاطب ہوئیں۔

''ثنا! مجھے سر درد کی میڈیسن دے دو اور چائے بنالو۔''

''ساتھ میں دو چار پکوڑے بھی۔'' محسن نے فوراً لقمہ دیا۔

''آں..... ہاں اگر دل چاہ رہا ہے تو بنالو۔'' امی نے ثنا کو مخاطب کیا۔

''میرا نہ تو کچھ کھانے کو دل چاہ رہا ہے نہ بنانے کو۔''

ثنا نے سوچا مگر چاہنے کے باوجود بھی وہ اپنے خیالات، زبان پہ نہ لاسکی، امی کے لیے چائے رکھ کر وہ بیسن گھولنے لگی۔

☆☆☆

''شمائلہ پھپھو، نیچے دادا، دادی کے کمرے میں بیٹھی تھیں اور انہیں اپ ڈیٹ کر رہی تھیں۔''

''فرمان بھائی اور بھابھی کا پھر جھگڑا ہو گیا امی؟ برستی بارش میں ہمارے گھر آئے تھے، بھابھی کی شکایتیں کر رہے تھے۔''

''ارے کوئی نئی بات کرو، ان دونوں کی لڑائیاں تو شروع دن سے ہی دیکھ رہے ہیں۔ بچے جوان ہو گئے، ان کے جھگڑے نہ ختم ہوئے۔'' دادی نے بے زاری سے ہاتھ ہلایا۔

''فریدہ پھپھو کے گھر بڑے چکر لگ رہے ہیں بھائی جان کے۔''

''اچھا! پہلے تو فریدہ نے کبھی منہ نہ لگایا بھتیجے کو، اب کیا سرخاب کے پر لگ گئے میرے بیٹے میں۔'' دادی جان نے منہ بنایا۔

''بھائی جان میں سرخاب کے پر لگیں نہ لگیں۔ ان کی بیٹی پہ تو داغ لگ گیا نا، طلاق لے کر گھر بیٹھ گئی ہیں ذکیہ آپا!'' شمائلہ پھپھو کی ہر بات یا تو بریکنگ نیوز ہوتی تھی یا پھر کوئی چٹ پٹی سنسنی خیز خبر۔

''گز بھر کی زبان کون برداشت کرے گا؟ ذکیہ کی زبان کے آگے تو خندق ہے۔ فرمان کی ضد تھی تو رشتہ لے گئے تھے ہم، ورنہ بھی تو بلا کی زبان دراز، اچھا ہی ہوا، فریدہ نے خود ہی رشتہ ختم کر دیا۔ مجھے تو خوشی ہی ہوئی تھی حس کم جہاں پاک۔''

''پھر جسے آپ ڈھونڈ کر لائیں، وہ کون سی بے زبان، اللہ میاں کی گائے نکلی، ذکیہ کی ہم مزاج ہی نکلی وہ بھی۔'' مجازی خدا نے اتنی دیر بعد اب دخل اندازی بلکہ گوہر فشانی کی۔''

''بس، میرے بچے کی قسمت، بے چارے کے نصیب میں سکون لکھا ہی نہیں تھا۔'' دادی مغموم ہو گئیں۔

''پکوڑوں کی خوشبو آ رہی ہے، ہے نا؟'' بیٹی نے فضا میں سونگھتے ہوئے موضوع بدلا۔

''تمہارے صاحبزادے آئے ہیں پکوڑے کھانے، ثنا سے کہہ دیا تھا کہ بنالے، جویریہ کی ماں تو بس، جس دن طبیعت خراب نہ ہو تو مزاج خراب ہو جاتا ہے۔ دونوں ٹھیک ہوں تو کنجوسی تو سدا بہار ہے ہی ان کی۔''

دادی اپنی دونوں بہوؤں سے ہی خاصی نالاں تھیں اور بقول مجازی خدا کے، کسی روایتی ساس سے کم تو وہ بھی نہیں تھیں۔

''میں ذرا اوپر جا کر دیکھوں؟'' شمائلہ کسی رپورٹر سے کم نہیں تھیں، ہر جگہ اور ہر شخص کے متعلق معلومات جمع کرنا، خبر رکھنا ان کا خاص مشغلہ تھا۔

اوپر پہنچیں تو ثنا پکوڑے تلنے میں مصروف تھی، امی جان سر درد کی گولی کھانے کے بعد چائے پی رہی تھیں اور محسن جانے کہاں کہاں کی ہانک رہا تھا جسے وہ غائب دماغی سے سن رہی تھیں۔

''بھابھی جان سے سلام دعا اور حال احوال دریافت کر کے وہ ثنا کی جانب متوجہ ہوئیں۔ لاؤنج کے ایک کونے میں ہی اوپن کچن تھا جہاں ثنا گھلے ہوئے بیسن اور کڑاہی کے ساتھ نبرد آزما تھی۔''

''بن گئے پکوڑے؟ کیسے بنے ہیں؟'' انہوں نے گرم گرم پکوڑا اٹھا کر بڑے اشتیاق سے بیک

TAGPK.COM

وقت سوال بھی کیا اور پکوڑے کے بھی دو ٹکڑے کیے۔

''بیسن کچھ کچا لگ رہا ہے، ہلکی آنچ پہ فرائی کرو۔'' شمائلہ پھپھو کی پہلی ہدایت جاری ہوئی۔

''جی اچھا!'' ثنا نے تابعداری کا مظاہرہ کیا اور آنچ دھیمی کر دی۔

''چٹنی کہاں ہے؟'' پکوڑا ہاتھ میں پکڑے پکڑے انہوں نے چٹنی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔

''چٹنی تو نہیں ہے، کیچپ سے کھالیں۔'' ثنا نے سادگی سے اعتراف کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

''اے ہٹاؤ، کیچپ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے، وہ بھی برسات کے پکوڑوں کے ساتھ۔''

شمائلہ پھپھو نے پکوڑا ویسے ہی منہ میں رکھ لیا۔ ابھی وہ دوسرا پکوڑا کھا رہی تھیں کہ جویریہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی۔

''یہ لیجیے بھئی، امی کی مزے دار چٹنی، دادی جان کی بتائی ہوئی ترکیب سے بنائی ہے۔'' جویریہ نے چٹنی سے لبالب بھرا ہوا پیالہ کاؤنٹر پہ رکھا۔

''تھینک یو یار!'' ثنا نے ممنون نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''دادی جان نے کہا کہ ثنا پکوڑے بنا رہی ہے تم چٹنی بنا کر لے جاؤ۔'' جویریہ نے بتایا تو شمائلہ پھپھو نے چٹنی کا معائنہ کیا۔

''گرائنڈر میں پیسی ہے؟ سل بٹے کی چٹنی کا

شمائلہ پکوڑوں اور چٹنی کے ساتھ ساتھ گپ شپ کے مزے بھی لینے لگیں اور وہیں کھڑے کھڑے شروع ہو گئیں۔

''فرمان بھائی آئے تھے، بڑے غصے میں تھے، میرا تو دل دہل گیا، اتنی تیز بارش میں بھیگتے ہوئے ہمارے گھر پہنچ گئے۔ تمہاری امی پہ غصہ کر رہے تھے بہت۔'' شمائلہ نے چٹنی کا چٹخارا بھرا۔

''کوئی نئی بات تو نہیں ہے، بچپن سے ہی دیکھ رہے ہیں ہم۔'' ثنا نے ہونٹ بھینچ لیے۔

''آج کس بات پہ جھگڑا ہو گیا؟''

''پتا نہیں، میں تو نیچے تھی، اوپر آئی تو ابو چلے گئے۔''

ثنا نے تجاہل عارفانہ اختیار کیا، ویسے بھی پھپھو کی عادت سے واقف تھی، ثنا اتنی سی بھی کوئی بات منہ سے نکالتی، وہ کرید کرید کر سوالات پوچھتی رہتیں۔

سب کھا پی کر چلے گئے تو وہ ٹرے میں پکوڑوں کی پلیٹ اور چٹنی لے کر اندر گئی۔

''امی! پکوڑے کھالیں۔'' ثنا نے ماں کو مخاطب کیا جو کروٹ کے بل لیٹی تھیں۔

''مجھے بھوک نہیں ہے، تم کھالو۔'' امی کا لہجہ نسبتاً نرم تھا، ساتھ ہی انہوں نے کروٹ بدل کر بیٹی کو دیکھا۔

''چلے گئے یہ لوگ؟'' امی کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

TAGPK.COM

TAGPK.COM

وقت سوال بھی کیا اور پکوڑے کے بھی دو ٹکڑے کیے۔

''بیسن کچھ کچا لگ رہا ہے، ہلکی آنچ پہ فرائی کرو۔'' شمائلہ پھپھو کی پہلی ہدایت جاری ہوئی۔

''جی اچھا!'' ثنا نے تابعداری کا مظاہرہ کیا اور آنچ دھیمی کردی۔

''چٹنی کہاں ہے؟'' پکوڑا ہاتھ میں پکڑے پکڑے انہوں نے چٹنی کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھا۔

''چٹنی تو نہیں ہے، کیچپ سے کھالیں۔'' ثنا نے سادگی سے اعتراف کرتے ہوئے مشورہ دیا۔

''اے ہٹاؤ، کیچپ بھی کوئی کھانے کی چیز ہے، وہ بھی برسات کے پکوڑوں کے ساتھ۔''

شمائلہ پھپھو نے پکوڑا ویسے ہی منہ میں رکھ لیا۔ ابھی وہ دوسرا پکوڑا کھا رہی تھیں کہ جویریہ سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آ گئی۔

''یہ لیجیے بھئی، امی کی مزے دار چٹنی، دادی جان کی بتائی ہوئی ترکیب سے بنائی ہے۔'' جویریہ نے چٹنی سے لبالب بھرا ہوا پیالہ کاؤنٹر پہ رکھا۔

''تھینک یو یار!'' ثنا نے ممنون نگاہوں سے اسے دیکھا۔

''دادی جان نے کہا کہ ثنا پکوڑے بنا رہی ہے تم چٹنی بنا کر لے جاؤ۔'' جویریہ نے بتایا تو شمائلہ پھپھو نے چٹنی کا معائنہ کیا۔

''گرائنڈر میں پیسی ہے؟ سل بٹے کی چٹنی کا جو ذائقہ ہوتا ہے، وہ اس میں کہاں۔'' حسب عادت پھر اعتراض جسے جویریہ نے ہنس کر ہوا میں اڑا دیا۔

''پھپھو! آپ بھی تو گرائنڈر استعمال کرتی ہیں ہر چیز پیسنے کے لیے۔''

''ہاں، تو سب ہی کرتے ہیں، ہم کوئی دنیا سے الگ تھوڑی ہیں۔'' انہوں نے پلیٹ بھر کر پکوڑے جویریہ کو تھمائے۔

''یہ نیچے لے جاؤ، ابو، امی کے لیے، اور دوسری پلیٹ بھر کے انہوں نے محسن کے آگے رکھی مع چٹنی۔''

ثنا کی امی جان دوبارہ کمرے میں جا چکی تھیں۔

شمائلہ پکوڑوں اور چٹنی کے ساتھ ساتھ گپ شپ کے مزے بھی لینے لگیں اور وہیں کھڑے کھڑے شروع ہو گئیں۔

''فرمان بھائی آئے تھے، بڑے غصے میں تھے، میرا تو دل دہل گیا، اتنی تیز بارش میں بھیگتے ہوئے ہمارے گھر پہنچ گئے۔ تمہاری امی پہ غصہ کر رہے تھے بہت۔'' شمائلہ نے چٹنی کا چٹخارا بھرا۔

''کوئی نئی بات تو نہیں ہے، بچپن سے ہی دیکھ رہے ہیں ہم۔'' ثنا نے ہونٹ بھینچ لیے۔

''آج کس بات پہ جھگڑا ہو گیا؟''

''پتا نہیں، میں تو نیچے تھی، اوپر آئی تو ابو چلے گئے۔''

ثنا نے تجاہل عارفانہ اختیار کیا، ویسے بھی پھپھو کی عادت سے واقف تھی، ثنا اتنی سی بھی کوئی بات منہ سے نکالتی، وہ کرید کرید کر سوالات پوچھتی رہتیں۔

سب کھا پی کر چلے گئے تو وہ ٹرے میں پکوڑوں کی پلیٹ اور چٹنی لے کر اندر گئی۔

''امی! پکوڑے کھالیں۔'' ثنا نے ماں کو مخاطب کیا جو کروٹ کے بل لیٹی تھیں۔

''مجھے بھوک نہیں ہے، تم کھالو۔'' امی کا لہجہ نسبتاً نرم تھا، ساتھ ہی انہوں نے کروٹ بدل کر بیٹی کو دیکھا۔

''چلے گئے یہ لوگ؟'' امی کی آواز بھاری ہو رہی تھی۔

''جی!'' ثنا نے ماں کا چہرہ بغور دیکھا۔ آنکھوں اور چہرے سے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ روئی ہیں۔ ایک انجانے دکھ نے ثنا کو گھیر لیا۔ وہ بیڈ پر ان کے قریب بیٹھ گئی۔

''سر کا درد کیسا ہے؟''

''ٹھیک ہے۔'' انہوں نے بال سمیٹ کر کیچر لگایا۔

''ایک دو پکوڑے کھالیں امی! اچھے بنے ہیں۔ کھا کر تو دیکھیں۔'' ثنا نے پکوڑا ان کی طرف بڑھایا انہوں نے خاموشی سے لے لیا اور کھانے لگیں۔

TAGPK.COM

''تمہارے ابو کبھی تو بہت ہی تکلیف دہ ہو جاتے ہیں۔'' کھاتے کھاتے انہوں نے خود کلامی کی تھی یا بیٹی کو بتایا تھا مگر ثنا نے موقع غنیمت جانا اور کہنے لگی۔

''امی! آپ ہی خاموش ہو جایا کریں۔ بولنے سے تو پھر بات بڑھتی ہی ہے۔''

''میں نے سچ کہا تھا جو تمہارے باپ سے برداشت نہیں ہوا، تم لکھ کے رکھ لو، یہ اس وقت وہیں بیٹھے ہوں گے اس بڑھیا اور جادوگرنی کے گھر۔''

امی کا اشارہ فریدہ پھپھو اور ان کی بیٹی کی طرف تھا۔ ثنا سمجھ گئی مگر کچھ کہنا اب اس کے لیے بھی محال تھا کیونکہ وہ یقیناً ٹھیک ہی کہہ رہی تھیں۔ شمائلہ پھپھو یہ خبر بھی دینے آئی تھیں کہ فرمان، فریدہ پھپھو کی طرف گئے ہیں۔

''یہ عمر ہے رنگ رلیاں منانے کی؟ جوان بچوں کا باپ یہ حرکتیں کرتا اچھا لگتا ہے؟ کچھ کہو تو بھڑک جاتے ہیں۔'' وہ اپنی بیٹی کے آگے گلے شکوے کرنے لگیں۔

''آپ دادا اور دادی جان سے کہیں، وہ ابو کو سمجھائیں۔''

ثنا خود بری طرح پریشان ہو گئی تھی۔ پہلے تو ابو امی کے جھگڑے چھوٹی چھوٹی باتوں پہ اور گھریلو معاملات میں ہی ہوتے تھے۔ اب درمیان میں ذکیہ بیگم بھی آ گئی تھیں۔

''اونہہ! یہ دونوں بھی اپنے بیٹے کی ہی حمایت کریں گے اور سمجھا بھی دیں تو کون سا اثر ہوتا ہے تمہارے باپ پہ۔''

امی نے تنگ کر اپنا سر جھٹکا، ثنا ماں کی شکل دیکھ کر رہ گئی۔

☆☆☆

بارش تھمنے کے بعد صاف شفاف آسمان، سفید بادلوں کے ساتھ جگمگا رہا تھا، کیاری اور گملوں میں لگے پودے دھل کر نکھر گئے تھے۔ جہاں کہیں پتوں پہ پانی کے قطرے ٹھہرے ہوئے تھے۔ اندر ڈرائنگ روم میں دریچوں پہ پردے سمٹے ہوئے تھے، خوش گوار اور فرحت بخش ہوا اندر آ رہی تھی، میز پہ لوازمات سجے ہوئے تھے۔ سموسے، پکوڑے، جلیبیاں، میٹھے پوڑے، آلو بخارے کی چٹنی، تمام لوازمات سے لطف اندوز ہونے کے بعد اب سب گرم گرم خوشبودار چائے کے مزے لے رہے تھے۔

''بس بٹیا! مجھے تو دن رات بچی کی فکر لگی رہتی ہے۔ ہم تو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہیں۔ آج مرے، کل دوسرا دن، میری آنکھوں کے سامنے گھر بس جائے ذکیہ کا تو سکون سے مروں گی۔'' پھپھو فریدہ کے لہجے میں بلا کی رقت تھی۔

''آپ پریشان نہ ہوں پھپھو، اللہ مسبب الاسباب ہے، بڑا کارساز ہے۔ کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا آپ کی پریشانی کا۔'' فرمان نے بڑی متانت سے بولتے ہوئے چائے کا گھونٹ بھرا تھا۔

''ٹیڑھے میڑھے رشتے تو بہت ہیں پر آنکھوں دیکھی مکھی تو نہیں نگل سکتے نا، کوئی ڈھنگ کا انسان ہو تو سوچ بچار کریں۔''

''کوئی نہ کوئی تو مل ہی جائے گا اچھا انسان۔''

فرمان نے ایک بھرپور نظر ذکیہ پہ ڈالی، گزرے بیس برس اس پہ بہت زیادہ اثر انداز نہیں ہوئے تھے، پھر اس نے بے حسی کی حد تک لاپروا بالا ابالی طبیعت پائی تھی، اپنی زندگی کے سخت اور مشکل ترین لمحات اور معاملات کو وہ یوں دیکھتی تھی جیسے یہ سب اس کے اوپر نہیں بلکہ کسی اور کے ساتھ بیت رہے ہوں۔ اپنے حال میں مست رہنے کی اس عادت نے کم از کم یہ فائدہ ضرور پہنچایا تھا کہ ماہ و سال کے زیادہ نقوش اس کے چہرے پہ ثبت تھے نہ وجود پہ۔

''اچھا پھپھو! اب میں چلوں، بارش بھی تھم گئی ہے۔''

فرمان اٹھ کھڑے ہوئے، جس غم و غصے کی کیفیت میں وہ یہاں آئے تھے، اب اس کا کہیں نام و نشان بھی نہیں تھا۔

TAGPK.COM

''پھر کب آؤ گے بیٹا؟ دراصل تم آتے ہو تو ذرا دل بہل جاتا ہے میرا بھی، بچی کا بھی، ورنہ تو دونوں دیواروں سے ٹکریں مارتے رہتے ہیں۔ اب تو رشتے داروں نے بھی آنا چھوڑ دیا۔ سچ ہی کہہ گئے بڑے بوڑھے کہ برے وقت کا ساتھی کوئی نہیں۔'' پھپھو پھر اپنے مخصوص دل دوز انداز میں شروع ہو گئیں۔

''آؤں گا بہت جلد۔'' فرمان صاحب نے فیصلہ کن انداز میں جواب دیا اور سلام کر کے رخصت ہو گئے۔

☆☆☆

صبح کی بندھی ہوئی چوٹی سے الجھی سلجھی لٹیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ خوب صورت سیاہ آنکھوں میں پریشانی کے سائے تیر رہے تھے۔ دائیں ہاتھ کا ناخن چباتے ہوئے بہت دیر سے خیالوں میں مگن تھی۔

اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ کب سے محسن کی نگاہوں کی زد میں ہے۔ چونکی تب، جب وہ زور سے کھنکھارا۔

''تم..... کب آئے؟'' ثنا ہڑبڑا گئی۔

''کافی دیر سے کھڑا ہوں یہاں، تم کن خیالوں میں گم ہو؟'' وہ یونہی برآمدے کے گول ستون سے ٹیک لگا کر کھڑا رہا۔

''کچھ نہیں۔''

''پریشان کیوں ہو؟'' محسن بھی اپنی امی سے کچھ کم نہیں تھا۔ سوال پہ سوال۔ ثنا جھنجھلا گئی، اینکر پرسن نہ ہو تو۔

''معلوم تو ہے تمہیں، کیوں پریشان ہوں میں، بلکہ ہم سب امی بھی، میں بھی اور میرے دونوں بھائی بھی۔''

''اوہ، ماموں کی وجہ سے؟'' محسن نے بغور اسے دیکھا۔

''ویسے پورے خاندان میں افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ ماموں ذکیہ آنٹی سے نکاح کرنے والے ہیں یا پھر کر چکے ہیں۔''

''اب تم اتنی خوف ناک خبریں مت دو۔'' ثنا کی جھنجھلاہٹ میں اور اضافہ ہو گیا۔

''پہلے سے آگاہ کر رہا ہوں تمہیں، بعد میں ماموں نے کچھ تین پانچ کیا تو یہ مت کہنا کہ کسی نے بتایا نہیں، روکو اپنے ابو کو، الٹی سیدھی حرکتیں نہ کریں لوگ تو بس مزے لے لے کر کہانیاں پھیلاتے ہیں، سچی ہمدردی کوئی نہیں کرتا۔''

''میں کیا کروں؟ کیا کر سکتی ہوں میں؟ دادا، دادی سے بھی کہا تھا کہ ابو سے بات کریں، انہیں سمجھائیں مگر انہوں نے الٹا مجھے ہی سمجھا دیا کہ ان کا بیٹا اس عمر میں ایسی ویسی کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔'' ثنا نے بے بسی سے جواب دیا۔

''مردوں کو حرکتیں کرنے کے لیے عمر کی کوئی قید تھوڑی ہے، نانا کو بلکہ نانی جان کو اپنے بیٹے پہ کچھ زیادہ ہی بھروسا ہے۔'' محسن نے منہ بنایا۔

''ویسے ایک بات اور بتا دوں تمہیں۔'' محسن نے پھر کچھ کہنے کی تمہید باندھی۔

''اب کیا بری خبر ہے؟''

''ہاں، ایک طرح سے بری ہی ہے میرے ابا بڑے بدک رہے ہیں ماموں جان کے متعلق نئی نئی افواہیں اور خبریں سن کر۔''

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میرا اور تمہارا رشتہ..... سمجھو، اس میں کھٹائی بھی پڑ سکتی ہے۔ میرے ابا کا تو تمہیں معلوم ہی ہے الٹی کھوپڑی کے مالک ہیں، دو تین بار امی سے سوال کر چکے ہیں، فرمان کو کیا ہو گیا ہے، فرمان یہ کیا حرکتیں کرتا پھر رہا ہے، فرمان کو اپنی جوان اولاد کا بھی خیال نہیں ہے؟''

محسن نے اپنے والد ماجد کی نقل بہت اچھی اتاری تھی، انتہائی سنجیدہ اور کشیدہ صورت حال میں بھی ثنا مسکرائے بغیر نہ رہ سکی مگر پھر یک بیک وہ سنجیدہ ہو گئی۔

''اس میں میرا کیا قصور ہے؟''

''تمہارا قصور صرف اتنا ہے کہ تم ان کی بیٹی ہو۔''

TAGPK.COM

''محسن آیا ہے کیا؟'' دادی اماں نے اپنے کمرے کی اس کھڑکی سے باہر جھانکا جو صحن میں کھلتی تھی۔

''جی نانو، السلام علیکم.....''

محسن تیزی سے اندر ان کے پاس بڑھ گیا اور پیچھے ثنا کو الجھا ہوا چھوڑ گیا۔ جس کے لیے پہلے ہی اپنے والدین کی ناہموار زندگی، ناچاقیاں اور نا اتفاقیاں سوہان روح تھیں اور اب محسن نے بھی نیا شوشا چھوڑ دیا تھا۔

اتنا تو ثنا جانتی تھی کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے نہ مذاق کر رہا ہے۔ اس کے والد ذرا ٹیڑھے دماغ کے مالک تھے۔ ایک پرائیویٹ ادارے میں برسوں کام کرنے کے بعد قسمت سے افسر بن گئے تھے اور وہی افسری گھر واپس آنے کے بعد بھی جھاڑتے رہتے تھے۔

وہ ان لوگوں میں سے تھے جو اپنے گھر کے علاوہ باہر کے افراد کو بھی سیدھا دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

''اف، اب میں کیا کروں؟'' ثنا تو سچ مچ اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئی تھی۔

ایک تو اس کرونا اور لاک ڈاؤن نے کالج تو تقریباً چھڑوا ہی دیا تھا۔ فائنل کے پیپر دینے باقی تھے۔ آن لائن پڑھائی، بس نام کو تھی۔ ویسے بھی دماغ اتنا الجھا رہتا تھا کہ پڑھائی میں، کتابوں میں بالکل دل لگتا ہی نہیں تھا۔

اب تو کئی ہفتوں سے موبائل بھی اس نے ایک طرف ڈالا ہوا تھا۔ پہلے بھی خیر اکثریت کی طرح وہ موبائل کی ایسی دیوانی تو نہ تھی کہ اس کے بغیر سانس بھی نہ لیا جا سکے۔ ضرورتاً اور کبھی تفریحاً استعمال کر لیتی تھی اب اس سے بھی گئی۔ ایک تو والدین کے اختلافوں نے زندگی اجیرن کر رکھی تھی، رہی سہی کسر محسن نے پوری کر دی تھی۔

''ویسے تو یہ محسن کا بچہ بہت اسمارٹ بنتا ہے، اپنے ابا کو ہینڈل نہیں کر سکتا؟''

سوچتے سوچتے ثنا کو محسن پہ غصہ آنے لگا۔ شمائلہ پھپھو کئی بار یہ اعلان کر چکی تھیں کہ ثنا کے فائنل امتحان ہو جائیں تو وہ شادی کی بات کریں گی۔ محسن اپنا ڈپلوما مکمل کر کے پچھلے سال سے نوکری کر رہا تھا۔ یہ شکر کا مقام تھا کہ کرونا وبا کی وجہ سے یا مساعد اور ابتر صورت حال میں بھی اس کی نوکری قائم تھی۔

''تمہیں کیا ہوا؟ یوں اداس اداس کیوں بیٹھی ہو؟'' جویریہ کسی کام سے صحن میں آئی تو ثنا کا لٹکا ہوا منہ دیکھ کر پوچھ بیٹھی۔

''کچھ نہیں۔'' ثنا نے نفی میں سر ہلایا مگر اضطراری حالت میں وہ دوبارہ اپنا ناخن چبا رہی تھی۔

''زیادہ بھوک لگ رہی ہے تو میرے بھی کھا لو۔'' جویریہ نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔

''فضول باتیں مت کرو۔''

ثنا کے چہرے پہ خفگی کے آثار ابھرے مگر اپنا ناخن کترنا چھوڑ دیا اس نے اور دونوں ہاتھ اپنی گود میں رکھ لیے۔

''تمہارے ناخن کترنے اور پریشان رہنے سے، مسائل حل ہو جائیں گے؟'' جویریہ نے سوال کیا۔

''تو اور کیا کر سکتی ہوں میں سوائے جلنے کڑھنے کے؟'' ثنا تلخ ہوئی۔

''تایا ابو اور امی کو ان کے حال پہ چھوڑو، تم شادی کرو اور عیش کرو۔''

جویریہ نے بڑے آرام سے مشورہ دیا تھا اور اس شان دار مشورے پہ ثنا نے کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھا۔

''شادی پلیٹ میں رکھا لڈو نہیں ہے کہ ہاتھ بڑھا کر اٹھاؤں اور ہڑپ کر جاؤں۔ ایک تو پھپھو پہلے ہی کہہ چکی ہیں کہ جب لاک ڈاؤن میں نرمی ہوگی اور کم از کم چار، پانچ سو افراد کے ولیمے کی اجازت ہوگی، وہ تب شادی کریں گی۔ اوپر سے پھوپھا بیچ میں ولن بن رہے ہیں۔''

''وہ تو ہیں ہی ''اینگری ینگ مین'' بائی داوے انہیں کیا ہوا؟''

TAGPK.COM

''وہی ابو اور ذکیہ آنٹی والا معاملہ۔'' ثنا نے بولتے بولتے لب دبائے، کچھ کہتے ہوئے بھی شرم آتی تھی مگر۔

''تم کیا پکا رہی ہو؟'' جویریہ نے موضوع بدلا۔

''دیکھو، کچھ بھی بنالوں گی یا امی سے پوچھ کے پکالوں گی۔'' ثنا نے بے دلی سے جواب دیا۔

''چاول بنالو یار، ایک پلیٹ مجھے بھی دے دینا۔'' جویریہ نے مسمسی شکل بنائی۔

اس کی امی بلا کی کفایت شعار تھیں۔ ایک ہنڈیا کم سے کم دو دن تک چلاتی تھیں چاول تو بس کبھی کبھار ہی بنتے تھے اور جویریہ اتنی ہی چاول کھانے کی شوقین روٹی تو حلق سے اترتی ہی نہ تھی۔

''ٹھیک ہے، میں چاول پکالوں گی۔ تم اوپر ہی آکر کھالینا۔''

ثنا بے دلی سے اٹھ کھڑی ہوئی اندر محسن نہ جانے کیا لطیفے سنا رہا تھا، دادی جان کے ہنسنے کی آواز آ رہی تھی، دادا جان حسب معمول موبائل پہ طلعت محمود کو سن رہے تھے۔

''اے میرے دل کہیں اور چل، غم کی دنیا سے جی بھر گیا۔''

''نانا! اتنے روتے بسورتے گانے کیوں سن رہے ہیں، لائیں مائیکل جیکسن لگاؤں۔'' محسن اب نانا کے ساتھ شوخیاں کر رہا تھا۔

''اپنے باپ کو سنوایا ہے کبھی مائیکل جیکسن؟''

سیڑھیاں چڑھتے ہوئے ثنا نے دادا جان کی لتاڑ سنی جو مدھم سے مدھم ہوتی چلی گئی۔

☆☆☆

کاسنی اور سرخ کڑھائی کا جوڑا، شیفون کا دوپٹہ، جسے سنبھالنے میں ہی وہ ہلکان ہوئی جا رہی تھیں۔ کانوں میں جھمکیاں، چہرے پہ لائٹ سا میک اپ، لپاک جھپاک وہ میز پر انواع واقسام کی ڈشز لا کر رکھ رہی تھیں۔

''ارے بھئی، اتنا سب کچھ کون کھائے گا۔ یہ تو پوری بارات کی دعوت لگ رہی ہے۔'' فرمان بے ساختہ بول اٹھے۔

''اللہ وہ دن بھی دکھائے گا، بارات کی دعوت کروں گی، ایسی دعوت ہوگی کہ کھانے والے یاد کریں۔'' فریدہ بیگم نے تواضع کی تھی۔

''آمین!'' فرمان کی آمین پر ذکیہ بیگم شرما گئیں۔

''آپ کھانا تو کھائیے، مہمان اکیلے کھاتا ہوا اچھا نہیں لگتا۔''

''آپ کوئی مہمان تھوڑی ہیں۔''

''تو پھر کیا ہیں؟'' فرمان نے مسکرا کر ذکیہ بیگم کو دیکھا۔

''آپ تو ہمارے اپنے ہیں۔'' وہ پلو سنبھالتے ہوئے اٹھلائیں۔

''فرمان بیٹا! ٹھیک سے کھانا، تکلف نہ کرنا۔'' پھپھو بھی صوفہ چھوڑ کر میز کے قریب آئیں اور اپنی کرسی سنبھال لی۔

فرمان صاحب نے پلیٹ میں پلاؤ نکالا، کباب رکھا، رائتہ، چٹنی، سلاد ڈالا اور شروع ہو گئے۔

''ارے بھئی۔ یہ اور لو نا، خاص طور پہ تمہارے لیے ہی بنائے ہیں ذکیہ نے، بے چاری صبح سے لگی ہوئی تھی کھانا بنانے میں۔'' پھپھو نے ایک ساتھ دو کباب اٹھا کر ان کی پلیٹ میں رکھے۔

''کیا ضرورت تھی اتنی محنت کرنے کی، کچھ بھی سادہ سا کھانا بنا لیتیں، میں تو یوں بھی عادی ہوں، سب کچھ کھانے کا، ہمارے لیے تو کبھی کسی نے کوئی اہتمام کیا ہی نہیں۔'' بولتے بولتے فرمان کے لہجے میں تلخی سی آ گئی۔

''کچھ لوگ ناقدرے اور ناشکرے ہی ہوتے ہیں۔'' ذکیہ نے ناک سکوڑی، یقیناً ان کا اشارہ مسز فرمان کی طرف تھا۔

''بس میاں! نصیبوں کے کھیل ہیں سب، مجھ سے ہی غلطی ہوئی، اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کے بہکائے میں آ گئی، جانے کیا پتھر پڑے عقل پہ کہ ہیرے کو چھوڑ کر پتھر، کنکر جھولی میں بھر لیا، ویسے ایک

TAGPK.COM

بہت پہنچی ہوئی ہستی نے مجھے بتایا تھا کہ بڑے زبردست تعویذ کیے گئے تھے۔ تمہاری اور ذکیہ کی نسبت توڑنے کے لیے، بندش کروادی تھی دشمنوں نے، کہ تم ہمارا منہ نہ دیکھو، ہم تمہاری شکل نہ دیکھیں۔''

پھپھو کی زبان حسب عادت فراٹے بھر رہی تھی۔ منہ کھانے کے لیے کم بولنے کے لیے زیادہ کھل رہا تھا۔

''اب ان سب باتوں سے کیا حاصل پھپھو! جو ہونا تھا وہ ہوگیا، ماضی کو بھول جائیں، آگے کی طرف دیکھیں۔''

کیا دیکھیں آگے کی طرف، اندھیرا ہی اندھیرا نظر آتا ہے بس، میری بچی کی زندگی خراب ہوگئی۔'' مارے رقت کے، پھپھو کی آواز بھرا گئی۔

''اتنا کیوں پریشان ہوتی رہتی ہیں آپ، میں ہوں نا، بس مجھ پہ چھوڑ دیجیے سب کچھ۔'' فرمان پہلے ڈھکے چھپے اور اب صاف لفظوں میں مدعا بیان کرنے لگے تھے۔

''وہ تو ہے بیٹا! پر تمہاری بیوی.....'' پھپھو نے قصداً بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اسے کون سا محبت ہے مجھ سے جو دکھی ہوگی، پھر وہ جہاں ہے وہیں رہے گی بچوں کے ساتھ، ذکیہ کو میں الگ رکھوں گا، میرا چھوٹا سا فلیٹ ہے، ہم مل کر وہیں اپنی جنت آباد کریں گے۔''

فرمان صاحب اس طرح بات کر رہے تھے جیسے پچیس سالہ بیٹے کے باپ نہیں بلکہ خود اس عمر کے ہوں۔

''تمہارے اماں، باوا کو بھی جانے کیا بیر ہوگیا ہم بے سہارا عورتوں سے۔ سگی بہن بھانجی کو کبھی پوچھنے نہیں آتا تمہارا باپ، سگا بھائی ہی نہیں پوچھتا تو بھاوج کی کیا شکایت کریں۔'' پھپھو کی رقت میں مزید اضافہ ہوگیا۔

''ابا کا تو آپ کو معلوم ہی ہے، کہیں آنا جانا پہلے بھی زیادہ نہیں کرتے تھے اور پھر جب سے جوڑوں کی تکلیف ہوئی ہے، بالکل ہی گھر کے ہو کر رہ گئے ہیں ان کی وجہ سے اماں بھی کہیں نہیں آتی جاتیں۔'' فرمان صاحب نے والدین کی صفائی پیش کی۔

''اچھا چلیں چھوڑیں یہ سب باتیں، یہ نرگسی کوفتے کھائیں۔'' ذکیہ نے ایک اچھی میزبان کی طرح سالن کی ڈش ان کے آگے کی۔

''آپ بھی تو کھائیں، پھپھو! آپ بھی لیں۔''

اب فرمان مہمان سے میزبان بن گئے۔

''تمہاری بیوی تو پھر بڑا اودھم مچائے گی؟'' نرگسی کوفتے کھاتے کھاتے پھوپھی جان نے خدشے کا اظہار کیا۔

''اودھم تو وہ بیوی مچائے جسے اپنے شوہر کی کچھ پروا ہو، وہ تو چاہتی ہی یہی ہے کہ میری شکل دیکھنے کو بھی نہ ملے۔''

''بے چارا بچہ، اتنے برس گزر گئے مگر خوشی نہ ملی۔'' پھپھو نے ایک آہ بھری اور ذکیہ کا دل بھی ترس اور ترحم سے بھر گیا۔

☆☆☆

تھوڑی دیر پہلے ہی واک کر کے آئے تھے اور اب ذرا جا کر سانس درست ہوئی تو سب سے پہلے اپنے موبائل کا جائزہ لیا۔ ابھی اچھی خاصی چار جنگ تھی۔ موبائل آن کر کے غزل لگالی۔

''وہ عشق جو ہم سے روٹھ گیا۔''

''توبہ ہے، ہر وقت ہی طوطے کی ٹیں ٹیں لگائے رہتے ہیں۔'' بیگم صاحبہ کی آنکھ ابھی ابھی لگی تھی، بھنا کر اٹھ بیٹھیں۔

''تمہیں چین نہیں ملتا یہ باجے گاجے سنے بغیر؟'' وہ کروٹ بدل کر غرائیں۔ ''کانوں کی ٹونٹیاں لگا کر کیوں نہیں سنتے؟ خود تو سنیں گے، پورے محلے کو بھی سنوائیں گے۔''

''تمہارا پوتا اٹھا کر لے گیا تھا ہینڈز فری، ایک ہفتہ ہوگیا ابھی تک تو دیا نہیں۔'' مجازی خدا نے چمک کر جواب دیا۔

TAGPK.COM

''ذرا دو گھڑی کو آنکھ لگی تھی، پھر اپنا جھنجھنا لے کر بجانے لگے، انسان کہاں سوئے؟ کیسے نیند پوری کرے؟''

''تم بھی سنو لو، ایسی پیاری پیاری غزلیں ہیں اس میں فریدہ خانم کی، اقبال بانو کی، نیرہ نور کی اور.....''

''مجھے معاف کردو، تمہیں ہی شوق ہے ہر وقت کی راگنی سننے کا، خود ہی سنو، اری جویریہ! ادھر آ کر ذرا اپنے دادا کو کوئی ہینڈ فری دے جا۔'' انہوں نے بھنا کر پوتی کو آواز لگائی۔

پوتی تک آواز پہنچ تو گئی مگر اس کے آنے سے پہلے ہی فرمان صاحب آندر آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔

''آؤ میاں! بڑے دنوں میں شکل دکھائی، پچھلے اتوار کو آئے تھے تم غالباً۔'' بڑے میاں نے بیٹے کی شکل دیکھ کر طنز کیا۔

''اے ہائے، اپنے کام میں، کاروبار میں مصروف رہتا ہے۔ اب تو ہر وقت تمہارے گھٹنے سے لگا بیٹھا رہے؟'' اماں جان کی ممتا نے جوش مارا اور انہوں نے بیٹے کی حمایت کی۔

''کام کا لوڈ بہت تھا اباجی، پھر پرسوں بھی میں آیا تھا تو آپ سو رہے تھے۔'' بیٹے نے صفائی پیش کی۔

''اچھا۔'' ایک بے اعتبار اور لاپروا سے ردعمل کے بعد وہ پھر سے ایک ہجر جو ہم کو لاحق ہے تا دیر اسے دہرائیں کیا، میں گم ہونے لگے تھے کہ بیٹے کی آواز آئی۔

''ایک ضروری بات کرنی تھی آپ لوگوں سے۔''

''کیا بات ہے؟'' انہوں نے بے دلی سے اپنا موبائل بند کیا۔

''آپ لوگ تو جانتے ہی ہیں کہ فرحت کا اور میرا مزاج کبھی ملا ہی نہیں۔ شروع سے ہی لڑائی جھگڑا رہا ہمارے درمیان۔'' فرمان نے تمہید باندھی۔

''مزاج تو تمہارا بھی تھوڑا ٹیڑھا ہے میاں صاحب زادے۔ برداشت نہ تمہارے اندر ہے نہ تمہاری بیوی میں، اسی لیے جھگڑے ہوتے ہیں۔'' اباجان نے بیٹے کو آئینہ دکھایا مگر اماں بول پڑیں۔

''ارے تو مرد میں لاکھ برائیاں ہوں، خامیاں ہوں، عورت کا کام ہے صبر سے، برداشت سے کام لینا، شوہر کی برابری کر کے یا اس سے زبان چلا کر عورت جیت سکی ہے کیا کبھی؟''

''افوہ! بیگم صاحبہ! میرا مطلب تھا کہ.....''

''آپ لوگ پہلے میری بات سن لیں؟'' بیٹے نے گھبرا کر مداخلت کی۔

''ہاں ہاں تم کہو بیٹا!'' اماں نے پیار سے انہیں دیکھا۔

''میں ذکیہ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں۔'' ہمت کر کے انہوں نے فوراً ہی بلی تھیلے سے باہر نکال دی اور کمرے میں موجود ان کے والدین کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے، ساتھ ہی اندر آتی جویریہ کے ہاتھ سے ہینڈ فری چھوٹ کر نیچے گر پڑی۔

اپنی بات کہہ کر وہ زیادہ دیر نہیں رکے، وہاں سے چل دیے مگر جو بم انہوں نے پھوڑا تھا اس کی آواز ہر طرف جگہ پھیل گئی تھی۔

سب سے پہلے تو ابا اماں نے بیٹے کی کلاس لی بلکہ بیٹے سے زیادہ ذکیہ اور فریدہ پھپھو کو غائبانہ صلواتیں سنائیں۔

''کم بخت نے میرے بچے کو پھانس لیا، اپنے جال میں۔ شرم نہ آئی کہ جوان بچوں کا باپ ہے۔'' اماں نے نند اور ان کی بیٹی کے لتے لیے۔

''تو جوان بچوں کے باپ کو حیا نہ آئی یہ سب حرکتیں کرتے؟ کوئی دودھ پیتا ناسمجھ بچہ ہے تمہارا بیٹا کہ عورتوں کی بہکائے میں آ گیا۔'' والد ماجد نے بیٹے کو ہی لتاڑا اور اپنی بیگم کو بھی۔

''ثریا چلتر کو تم کیا جانو یہ عورتیں تو اچھے بھلے انسان کی مت مار دیں۔'' اماں جان بلبلائیں۔

''اب انہیں بھی برا بھلا کہتی رہو گی یا بیٹے کو بھی

روکو گی اسے سمجھاؤ گی؟''

''ارے ہم کیا سمجھائیں؟ بیوی نے پیار محبت دکھائی ہوتی تو رشتہ تڑا کے کیوں بھاگتا ہمارا بچہ۔''

اماں جان کی توپوں کا رخ اب بہو بیگم کی طرف ہو گیا۔

''معاف کرنا بیگم صاحبہ! تمہارا بیٹا بھی کچھ کم نہیں، ذکیہ سے نسبت ختم ہونے اور شادی نہ ہونے کا غم اپنی بیوی کے سامنے بھی مناتا رہا، کون عورت برداشت کرتی ہے یہ سب؟''

ابا جان نے سچ ہی کہا تھا، بیگم صاحبہ خاموش ہو گئیں۔ پھر کچھ دیر بعد بولیں۔

''پیار محبت سے تو جانور بھی قابو میں آ جاتے ہیں، فرحت بیگم اپنے میاں کو قابو نہ کر سکیں؟''

''بس یہ باتیں کروالو، کمہار پہ بس نہ چلا تو گدھیا کے کان مروڑ دیے۔'' ابا جان کا موڈ خراب ہو گیا۔

☆☆☆

شمائلہ پھپھو نے سنا تو بھاگی بھاگی آئیں، اپنے اماں باوا کے آگے دکھڑا روتے روتے بلبلا اٹھیں۔

''اتنی مشکلوں سے تو میرے میاں راضی ہوئے تھے کہ محسن اور ثنا کی باقاعدہ رسم کر دیں اور اسی سال میں شادی بھی، میں تو کرونا کم ہونے کا انتظار کر رہی تھی کہ چلو پہلی خوشی ہے دونوں گھروں کی، چار مہمان تو جمع ہوں، کچھ تو ہلا گلا ہو، مگر خیر، فرمان بھائی سے ویسے ہی ناراض ہیں یہ، آپ کو معلوم ہی ہے ان کی عادت کا اور اب تو حد ہو گئی، آپ کے داماد صاحب نے کہلایا ہے کہ فرمان یا تو اپنا بیاہ کر لے یا اپنی بیٹی کا۔''

''آنے دو فرمان کو، میں بات کرتی ہوں۔'' ماں نے تسلی دی مگر ابا جان غصے میں تھے۔

''تمہارے بیٹے پہ دوسری شادی کا بھوت سوار ہے، وہ سنے گا کسی کی؟''

''بتانا تو ہے اسے، بیٹی کے مستقبل کا معاملہ ہے۔'' بیگم صاحب جھنجھلائیں۔

اور جب انہوں نے اپنے بیٹے سے بات کی تو وہ اور زیادہ جھنجلائے۔

''میرے نکاح سے، میری بیٹی کا کیا تعلق؟ عثمان بھائی (بہنوئی) دھمکیاں کیوں دے رہے ہیں؟ ثنا کی شادی میں ابھی ٹائم ہے، وہ کون سا اتنی بڑی ہو گئی ہے بچی ہے ابھی۔''

''بچی؟'' ماں نے گھور کے دیکھا۔

''بچی کا نکلتا ہوا قد نظر نہیں آ رہا تمہیں، کالج میں پڑھ رہی ہے، شمائلہ نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کالج کی پڑھائی ختم ہو جائے تو شادی کر لے گی۔ یہ تو کرونا اور لاک ڈاؤن کے مسئلے ہو گئے ورنہ تو.....''

''میری شادی، میرا ذاتی معاملہ ہے اور رہی بات ثنا کی تو میری بیٹی اتنی گری پڑی نہیں ہے نہ اس کے لیے رشتوں کی کمی ہے۔'' فرمان کے لہجے کی ضد، ہٹیلا پن اور نخوت۔

اماں ششدر رہ گئیں، بڑے میاں کی پیشن گوئی پوری ہو گئی۔ کہ بیٹے پہ دوسری شادی کا بھوت سوار ہے۔

''تمہاری آنکھوں پہ تو پٹی بندھ گئی ہے، اب تمہیں کچھ نظر نہیں آئے گا۔'' انہوں نے بہت دکھ سے بیٹے کو دیکھا۔

''مجھے حق نہیں ہے ایک خوش و خرم زندگی گزارنے کا؟''

''اپنی زبان اور رویہ درست کر لو، خوش و خرم زندگی ہو جائے گی۔'' ابا جان نے سو باتوں کی ایک بات کہی اور خاموش ہو گئے۔

''آپ بھی مجھے الزام دے رہے ہیں؟'' وہ حیران رہ گئے، وہ آج تک خود کو مظلوم ہی سمجھتے چلے آئے تھے۔

''تمہاری بیوی نے آج تک نہ کبھی ہم سے بدتمیزی اور زبان درازی کی نہ اپنی جٹھانی سے، نہ ہی نند سے۔ صرف تم سے ہی کیوں جھگڑا ہوتا ہے اس کا، کبھی سوچا تم نے؟''

''میری کوئی حیثیت نہیں ہے اس کے نزدیک

TAGPK.COM

نہ کوئی اوقات۔'' فرمان کا لہجہ تلخ ہوا۔ خود ترسی نے بہت اندر تک پنجے گاڑے ہوئے تھے۔

''تمہیں مظلوم بننے کا بھی شوق ہے اور خود کو مظلوم سمجھنے کا بھی۔'' ابا جان آج اگلے پچھلے سارے حساب بے باق کرنے کے موڈ میں تھے۔

''آپ اس عورت کی حمایت کر رہے ہیں، جس سے کبھی کوئی خوشی نہیں ملی مجھے۔''

فرمان جھلا گئے، مبالغے اور خود ترسی کی حدوں کو پھلانگ گئے۔ دوسری عورت کی طلب اور خواہش میں مرد کتنے روپ بہروپ بدلتا ہے، ابا جان نے بیٹے کو غور سے دیکھا۔

''تم نے کوشش کی کبھی اسے خوشی دینے کی یا خوش رکھنے کی؟'' ابا جان کا سوال بیٹے کو تازیانہ بن کر لگا۔

''مرد کا کام ہے عورت کو خوش رکھنا یا یہ ذمہ داری عورت کی ہے؟'' فرمان کی مردانہ انا سوالیہ نشان بن گئی۔

''عورت کوئی سر پہ چڑھانے کی چیز ہے؟''

ماں اپنے بیٹے کی حمایت میں آگے آئیں۔

''آپ کو بھی تو ہم نے سر آنکھوں پہ بٹھا کر رکھا، اب تک بٹھاتے ہیں۔'' مجازی خدا نے ملائمت سے انہیں لاجواب کیا۔

بیٹا زخمی شیر بنا غصے میں باہر نکلا تھا۔ ساری مظلومیت ساری ہیکڑی اور سارا تاؤ باپ نے ایک جھٹکے میں ختم کر دیا تھا۔

وہ آدھی رات تک گھر سے باہر رہ کر اپنی تلملاہٹ اور طیش پر قابو پانے کی کوشش کرتے رہے۔ گھر واپس آئے تو ایک نئی قیامت ان کی منتظر تھی۔

فرحت اپنے میکے چلی گئی تھیں۔ ثنا کا رو رو کر برا حال تھا۔ مستقل گریہ سے اس کی آنکھیں سوج رہی تھیں دونوں چھوٹے بھائی بھی بولائے بولائے ادھر سے ادھر پھر رہے تھے نیند تو سب کی آنکھوں سے روٹھی ہوئی تھی۔

''ابو! امی کو فون کر کے بلا لیں یا جا کر لے آئیں۔'' ثنا باپ کے آگے گڑگڑا اٹھی۔

''میں نے تو نہیں نکالا گھر سے، جیسے خود گئی ہیں محترمہ ایسے ہی خود آ جائیں گی۔ حد ہو گئی بیس سال ہو گئے شادی کو اور میکے جانے کے نخرے اور چونچلے ایسے ہیں جیسے شادی کو بیس دن ہوئے ہیں۔'' تیز لہجے میں بولتے بولتے فرمان آخر میں بڑبڑائے۔

''یہ بات تو آپ کو بھی سوچنی چاہیے ابو کہ شادی کو بیس سال ہو گئے ہیں۔ بچے بڑے ہو گئے، اب.....''

ثنا نے دبی آواز میں ڈرتے ڈرتے لب کشائی کی۔

''سب کو میں ہی قصوروار نظر آتا ہوں۔'' بڑبڑاتے ہوئے وہ کمرے میں گھس گئے۔

☆☆☆

رات دادا، دادی کے لیے بھی قیامت کی تھی۔ بڑی مشکل سے آنکھوں آنکھوں میں رات کاٹی، علی الصبح دونوں اپنی بہو کے میکے جا پہنچے۔

''ابا جی، اماں جی آپ؟'' رت جگی آنکھیں اور ستا ہوا چہرہ لیے فرحت اپنے ساس، سسر کو اتنی صبح دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

''دیکھو بیٹی! ہم بڈھے، بڑھیا تمہیں لینے آئے ہیں۔ ہمارے آنے کی لاج رکھنا۔'' ابا جان بولے تو فرحت بیگم کی آنکھیں بھر آئیں۔

''میں نے تو آپ کے بیٹے کے لیے آسانی کی ہے ابا جی! جگہ خالی کر دی ہے، جسے چاہے لا کر بٹھائیں۔'' فرحت کی آواز بھاری ہو گئی، کتنے ہی آنسو حلق سے نیچے اتار کر بڑے جتن سے لہجہ اور چہرہ ہموار کیا۔

''وہ تو ہے ہی احمق انسان، تم نے بھی حماقت کی۔ میدان چھوڑ آئیں اس کے لیے، یاد رکھو بہو وہ گھر، وہ سنگھاسن تمہارا ہے، اس پر تمہارا حق ہے، وہاں تمہاری جگہ کوئی نہیں لے سکتا۔'' ابا جان جذباتی ہو گئے۔

TAGPK.COM

''اے ہاں، ماشااللہ آگے پیچھے تین بچے ہیں، تمہارے آگے وہ قطامہ کیا بیچتی ہے، تم نہیں سمجھتی ہو۔'' زور سے بولتے بولتے اماں جان یکا یک قریب آ کر رازداری سے گویا ہوئیں۔

''تم تو نہیں جانتیں ٹھیک سے، ان ماں بیٹی کو میں اچھی طرح سے جانتی ہوں، تعویذ گنڈوں کی ماہر ہیں۔ کچھ نہ کچھ ایسا عمل کروایا ہے میرے بچے پہ، جو وہ یوں لٹو ہو گیا ہے اے ہائے ایسی پٹی باندھ دی آنکھوں پہ کہ اسے کچھ نظر ہی نہیں آ رہا، نہ اپنے بچے، نہ ماں باپ، نہ بیوی، نہ دنیا کی کوئی پروا، اللہ جانے کیا گھول کر پلا دیا ہے کم بختوں نے اللہ غارت کرے دونوں کو۔''

اماں کی مامتا تھی کہ بیٹے کو ہر الزام، ہر خطا سے بری کر کے سارا الزام دوسروں پہ دھر رہی تھی۔

فرحت سنتے سنتے ایک تلخ مسکراہٹ لبوں پہ لے آئیں۔

''مرد جب دوسری عورت کا طلب گار ہو تو ہر تعویذ گنڈا، ہر دم درود اس کے اندر سے ہی جڑ پکڑ کر باہر پھوٹتا ہے، کسی اور کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔''

سمدھیانے والوں نے ان کے لیے ناشتے کا اہتمام کیا تھا۔ بھلے مانس تھے انہیں امید تھی کہ دونوں میاں بیوی مل کر بیٹے بہو کا مسئلہ کچھ نہ کچھ حل کر ہی دیں گے۔

''مجھے تو ڈاکٹر نے چکنائی بڑی سختی سے منع کی ہے کب سے پرہیز چل رہا ہے میرا۔'' ابا جان نے دوسری پوری اور پلیٹ بھر ترکاری ختم کرتے ہوئے جملہ حاضرین کو بتایا تو نصف بہتر نے کھا جانے والی نظروں سے گھورا۔

''اب کولیسٹرول ہائی ہوگا۔ معدے میں، پیٹ میں جلن اور گیس، پھر ہائے ہائے کر کے پوری رات خود بھی جاگیں گے۔ مجھے بھی جگائیں گے۔''

☆☆☆

ایک تو پہلے ہی گھر میں کشیدگی کا ماحول اپنے عروج پر تھا۔ فرمان علی الصبح ہی ناشتہ کیے بغیر گھر سے نکل گئے تھے۔ ثنا نے دونوں بھائیوں کو ناشتہ دیا اور گھر کے چھوٹے موٹے کام نمٹانے لگی۔

ناشتہ کرنے کا دل نہیں چاہا، فقط چائے کا کپ لے کر بیٹھ گئی، چائے ابھی پوری پی بھی نہیں تھی کہ محسن کا فون آ گیا۔

''ہیلو!'' اس نے بے دلی سے کال ریسیو کی، اس وقت کسی سے بھی کچھ بھی بات کرنے کو بالکل جی نہیں چاہ رہا تھا۔

''یہ ماموں، ممانی کیا تماشا لگا رہے ہیں، امی بتا رہی تھیں کہ ممانی گھر چھوڑ کر چلی گئی ہیں۔'' محسن چھوٹتے ہی شروع ہو گیا۔

''اپنے ماموں، ممانی سے کرو یہ سوال، مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو؟'' ثنا بری طرح چڑ گئی۔ اب یہ بھی عدالت لگا کر مجھے ہی کٹہرے میں کھڑا کر رہا ہے۔

''تم بھی تو ان کی اولاد ہو، تم سے کچھ نہیں پوچھ سکتا میں۔'' وہ بھی تیز لہجے میں گویا ہوا۔

''بدقسمتی ہے میری کہ میں ان کی اولاد ہوں۔'' ثنا کے صبر کے سب پیمانے لبریز ہو چکے تھے۔

''ماموں الگ ڈرامے کر رہے ہیں، ممانی الگ ناٹک بازیاں دکھا رہی ہیں، کسی کو بھی سمجھانے والا، روکنے والا کوئی ہے ہی نہیں۔''

''تم سمجھا دو جا کر، ہو سکتا ہے تمہاری بات سمجھ جائیں۔'' ثنا کا بھی سارا غصہ اور تناؤ محسن پر اتر رہا تھا۔

''میں کچھ کر سکتا تو سب سے پہلے اپنے ابو کو سمجھاتا، وہ تو یہ رشتہ ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔''

''کیا؟'' ثنا کا دل اتھاہ گہرائیوں میں ڈوبنے لگا۔

''میرا کیا قصور ہے؟ پھوپھا کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ وہ اتنے خودغرض کیسے ہو سکتے ہیں۔''

''ہاں، میرے ابو خودغرض ہیں اور ماموں ممانی جو کچھ کر رہے ہیں، وہ بہت بے غرضی کے کام ہیں؟''

TAGPK.COM

محسن کا لہجہ تلخ ہوا۔

''طنز کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ کام اور بھی لوگ کر رہے ہیں۔ اب تم بھی اسی لائن میں کھڑے ہو جاؤ گے تم سے یہ امید نہیں تھی۔'' ثنا پھٹ پڑی۔

''تم سے یہ چند الفاظ برداشت نہیں ہو رہے؟ جبکہ معاملہ تمہارے پیرنٹس کا ہے مجھے دیکھو، اپنے ابو کی کتنی باتیں سن رہا ہوں۔''

''انہیں کیا پرابلم ہے؟ میری یہ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

''انہیں یہ پرابلم ہے کہ بیٹیاں عموماً ماؤں پر ہی جاتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ کل کو تم بھی یہی سب نہ کرو، جو تمہاری امی کر رہی ہیں۔''

محسن کی بات سن کر اس کے تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''اور بیٹے بھی تو اپنے باپ کی طرح ہوتے ہیں۔ کل کو تم بھی اسی طرح بی ہیو کرو گے۔ جس طرح پھوپھا کر رہے ہیں۔'' وہ تڑخ تڑخ گئی۔

''ایسی کچھ غلط بھی نہیں ہے ان کی بات۔ جو کچھ ماموں ممانی کے درمیان ہو رہا ہے۔ وہ سب کل کو ہمارے درمیان بھی ہو سکتا ہے۔'' محسن جواب دینے میں پیچھے نہیں تھا۔

''تو یوں کہو کہ تم نے بھی اپنا مائنڈ بنا لیا ہے پھر پھوپھا کو کیوں بلیم کر رہے ہو؟''

''مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تمہاری زبان اتنی چلتی ہے۔''

''اب ہو گیا اندازہ؟''

''ہاں اور بہت اچھی طرح ہو گیا۔'' محسن نے ایک ایک لفظ چبا چبا کر کہا اور دونوں نے تقریباً ایک ساتھ ہی لائن ڈسکنکٹ کی تھی۔

دل تو یہی چاہ رہا تھا ثنا کا کہ پھوٹ پھوٹ کر رو دے مگر ضبط کر گئی۔

''اب ضبط کرنے کی عادت ڈال لو ثنا بی بی!''

رنج اور غصے کے مارے اس نے ٹھنڈی یخ بچی ہوئی چائے کے دو گھونٹ پی کر کپ خالی کیا کپ اور موبائل دونوں کو ایک طرف پٹخ دیا۔

''اب کیا ہوگا؟'' طیش ذرا کم ہوا تو اس کے اندر سے خوف، غم کی لہر اٹھی۔

محسن مزاج کا تیز تھا، مگر اس طرح کبھی اس سے جھگڑا نہیں ہوا تھا۔ جس طرح آج ہوا، جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ثنا کی تشویش میں اضافہ ہو رہا تھا۔

☆☆☆

دادا دادی، اپنی بہو کو لینے گئے تھے۔ انہوں نے ایک دو دن میں آنے کا کہا تھا۔ ثنا کی بھی اپنی امی سے فون پہ بات ہوئی تھی۔ انہوں نے ثنا سے بھی یہی کہا کہ وہ ایک دو روز میں واپس آئیں گی مگر ان دو تین روز میں ہی سارے خاندان میں ان کی علیحدگی اور طلاق تک کی خبریں اڑ گئی تھیں۔

خود شمائلہ پھپھو نے بھی ثنا کو فون کر کے اس خبر یا افواہ کی حقیقت جاننی چاہی تھی اور ثنا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کن لفظوں میں ان کی تسلی کرائے کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

خیر اب امی گھر آ گئی تھیں مگر ان کے آنے سے صورت حال کی کشیدگی اور سنگینی میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ امی، ابو دونوں ہی ایک دوسرے سے کھنچے کھنچے تھے، اب تو لڑائی جھگڑا بھی نہیں ہو رہا تھا۔ دونوں کے درمیان خاموشی اور چپ کے پردے حائل تھے۔

کہانی بہت زیادہ انوکھی نہیں تھی نہ ہی بہت زیادہ پرانی۔ مشکل سے اکیس سال ہونے کو آئے تھے۔ فرمان نئے نویلے ارمانوں اور امنگوں کے ساتھ بڑے ہونے والے خوبرو جوان تھے۔ پھوپھی زاد ذکیہ کی زلف کے اسیر، ماں مخالف تھیں، ابا خاموش تماشائی اور فریدہ پھپھو لاتعلق سی تھیں، وہ مضبوط مالی حیثیت کا مستحکم گھرانا اپنی بیٹی کے لیے چاہتی تھیں۔ غریب غربا، تو خیر بھتیجا بھی نہیں تھا۔ سرکاری نوکری تھی باپ کی بھی اور بیٹے کی بھی اچھی خاصی خوش حالی تھی گھر میں۔

فرمان کی مرضی سے کسی نہ کسی طرح رشتہ ہو تو

TAGPK.COM

گیا مگر فریدہ پھپھو کو جب کچھ عرصے بعد اپنی مرضی اور پسند کے داماد کی امید ایک اور جگہ سے ہوئی تو انہوں نے یہ نسبت ختم کرنے میں دیر نہ لگائی۔

بیٹی کو سمجھانا اتنا مشکل نہ ہوا کہ بنگلہ، گاڑی اور لڑکے کے ٹھاٹھ باٹھ دیکھ کر وہ خود بھی پھسل پڑی تھی۔

فرمان اپنی محبت کا غم منا رہے تھے اور ان کی اماں نے موقع غنیمت جان کر جھٹ سے دوسری جگہ رشتہ لگایا اور چٹ پٹ شادی کر دی۔

فرحت اپنے ہمراہ خوابوں اور ارمانوں کی گٹھری جہیز میں لائی تھیں، جیسا کہ عموماً ہر لڑکی کے ہوتے ہیں۔ مگر سارے ارمانوں پہ اوس پڑ گئی۔ خوابوں کے جگنو مدھم ہونے لگے۔

انہیں بہت جلد فرمان اور ذکیہ کے بارے میں علم ہو گیا تھا۔ ادھر شوہر کا رویہ بھی ان کے ساتھ زیادہ والہانہ نہیں تھا، وہ ابھی تک اپنی ناکام محبت کا سوگ منا رہے تھے۔

فرحت بیگم میں صبر اور حوصلے کی کمی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ کچھ وقت تحمل اور برداشت کے ساتھ گزارتیں، شوہر کو اپنا بنانے کی کوشش کریں تو شاید ان کے رشتے کی مضبوطی اور خوب صورتی میں اضافہ ہو جاتا، مگر بدقسمتی سے ایسا ہو نہ سکا، ان سے اپنے خوابوں کی بے توقیری اور جذبوں کی ناقدری برداشت نہ ہوئی۔

انہوں نے ذکیہ کے حوالے سے شوہر کو طعنے دینے شروع کیے تو شوہر صاحب بپھر گئے۔ اسی آنکھ مچولی میں ان کے ماہ و سال گزرتے چلے گئے، تین بچے بھی ہو گئے۔ ایک بیٹی اور دو بیٹے۔

اور یہ بھی نہیں کہ سارا وقت بس لڑائی جھگڑوں میں ہی گزرا ہو۔

اکثر اچھا وقت بھی آتا جب دونوں کے تعلقات مثالی ہوتے، ہنسی، مسکراہٹیں، قہقہے، آؤٹنگ گجرے، کنگن، ہوٹلنگ اور پھر یکا یک کوئی اتنی سی بات ہوتی اور وہ بڑھتے بڑھتے ذرے سے پہاڑ بن جاتی اور بات صرف اتنی تھی کہ برداشت کی کمی دونوں میں ہی تھی۔ خاموش ہونے کے بجائے بحث در بحث جس کا انجام ناخوش گواری ہی ہوتا تھا۔

اور پھر بچے کچھ بڑے ہو گئے تو زندگی کافی حد تک پرسکون اور ہموار ہو چلی تھی، ثنا اور محسن کے رشتے کی بات ہو گئی۔

اور پھر یکا یک ذکیہ بیگم اپنے گھر آ کر بیٹھ گئیں، نہ جانے کب اور کیسے ٹوٹے رشتے اور تعلقات دوبارہ استوار ہو گئے اور معاملہ یہاں تک بڑھا کہ بات نکاح تک پہنچ گئی۔

☆☆☆

معمول کے مطابق تیار ہو کر ناشتے کی میز پہ پہنچے تو ذہنی طور پر تیار تھے کہ اگر فرحت بیگم کی طرف سے کوئی گولہ باری ہو تو اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکیں۔ مگر خلاف توقع دوسرے محاذ پہ خاموشی تھی۔ ثنا نے ناشتہ بنا دیا تھا۔ وہ ناشتہ کر کے دفتر چلے گئے، شام میں واپس آئے، شام کی چائے بھی بیٹی نے دی۔ فرحت بیگم سے سامنا نہ ہونے کے برابر تھا اور سامنا ہوا بھی تو سپاٹ، بے تاثر اور خاموش چہرے کا۔

فرمان صاحب کو تشویش تھی یا نہیں مگر ثنا ضرور فکر مند ہو گئی تھی۔ رات میں امی آج کل اسی کے کمرے میں سو رہی تھیں، چنانچہ ثنا نے رات میں ان سے اپنی پریشانی اور فکر کا اظہار کیا۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا امی!''

''ہاں!'' ان کا خوب صورت چہرہ اب بھی سپاٹ تھا۔

''اتنی چپ چپ کیوں ہیں؟''

''پہلے بولتی تھی تو اعتراض ہوتا تھا۔ اب خاموشی پہ بھی سوال؟''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا امی!'' ثنا شرمندہ ہو گئی۔

''دادی کہہ رہی تھیں کہ ابو کا قصور نہیں ہے۔ ذکیہ آنٹی نے اور فریدہ دادی نے انہیں۔''

''ثنا! تمہاری دادی کی مجبوری ہے بیٹے کی حمایت کرنا کیونکہ وہ ان کی ماں ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ عورت نے اگر ٹریپ کیا ہے تو وہ مرد کو ٹریپ

TAGPK.COM

کرنے اس کے پاس چل کر نہیں آئی۔ مرد خود چل کر اس گھر تک گیا اور عورت تک پہنچا ہے۔ تو پھر یہ کس کا قصور ہے؟''

فرحت نے بہت جتن سے اپنا لب و لہجہ ہموار رکھا۔ بیٹی فقط بیٹی نہ رہی تھی، سہیلی بھی بن گئی تھی۔ مگر اپنا بھرم، اپنی انا تو انہیں ہر حال میں عزیز تھی۔

''دادا کہہ رہے تھے کہ وہ کسی صورت یہ سب نہیں ہونے دیں گے۔'' ثنا نے ماں کو تسلی دینے کی کوشش کی، ان کی خاموشی ثنا کو کھائے جا رہی تھی۔

''کیا فرق پڑتا ہے؟ تمہارے ابو دوسری شادی کریں یا نہ کریں، مجھے کوئی امید نہیں ہے ان سے نہ کوئی غرض، نہ واسطہ، نہ تعلق۔''

فرحت بیگم نے بولتے بولتے ہونٹ بھینچ لیے، ثنا کو اس لمحے اپنی ماں پہ بہت ترس آیا لیکن حالات کو اس نہج تک پہنچانے میں ان کا قصور کتنا تھا؟ ثنا کے لیے اندازہ لگانا اور فیصلہ کرنا بہت مشکل تھا۔

امی آنکھیں بند کر کے لیٹ گئی تھیں۔ ثنا جانتی تھی کہ وہ بہت دیر جاگنے کے بعد رات گئے تک کہیں سوتی ہیں اور آج تو خود اس کی اپنی نیند بھی اڑی ہوئی تھی۔ گھر میں والدین کی جو کہانی تھی سو تھی مگر اس کا اور محسن کا معاملہ بھی فقط ایک کہانی بن کر رہ جائے گا، یہ اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔

پتا نہیں اب کیا ہوگا؟ ثنا کو اپنا آپ ان دیکھی زنجیروں میں جکڑا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔ ماں کی طرح وہ بھی آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش یا ایکٹنگ کرنے لگی مگر ناکام رہی۔ نیند کا تو کہیں نام و نشان تک نہیں تھا۔ بس خیالات کی یلغار تھی، اندیشے، وسوسے، اوہام، ناگ بن بن کر اس کے اندر ہی اندر سرسرا رہے تھے۔

☆☆☆

پردے سمیٹ کر ایک طرف کیے تو کمرہ روشنی اور دھوپ سے بھر گیا۔ ہوا کا جھونکا آیا تو پھولوں کی خوشبو بھی ساتھ لے آیا جو باہر کیاری اور گملوں میں سجے تھے۔

فریدہ پھپھو نے ان تھیلوں میں جھانکا جو فرمان اپنے ساتھ لے کر آئے تھے اور پھلوں سے بھرے ہوئے تھے۔

''کیا ضرورت تھی اتنا سب کچھ لانے کی؟ ہم دو جانیں ہیں۔ کہاں تک کھا کھا کر ختم کریں گے۔''

فریدہ پھپھو ان سوغاتوں سے خوش تو ہوئیں مگر سوکھا سا منہ بنا کر بھتیجے کو مخاطب کیا۔

''جلدی جلدی کھا پی کر ختم کریں پھپھو! میں اور لے آؤں گا۔'' فرمان نے نوابی شان سے جواب دیا اور کن اکھیوں سے ذکیہ کو دیکھنے لگے جو ان کے لیے چائے بنا کر لا رہی تھی۔

''سنا ہے تمہاری بیوی واپس آ گئی ہے؟''

''ہاں تو واپس نہیں آتی تو اور کیا کرتی، میکے میں کون بیٹھا ہے اس کے چونچلے اٹھانے کو۔'' فرمان کے لہجے میں تفاخر تھا۔

''اب بھی سوچ لو میاں! کل کو یہ نہ ہو کہ تمہاری بیوی بچے اور گھر میں کوئی اور اس بیاہ پہ دنگا فساد مچائیں اور میری بچی کو ناحق پریشان کریں۔''

''آپ پریشان مت ہوں پھپھو، ادھر سے اگر کوئی بات ہوئی بھی تو میں ہینڈل کر لوں گا۔'' فرمان کے لہجے میں بلا کا اطمینان تھا۔

''مگر میری ایک شرط ہے بیٹا! شرط سمجھو یا مجبوری، میں چاہتی ہوں کہ جس فلیٹ میں تم ذکیہ کو رکھو گے، وہ اس کے نام کر دو۔ کل کو یہ نہ ہو کہ تمہاری اولاد یا بیوی اس پہ حق جتانے اور قبضہ جمانے آ جائیں۔''

''جب زندگی تمہارے نام کر رہے ہیں تو فلیٹ کی کیا حیثیت ہے، وہ بھی کر دیں گے تمہارے نام۔''

لوازمات ان کے آگے رکھتی ہوئی نکھری نکھری ذکیہ کو فرمان نے مسکرا کر دیکھا جواباً وہ بھی مسکرا کر پلٹ گئی۔

''کیا کہا بیٹا!'' فریدہ پھپھو کو ان کی بڑبڑاہٹ سمجھ میں نہیں آئی۔

''جو آپ کا حکم پھپھو! فلیٹ کوئی آپ لوگوں سے بڑھ کر تھوڑی ہے۔''

TAGPK.COM

''ارے جیتا رہ میرا بچہ!'' بھتیجے کی سعادت مندی پہ وہ نہال ہوگئیں۔

☆☆☆

تپائی پہ بکھری پڑی تمام چیزوں کو جویریہ نے روز کی طرح آج بھی سمیٹ کر طریقے سے رکھ دیا تھا اور آج خلاف توقع موبائل اور ہینڈ فری بھی دادا جان کے ہاتھوں اور کانوں کے لمس سے محروم اداس اداس سے تپائی پہ رکھے تھے۔

دادا جان کے چہرے پہ خشونت اور خفگی تھی یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ چہرے کے یہ تاثرات موبائل سے عارضی محرومی کے تھے یا بیٹے کی ہٹ دھرمی پہ جنہیں ان کی بیگم کب سے سمجھا رہی تھیں مگر بیٹے نے تو جیسے کسی کی بات نہ ماننے، نہ سمجھنے اور اپنی من مانی کرنے کی قسم کھائی ہوئی تھی۔

''ہے تو ان کی بہن، برا تو لگے گا مگر لالچی اور موقع پرست عورت ہے فریدہ، پہلے بھی کیسے رشتہ ختم کر کے جھٹ پٹ دوسری جگہ بیاہ دیا تھا بیٹی کو، جہاں دیکھا تو اپرات۔ وہیں بتائی ساری رات۔ ایک بار ٹھوکر کھا کر سبق نہیں ملا تمہیں؟ جس نے ٹھکرایا پھر اسی دروازے جا پہنچے۔''

اماں اپنی سی پوری کوشش کر رہی تھیں کہ کسی طرح بیٹے کو اس حماقت سے باز آنے پہ قائل کر لیں جو وہ کرنے جا رہے تھے۔

''میں بچہ نہیں ہوں امی جی! اپنا برا بھلا خوب سمجھتا ہوں۔'' فرمان کا لہجہ اتنا خشک اور روکھا تھا کہ ابا جی کی پیشانی کے بل کچھ اور گہرے ہوگئے۔

''بچے ہو تو نہیں مگر بچے بن ضرور گئے ہو۔ یہ عمر ہے تمہاری دوسری شادی کرنے کی جوان اولاد سامنے کھڑی ہے۔ یہ چلے ہیں اپنے ارمان پورے کرنے۔ محسن کا باپ رشتہ ختم کرنے پر تلا ہوا ہے، کچھ ہوش ہے تمہیں؟'' ابا جان نے اچھا خاصا لتاڑ دیا۔

''ان سے میں خود بات کر لوں گا۔'' بیٹے نے جان چھڑانے والے انداز میں جواب دیا۔

تجربہ کار، بوڑھی آنکھوں نے ایک دوسرے کو دیکھ کر تاسف سے سر ہلایا۔ اب یہ عیاں تھا کہ پانی سر سے گزر گیا ہے۔

☆☆☆

شوں، شوں، شوں کھد بد۔ کھانا بناتے ہوئے کوکر کی سیٹی بجی۔ ثنا نے بے دلی سے اٹھ کر چولہا بند کیا اور ویٹ ہٹایا ایک زوردار آواز کے ساتھ بھاپ خارج ہوئی۔

ثنا کچن سے باہر نکل آئی۔ ایک اداسی نے اپنے گھیرے میں لیا ہوا تھا۔ گھٹن اتنی محسوس ہو رہی تھی کہ سانس لینا دوبھر ہوگیا۔ وہ باہر نکل کر چھوٹے سے ٹیرس پہ آ گئی۔ باہر لامحدود فضا، کھلا، فراغ نیلا آسمان بادلوں کی تیرتی سفید کشتیاں۔ پرواز کرتے پرندے۔

ثنا کی بے تاثر نگاہوں نے ایک جائزہ لیا وہ اپنے والدین کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کس کی کتنی غلطی تھی؟ حالات کو اس نہج تک لانے کا ذمے دار کون تھا؟ شاید دونوں ہی مگر اس وقت دونوں میاں بیوی مظلوم بنے ایک دوسرے کو قصوروار ٹھہرا رہے تھے۔

ثنا کی کیفیات بھی متضاد تھیں، کبھی ان دونوں پہ غصہ آتا اور کبھی ترس۔

اور یہ رشتہ میاں بیوی کا رشتہ کتنا عجیب ہوتا ہے۔ بیک وقت سب سے مضبوط بھی اور سب سے کمزور بھی۔

اس رشتے میں کیا ضروری ہے محبت، عزت و احترام، قدردانی یا برداشت اور تحمل، یا پھر تھوڑا تھوڑا سب کچھ۔

ثنا سوچتی جا رہی تھی اور الجھتی جا رہی تھی۔

اور ذہنی ہم آہنگی؟ یہ کس چڑیا کا نام ہے۔

وہ سمجھتی تھی کہ محسن کے ساتھ اس کی بڑی اچھی انڈراسٹینڈنگ ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں، پسند کرتے ہیں، مگر یہ سارے خیالات اور اندازے اس وقت غلط ہوگئے جب اس کی اور محسن کی جھڑپ ہوئی۔

''گوشت کا چھوٹا سا لوتھڑا جسے زبان کہتے

TAGPK.COM

ہیں۔ اس کا غلط استعمال کیسے رشتوں کے درمیان دراڑ ڈال دیتا ہے۔''

وہ اپنے خیالات میں اتنی محو تھی کہ موبائل بجنے کی آواز پہ بری طرح چونک اٹھی۔ اسکرین دیکھی تو محسن کا فون تھا۔

''میں تمہیں کال کرنے کا ہی سوچ رہی تھی۔'' ثنا نے کہا۔

''اچھا، مجھے تو لگا کہ تم صرف لڑنے میں پہل کر سکتی ہو، صلح میں نہیں۔ اس لیے میں نے ہی پہل کر لی۔''

''اگر تم ایسا سوچتے ہو تو تم ابھی مجھے جانتے نہیں ہو۔'' ثنا کا لہجہ دھیما تھا۔

''ایک انسان کے کئی روپ ہوتے ہیں، ہم مکمل طور پر کبھی کسی کو نہیں جان سکتے۔'' محسن کا لب و لہجہ بوجھل تھا۔

''آج تک اتنا سنجیدہ کبھی نہیں دیکھا تمہیں۔''

''آج سے پہلے اتنے سنگین معاملات سے اور حالات سے واسطہ بھی تو نہیں پڑا تھا۔'' محسن چند لمحے خاموش رہا پھر کہنے لگا۔

''سنا ہے، ماموں جان اگلے ہفتے نکاح کر رہے ہیں۔''

''تمہیں کون سناتا ہے ایسی خبریں؟'' حسب توقع ثنا چڑ گئی۔

''کسی نے تو سنائی ہی ہے اور کنفرم خبر ہے نہ افواہ ہے نہ سنی سنائی اور اگر یہ سب سچ ہو گیا نا تو میرے ابا ایک قیامت ڈھا دیں گے۔''

''تم سمجھا نہیں سکتے انہیں؟''

''تم سمجھا سکتی ہو ماموں جان کو؟''

ثنا خاموش ہو گئی۔ اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔

''بڑے ٹیڑھے انسان ہیں۔ ان کی مرضی کے خلاف شادی کی تو گھر سے نکال باہر کریں گے۔ مجھے بھی، امی کو بھی۔''

''میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں؟ میں اپنی امی کو دیکھتی ہوں تو اپنی اور تمہاری یہ پریشانی بھول جاتی ہوں۔''

''قصور ممانی جان کا ہی ہے۔ وہ چاہتیں تو ماموں کو ہینڈل کر سکتی تھیں، شوہر کو مٹھی میں کرنا کوئی راکٹ سائنس نہیں ہے، مگر انہوں نے صبر و تحمل ہی نہیں دکھایا کبھی۔'' محسن پھر طیش میں آ گیا۔

''یہ کوئی ریزن نہیں ہے، بہت سے مرد دوسری شادی کر لیتے ہیں جن کے اپنی بیوی سے مثالی تعلقات ہوتے ہیں اور جن کی بیویاں ان کے آگے پیچھے پھرتی ہیں۔ امی کے رویے کا تو بس ایک بہانا بن گیا ہے اور محسن! میرے ذہن میں ایک بات آئی ہے کہ امی سسرال میں سب کے ساتھ اچھے سلوک سے رہیں۔ صرف ابو کے ساتھ جھگڑے ہوتے رہے کیوں؟''

''کیوں؟''

''کیونکہ ایک بیوی کو اپنے شوہر سے کچھ توقعات تھیں، امیدیں تھیں، جو پوری نہ ہوئیں تو لڑ جھگڑ کر دل کا غبار نکال لیا اور ہمیشہ تو ان کے تعلقات خراب نہیں رہے۔'' ثنا نے ماں کی حمایت میں بیان دیتے ہوئے صفائی پیش کی۔

''ظاہر ہے، تمہاری امی ہیں تو ان ہی کی حمایت کرو گی۔'' محسن پہ اس کی دلیلوں کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔

''تم نہیں سمجھو گے۔ بعض معاملات بڑے پیچیدہ، بہت الجھے ہوئے ہوتے ہیں۔ تھوڑے تھوڑے قصوروار دونوں ہی ہیں۔ کچھ کچھ بے گناہ بھی دونوں ہیں۔ دونوں کی سائیڈ کا کوئی حصہ نہ مکمل طور پر سفید ہے نہ پورا سیاہ ہے۔ ملا جلا رنگ نظر آتا ہے۔ لیکن ہمارا معاشرتی رواج ہے، مرد کی دوسری شادی پہ یہ جواز یا بنیاد سب سے بہترین ہے کہ پہلی بیوی سے بنی نہیں، دونوں خوش نہیں ہیں۔''

ثنا بولتی چلی گئی اس کی آواز بھی بھیگتی چلی گئی۔

''مجھے یہ بتاؤ، میں اپنا اور تمہارا رشتہ بچانے کے لیے کیا کروں؟''

TAGPK.COM

''میں خود نہیں جانتی، کیا کروں اور کیا کرنا چاہیے۔'' ثنا کی آواز میں بے بسی بھی تھی اور غمی بھی۔

''کورٹ میرج کرو گی۔''

''کیا؟'' ثنا پہلے تو اس کی بات، تجویز یا منصوبہ سن کر حق دق رہ گئی پھر یکا یک ہی ہنسی آ گئی۔

''تمہارے ابا جان بخش دیں گے تمہیں؟ پورے ہی ضائع ہو جاؤ گے ان کے ہاتھوں۔''

''بس ایسے ہی ہنستی مسکراتی رہا کرو، چاہے حالات کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں۔'' محسن نے فون آف کر دیا تھا اور وہ کتنی ہی دیر سوچتی رہی مسکراتے ہوئے۔

''اتنے برے بھی نہیں ہو تم محسن عثمان۔''

☆☆☆

کسی نے بھی بد دعا تو نہیں دی تھی انہیں اور یہ سب کچھ چاہا بھی نہیں تھا جو ہو گیا۔ اچانک غیر متوقع طور پر۔''

''اور حادثے تو یونہی ہوتے ہیں اچانک.....

کسی کو گمان بھی نہیں تھا نہ اندازہ کہ فرمان کا اتنا زبردست ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔ وہ پٹیوں میں جکڑے اسپتال کے بیڈ پر پڑے تھے اور ان کا پورا گھرانہ ان کے گرد جمع تھا۔ بیوی، بچے، والدین، بہن بھائی، سب متفکر چہرے لیے ان کے گرد جمع تھے۔

ایکسیڈنٹ خاصا شدید تھا۔ گاڑی تو بری طرح تباہ ہو گئی تھی۔ خود ان کو کافی چوٹیں آئی تھیں۔ دو دن تو وہ آئی سی یو میں رہے۔ اب قریبی لوگوں کو ان سے ملنے کی اجازت دی گئی تھی۔

فرمان ہوش میں تھے مگر بے بسی سے سب کو دیکھنے کے سوا کبھی اور کرنے سے قاصر تھے۔

ڈاکٹر سے تفصیلی بات ہوئی تو انہوں نے کم سے کم ڈھائی سے تین ماہ کا وقت دیا جس میں، فرمان صاحب خود چلنے پھرنے کے قابل ہو سکیں۔ تین روز بعد ان کا ایک آپریشن ہوا، پیر کی ہڈی بری طرح متاثر ہوئی تھی۔ دیگر چوٹوں کا ٹریٹمنٹ بھی جاری تھا۔

تقریباً دس روز بعد انہیں چھٹی دے دی گئی کہ کورونا کی وجہ سے اسپتال میں مریضوں کا بہت رش تھا۔ اب انہیں ہفتے میں دو بار ہاسپٹل کا وزٹ کرنا تھا۔

☆☆☆

گھر میں ان کا بیڈ روم تقریباً تقریباً اسپتال کے کمرے کا روپ اختیار کر چکا تھا۔ ایک چھوٹی میز پہ دوائیوں کا ڈھیر، آکسیجن سلنڈر (جو احتیاطاً رکھا گیا تھا ورنہ اس کا استعمال ابھی تھا نہیں)

فرحت نے یخنی میں بنا ہوا دلیے کا پیالہ لا کر سائیڈ ٹیبل پہ رکھا۔ شوہر کو سہارا دے کر بٹھایا، پیچھے اور سائیڈوں میں تکیے لگائے۔ گلے میں نیپکن لگایا اور پیالے میں چمچہ چلا کر اسے تھوڑا ٹھنڈا کرنے لگیں۔

''ثنا کا بخار کچھ کم ہوا؟'' فرمان صاحب نے سوال کیا۔

''پہلے سے تو فرق ہے، اسے بھی یہ دلیہ دے کر آئی ہوں۔ آج اور میڈیسن کھائے گی تو صبح تک اور کم ہو جائے گا۔''

فرحت بیگم کے چہرے پہ تھکن تھی۔ پچھلے دس گیارہ دنوں سے اسپتال کے چکر اور گھر کی ذمے داریاں، ثنا کو بخار ہو گیا تھا۔ وہ خود بھی تھکن سے چور تھیں۔ روزانہ درد کش دوائی کھا رہی تھیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ خود بھی پڑ جائیں۔ بیمار ہو گئیں تو اصل بیمار کی تیمارداری کون کرے گا۔

''تم بھی بہت تھک گئی ہو۔'' فرمان نے ہمدردی سے شریک حیات کو دیکھا، گیارہ دن اور راتوں سے وہ شوہر کی پٹی سے لگی بیٹھی تھیں۔

''ہاں تھوڑی بہت تھکن تو ہو ہی جاتی ہے۔''

فرحت بیگم نے ایک ایک چمچہ کر کے انہیں دلیہ کھلانا شروع کیا۔ ان کے چہرے پہ بھی چوٹیں آئی تھیں۔ کچھ کچھ ٹھیک ہوئی تھیں مگر منہ پوری طرح کھولنے میں تکلیف ہوتی تھی۔ بہت آرام آرام سے کھا کر، کافی دیر میں ان کا کھانا ختم ہوتا تھا۔

دلیہ کھلانے کے بعد انہوں نے نیپکن سے شوہر کا منہ صاف کیا۔ پانی پلایا۔ تھوڑی تھوڑی دیر کے

TAGPK.COM

وقفے سے ان کی دوائیاں کھلائیں۔ چہرے کی چوٹوں پہ لگانے کی کریم بھی وہ لگائی۔

چار گھنٹے بعد کا الارم لگا کر وہ لیٹیں، فرمان کی ایک میڈیسن چار چار گھنٹے کے وقفے سے تھی۔

صبح جب وہ ناشتہ کرا رہی تھیں۔ ابا جان اور اماں جان اوپر آ گئے، کچھ دیر پہلے نیچے سے دیورانی، ناشتہ بنا کر لے آئی تھیں۔

''میں نے سوچا، ثنا بھی بخار میں پڑی ہے۔ تم بھی تھکی ہوئی ہوگی۔'' انہوں نے بڑی سی ٹرے جٹھانی کو تھمائی۔ انڈے، سلائس، مکھن اور پورج تھرماس میں چائے۔

''بہت شکریہ فوزیہ!'' فرحت بیگم نے ممنون نگاہوں سے انہیں دیکھا۔ جن کی کنجوسی پورے خاندان میں مشہور تھی۔ آج تو واقعی کمال ہو گیا تھا۔

''اپنوں میں کوئی شکریہ نہیں ہوتا بھابھی!'' وہ اپنائیت سے مسکراتے ہوئے فرمان سے حال احوال پوچھنے لگیں۔

ابا جان کو چھوٹی بہو کی کارگزاری کا علم ہوا تو وہ غش کھاتے کھاتے بچے۔ ''یا الٰہی، راتوں رات کیا انقلاب آ گیا؟'' بیگم کو دیکھ کر وہ بڑبڑائے۔

''اے ہٹاؤ، تمہیں تو ہر وقت مخول ہی سوجھتا رہتا ہے۔'' وہ اپنے بیٹے کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

''شکر ہے اللہ کا، کچھ تو بہتری آئی۔'' انہوں نے اطمینان کی سانس لی۔ سامنے کا منظر بھی بڑا خوش کن تھا۔ بہو بیگم ناشتہ کرا کے اب دوائی کھلا رہی تھیں۔

''اللہ دونوں میں بنائے رکھے۔ آمین۔''

موبائل کب سے بج رہا تھا۔ فرحت بیگم نے آن کر کے فرمان صاحب کے کان سے لگایا۔ ان کے لیے دونوں ہاتھ موڑ کر اوپر اٹھانا ابھی بہت دشوار اور تکلیف دہ تھا۔

''ارے فرمان بیٹا! کیسے ہو؟ شکر ہے کہ اسپتال سے چھٹی ہو گئی، مجھے تو جب سے بڑی ہول ہو گئی تھی۔ ذکیہ بے چاری تو سن کر ہی ادھ موئی ہو گئی، بچی کا کھانا پینا بھی چھوٹ گیا۔'' فریدہ پھپھو لائن پر تھیں۔

فرمان ہوں، ہاں کر کے جواب دے رہے تھے۔ فرحت بیگم تو کمرے سے باہر تھیں۔ ابا کی عقابی نظریں انہیں گھور رہی تھیں۔ اماں کے چہرے کے زاویے بھی بگڑ چکے تھے وہ اشارہ سے فون بند کرنے کو کہہ رہی تھیں جہاں اب ذکیہ بیگم ان کے بیٹے سے بات کر رہی تھیں۔

کچھ دیر بات کر کے فرمان نے فون بند کر دیا۔

''توبہ ہے، چڑیلوں نے پیچھا ہی پکڑ لیا۔'' اماں جان کو غصہ آئے جا رہا تھا۔

دن بھر مہمانوں کا تانتا بندھا رہا۔ ثنا کی طبیعت ابھی بھی ٹھیک نہیں تھی۔ جویریہ اوپر آ گئی تھی۔ اپنی امی کے ساتھ مل کر اوپر کا کچن اور دیگر کام کاج سنبھال لیے تھے۔

دور قریب کے رشتے دار، محلے پڑوس کے لوگ، کتنے ہی لوگ عیادت کرنے آئے تھے۔ رات میں شمائلہ پھپھو بھی اپنے شوہر کے ہمراہ آ گئیں۔ دونوں میاں بیوی، باقاعدگی سے اسپتال بھی آتے رہے تھے۔ پھوپھا نے اپنی ناراضی اور خفگی فی الحال تو اٹھا کر طاق پہ رکھ دی تھی۔

☆☆☆

''تمہیں کیا ہو گیا؟ شکل دیکھو، کیسی ہو رہی ہے۔ اتنی کمزور کیوں ہو گئی ہو؟'' محسن نے اسے دیکھتے ہی تابڑ توڑ سوالات جھاڑ دیے۔

''بخار ہو گیا تھا۔ بتایا تو تھا تمہیں فون پہ۔'' ثنا نے مضمحل انداز میں اپنے الجھے الجھے بال لپیٹے، جویریہ نے صبح کنگھا کر کے بال سلجھائے تھے۔ رات ہوتے ہوتے پھر کنگھی چوٹی کا حشر نشر ہو گیا تھا۔

''میں سمجھا، میری جدائی میں یہ حال ہو گیا اور تم اقرار کرنے کے بجائے بخار کا بہانا بنا رہی ہو۔''

''دادا جان کا لسانی سرمایہ، سب سے زیادہ تمہیں ہی منتقل ہوا ہے؟''

''مطلب؟ لسانی سرمایہ؟'' محسن کے سر پر سے گزر گیا۔

TAGPK.COM

''میرا مطلب چھوڑو، تم اپنے مطلب کی بات کرو۔'' ثنا نے مسکراہٹ دباتے ہوئے اسے دیکھا۔

''ویسے جو ہوا اچھا ہوا، شکر ہے میرے والد محترم کا مزاج آسمان سے اتر کر نیچے زمین پر آ گیا۔''

''میرے ابو اتنی تکلیف میں ہیں اور تم کہہ رہے ہو کہ اچھا ہوا۔'' ثنا یکا یک سنجیدہ ہوگئی۔

''کیا خبر، اس تکلیف میں ہی سب کے لیے راحت چھپی ہو۔ ہر مشکل کے ساتھ ایک آسانی ہوتی ہے۔'' محسن نے اپنی بات کی وضاحت کی۔ اتنے میں جویریہ ٹیرس پر آ گئی۔

''محسن بھائی! چائے پی لیں۔'' اس نے ٹرے محسن کی طرف بڑھائی۔

''صرف چائے؟ میں صبح سے بھوکا پھر رہا ہوں لڑکی، مجھے پہلے کچھ کھانے کو دو۔''

''چپس اور نمکو رکھے ہیں اور فروٹ ہے۔'' جویریہ نے سوچ کر جواب دیا۔

''کھانا نہیں پکایا؟''

''کھانا تو ابھی پک رہا ہے۔'' جویریہ بی بی کچھ اور پریشان ہوگئیں۔ اسے گھر داری اور مہمان داری کا کچھ زیادہ ہنر نہیں تھا۔ جیسے جیسے امی، دادی یا ثنا کہتی جاتی، وہ کام کر لیتی تھی۔

''جا لڑکی! کسی کام کی نہیں ہے تو، کیا کرے گی پرائے گھر جا کر؟''

''وہ گھر پرایا نہیں اپنا ہوتا ہے۔'' ثنا نے محسن کی تصحیح کی پھر جویریہ کو مخاطب کیا۔

''فریزر میں بریانی کا ایک پیکٹ رکھا ہے۔ مائیکرو ویو میں گرم کر کے لا دو۔''

''شاباش، بھوکے کو کھانا کھلانا بڑے ثواب کا کام ہے اللہ تجھے اس نیکی کے بدلے چاند جیسا دولہا عطا فرمائے۔'' محسن کا چہرہ کھل اٹھا۔

''دولہا کا انسان ہونا کافی ہے، چاند ہونا ضروری نہیں۔''

''ویری گڈ، قناعت پسندی بھی اچھی چیز ہے خاتون۔'' محسن نے چائے کا مگ اٹھایا۔

''کھانا کھاؤ گے پہلے یا چائے پیو گے؟'' ثنا نے اعتراض کیا۔

''تم دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہو اگر زبان کا استعمال کم سے کم کرو تو۔'' محسن نے چائے کا گھونٹ بھرا۔

''پھر تو دنیا کی کوئی لڑکی حسین نہیں ہو سکتی۔'' ثنا نے نفی میں سر ہلایا۔

''بولنے کے معاملے میں تو تمہاری طبیعت بالکل ٹھیک ہے۔'' محسن نے ایسے اسے گھورا تھا کہ اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔

☆☆☆

دھیرے دھیرے گزرتے دنوں میں فرمان صاحب کی حالت بہتر ہوتی جا رہی تھی، چھوٹی موٹی چوٹیں، زخم بھر رہے تھے مگر چلنے میں بہر حال دشواری تھی۔ فرحت بیگم ان کا سایہ ہی نہیں دست و بازو بھی بنی ہوئی تھیں۔

تکیے کے سہارے بیٹھے بیٹھے وہ سیب کھا رہے تھے۔ ہاتھ موڑ کر منہ تک لے جانا بڑا سخت مرحلہ تھا۔ مگر اس تکلیف کو برداشت کرنا ضروری تھا۔ سیب دانتوں تلے کچلنے میں جبڑا بھی دکھ رہا تھا مگر اپنی تکالیف پر دھیان دینے کے بجائے وہ کچھ اور سوچ رہے تھے۔

یہ کیا بات ہے کہ کبھی کوئی فرد انتہائی ناپسندیدہ، برائیوں اور خامیوں سے بھرا لگتا ہے اور کبھی اسی فرد کی ساری خامیاں، سارے عیب کہیں چھپ جاتے ہیں۔

گزرے بیس برسوں میں انہیں کبھی علم نہیں ہوا یا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ان سے لڑتی جھگڑتی اس عورت کے اندر ایک دوسری عورت بھی چھپی بیٹھی ہے جو ان کے برے وقت میں سامنے آئی تھی، ایک مخلص اور ایثار پسند عورت، ہمدرد اور خیال رکھنے والی عورت۔

انہوں نے سر گھما کر سامنے کاؤچ پہ دراز اپنی شریک حیات کو دیکھا۔ پچھلے تیس دنوں سے وہ تھکن

TAGPK.COM

اور بے خوابی کا شکار تھیں، جب سے وہ گھر آئے تھے، ہر چار گھنٹے بعد، انہیں میڈیسن دیتیں۔

رات میں تین بار اٹھنا، آسان نہیں تھا۔ وہ سوتی ہی نہیں تھیں، جاگتی رہتیں۔ اب انہوں نے بہت اصرار کر کے زبردستی انہیں سونے پہ آمادہ کیا تھا۔

''تم بیمار ہو جاؤ گی تو میری تیمار داری کون کرے گا؟''

جو آگاہی انہیں بیس برسوں میں حاصل نہیں ہوئی، وہ بیس تیس دنوں میں مل گئی تھی۔ اس ایک ماہ میں انہیں اپنی بیوی کا وہ رخ نظر آیا جس سے وہ ہمیشہ انجان رہے۔ یہ لاعلمی دانستہ تھی یا نادانستہ؟ وہ سیب کھاتے ہوئے سوچ رہے تھے اور بہت سی باتیں تھیں جن پر وہ اس فرصت میں غور کر رہے تھے۔

''ہمارے معاشرتی رواج کے مطابق ایک اچھی بیوی میں سب سے پہلی اور اہم خوبی اس کا بے زبان ہونا ہے۔ اپنے حق کے لیے بھی منہ کھولنا یا اپنی مرضی چلانا یا صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہنا عموماً ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس پر ناگواری کا اظہار کیا جاتا ہے۔''

اچھی بیوی وہی ہے جو شوہر کی لاتعلقی اور بیزاری کو ہنس کر جھیل لے۔ شوہر کی توجہ کم ہو، تو اسے بھی غنیمت سمجھے، شریک سفر اپنی محبت اور دھیان کے پرندے کہیں اور اڑائے یا اڑانے کی خواہش ظاہر کرے تو اسے نظر انداز کر دے۔

مگر ہر عورت اتنی صابر اور تحمل والی نہیں ہوتی۔

کچھ عورتیں خاموشی مناسب نہیں سمجھتیں۔ وہ اپنی حق کے لیے اصرار کرتی ہیں۔ دوسری عورت کا نام شوہر کی زبان پہ ہو تو احتجاج کرتی ہیں۔

شوہر کی زندگی میں کوئی اور ہو تو لڑنے جھگڑنے پر بھی اتر آتی ہیں۔

بہت زیادہ نہ سہی، کم تعداد میں ہی سہی، مگر ایسی عورتیں ہیں اور فرحت بیگم ان ہی میں سے ایک تھیں۔ وہ اپنے جذبوں میں سچی تھیں، واضح تھیں، شریک حیات سے بھی یہی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ مگر جب جب امیدیں پوری نہ ہوتیں، شوہر کی زبان پر ذکیہ کا نام مذاق میں بھی آ جاتا، وہ بگڑ اٹھتیں۔

شوہر کے ساتھ دھوپ چھاؤں سے تعلقات نبھاتے نبھاتے اتنا عرصہ گزر گیا۔

''کیا بات ہے، سیب ابھی تک کھایا نہیں؟ تکلیف زیادہ ہو رہی ہے تو میں کھلا دوں؟'' اپنے خیالات میں گم، بیوی کی آواز پہ وہ چونک اٹھے۔

آنکھیں ملتی ہوئی وہ سامنے کھڑی تھیں۔

''کھلا دو۔'' فرمان نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

فرحت وہیں بیٹھ گئیں۔

''ایک بات پوچھوں؟'' فرمان نے جھجک کر سوال کیا۔

''کیا بات ہے؟''

''تم ہر بات پہ مجھ سے لڑتی رہیں اور جو اصل معاملہ تھا جھگڑنے کا، اس پر تم نے خاموشی اختیار کر لی؟''

''جب تم نے ایک بہت بڑا فیصلہ کر لیا تو میری توقعات ختم ہو گئیں۔ اس لیے میں نے کچھ نہیں کہا، نہ شکوہ، نہ شکایت۔'' فرحت کا لہجہ بے تاثر تھا۔ فرمان نے غور سے بیوی کا چہرہ دیکھا۔

''یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔''

''کیا کرنا ہے سمجھ کے؟'' فرحت نے سیب کی قاش ان کے منہ میں رکھی۔

''جب مجھ سے کوئی توقع نہیں، شکایت نہیں تو میرے پیچھے خود کو ہلکان کیوں کر رہی ہو؟'' فرمان کا سوال بے ساختہ تھا۔

''ہمارے درمیان کچھ ہو نہ ہو، رشتہ تو ہے۔''

فرحت خالی پلیٹ ہاتھ میں لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''رشتہ؟'' فرمان ہکا بکا رہ گئے، گردن موڑ کر انہوں نے اس عجیب عورت کو دیکھا جو اب کاؤچ پہ لیٹ رہی تھیں۔

''رشتہ؟ وہ رشتہ جو فقط کچھ لفظوں سے قائم ہوتا

TAGPK.COM

اور بے خوابی کا شکار تھیں، جب سے وہ گھر آئے تھے، ہر چار گھنٹے بعد، انہیں میڈیسن دیتیں۔

رات میں تین بار اٹھنا، آسان نہیں تھا۔ وہ سوتی ہی نہیں تھیں، جاگتی رہتیں۔ اب انہوں نے بہت اصرار کر کے زبردستی انہیں سونے پہ آمادہ کیا تھا۔

''تم بیمار ہو جاؤ گی تو میری تیمار داری کون کرے گا؟''

جو آگاہی انہیں بیس برسوں میں حاصل نہیں ہوئی، وہ بیس تیس دنوں میں مل گئی تھی۔ اس ایک ماہ میں انہیں اپنی بیوی کا وہ رخ نظر آیا جس سے وہ ہمیشہ انجان رہے۔ یہ لاعلمی دانستہ تھی یا نادانستہ؟ وہ سیب کھاتے ہوئے سوچ رہے تھے اور بہت سی باتیں تھیں جن پر وہ اس فرصت میں غور کر رہے تھے۔

''ہمارے معاشرتی رواج کے مطابق ایک اچھی بیوی میں سب سے پہلی اور اہم خوبی اس کا بے زبان ہونا ہے۔ اپنے حق کے لیے بھی منہ کھولنا یا اپنی مرضی چلانا یا صحیح کو صحیح اور غلط کو غلط کہنا عموماً ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس پر ناگواری کا اظہار کیا جاتا ہے۔''

اچھی بیوی وہی ہے جو شوہر کی لاتعلقی اور بیزاری کو ہنس کر جھیل لے۔ شوہر کی توجہ کم ہو، تو اسے بھی غنیمت سمجھے، شریک سفر اپنی محبت اور دھیان کے پرندے کہیں اور اڑائے یا اڑانے کی خواہش ظاہر کرے تو اسے نظر انداز کر دے۔

مگر ہر عورت اتنی صابر اور تحمل والی نہیں ہوتی۔

کچھ عورتیں خاموشی مناسب نہیں سمجھتیں۔ وہ اپنی حق کے لیے اصرار کرتی ہیں۔ دوسری عورت کا نام شوہر کی زبان پہ ہو تو احتجاج کرتی ہیں۔

شوہر کی زندگی میں کوئی اور ہو تو لڑنے جھگڑنے پر بھی اتر آتی ہیں۔

بہت زیادہ نہ سہی، کم تعداد میں ہی سہی، مگر ایسی عورتیں ہیں اور فرحت بیگم ان ہی میں سے ایک تھیں۔ وہ اپنے جذبوں میں سچی تھیں، واضح تھیں، شریک حیات سے بھی یہی توقعات وابستہ کر رکھی تھیں۔ مگر جب جب امیدیں پوری نہ ہوتیں، شوہر کی زبان پر ذکیہ کا نام مذاق میں بھی آ جاتا، وہ بگڑ اٹھتیں۔

شوہر کے ساتھ دھوپ چھاؤں سے تعلقات نبھاتے نبھاتے اتنا عرصہ گزر گیا۔

''کیا بات ہے، سیب ابھی تک کھایا نہیں؟ تکلیف زیادہ ہو رہی ہے تو میں کھلا دوں؟'' اپنے خیالات میں گم، بیوی کی آواز پہ وہ چونک اٹھے۔

آنکھیں ملتی ہوئی وہ سامنے کھڑی تھیں۔

''کھلا دو۔'' فرمان نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

فرحت وہیں بیٹھ گئیں۔

''ایک بات پوچھوں؟'' فرمان نے جھجک کر سوال کیا۔

''کیا بات ہے؟''

''تم ہر بات پہ مجھ سے لڑتی رہیں اور جو اصل معاملہ تھا جھگڑنے کا، اس پر تم نے خاموشی اختیار کر لی؟''

''جب تم نے ایک بہت بڑا فیصلہ کر لیا تو میری توقعات ختم ہو گئیں۔ اس لیے میں نے کچھ نہیں کہا، نہ شکوہ، نہ شکایت۔'' فرحت کا لہجہ بے تاثر تھا۔ فرمان نے غور سے بیوی کا چہرہ دیکھا۔

''یہ بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔''

''کیا کرنا ہے سمجھ کے؟'' فرحت نے سیب کی قاش ان کے منہ میں رکھی۔

''جب مجھ سے کوئی توقع نہیں، شکایت نہیں تو میرے پیچھے خود کو ہلکان کیوں کر رہی ہو؟'' فرمان کا سوال بے ساختہ تھا۔

''ہمارے درمیان کچھ ہو نہ ہو، رشتہ تو ہے۔''

فرحت خالی پلیٹ ہاتھ میں لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''رشتہ؟'' فرمان ہکا بکا رہ گئے، گردن موڑ کر انہوں نے اس عجیب عورت کو دیکھا جو اب کاؤچ پہ لیٹ رہی تھیں۔

''رشتہ؟ وہ رشتہ جو فقط کچھ لفظوں سے قائم ہوتا

TAGPK.COM

ہے اور کچھ ہی لفظوں سے ختم بھی ہو جاتا ہے۔" اس رشتے کو نبھانے کے لیے افلاطونی محبت ہو نہ ہو، احساس ہونا ضروری ہے، وفا ضروری ہے، قدر دانی ضروری ہے۔ مروت ضروری ہے۔

فرمان سوچنے بیٹھے تو آج زندگی کے نئے زاویے، رشتوں کے نئے معانی و مطالب ان پہ واضح ہو رہے تھے۔

☆☆☆

کھڑکی کے پردے سمیٹ کر کرسی ٹھیک کی اور سہارا دے کر شوہر کو بیڈ سے نیچے اترنے میں مدد کی۔

"میں خود چلنے کی کوشش کرتا ہوں۔" فرمان نے واکنگ اسٹک اور بیوی کی مدد کے بغیر چلنے کی کوشش کی۔ ذرا سا لڑکھڑائے مگر پھر کھڑکی کے قریب رکھی کرسی تک پہنچنے اور اس پر بیٹھنے میں کامیاب ہو گئے۔"

کچھ دیر تک نیلے آسمان کی اور نظر کیے رہے، نیلگوں فضاؤں میں تیرتے پرندے۔ انہیں ایک خوش گوار احساس ہوا۔

کچھ دیر بعد انہوں نے اپنے موبائل سے ایک کال کی، کال فوراً ہی ریسیو ہو گئی اور پھر شکوؤں، شکایات کے انبار۔

"فون کالز سنتے نہیں ہیں، کرتے نہیں ہیں۔ ہم تو جیسے اندھیرے میں کھڑے ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کریں۔" ذکیہ بیگم پھٹ پڑیں۔ "آپ کی حالت کچھ بہتر ہوئی یا نہیں؟"

"بات یہ ہے کہ ہم خود اس وقت بہت بڑی مصیبت میں ہیں۔" فرمان نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بات شروع کی۔

"ہماری ایک ٹانگ ایکسیڈنٹ سے بہت بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ ہم وہیل چیئر پہ آ گئے ہیں۔ ٹھیک ہونے میں جانے کتنا عرصہ لگے اور ....."

دوسری بات یہ کہ ہمارے علاج کے لیے لاکھوں روپے چاہیے تھے۔ فلیٹ بیچنا پڑا۔" انہوں نے دانستہ جھوٹ بولا۔

"کیا؟" ذکیہ بیگم حواس باختہ سی ہو گئیں۔

"اب کیا ہوگا؟"

"یہ تو آپ بتائیں، کیا آپ مجھے سنبھال سکتی ہیں؟ میرا ساتھ دے سکتی ہیں؟"

"ہم سے یہ سب کیسے ہوگا۔ ہم تو خود آپ کے سہارے کے طلب گار تھے۔ آپ کے لیے کیا کر سکتے ہیں ہم؟" ذکیہ بیگم بلبلا گئیں۔

"تو پھر آپ ایک کام کریں۔ پھر پھپھو بتا رہی تھیں کہ آپ کے لیے کوئی رشتہ ہے۔ آپ اس کے لیے "ہاں" کر دیں۔"

"مگر....."

"زندگی بہت بے رحم ہے ذکیہ بیگم! جو میسر ہے اسے غنیمت سمجھیے۔"

"کیا آپ واقعی چل پھر نہیں سکتے؟"

"بیوی کی مدد کے بغیر؟ بالکل نہیں۔" فرمان کے جواب میں کچھ دیر خاموشی رہی۔

"ہم امی جان سے مشورہ کر کے جواب دے دیں گے۔"

فرمان نے موبائل رکھ دیا۔ وہ جانتے تھے کہ اب ذکیہ بیگم ان کو کال نہیں کریں گی، یہ ان کی آخری گفتگو تھی۔

☆☆☆

ہینڈ فری ہمیشہ کی طرح غائب تھا۔ دادا جان نے پوری تپائی چھان ماری، ساری چیزیں الٹ پلٹ کر کے، انہوں نے پوتے کی شان میں با آواز بلند چند الفاظ کہے اور موبائل آن کر لیا۔

"تصویر تیری دل میں، جس دن سے اتاری ہے۔"

"نانو! بڑے میاں پہ ذرا نظر رکھیں۔ اس عمر میں اتنے شدید رومینٹک گانے؟ توبہ توبہ۔" محسن نانی کے کان میں جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ نانا تک بخوبی پہنچ رہا تھا۔

"او بدمعاش باپ کے بدمعاش بیٹے، تو مجھ

TAGPK.COM

ہے اور کچھ ہی لفظوں سے ختم بھی ہو جاتا ہے۔" اس رشتے کو نبھانے کے لیے افلاطونی محبت ہو نہ ہو، احساس ہونا ضروری ہے، وفا ضروری ہے، قدر دانی ضروری ہے۔ مروت ضروری ہے۔

فرمان سوچنے بیٹھے تو آج زندگی کے نئے زاویے، رشتوں کے نئے معانی و مطالب ان پہ واضح ہو رہے تھے۔

☆☆☆

کھڑکی کے پردے سمیٹ کر کرسی ٹھیک کی اور سہارا دے کر شوہر کو بیڈ سے نیچے اترنے میں مدد کی۔

"میں خود چلنے کی کوشش کرتا ہوں۔" فرمان نے واکنگ اسٹک اور بیوی کی مدد کے بغیر چلنے کی کوشش کی۔ ذرا سا لڑکھڑائے مگر پھر کھڑکی کے قریب رکھی کرسی تک پہنچنے اور اس پر بیٹھنے میں کامیاب ہو گئے۔"

کچھ دیر تک نیلے آسمان کی اور نظر کیے رہے، نیلگوں فضاؤں میں تیرتے پرندے۔ انہیں ایک خوش گوار احساس ہوا۔

کچھ دیر بعد انہوں نے اپنے موبائل سے ایک کال کی، کال فوراً ہی ریسیو ہو گئی اور پھر شکوؤں، شکایات کے انبار۔

"فون کالز سنتے نہیں ہیں، کرتے نہیں ہیں۔ ہم تو جیسے اندھیرے میں کھڑے ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کریں۔" ذکیہ بیگم پھٹ پڑیں۔ "آپ کی حالت کچھ بہتر ہوئی یا نہیں؟"

"بات یہ ہے کہ ہم خود اس وقت بہت بڑی مصیبت میں ہیں۔" فرمان نے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بات شروع کی۔

"ہماری ایک ٹانگ ایکسیڈنٹ سے بہت بری طرح متاثر ہوئی ہے۔ ہم وہیل چیئر پہ آ گئے ہیں۔ ٹھیک ہونے میں جانے کتنا عرصہ لگے اور ....."

دوسری بات یہ کہ ہمارے علاج کے لیے لاکھوں روپے چاہیے تھے۔ فلیٹ بیچنا پڑا۔" انہوں نے دانستہ جھوٹ بولا۔

"کیا؟" ذکیہ بیگم حواس باختہ سی ہو گئیں۔

"اب کیا ہوگا؟"

"یہ تو آپ بتائیں، کیا آپ مجھے سنبھال سکتی ہیں؟ میرا ساتھ دے سکتی ہیں؟"

"ہم سے یہ سب کیسے ہوگا۔ ہم تو خود آپ کے سہارے کے طلب گار تھے۔ آپ کے لیے کیا کر سکتے ہیں ہم؟" ذکیہ بیگم بلبلا گئیں۔

"تو پھر آپ ایک کام کریں۔ پھر پھپھو بتا رہی تھیں کہ آپ کے لیے کوئی رشتہ ہے۔ آپ اس کے لیے "ہاں" کر دیں۔"

"مگر....."

"زندگی بہت بے رحم ہے ذکیہ بیگم! جو میسر ہے اسے غنیمت سمجھیے۔"

"کیا آپ واقعی چل پھر نہیں سکتے؟"

"بیوی کی مدد کے بغیر؟ بالکل نہیں۔" فرمان کے جواب میں کچھ دیر خاموشی رہی۔

"ہم امی جان سے مشورہ کر کے جواب دے دیں گے۔"

فرمان نے موبائل رکھ دیا۔ وہ جانتے تھے کہ اب ذکیہ بیگم ان کو کال نہیں کریں گی، یہ ان کی آخری گفتگو تھی۔

☆☆☆

ہینڈ فری ہمیشہ کی طرح غائب تھا۔ دادا جان نے پوری تپائی چھان ماری، ساری چیزیں الٹ پلٹ کر کے، انہوں نے پوتے کی شان میں با آواز بلند چند الفاظ کہے اور موبائل آن کر لیا۔

"تصویر تیری دل میں، جس دن سے اتاری ہے۔"

"نانو! بڑے میاں پہ ذرا نظر رکھیں۔ اس عمر میں اتنے شدید رومینٹک گانے؟ توبہ توبہ۔" محسن نانی کے کان میں جو کچھ کہہ رہا تھا، وہ نانا تک بخوبی پہنچ رہا تھا۔

"او بدمعاش باپ کے بدمعاش بیٹے، تو مجھ

TAGPK.COM

سے ہزار روپے لے کر گیا بلیو ٹوتھ ٹھیک کروانے کے لیے، ٹھیک کروایا؟'' نانا نے اس کی خبر لی۔

''آپ کی بیگم صاحبہ نے منع کر دیا تھا۔''

''کیوں؟'' انہوں نے بیگم اور نواسے دونوں کو ایک ساتھ گھورا۔

''نانی نے کہا کہ بیٹے تمہارے عہدے اور رتبے میں اضافہ ہونے والا ہے۔ اب تم نواسے سے پوت داماد بننے والے ہو تو اس رقم کی پارٹی کر لینا جو کہ میں نے کر لی۔''

''آنے دے تیرے باپ کو، اس سے نکلواؤں گا اپنی رقم۔''

نانا کی دھمکی پہ نواسے نے سہم کر نانی جان کو دیکھا۔

''بچے کو کیوں ڈرا رہے ہو باپ کا نام لے کر، محبت سے بات کرو۔ ارے کیا ہزار روپے بچوں کی خوشی سے بڑھ کر ہیں اور بلیو ٹوتھ ٹھیک کروا کے کیا کرو گے؟ چاروں طرف کورونا پھیلا ہے، اللہ اللہ کرنے کی عمر ہے تمہاری یا ان سب خرافات کی۔''

نانی کو جلال آ گیا تھا، نانا چکھے ہو رہے اور محسن سوچ رہا تھا کہ اگر نانی کی پوتی نے بھی کبھی یہی رنگ، یہی انداز دکھایا تو؟

☆☆☆

تین ماہ ایسے گزرے کہ ایک ایک دن ان کے لیے غور و فکر کا، سوچ اور محاسبے کا دن تھا۔

زندگی کو سمجھنے میں زندگی گزر جاتی ہے۔ مگر انسانوں کی سمجھ وقت گزرنے سے پہلے آ جائے تو غنیمت ہے، فرمان صاحب کو اپنی بیوی کی سمجھ اب آئی تھی۔ اگرچہ بہت وقت گزر بھی چکا تھا مگر پھر بھی جو وقت باقی تھا وہ تو اچھے اور خوش گوار طریقے سے گزارا جا سکتا تھا۔

فرمان نے اپنی بیوی کی طرف دیکھا، وہ ان کی شرٹ پریس کر کے ہینگ کر رہی تھیں۔ آج ڈاکٹر کے پاس ان کا وزٹ تھا۔

''میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔''

فرمان نے دفعتاً انہیں پکارا۔

''کیا بات ہے۔'' کمرے سے جاتے جاتے وہ ٹھہر گئیں۔

''سمجھ میں نہیں آ رہا، کیا کہوں؟ کیسے کہوں؟ مگر.....''

''بات یہ ہے کہ میں..... گزری ہوئی بہت سی باتوں پہ اور اپنے رویے پہ شرمندہ ہوں۔'' فرمان نے اک دم ہی کہہ دیا اور فرحت بھونچکا سی کھڑی انہیں دیکھ رہی تھیں۔

''مجھے ہمیشہ یہ لگتا تھا کہ تمہارے نزدیک میری کوئی قدر، کوئی وقعت نہیں، تم بس لڑ جھگڑ کر، مجبوری میں اس رشتے کو نبھا رہی ہو مگر، میں غلط تھا، تمہارا لڑنا دراصل تمہارے اپنے حقوق کے لیے تھا نہ کہ میری ذات کی نفی کے لیے۔''

فرحت یک ٹک انہیں دیکھ رہی تھیں۔ انہیں اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا اور یقین تو انہیں اس وقت بھی نہیں آیا تھا جب ایک تجربہ کار، جہاں دیدہ، بوڑھے شخص نے ان سے کہا تھا۔

''بہو! میرا بیٹا اس وقت مصیبت میں ہے، تم چاہو تو مہربانی اور الفت سے اپنے شوہر کو جیت سکتی ہو اور یہ موقع گنوا بھی سکتی ہو۔''

فرحت بیگم کو یقین تو نہیں تھا پھر بھی انہوں نے ایک تجربہ کار شخص کا مشورہ یا نصیحت آزمانے کا فیصلہ کیا اور اپنے اس روپ کو باہر لے آئیں جو برسوں سے ان کے اندر تھا۔

''تم..... تمہیں یقین تو ہے نا میرا اور اعتبار؟''

فرمان اپنی بیوی کی مسلسل خاموشی پہ گھبرا سے گئے۔

''ہاں۔'' فرحت نے اثبات میں سر ہلایا اور مسکرا دیں۔

شاید ان دونوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی تھی کہ جو سکون، اطمینان اور خوشی ہم دوسرے انسانوں میں تلاش کرتے ہیں وہ ہمارے اپنے رویوں اور اپنے اندر چھپا ہوتا ہے۔

TAGPK.COM

حنا بشریٰ

من میلا

''چوری کرنے والا ایک مرد اور ایک عورت۔''

تسبیح کے دانے گراتی وہ عورت آنکھیں بند کیے بولی..... تو مخاطب نے گھبراہٹ کے عالم میں پیشانی سے پسینہ پونچھا۔

''مرد کا قد لمبا..... رنگت گندمی اور ناک پھینی سی۔'' تسبیح کا دانہ طوفانی تیزی سے گرایا جا رہا تھا۔

''عورت کا قد چھوٹا۔ رنگ گورا اور آنکھیں چھوٹی۔ چہرے پر لومڑی جیسی مکاری۔'' اس عورت کی آنکھیں ابھی بھی بند تھیں۔ مگر لب تیزی سے حرکت کر رہے تھے کہ جیسے وہ کوئی جلالی ورد کر رہی ہو۔ جس کے زور پر وہ یہ سب باتیں بتا رہی تھی۔

کالے رنگ کی سیاہ چادر اوڑھے، ہاتھ میں تسبیح لیے جلالی انداز میں ورد کرتی یہ ''باجی اللہ والی'' کے نام سے پورے محلے میں مشہور ۔ پورے محلے کی عورتیں اپنی مشکل، پریشانی، جیسے استخارہ کروانا، مال مسروقہ کا پتا لگانا۔ اور اس کے ساتھ چور کون ہے اس قسم کی باتیں پوچھنے کے لیے ''باجی اللہ والی'' کے پاس آتی تھیں۔ اور ''باجی'' اپنے علم کے زور پر یہ سب حقائق سامنے رکھا کرتی تھیں۔ محلے کی ساری عورتیں ''باجی'' سے بے پناہ عقیدہ رکھتی تھیں۔ باجی اللہ والی کے پاس شگفتہ کا پہلی دفعہ آنا ہوا تھا۔

''اپنے ہیں یا پرائے.....؟'' کافی دیر کی خاموشی کے بعد یہ پہلا سوال نہایت بیزاری کے عالم میں پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے کیا تھا۔ ابھی تک شگفتہ پوری خاموشی کے ساتھ ''باجی اللہ والی'' کو سن رہی تھی، درمیان میں بولنے یا سوال پوچھنے کی اجازت نہیں تھی۔ اب اجازت ملی تو شگفتہ نے جھٹ سے استفسار کیا۔

''اپنے ہیں بی بی اپنے.....!'' ''باجی'' کی آنکھیں ابھی بھی بند تھیں۔ تسبیح بھی تیزی سے پھیری جا رہی تھی۔

''یہ اپنے ہی آستین کے سانپ ہوتے ہیں۔'' باجی اللہ والی گویا جلال میں آئی تھیں۔

''ہائے میرے اللہ!'' شگفتہ کا دل یہ سن کر دھک سے رہ گیا تھا۔ جبکہ غصے کے مارے آنکھیں سرخ ہوئیں اور ساتھ ہی آنسوؤں سے بھی بھر گئیں۔

''واپس ملیں گے یا نہیں۔''

''نہیں۔'' یہ آخری سوال پوچھنے کے بعد شگفتہ نے پانچ سو کا کڑکتا نوٹ باجی اللہ والی کے گھٹنے کے نیچے رکھا..... ادب سے سلام کہا..... اپنے لیے دعا دشمنوں اور آستین کے سانپوں کے لیے بددعا کی درخواست کی۔ اور پورے راستے گھر آنے تک کوئی لاکھ یا پھر کروڑ بددعائیں ان چوروں کو دے ڈالیں۔ جس کی طرف باجی اللہ والی نے اشارہ نے کر دیا تھا۔

☆☆☆

''خدا غارت کرے!'' اپنی چادر سے عرق آلود چہرہ اور ''سوں سوں'' کرتی سرخ ناک رگڑنے کے بعد شگفتہ نے تقریباً نوچ کر اتاری۔ اور نہایت غصے کے ساتھ — کر بیڈ پر دے ماری۔ الماری سے اپنا دوپٹا نکالا اور درد سے پھٹتے سر کو کس کر اس سے باندھا اور پھر پھوٹ پھوٹ کے رونے کا سلسلہ شروع ہو

TAGPK.COM

گیا۔

''کیڑے پڑیں گے ان کی قبروں میں۔'' سر پر بندھے دوپٹے کے پلو سے کبھی آنکھیں کبھی ناک رگڑتی شگفتہ اب آستین کے سانپوں کو دل کھول کر بددعائیں دے رہی تھیں۔

اس بین کی وجہ، شگفتہ کے ستر ہزار اس کے کپڑوں کی الماری سے چوری ہوگئے تھے۔ جس کا انکشاف شگفتہ پہ صبح سویرے آنکھ کھلتے ہی الماری کھلی دیکھ کر ہوا تھا۔ شگفتہ نے یہ رقم ایک درمیانے سائز کے منی باکس میں جمع کر کے رکھتی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ اس رقم سے نیا فریج لے گی۔ بغیر تالے کے یہ باکس اس کی الماری کے سب سے آخری حصے میں رکھا تھا۔ جس کا علم شگفتہ اور اس کے شوہر نوید کے سوا کسی کو نہ تھا۔ یہاں تک کہ ان کے بچوں کو بھی علم نہ تھا۔

اس ''چوری'' اور ''چور'' کے بارے میں معلومات لینے وہ ''باجی اللہ والی'' کے پاس گئی تھی اور یہ سن کر اب مال مسروقہ واپس نہیں ملنا۔ شگفتہ نے رو رو کر اپنا حشر کرلیا تھا اور اب دل میں مصمم ارادہ ان چوروں کا حشر نشر کرنے کا بھی تھا۔

☆☆☆

اس دومنزلہ مکان میں دو فیملیاں رہتی تھیں۔ نچلے پورشن میں شگفتہ اس کا شوہر نوید اور دو بچے جبکہ اوپر والے پورشن میں شگفتہ کی دیورانی دیبا، اس کا شوہر سلمان اور تین بچے تھے۔ یہ گھر نوید نے اپنی ذاتی کمائی سے بنایا تھا۔ چھوٹے بھائی کا کاروبار کچھ ٹھیک نہیں جارہا تھا۔ اس لیے اسے بھی اوپر والے پورشن میں رکھ لیا تھا۔ جو شگفتہ کو بہت ناگوار لگا تھا کسی حد تک تو اس نے احتجاج بھی کیا تھا۔ شگفتہ کا پروگرام تھا کہ اوپر والے پورشن کو کرائے پر چڑھا دیا جائے تاکہ ہر مہینے اچھی رقم ہاتھ آجایا کرے۔ مگر دیور دیورانی نے ایک ہفتے کے اندر اوپر والے پورشن میں شفٹ ہو کر شگفتہ کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا تھا۔

''لو وہ بھی جیسے تیار ہی بیٹھے تھے۔'' دیور

دیورانی کو سامان سمیت دیکھ کر شگفتہ بڑبڑائی تھی۔

''لو بھلا بتاؤ۔ یہاں حکم ملا، وہاں نازل بھی ہوگئے۔'' شگفتہ کو ان کی آمد ایک آنکھ نہ بھائی تھی۔ وہ تو بس شوہر کے سامنے اپنی لمبی زبان کو بمشکل روک لیا کرتی تھی۔ مگر جب موقع بلکہ ''سنہری موقع'' ملتا تو وہ دیور دیورانی کو باتیں سنانے سے نہ چوکتی۔

''ویسے کرائے کے مکان کا کتنا کرایہ دیتے تھے؟'' وہ لوگ یہاں آنے سے پہلے کرائے کے مکان میں رہتے تھے۔

''سات ہزار!'' یہ سوال دیور سے پوچھا گیا تھا۔

''اب تو یہ سات بچ جاتے ہوں گے۔ اب اس کا کیا کرتے ہو؟''

''اب دوسرا سوال بہت ''خاص نوعیت'' کا تھا جو دیورانی سے پوچھا گیا تھا۔

''بھابھی! وہ تو بچوں کی فیسوں میں چلے جاتے

TAGPK.COM

ہیں۔'' انہوں نے اپنے بچوں کو اسکول میں داخل کروایا تھا۔ کرایہ بچ جانے سے فیس کی سہولت ہوگئی تھی۔

بھائی کا یہی درد محسوس کرتے ہوئے بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو اپنے گھر میں جگہ دی تھی کہ بے کار میں کرائے میں پیسے ضائع ہوتے تھے۔ نہ جانے یہ ساری گفت وشنید جوان تینوں کے درمیان ہوئی تھی وہ نوید تک کیسے پہنچ گئی۔ جو اس نے فوراً بیوی کو لائن حاضر کرلیا۔

''کیا ضرورت ہے تمہیں اس قسم کے فضول سوالات دیبا اور سلمان سے کرنے کی۔'' نوید نے بیوی کی اچھی خاصی کلاس لے ڈالی کہ آئندہ اپنی زبان قابو میں رکھنے لگی۔ مگر شگفتہ کے دل میں دیور اور دیورانی کے لیے نفرت اور زہر بیٹھ گیا اور کب ''من میلا'' ہوا پتا ہی نہ چلا.....

☆☆☆

''اللہ کرے ہاتھ ٹوٹیں ان چوروں کے۔'' دونوں ہاتھ بے قراری سے آسمان کی طرف بار بار اٹھا کر بددعا کرتی شگفتہ کے دل کو صبر نہیں آرہا تھا۔ اس نے نیا فریج لینے کے لیے پائی پائی جمع کی تھی۔ پرانا فریج بالکل خراب ہوگیا تھا۔ اب جمع شدہ رقم چوری ہوگئی تھی اور باجی اللہ والی کے مطابق چوری گھر والوں میں سے ہی کسی نے کی تھی یعنی گھر کے بھیدی نے لنکا ڈھادی۔ تو اب شگفتہ بیگم کے دل بے قرار کو کہاں قرار ملنا تھا۔ زبان سے نان اسٹاپ بددعائیں جاری تھیں۔

''اللہ کرے ٹانگیں ٹوٹیں اس منحوس مارے چور کی۔'' شگفتہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اپنی آہوں سے عرش ہلا دے۔

''ارے میں تو کہتی ہوں تجھے نصیب نہ ہو چوری کا مال۔'' دونوں ہتھیلیوں کو اضطراب سے رگڑتے ہوئے ایک اور بددعا بارگاہ الٰہی میں مظلوم بنی شگفتہ نے پیش کی۔

شگفتہ کے مطابق موت بھی بڑی دردناک قسم کی ہو۔ ایسی بری موت کہ ہر شخص ''توبہ توبہ'' کررہا ہو اور ساتھ میں یہ بھی کہہ رہا ہو کہ کیسی بری موت آئی ہے ضرور کسی مظلوم کی آہ لگی تھی۔

''ہائے اللہ جی، کیا کروں میں؟'' شگفتہ کے دل کو ایک پل کے لیے بھی صبر نہیں آرہا تھا نہ کھانے پینے کا ہوش۔ رو رو کر آنکھیں سجالی تھیں۔ ناک رگڑ رگڑ کر سرخ کرلی تھی۔

☆☆☆

''بھابھی کیا ہوا خیریت ہے؟ دیبا کام کاج میں مصروف تھی۔ شگفتہ کے کمرے کے پاس سے گزری تو حال سے بے حال۔ سر پر دوپٹا باندھے اور یوں روتے دیکھا تو گھبرا کر سیدھی اندر آگئی۔ ایک نظر کمرے پر ڈالی۔ بیڈ کی چادر لٹک رہی تھی۔ تکیے فرش پر اوندھے پڑے تھے۔

الماری کے سارے کپڑے فرش پر، ڈریسنگ ٹیبل کی دراز منہ پھاڑے باہر نکلی آہ و بکا کررہی تھی۔ یہ سب دیکھ کر زیبا سچ مچ پریشان ہوگئی تھی۔

''بھابھی کیا ہوگیا ہے طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی؟'' شگفتہ کی حالت دیکھ کر دیبا کو پہلا خیال یہی آیا تھا مگر طبیعت خرابی میں بھلا ایسا بھی کوئی کرتا ہے کہ کمرے کو ہی میدان جنگ بنا دیا ہو۔

''ہائے اللہ جی.....'' دیبا کے سوال کا جواب دینے کے بجائے شگفتہ نے اور واویلا کرتے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ دیبا ہڑبڑا کر کچن کی طرف بھاگی۔ دم پر رکھی بریانی کا جائزہ لیا اور چولہا بند کردیا۔ پانی کا گلاس بھر کر دوبارہ سے شگفتہ کے کمرے میں آگئی۔

''بھابھی..... میکے میں سب ٹھیک ہے نا۔'' اپنے ہاتھوں سے ٹھنڈے ٹھار پانی کا گلاس شگفتہ کے منہ سے لگاتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا۔

دیبا کے دل میں خیال گزرا کہ کہیں میکے میں کوئی فکر یا پریشانی والی بات نہیں مگر اس فکر یا پریشانی میں کمرے کا یہ حال.....؟ پھر وہی سوال، دیبا کے دل کو بے چینی سی ہوگئی تھی کہ آخر ہوا کیا ہے؟

TAGPK.COM

''اے بی بی..... شکل اچھی نہ ہو تو بات تو سوچ سمجھ کر کیا کرو۔'' پانی کا پورا گلاس غٹاغٹ انڈیلتے ہوئے جیسے شگفتہ کی سوجی ہوئی آنکھوں کو ہوش آیا تھا۔ دماغ حرکت میں آیا تو دوسرا کام دیبا کا جائزہ لینے کا کیا۔

''عورت کا قد چھوٹا۔ دیبا چھوٹے قد کی ہی تھی۔

''گورا رنگ..... رنگت بھی گوری بلکہ اتنی گوری تھی کہ اکثر شگفتہ کو جلن سی ہوتی۔ آنکھیں چھوٹی وہ بھی چنی منی سی اور چہرے پر مکاری۔ لو جی شگفتہ کے دل نے پولیس آفسر بن کر تفتیش کا آغاز کر دیا تھا۔ پہلے چور بلکہ ''چورنی'' کی تو شناخت ہوگئی۔ دیبا میں وہ سب کچھ تھا جس کی شگفتہ کو تلاش تھی جس کی نشاندہی ''ہیڈ آفس'' باجی اللہ والی نے کی تھی۔ باقی رہ گیا تھا گورے مکھڑے کا تل جو ''باجی اللہ والی'' کو جلدی میں نظر ہی نہیں آیا تھا۔ خیر باقی علامتیں اور شہادتیں سو فی صد موصول ہو گئی تھیں۔

☆☆☆

شام تک پورے گھر میں یہ خبر پھیل چکی تھی کہ شگفتہ کے منی باکس جس میں تقریباً ستر اسی ہزار تھے۔ وہ چوری ہو گئے تھے۔ جس کی گمشدگی کی وجہ سے شگفتہ نے اپنا اور کمرے کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اور صبح سے بھوک ہڑتال بھی کر رکھی تھی۔

صبح سویرے اس بھیانک انکشاف نے شگفتہ کو گویا پاگل، دیوانہ، مجنوں بنا دیا تھا کہ کپڑوں کی الماری سے چور رقم لے گیا۔ مطلب چور صبح سویرے بلکہ پو پھٹنے سے پہلے دبے پاؤں کمرے میں آیا اور ہاتھ کی صفائی دکھا کر چلا گیا۔

اس وقت سارے گھر والے سو رہے تھے۔ نوید کو صبح سویرے کسی ضروری کام سے دوسرے شہر جانا پڑا تھا۔ اس بات کا شگفتہ کو رات سے علم تھا کہ نوید نے صبح جانا تھا۔

''امی آپ کچھ کھا تو لیں!'' یہ شگفتہ کی بڑی بیٹی تھی۔ جو ماں کی حالت دیکھ کر پریشان ہوئی تھی۔

''نہیں کھانا مجھے کچھ بھی، مرنے دو مجھے بھوکا۔'' شگفتہ نے بریانی کی پلیٹ کو پوری طاقت سے یوں دھکیلا کہ اگر اس کی بیٹی تیزی سے نہ سنبھالتی تو یقیناً بوٹیوں سے بھری پلیٹ فرش پر دھڑام سے آ گرتی۔

''بھابھی! تھوڑا سا ہی کھا لیں!'' بیٹی تو ماں کے جلال سے ڈر کر ایک سائیڈ پر ہو کر بیٹھ گئی۔ تو اب کے ہمت دیبا نے کی۔

''میرے حلق سے ایک لقمہ نہیں اتارا جا رہا۔ اور یہ میرے آگے بوٹیوں بھری پلیٹ پیش کر رہی ہے۔'' پھر سے بھرپور طاقت اب کے طاقت میں نفرت، غصے اور اشتعال کی آمیزش تھی۔ شگفتہ نے کچا چبا جانے والی ایک نگاہ دیورانی پر اور دوسری بوٹیوں سے بھری پلیٹ پر ڈالی۔ اور منہ سے یہ انگارہ اگلا تھا۔

دیبا تو شگفتہ کو عام حالت میں ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔ اب تو اس صدمانی کیفیت میں اور زہر لگ رہی تھی۔

''میرے دل پر آرے چل رہے ہیں اور ان کی طرف بریانی کی دعوتیں ''اڑائی'' جا رہی ہیں۔'' یہ ایک اور انگارہ جیٹھانی نے دیورانی کی طرف پھینکا۔

''پتا نہیں کس بات کی خوشی اور جشن منایا جا رہا ہے۔'' اور پھر شگفتہ نے بات کا رخ غم و غصے میں اس طرف پھیر دیا کہ ہر شخص ہی انگشت بدنداں رہ گیا۔

☆☆☆

شگفتہ کے مطابق چور دیبا تھی۔ اس کی نظر تھی اس کی رقم پر اور اب اس کی جمع پونجی کا صفایا کر کے خوشی میں بریانی اور ٹرائفل بنا کر جشن منایا گیا ہے۔ شگفتہ نے آج صدمے میں خود کو اتنا بے حال کر لیا تھا کہ گھر کا کوئی کام نہ کر سکی تھی۔ دیبا نے شگفتہ کی جب ایسی ابتر حالت دیکھی تو دونوں پورشنز میں صفائی ستھرائی بھی خود ہی کر لی۔ اور سب کے لیے کھانا بھی بنا لیا۔ وہ ایسی ہمدرد فطرت کی تھی مگر شگفتہ کے میلے من نے کبھی اس کے اس وصف کی طرف دھیان ہی نہ دیا تھا۔

''چچی! بریانی بنا لیں.....!'' دیبا غور و فکر میں

TAGPK.COM

تھی کہ کیا پکائے کیونکہ مہینے کا آخر تھا۔ اس کے راشن میں تو صرف مونگ کی دال بچی تھی وہ سوچ رہی تھی کہ مونگ کی دال کے ساتھ چاول بھگار لے، تاکہ سب گھر والوں کے کھانے کا انتظام ہو جائے۔ سوچ میں اس لیے پڑ گئی تھی کہ وہ اور اس کے بچے مونگ کی دال بھی صبر شکر سے کھالیں گے۔ ہاں البتہ گوشت کے دل دادہ شگفتہ کے بچے شاید مونگ کی دال کھا نہ سکیں۔ شگفتہ کے ہاں خوش حالی تھی اکثر کیا ہر دوسرے روز گوشت ہی پکا کرتا تھا۔

''ایک آدھ پلیٹ اور بھی بھجوا دیا کرو۔'' یہ نوید کا بیوی کو حکم ہوتا تھا جس کی تعمیل اس انداز میں ہوتی کہ دو تین بوٹیاں وہ بھی گن کر چربی والی یا پھر ہڈی والی بھیج کر حاتم طائی کی قبر پر لات ماری جاتی۔

''چندا میرے پاس نہ چکن ہے نا مٹن!'' دیبا پریشانی کا شکار تھی۔

''ہمارے فریج میں مٹن بھی ہے اور چکن بھی۔'' شگفتہ کی بیٹی نے ہی بریانی بنانے کا مشورہ دیا۔ اور ساتھ ہی بیٹے نے میٹھے میں ٹرائفل کی فرمائش بھی چچی سے کر دی، اسے دیبا کے ہاتھ کا ٹرائفل بہت پسند تھا۔ جبکہ شگفتہ کبھی بھی دیبا کے ہاتھ کا پکا میٹھا جیسے کھیر، شیر خورمہ، کسٹرڈ، نہ خود کھاتی تھی اور نہ ہی اپنی فیملی کو کھانے دیتی تھی۔

''پتا نہیں کیا پڑھ پھونک کے بھیج دیتی ہے تمہاری چچی!'' شگفتہ کی سوچ تھی کہ دیبا انہیں میٹھے پر کچھ نہ کچھ پڑھ کر کھلاتی ہے۔ تب ہی نوید اور اس کے دونوں بچے اس کے گن گاتے تھے۔ بریانی اور ٹرائفل کی فرمائش شگفتہ کے بچوں کی تھی اور شامت چچی کی آ گئی تھی کہ پہلے چور نے چوری کی اور اب اپنی فتح کا جشن دعوت اڑا کر منا رہا ہے۔

☆☆☆

''شگفتہ بھابھی قسم ہے جو مجھے آپ کی رقم کا علم بھی ہو کہ وہ کہاں رکھی تھی۔'' ہمدردانہ انداز میں شگفتہ کی حالت اور پریشانی کا خیال کرتی دیبا جو کبھی اس سے پانی تو کبھی کھانا پوچھ رہی تھی یوں اچانک چوری کے الزام کی زد میں آئی تو بری طرح بوکھلا گئی۔ وہ تو کیا جس سماعت نے دیبا کے لفظ ''چور'' سنا بوکھلا گیا۔

''ہماری امی چور نہیں ہیں تائی.....!'' یہ دیبا کا بڑا بیٹا تھا، جو اپنی ماں کی حمایت میں بولے بنا نہ رہ سکا۔

''بند کر اپنی بکواس.....!'' ایک غصے اور نفرت میں بھرا شگفتہ کا ''من میلا'' اور دوسرے سامنے کھڑا ''دشمن پارٹی'' کا یہ فریق، دیکھ کر تو شگفتہ کی آنکھوں میں جیسے خون اتر آیا۔ فرش پر پڑی اپنی جوتی اٹھائی اور کھینچ کر نشانہ لیا، جو بالکل ٹھیک لگا۔ دیبا کے بیٹے کے عین سینے پہ کہ وہ درد سے تڑپ اٹھا۔

''تو ہی شریک ہوگا ماں کے ساتھ چوری میں۔'' دوسری جوتی اٹھا کر ایک اور نشانہ شگفتہ لینے ہی لگی تھی کہ اس بار اپنا بیٹا ہی کزن کا حمایتی بن کر آگے آیا اور ماں کے ہاتھ سے جوتی پکڑی۔

''تجھے بڑا درد اٹھا ہے۔'' اس حالت میں تو شگفتہ کسی کو بخش نہ رہی تھی یہاں تک اپنی اولاد کو بھی نہیں۔ جیٹھانی ہونے کے ناتے شگفتہ کا دل دیور دیورانی اور ان کے بچوں کی طرف سے ہمیشہ میلا ہی رہا تھا۔ جبکہ سب بچوں میں کزنز ہونے کے ناتے بہت اچھی دوستی تھی۔ غم و غصے میں شگفتہ نے دیورانی کے ساتھ اس کے بیٹے کو بھی چور قرار دے دیا تھا۔ کیونکہ ''باجی اللہ والی'' نے دو افراد کے چور ہونے کی نشاندہی کی تھی۔ اس لیے شگفتہ کا دوسرا شک دیورانی کے بیٹے کی طرف گیا تھا۔ جبکہ ''باجی'' نے کہا تھا کہ ''چور مرد'' ہے۔ جبکہ دس بارہ سالہ یہ لڑکا ''مرد'' کہیں سے بھی نہیں تھا۔ لیکن شگفتہ زبردستی اسے چور ثابت کرنے پر تلی تھی کیونکہ اسے ہر حال میں دو ''چور'' پکڑنے تھے۔ ''زندہ یا مردہ حالت میں''

''جیسی تم اس کی تربیت کر رہی ہو نا، دیکھنا بڑا ہو کر ڈکیت نکلے گا۔ اور بنے گا پولیس کی گولی کا نشانہ۔'' اس چوری کی وجہ سے اس کے منہ میں جو آ رہا تھا کہہ رہی تھی۔ من میلے کی بھڑاس ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی کہ اب سلسلہ بددعاؤں کا شروع

TAGPK.COM

ہو گیا تھا۔

''بھابھی! مجھے میری مرحومہ ماں کی قسم۔'' اپنے تئیں دیبا نے بہت بڑی بات کہہ کر اپنی اور اپنے بیٹے کی بے گناہی ثابت کرنا چاہی تھی۔ مگر شگفتہ کو نہ کسی کی قسم پر یقین آ رہا تھا اور نہ ہی کسی کے آنسو پر..... جبکہ دیبا دکھ کے مارے رونے لگی تھی۔

☆☆☆

مغرب ہو گئی تھی۔ ابھی بھی ''چور'' کی تلاش جاری تھی۔ شگفتہ کے دونوں بچوں نے ایک بار پھر پورے کمرے کی تلاشی لی تھی۔ مگر رقم نہیں ملی تھی۔ دیبا نے پوری ایمان داری کے ساتھ اپنے پورشن کی تلاشی لینے کی اجازت دی تھی۔ لیکن رقم وہاں بھی نہیں تھی۔

''یعنی کہ چور گھر سے رقم لے کر ہی چلا گیا تھا کہ نہ گھر میں ہوگی ورنہ ہی تلاشی میں برآمد ہو سکے گی۔''

اور اس وقت گھر میں دو افراد موجود نہیں تھے ایک نوید اور دوسرا سلمان۔ نوید تو کسی صورت چور نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر کوئی نہ کوئی دوسرا چور تو ثابت کرنا تھا۔ کیونکہ باجی اللہ والی کے مطابق دوسرا چور مرد تھا۔ اور وہ مرد ہر صورت دیور سلمان ہی ہو سکتا تھا۔ دنیا ادھر سے ادھر ہو سکتی تھی مگر، باجی اللہ والی کا اشارہ ہرگز غلط نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ شگفتہ کے دل کو یقین تھا۔

''بیٹا نہیں ہے چور تو پھر سو فیصد تمہارا شوہر چور ہے۔'' شگفتہ کا نفرت میں بم بنا دماغ جو بس پھٹنے کے قریب تھا۔ اس طرف گھوما تو ایک مرد اور ایک عورت کے اشارے پر دیبا اور سلمان پورے اترتے نظر آئے جبکہ دیبا کی یہ حالت تھی۔ اپنے شوہر کے بارے میں یہ الزام سن کر وہ حق دق رہ گئی تھی کہ صدمے سے منہ پر ہاتھ رکھ کر رونے لگی تھی۔ سلمان نے تو شگفتہ بھابھی کو ہمیشہ ماں جیسا احترام دیا تھا۔

''تمہارے شوہر کا ہی کارنامہ ہے جو صبح سے گھر سے فرار ہے۔'' شگفتہ کے مطابق چوری دیبا اور سلمان نے مل کر کی تھی اور اب سلمان صبح سے غائب ہی اس لیے تھا کہ کسی کو اس پر شک نہ ہو۔

''دیکھنا سلامت نہیں آئے گا، وہ اپنی ٹانگوں پر.....!'' شگفتہ کی ''چور سلمان'' کو دل سے بددعا تھی۔ جو اس کے مطابق ضرور عرش الٰہی تک پہنچی ہوگی۔ اذان مغرب ہو رہی تھی اور شگفتہ دونوں ہاتھ اٹھا کر سلمان کو بددعائیں دے رہی تھی۔

''دیکھ لینا تم دونوں کو میری حق حلال کی پونجی نصیب نہیں ہوگی۔''

☆☆☆

''شگفتہ بھابھی مجھے کچھ علم نہیں کہ آپ کی رقم کہاں گئی۔'' صبح سے کام کی غرض سے نکلا اب رات کے آٹھ بجے لوٹا تو آتے ہی شگفتہ نے بھوکا پیاسا اسے کٹہرے میں کھڑا کر لیا۔ سلمان کی تو جیسے اس الزام پر ہوائیاں ہی اڑ گئی تھیں۔ اور ان ہوائیوں کو دیکھ کر شگفتہ کو جیسے یقین ہو چلا تھا کہ چور سلمان کے علاوہ اور کوئی نہیں۔

نوید اور شگفتہ کے علاوہ اس رقم کے بارے میں کوئی جانتا تھا تو وہ سلمان ہی تھا۔ اور اس کی وجہ یہ تھی کہ نوید نے اکثر بھائی سے ذکر کیا تھا کہ تمہاری بھابھی نیا فریج لینا چاہتی ہے۔ اس کے لیے رقم جوڑ رہی ہے۔ اس کو اچھا معیاری فریج مناسب دام پر لے کر دینا ہے۔ نوید جانتا تھا کہ سلمان کے اکثر دوست فریج کا کام کرتے ہیں، سلمان نے بھائی کے کہنے پر ایک دو دوستوں سے بات بھی کی تھی۔ مگر اونچی ناک کی شگفتہ کو کوئی فریج پسند نہیں آتا تھا۔ کوئی کمپنی پرانی تھی۔ کسی کا ماڈل اچھا نہیں تھا۔ کسی کا ڈیزائن فیشن کے مطابق نہیں تھا مگر سلمان کو یہ علم نہ تھا کہ رقم کتنی تھی اور کہاں رکھی تھی۔

''چور بھی سیدھی طرح مانے گا کہ اس نے چوری کی ہے۔''

''اچانک سے یوں اس نا سمجھ آنے والی صورت حال پر سلمان ہڑبڑایا اور بنا بولے دونوں ہاتھوں کے اشارے سے دیبا سے پوچھا کہ۔

''یہ سب کیا ماجرا ہے؟''

شگفتہ کی عتابی نظروں سے یہ منظر بھی بچ نہ

TAGPK.COM

پایا۔

''ہاں ..... تو منا کا کا ہے۔ جس کو کچھ پتا ہی نہیں کہ یہ سب کیا ہے؟'' شگفتہ کا لفظ لفظ تلوار بنا تھا۔

سلمان ہمیشہ سے بھابھی کی عادت اور سوچ سے واقف تھا۔ ہمیشہ ان کی کڑوی کسیلی باتوں کو درگزر کر جاتا تھا مگر آج اس کی بھی برداشت جیسے ختم ہوگئی تھی۔ ایک تو معاملے کی ناسمجھی کا غلبہ تھا اور دوسرا بھابھی کے طنز و طعنے وہ چپ نہ رہ سکا۔

''بھابھی اب آپ حد سے بڑھ رہی ہیں!''

سلمان بھی با آواز بلند بولا تھا۔

''میں حد سے بڑھ رہی ہوں کہ تم نے حد ختم کردی ہے۔ جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کرنے لگے ہو۔ حد ہوتی ہے احسان فراموشی کی.....'' شگفتہ کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سلمان کو کچا چبا ڈالے۔

عین اسی لمحے نوید کی آمد پہ جیسے سکوت سا چھا گیا۔ ایک گہری سنجیدہ سی نگاہ نوید نے صحن میں لگی اس عدالت پر ڈالی۔ اور دوسری نگاہ بھائی کے چہرے پر جہاں غم و غصہ کوئی افسانہ سنا رہا تھا۔ سلمان کی نظر بھائی پر پڑی تو کچھ بھی بولے بغیر باہر نکل گیا۔

وہ ہمیشہ بھائی بھابھی کا احسان مند رہا تھا۔ سو آج بھی اسی پر قائم رہنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ بھابھی کی بلاوجہ کی الزام تراشی پر غضب ناک ہو کر بھائی کے سامنے کچھ الٹا سیدھا بول جائے۔ اور بعد میں اپنے لفظوں پر معذرت کرنے کے قابل بھی نہ رہے۔

☆☆☆

نوید دوسرے شہر کام سے گیا تھا۔ وہ اب رات کے دس بجے لوٹا تھا۔ مگر اکیلا نہیں تھا۔ شگفتہ کی پسند کا فریج اس کے ساتھ آیا تھا۔

''رقم چوری ہوگئی تھی..... مگر فریج پھر بھی آ گیا تھا۔''

یہ سوال ہر ایک کے ذہن نے اٹھایا تھا۔ اور اس کا جواب نوید کے سوا کسی کے پاس نہیں تھا۔

شگفتہ کے منی باکس میں سے رقم چرائی نہیں گئی تھی۔ بلکہ صبح جاتے ہوئے نوید اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اسے دوسرے شہر کام سے جانا تھا۔ کمپنی والوں کا فون آیا تھا کہ آپ کا مطلوبہ رنگ و ڈیزائن کا فریج آ گیا ہے۔ نوید نے انہیں پیسے پکڑائے اور گھر کے ایڈریس کے ساتھ فون نمبر جو کہ شگفتہ کا تھا۔ دے دیا خود وہ کام پر نکل پڑا۔ وہ تو صبح سے رات ہوگئی مگر شگفتہ کے نمبر پر کئی بار کال کرنے کے بعد بھی رابطہ نہ ہو سکا تو انہوں نے نوید کے نمبر پر فون کر دیا۔ اس وقت وہ راستے میں تھا۔

''سر! آپ کا دیا گیا نمبر تو صبح سے پاور آف ہے۔''

شگفتہ کا نمبر آف تھا۔ اسے ہوش ہی کہاں تھا کہ موبائل کو چارج کرتا ہے۔

''افسوس ہے شگفتہ! تمہاری سوچ پر۔'' نوید کو سارے قصے کا علم ہوا تو وہ بیوی پر برس پڑا۔

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم اتنے میلے دل کی ہوگی۔''

باجی اللہ والی جیسی پروفیشنل عورت کی باتوں پر آنکھ بند کر کے یقین کرنی شگفتہ نے ایک بار بھی صاف دل اور مثبت سوچ کے ساتھ سلمان اور دیبا کے سابقہ کردار کے بارے میں سوچنے کی زحمت ہی نہ کی۔ بس من میلے نے ''باجی'' کے اشاروں پر انگلی ان دونوں کی طرف اٹھائی تو پھر مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ تو یوں کا رخ دیور دیورانی کی طرف کر دیا۔ جنہوں نے ہمیشہ بڑی بھابھی کو ماں کا درجہ دیا تھا۔ وہ ہمیشہ مشکور و احسان مند رہے تھے کہ بھائی بھابھی نے اس مشکل وقت میں انہیں اپنے گھر میں سہارا دیا تھا۔

اب شگفتہ کے دل میں شرمندگی ہی شرمندگی تھی۔ بعض اوقات من کا میل تو صاف ہو جاتا ہے مگر بڑی ندامت اٹھانے کے بعد۔ اب بڑے ہو کر شگفتہ کو چھوٹوں سے معذرت کرنی تھی کیونکہ اس نے سب کا دل دکھایا تھا۔ بغیر ثبوت کے دوسروں پر الزام تراشی کی۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ روٹھے ہوؤں کو منایا جائے۔ کیونکہ یہ اس کے شوہر کا حکم تھا۔

☆

TAGPK.COM

صائمہ نور

ہاں او سجناں

''ہائے تو ابھی تک آئینے کے سامنے کھڑی ہے؟ دو گھنٹے ہوگئے تجھے۔'' اماں کا انداز واویلا کرنے کا سا تھا۔

ہونٹوں پر دھیان سے براؤن پینسل کے ساتھ گلابی لپ اسٹک لگائی فضیلہ کے سر پر جوں تک نہ رینگی۔

''تو کیا کھڑی منہ دیکھ رہی ہے، اس کو تھوڑی

TAGPK.COM

TAGPK.COM

عقل دے۔ یہ لپ اسٹکیں سب فیل ہو جاتی ہیں سسرال میں۔'' اماں نے اپنے سامنے چابک دستی سے کام کرتی بہو سلمیٰ کو مخاطب کیا۔

''بھابھی! مجھے مشکل سے دس منٹ ہوئے ہیں تیار ہوتے ہوئے۔ اب اتنا تو ہمارا حق ہے نا۔'' اس نے کام کرتی سلمیٰ کی تائید چاہی۔ ''آپ بولتی کیوں نہیں؟'' فضیلہ کو معلوم تھا کہ بھابھی کبھی اماں کے سامنے زبان کھولنے کی غلطی نہیں کریں گی۔

اب وہ کیا کہتی؟ فضیلہ کی سائیڈ لے کر کچھ غلط منہ سے نکالنے کا مطلب تھا اگلے دو دن کی سخت پیٹرولنگ، طعنے الگ۔ سو فیصلہ کرنا بالکل بھی مشکل نہ تھا، سو ایک چپ سو سکھ کے مصداق اپنا کام مکمل کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔

''کمال ہے بھابھی! اتنی بھی زبان بندی اچھی نہیں۔ یہ آپ کو لے ڈوبے گی، بولنا سیکھیں بولنا۔'' فضیلہ نے جیسے اسے بغاوت پر اکسایا، جس کا نتیجہ صفر تھا۔ سلمیٰ کے منہ میں ہنوز گھنگھرو پڑے تھے۔

''کہاں جا رہی ہو، دونوں ماں بیٹی صبح سویرے؟''

برآمدے سے باہر نکلتے ابا جی کے ایک ہاتھ میں اخبار تھا تو دوسرے میں چشمہ۔ وہ اس وقت روزانہ باہر بچھے تخت پر بیٹھ کر اخبار بینی کرنے کے عادی تھے۔ ان کی آنکھوں میں ہمہ وقت شریر سی مسکراہٹ رہتی۔ وہ ایک زندہ دل انسان تھے۔

''جا رہی ہوں کام سے، دعا کیجیے گا ملک صاحب!'' انہوں نے فضیلہ کی طرف سے مایوس ہو کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''دو گھنٹے ہو گئے آپ کی اس لاڈلی کو تیار ہوتے ہوئے۔'' انہوں نے پھر اس کی شکایت کی۔

''ارے بھئی تم تو مبالغہ کرنے میں ماہر ہو، کیا میں جانتا نہیں۔ ابھی تو دس منٹ پہلے اندر آئی ہے، دو گھنٹے ہو ہی نہیں سکتے؟ اسے سکون سے تیار ہونے دو۔''

وہ کہہ کر اخبار میں گم ہو گئے، ایسے کہ ان کا منہ اخبار کے پیچھے چھپ گیا۔

''چل نومی! رکشا لا کے دے جلدی کر۔''

فضیلہ بھی اب تیار ہو چکی تھی اور شانوں کے گرد چادر لپیٹتی وہ ماں کے پاس آ گئی۔

''اماں! آپ نے بتایا نہیں کہ ہم جا کہاں رہے ہیں؟''

''چپکی ہو، بتاؤں گی پھر صبر کر لے رات تک۔''

فضیلہ تجسس میں تو آئی مگر مزید بولنا بے کار تھا، جب اماں نے کہہ دیا کہ نہیں بتائیں گی تو پھر نہیں بتائیں گی۔

''اماں! میں بال کیسے کٹواؤں؟''

پندرہ سالہ نومی جو بالکل اللہ میاں کی گائے تھا، اس نے کوئی ساتویں بار استفسار کیا۔

''تو گنجا کیوں نہیں ہو جاتا۔''

اماں نے غصے میں کہتے ہوئے اسے گھورا اور فضیلہ کو لیے رکشے میں سوار ہو گئیں۔

☆☆☆

اماں اور فضیلہ مطلوبہ پتے پر پہنچیں تو فضیلہ چونکی۔

''اماں! یہ تو ننھی بوا کا گھر ہے۔''

ننھی بوا ان کی دور کی رشتے دار تھیں' ملنا ملانا بہت ہی کم تھا۔

''خواہ مخواہ آپ نے مجھے سسپنس میں رکھا۔''

''چپ کر کے چل اور خاموش رہنا وہاں۔'' انہوں نے اسے گھرکا۔

دروازے پر گھنٹی کے نام پر کوئی بٹن آدھا ہوا میں لٹکا ہوا تھا اور آدھا دیوار سے کچھ ایسے چسپاں تھا جیسے للکار رہا ہو کہ ''ہے کسی مائی کے لعل میں اتنی ہمت؟'' فضیلہ نے جھرجھری لی اور دستک کے لیے ہاتھ بڑھایا اور جیسے ہی اس کے ہاتھ دروازے سے ٹکرائے، دروازہ اپنے آپ کھل گیا۔

اب وہ کیا کرے۔

اندر کیسے داخل ہو۔

مگر اماں کو ایسی کوئی جھجک مانع نہیں تھی۔ سو اندر قدم رکھ دیا۔ فضیلہ کو بھی تقلید کرنی پڑی۔ شرمندہ شرمندہ وہ اندر داخل ہوئی تو ناک کی سیدھ میں بہت ہی دوستانہ سا منظر نظر آ رہا تھا۔

تین درمیانی صورت خواتین بڑی جانفشانی اور توجہ

TAGPK.COM

سے ایک دوسرے کے سروں سے جوئیں نکال رہی تھیں۔ تینوں خواتین کے بال دراز اور گھنگھریالے تھے۔

اتنی شدید گرمی میں بال کھولے دیکھ کر فضیلہ کو ایک بار پھر جھرجھری سی آ گئی۔

بڑے سے صحن کے ایک طرف دو چارپائیاں اپنے سینے پر کپڑوں کا ڈھیر سمائے ہوئے تھیں۔ مکھیوں کا رونق میلہ دیکھ کر فضیلہ کو محسوس ہوا جیسے انہیں مکمل مالکانہ حقوق حاصل ہوں۔

''سلام خالہ!'' وہ تینوں خواتین یک دم ہی اچھل کر کھڑی ہو گئیں، جیسے انہیں کوئی کرنٹ لگا ہو۔

ظاہری بات ہے، یوں سرِعام جوئیں نکالنے کا منظر کسی ملنے والے کے سامنے آ جانا کوئی ایسی قابلِ فخر بات تو نہیں تھی۔ لیکن دروازہ بھی پھر بند رکھنا چاہیے تھا نا۔

''نی رضیہ بات سن!'' ابھی وہ خواتین تھوڑی سی کھسیانی ہو کر سلام دعا کرنے ہی لگی تھیں کہ اندر سے غالباً ان کی ساس یعنی ننھی بوا برآمد ہوئیں۔

''تو وسیلہ ہے نا؟'' ننھی بوا چھوٹے سے قد کی گہری سانولی رنگت کی خاتون تھیں، عمر پچاس سے اوپر ہی ہو گی۔ ان کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں سورج کی تیز شعاعوں کی تمازت پاتے ہی چندھیا سی گئی تھیں۔

اندر سے آتی بوا نے اماں سے استفسار کرتے ہوئے اپنے آم سے لتھڑے ہاتھوں کی پروا نہ کرتے ہوئے انہیں جیسے دبوچ ہی لیا۔

اماں جیسی تیز و طرار خاتون بھی سٹپٹا گئیں۔

فضیلہ پہلے ہی حفظ ماتقدم کے طور پر سلام جھاڑ کے کپڑوں سے بھری چارپائی پر ایک کونے میں بیٹھ گئی، جیسے اب ان کی پہنچ سے بہت دور چلی گئی ہو۔ وہ دل ہی دل میں جل تو جلال تو کا ورد کرنا نہ بھولی تھی۔

''بیٹی فضیلہ!'' اب ان کا رخ اس کی طرف تھا۔

یا اللہ خیر اس نے مسکرا کر جھٹ سے فون نکالا اور رخ موڑ لیا۔

''آئیں آئیں آنٹی..... آپ لوگ اندر آ جائیں۔'' ننھی بوا کی ایک بہو نے کچھ عقل سے کام لیتے ہوئے ان لوگوں کو اندر کی جانب جانے کا اشارہ کیا۔

فضیلہ اور وسیلہ لاچاری اندر بڑھ گئیں۔ ننھی بوا وہیں صحن کے ایک طرف لگے ملگجے، بوڑھے سے واش بیسن کی طرف بڑھیں۔ بوڑھا اس لیے کہ مٹیالے رنگ کے پیچھے سے ہلکا سا جھانکتا گلابی رنگ اس کی جوانی کی گواہی دے رہا تھا کہ کبھی یہ بھی جوان ہو گا۔

☆☆☆

ننھی بوا اب خطرے سے خالی ہو چکی تھیں یعنی ان کے ہاتھ اب دھل چکے تھے، وہ فوراً ہی اندر آ گئیں۔

اندر کی صورت حال باہر سے زیادہ گمبھیر تھی۔

اندر گھستے ہی جو ناگوار سا بھپکا اس کی ناک سے ٹکرایا، وہ ان کے گھر چھوٹے بچوں کی موجودگی کا پتا دے رہا تھا۔ فضیلہ نے بے ساختہ سانس روکا۔

اماں کے چہرے کے تاثرات سے لگتا تھا، وہ بھی اسی کیفیت کا شکار ہیں مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ یہاں تک آ گئے تھے، کچھ دیر تو بیٹھنا ہی تھا۔ بال سمیٹنے کے بعد اب وہ تینوں کافی معقول لگ رہی تھیں۔

دو ننھی بوا کی بہوویں جبکہ ایک نسبتاً پتلی سی لڑکی جس کے نین نقش ننھی بوا جیسے نہ تھے، وہ کافی قبول صورت تھی۔ مگر تینوں میں ایک چیز مشترک تھی، وہ تھا ان کا بے ڈھنگا پن۔

تینوں نے جو کپڑے زیب تن کیے ہوئے تھے، ان میں ڈھونڈنے سے بھی ربط نہ ملتا تھا۔ فضیلہ جس کو آج اچانک یہاں آنے پر حیرانی تھی، شازیہ کو دیکھ کر وہ حیرانی رفع ہو گئی تھی کیونکہ اس کا ایک عدد بھائی کنوارا تھا جس کے لیے آج کل لڑکی ڈھونڈنے کی مہم پورے زور و شور سے جاری تھی۔

وہ حیران اس بات پر تھی کہ ننھی بوا کا پوہڑ پن تو پورے خاندان میں مشہور تھا، پھر کیا وجہ ہوئی ان کے یہاں آنے کی؟

''شازیہ! پانی پلا آنٹی اور باجی کو۔''

ننھی بوا نے شازیہ کو گھرکا، جسے سنتے ہی شازیہ فریج تک گئی اور پانی کی ایک عدد بوتل نکال کر لے

TAGPK.COM

آئی۔ فضیلہ حیرت زدہ تھی۔

''ٹی کمی گلاس میں ڈال کے دے۔'' ننھی بوا نے اونچی آواز میں اسے پھر گھرکا۔

شازیہ فوراً گلاس لے آئی اور بوتل میں سے پانی گلاس میں انڈیل کے وسیلہ کے سامنے رکھا۔ وسیلہ بیگم نے مسکراتے ہوئے گلاس پکڑا ان کا گرمی سے برا حال ہو رہا تھا۔ فضیلہ بہت بے زاری سے بیٹھی تھی۔

وسیلہ بیگم نے گلاس منہ سے لگایا ہی تھا کہ گلاس میں سے آتی انڈے کی بدبو کی وجہ سے ان کو جیسے ابکائی سی آ گئی۔ وہ روک نہ سکیں۔

''کیا ہوا..... کیا ہوا وسیلہ باجی!'' ننھی بوا نے آگے بڑھ کر ان کی کمر میں دھموکا جڑا۔ وسیلہ اور فضیلہ دونوں حیران رہ گئیں۔

وہ ایک اور دھموکا جڑنے والی تھی کہ وسیلہ بیگم بے اختیار چلا اٹھیں۔

''بس ننھی! بس مجھے گلے میں پھندا نہیں لگا بلکہ گلاس میں سے انڈے کی بدبو آ رہی تھی۔'' اب کے وسیلہ بیگم نے کوئی لحاظ نہیں رکھا۔

''او اچھا!'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے بے تکا قہقہہ لگایا جیسے یہ تو بہت معمولی سی بات ہے۔

''آپ ایسے ہی بوتل سے پی لیں۔'' انہوں نے ایک بار پھر بوتل آگے کی۔

''نہیں نہیں۔ شکریہ ننھی! اب ہم چلتے ہیں۔ میرے خیال سے ہم بے وقت آ گئے ہیں، ہمیں بتا کے آنا چاہیے تھا۔''

''ارے نہیں، مہمان کے آنے کا بھی کوئی وقت ہوتا ہے بھلا اور آپ تو میری پیاری بھابھی ہیں۔ کھانا کھلائے بغیر تو میں نہیں جانے نہ دوں گی آپ کو۔'' انہوں نے پھر سے وسیلہ بیگم سے گلے لگتے ہوئے کہا۔

''نہیں نہیں، بوا! ہم لوگوں کو آگے بھی جانا تھا ہم پھر آئیں گے۔'' کھانے کا نام سنتے ہی جیسے فضیلہ کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

''نہیں نا میری بچی'' ننھی بوا اسے گلے لگانے آگے بڑھیں، فضیلہ کو اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا کہ اتنے میں بوا کا پوتا موبائل لیے کمرے میں داخل ہوا۔

''دادو! آپ کا فون۔'' بوا کے قدم وہیں رک گئے۔ فضیلہ کو لگا اس کی جان میں جان آ گئی ہو جیسے۔ بوا فون پر بات کرنے کمرے سے باہر نکل گئیں۔ وہ دونوں ماں بیٹی ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگیں۔ فضیلہ تو باقاعدہ ماں کو سخت تیوروں سے گھور رہی تھی۔

''کس بے وقوف نے مشورہ دیا تھا آپ کو یہاں آنے کا؟'' اس سے رہا نہ گیا فوراً پوچھ لیا۔

''تمہارے ابا نے۔'' وسیلہ بیگم نے منہ بنا کر جواب دیا۔

''اور وہ کس خوشی میں؟''

''کیا آپ کو نہیں معلوم؟'' اس نے کہتے ہوئے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

''یا آپ بھول گئیں۔''

وسیلہ ابھی کچھ کہنا ہی چاہتی تھیں کہ کمرے میں دونوں بہوویں نمودار ہوئیں۔ فضیلہ ان کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی۔

ان کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا جیسے ابھی کہیں شادی میں جا رہی ہوں، دونوں دیورانی جیٹھانی ٹک سک سے تیار ہو چکی تھیں۔

دونوں کے کپڑوں کے رنگ دیکھ کر یوں محسوس ہوا جیسے دونوں میں گہری دوستی ہو۔ ایک نے لال اور ایک نے آتشیں رنگ کا لان کا نیا نکور سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔

ان کے منہ پر تھوپے ہوئے میک اپ کو دیکھ کر ان کی آدھے گھنٹے کی غیر حاضری کا معمہ با آسانی حل ہو گیا تھا۔ وہ صرف دل ہی نہیں بہت کچھ لگا کر تیار ہوئی تھیں، بس اچھی نہیں لگ رہی تھیں۔

''اچھا آنٹی جی! آپ کھانا کھا کر جانا، یہ بتائیں کیا پکائیں ہم آپ کے لیے؟'' بڑی بہو رضیہ نے دل ربا ادا سے پوچھا۔

''نہیں نہیں بیٹا! تکلف کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، بس ننھی! کہاں رہ گئیں، اب ہم نکلیں گے۔ ہمیں آگے بھی جانا ہے۔''

TAGPK.COM

''ارے نہیں آنٹی! یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ کھانا تو آپ کو کھانا ہی پڑے گا۔''

''بس یہ بتائیں آپ کو کیا پسند ہے، ہم کیا بنائیں؟'' چھوٹی بہو نازلی کیسے پیچھے رہتی، وہ بھی اٹھلا کر بولی۔ وسیلہ بیگم اور فضیلہ لاچار سی ایک دوسرے کا منہ تکتی رہ گئیں۔

ابھی وسیلہ اور فضیلہ اس ماحول میں تھوڑی سی ایڈجسٹ ہونے کی کوشش کررہی تھیں کہ فضا میں ناگوار سی بھاں بھاں کی آواز گونجنے لگی مگر آفریں تھی۔ چھوٹی اور بڑی بہو کے سکون کی وہ دونوں کس سے مس نہ ہوئیں، اگر سکون کا کاروبار ہوسکتا تو دونوں کروڑ پتی ہوتیں۔ فضیلہ نے سوچا۔

آوازیں تواتر سے آرہی تھیں، اب فضیلہ کے سر میں درد شروع ہونے کو تھا۔

''بھابھی! یہ کیسی آوازیں ہیں۔'' وہ کھڑی ہوکر مطلوبہ چیز تلاشنے لگی، جہاں سے آواز برآمد ہورہی تھی۔

''اوہ۔'' وہ کھڑکی طرف آئی تو اسے سمجھ میں آیا یہ ائیر کولر کی آواز تھی جو نجانے کب سے پانی ختم ہونے کے بعد سے نوحہ کناں تھا اور چیخ چیخ کر اعلان کررہا تھا کہ مجھ غریب کا نہیں تو اپنا خیال کرو۔

کیا کرو گے، اس گرمی میں۔ جب میں پانی کے قحط سے جل جاؤں گا۔

''بھابھی! شاید ائیر کولر میں پانی ختم ہوگیا ہے، سوئچ کہاں ہے میں بند کردوں۔'' اس نے سوئچ نہ ملنے پر استفسار کیا۔

''ہاں ہاں' میں کرتی ہوں۔'' چھوٹی بھابھی اٹھ کر چلی گئیں۔

''اور بتائیں نا آنٹی کیا پکاؤں؟'' بڑی بہو پھر پوچھ رہی تھیں۔ فضیلہ کو شدید کوفت نے آن گھیرا۔

''بھئی اگر کھانا کھلانا ہی ہے تو جو دل کرے پکالو اور ہمیں کھلا دو۔'' وہ محض سوچ کر رہ گئی۔

''ارے رضیہ! ابھی تک یہیں بیٹھی ہو، کچھ کھانا وغیرہ پکالو نا۔ پوچھو نا بھابھی سے کہ کیا پکائیں۔'' ننھی بوا نے اندر آتے ہی یہ سوال داغا۔

''ارے ننھی! رہنے دو، بس چائے شربت پلا دو۔'' وسیلہ بیگم نے بھاری دل سے کہا۔

ان کو انڈے والے گلاس کی بدبو ابھی تک نہیں بھولی تھی۔

''نہیں نہیں۔ ایسے کیسے کھانا تو آپ کو کھانا پڑے گا۔''

''جاؤ نازلی کو لو اور جلدی سے بندوبست کرو۔'' وہ کہتے ہوئے خود بھی وسیلہ بیگم کے برابر پلنگ پر بیٹھ گئیں۔ شکر کہ دونوں بہوویں فرمان سنتے ہی کمرے سے نکل گئیں۔ شازیہ بھی کمرے میں آگئی تھی، وہ بھی تیار ہوچکی تھی۔ اس کا بھی حال مختلف نہیں تھا۔ وہ چلتی پھرتی گولہ گنڈا کی دکان ہی تو لگ رہی تھی۔ ننھی بوا پوری فرصت سے سب کام نبٹا کر وسیلہ بیگم کے پاس بیٹھ چکی تھیں۔

ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی ون وومن شو دیکھ رہی ہو۔ ننھی بوا بولنے پر آئیں تو اگلے پچھلے پورے خاندان کے گہرے رازوں سے لے کر ان کی بہو بیٹیوں کے قصے سنا دیے۔ وسیلہ بیگم نے کئی بار بیچ میں مداخلت کرنا چاہی مگر ننھی بوا کا شجرہ تو تیز گام کے خاندان سے ملتا تھا۔ وہ نہیں رکیں۔ کوئی ایسا موضوع نہ تھا جس کو انہوں نے غیر اہم سمجھا ہو۔

حتیٰ کہ ایک مقام پر وہ کہنے لگیں۔ ''بھابھی! آپ تو بھائی جان سے پورے تین سال چھوٹی ہیں۔ وہ اٹھاون کے اور آپ پچپن کی ہیں۔ بس اب کچھ ہوجائے۔'' وہ اماں کی گڈ بکس میں کبھی بھی نہیں آسکتی تھیں۔ فضیلہ نے بے ساختہ ہنسی کو دباتے ہوئے سوچا۔

یہاں تک کہ بہوؤں نے کھانا پک جانے کی اطلاع دی۔

''یہیں لگا لے نازلی!'' ننھی بوا نے کہا۔ بہوؤں نے حکم کی تعمیل کی اور وہیں ایک دسترخوان لگا دیا۔ مگر یہ کیا، وہاں پہلے پانی کے گلاس اور بوتلیں رکھی گئیں۔ اس کے بعد چھوٹی بہو ایک بڑی سی ٹرے میں الگ الگ پلیٹوں میں کھانا لیے چلی آئی اور آخر سب کے ہاتھوں میں پلیٹیں پکڑا دیں۔ کھانے کا ایسا انتظام اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔

TAGPK.COM

اس نے اپنی پلیٹ پر نظر دوڑائی۔ اسٹیل کی چھوٹی سی پلیٹ میں تھوڑے سے چاول، ایک بوٹی، ایک آلو پڑے نظر آرہے تھے۔ اس کے بعد اس کی نظر میکانیکی انداز میں سب کی پلیٹوں پر چلی گئی۔ تو دیکھ کر کھانا پلیٹوں میں ڈالنے والے کے عدل وانصاف کی قائل ہوگئی۔ ہر پلیٹ میں ایک سے چاول، ایک بوٹی، ایک آلو پڑا تھا۔ چاولوں کا گٹھ جوڑ مثالی تھا۔

اس نے سر جھکا کر کھانا شروع کیا۔ بغیر رائتے اور سلاد، چاول کھانا ایک مشکل کام تھا مگر کیا کرتی، چپ چاپ کھانا ہی تھا۔ شکل میں فرق تھا مگر ذائقہ قدرے بہتر ہی تھا۔

ننھی بوا مسلسل فضیلہ کو گھور رہی تھیں۔ اس نے اپنی ماں کے منہ سے سنا تھا کہ ان کا ایک بیٹا کراچی میں بھی رہتا ہے جو کنوارا ہے۔

فضیلہ کو ان کی گھوریوں سے خطرے کی گھنٹی بجتی محسوس ہوئی۔ وہ اپنے باپ کی ننھی بوا سے لگی بہنوں والی محبت سے بخوبی واقف تھی۔ وہ سر جھکا کر کھاتی رہی، ننھی بوا اسے تکتی رہیں۔ اس کے چاول ختم ہوئے تو چھوٹی بھابھی نے پوچھا۔

''اور لاؤں فضیلہ!''

''نہیں نہیں۔ شکریہ۔'' فضیلہ نے فوراً جواب دیا۔ کہیں وہ لے ہی نہ آئیں۔

کھانا ختم ہوا تو دونوں بہوویں برتن سمیٹنے لگیں۔

''رک جانا زلی! چمچے دے سارے مجھے۔'' چھوٹی بہو نے چپ چاپ سارے چمچے ساس کے حوالے کردیے۔ اور ننھی بوا نے چمچے گن کر اپنے دوپٹے کے پلو سے صاف کیے اور لپیٹ کر ایک شاپر میں رکھ دیے۔ وسیلہ اور فضیلہ مارے صدمے کے بے ہوش ہونے کو تھیں۔

''ارے بھابھی! آپ سے کیا چھپانا۔ یہ لوگ دھیان نہیں رکھتیں، کھو دیتی ہیں۔ اس لیے اب میں نے دھونے کا سسٹم ہی ختم کردیا۔ بس یہیں سے نکالے اور یہیں رکھ دیے۔''

ننھی بوا کی بے نیازی دیکھنے لائق تھی اور وسیلہ اور فضیلہ کو لگا کھانا ابھی حلق سے باہر آجائے گا۔

دونوں اپنے تاثرات چھپانے میں بری طرح ناکام ہورہی تھیں۔ دونوں بہوؤں کی باچھیں ایسی کھلی ہوئی تھیں جیسے ان کو کرونا جیسی وبا سے تاحیات محفوظ قرار دے دیا گیا ہو۔

''آنٹی جی! آپ چائے پئیں گی؟'' شازیہ نے دلار سے پوچھا۔ وسیلہ بیگم نے اس کے انداز پر غور کیا۔

شاید کسی نے اسے بتادیا تھا کہ وسیلہ بیگم کا ایک عدد سجیلا جوان بیٹا اب بھی کنوارا ہے۔ وسیلہ بیگم کو شازیہ کو بہو کے روپ میں سوچ کر غش آنے لگا۔

''نہیں نہیں۔ اب ہم چلتے ہیں۔'' وہ یک دم کھڑی ہوگئیں۔ اب مزید وہاں نہیں رک سکتی تھیں۔ ننھی بوا بدحواس ہوگئیں۔ وہ بھی کھڑی ہوگئیں۔

''بھابھی! ذرا بات سنیے۔'' وہ رازداری سے سرگوشی میں بولیں۔

''ہاں ہاں ننھی! کہو۔'' وہ آگے بڑھتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

''کیا آپ نے فضیلہ کا کہیں رشتہ کر رکھا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے ان کے ہونٹ کانوں تک جارہے تھے، جیسے وہ صدیوں سے کوئی مدفن خزانہ ان کو سونپنے والی ہوں۔

''نن..... نہیں..... وہ ہاں.....'' وسیلہ بیگم کے ہاتھوں کے طوطے ہی اڑ گئے۔ فضیلہ کی بات کہیں طے نہ تھی۔ وہ نہیں کہہ کر پھنسنا نہیں چاہتی تھیں مگر ہاں بھی کیسے کہتیں۔

''چلو ننھی! میں چلتی ہوں، ایسی باتیں آرام سے ہوتی ہیں۔''

وہ جلدی جلدی سب سے ملتے فضیلہ کو لیے دروازے سے نکل گئیں۔ باہر نکل کر دونوں ماں بیٹی نے ایک دوسرے کو ایسے دیکھا جیسے وہ موت کے کنویں میں موٹر سائیکل چلا کر واپس آرہی ہوں اور جان بخشی پر شکر گزار ہوں۔

☆☆☆

وسیلہ اور فضیلہ دونوں ہی نفیس طبیعت کی مالک تھیں اور ان کے گھر میں ہر کام میں، ہر چیز میں صفائی

TAGPK.COM

کو سب سے پہلے اہمیت حاصل تھی۔

ان کا بیٹا جس کے لیے وہ رشتہ دیکھنے گئی تھیں، وہ تو صفائی کا کیڑا تھا۔ انہیں اپنے شوہر پر بہت غصہ آ رہا تھا جنہوں نے یہاں بھیجا تھا۔

ننھی ان کے شوہر کی سگے چچا کی بیٹی تھی، دونوں بچپن سے ساتھ پلے بڑھے تھے اور دونوں میں سگے بہن بھائیوں سے بھی زیادہ محبت تھی۔ وسیلہ جانتی تھیں ان کے پھوہڑ پن کو ان کا پھوہڑ پن پورے خاندان میں مشہور تھا۔ کافی عرصے سے بچوں کی شادی کے بعد خاندان میں ان کا ملنا جلنا نہ ہونے کے برابر ہو گیا تھا اور انہوں نے سوچا، اب تو زمانہ اتنا بدل گیا ہے۔ ننھی کے گھر دو دو بہوویں آ چکی ہیں، کچھ تو حالات بہتر ہوئے ہوں گے..... مگر جو منظر آج اچانک جا کے دیکھے تھے، وہ پہلے کبھی دیکھنے میں نہ آئے تھے۔

ننھی کے چھوٹے بیٹے کی بہت تعریف سنی تھی کہ بہت اچھا اور قابل لڑکا ہے اپنے خاندان سے الگ۔

ننھی کئی بار پہلے جب بچے چھوٹے تھے، فضیلہ کے لیے باتوں باتوں میں پوچھ چکی تھیں مگر وقت کے ساتھ بات وہیں کی وہیں رہ گئی۔

ان کے شوہر یہی چاہتے تھے کہ اگر لڑکی بھی پسند آ جائے تو وہ وٹہ سٹہ بھی کر لیں گے۔

وہ لڑکی کی قبول صورت پر بھی راضی ہو جاتیں، انہیں بس سمجھ دار اور سلیقہ شعار بہو چاہیے تھی۔ خود انہوں نے اپنی بیٹیوں کو یہی سکھایا تھا۔ مگر اتنا بے ڈھنگا پن دیکھنے کے بعد وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔

☆☆☆

وہ دونوں گھر پہنچیں تو اترتے ہی نومی نظر آیا، اس کی ٹنڈ دور سے لشکارے مار رہی تھی۔ وہ سینہ تان کر کھڑا تھا، جیسے قلعہ فتح کر کے آیا تھا۔ وسیلہ نے آتے ہی اس کی کمر پر ہاتھ جڑا۔

''بے وقوف کہیں کا، گنجا ہی ہو کے آ گیا۔''

''آپ نے ہی تو کہا تھا۔'' نومی کی مظلومیت عروج پر تھی۔

فضیلہ اس کی حالت پر ہنسی روکتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ آتے ہی صحن میں لگے واش بیسن میں ہاتھ منہ رگڑ رگڑ کر دھوئے اور خوب گلے کھنکار کھنکار کر کلی کی۔

''خیر تو ہے وسیلہ بیگم!'' ملک صاحب نے ہنستے ہوئے دریافت کیا۔ وسیلہ کڑے تیوروں سے ان کو گھور رہی تھیں۔

اور وہیں موڑھے پر بیٹھتے ہوئے سارا احوال ان کو باآواز بلند سنا دیا تاکہ سارے گھر والے سن سکیں۔ ملک صاحب نے ایسے سنا جیسے کوئی بات ہی نہ ہو۔

''ہاں تو کیا ہوا، تم نے اپنی بیٹی کی تربیت اچھی کی ہے۔ یہ سب بدل دے گی، اپنے سلیقے سے۔'' وہ آرام سے بولے۔ شاید ننھی بوا نے ان سے پہلے ذکر کیا ہوگا تب ہی انہوں نے کہا تھا کہ کسی روز ان کے گھر ہو آؤ۔

وسیلہ کو چار سو چالیس کا کرنٹ لگا اور فضیلہ کا دل چاہا دھاڑیں مار مار کر روئے۔

''یہ نہیں ہو سکتا، میری لاش پر سے گزرنا ہوگا آپ کو۔'' وسیلہ کا انداز ڈرامائی تھا۔

''بھئی بات سنو، عقل سے کام لو۔ ننھی کا چھوٹا بیٹا بہت قابل پڑھا لکھا سلجھا ہوا ہے۔ کراچی میں رہتا ہے۔

سرکاری ملازم ہے اس کا مستقبل انتہائی شان دار ہے، وہ اپنی فیملی سے بالکل الگ ہے۔'' وسیلہ یہ سب باتیں غور سے سن کر تھوڑی ٹھنڈی پڑیں۔ مگر اندر بیٹھی فضیلہ متوقع سسرال کے بارے میں سوچ کر غش کھا کر دھڑام سے بیڈ پر گر گئی۔

سلمیٰ اسے گرتا دیکھ کر اس کی جانب لپکی۔ وہ اس سارے پس منظر سے ناواقف تھی۔ وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ فضیلہ کیوں بے ہوش ہو گئی اور رشتے کے معاملے میں ''ہاں'' تھی یا ''ناں'' تھی۔

☆

سنیعہ عمیر

پہلے سے پہلے

مکمل ناول

اس نے کپکپاتے ہاتھوں سے اسکول کا بستہ اٹھایا۔ جھرجھری لیتا اس کا وجود لمحہ بھر میں پسینے سے شرابور ہو گیا تھا۔ اسے اسکول نہیں جانا تھا۔ بارہ سالہ بچی کے لیے ایسا سوچنا عام بات ہے۔ لیکن اس سوچ کی وجوہات معمولی نہیں تھیں۔

''جلدی کرو تم مجھے بھی لیٹ کرواؤ گی۔''

اس کی چھوٹی بہن بیگ پہنے تن فن کرتی باہر نکل رہی تھی۔ باہر جاتے ہوئے اس نے ساتھ ہی اس کی کلائی بھی پکڑ لی تھی۔

بے بسی کا ایک احساس اس کی رگوں میں دوڑا، اس کا دل چاہا اپنے جبڑے سے اپنی ہی کلائی کو چبا ڈالے۔ اپنی کلائی چھڑا لے کیونکہ اسے اسکول نہیں جانا تھا۔ لیکن وہ اپنے دفاع میں بہت نکمی تھی۔ چند منٹوں بعد وہ اور اس کی بہن وین میں سوار تھیں۔ اس کی بہن کسی ٹیسٹ کے بارے میں فرفر بول رہی تھی اور وہ خاموشی سے ساتھ بیٹھی تھی۔

وہ اتنی کم عمر تھی کہ اس نے نہ سقراط کے زہر کے پیالے کے بارے میں سنا تھا نہ ہی وہ ان بہادر خواتین کے بارے میں تفصیل سے جانتی تھی جو تخت پر بھی بیٹھتی تھیں اور میدان جنگ میں بھی اترتی تھیں۔ وہ تو صرف اتنا جانتی تھی کہ چاہے کچھ بھی ہو جائے اسے اسکول نہیں جانا۔ جب وین اسکول کے سامنے رکی تو مجبوراً اسے بھی نیچے اترنا پڑا۔ اسکول کے گیٹ کو دیکھ کر اسے وہ سب یاد آ گیا جس کے

TAGPK.COM

TAGPK.COM

TAGPK.COM

باعث اسے موت کی چاہ ہونے لگی تھی۔ اچانک اسے اس کے اندر بہت سی طاقت آ گئی۔ وہ ایک درخت کے پیچھے چھپ گئی۔ وین کی دوسری لڑکیاں اور اس کی بہن دوڑ کر گیٹ پار کر گئی تھیں۔ مصروف سڑک پر ایک کمزور سے درخت کے پیچھے چھپی وہ اب بھی خود کو برہنہ محسوس کر رہی تھی۔ اسے وہاں سے بھی نکلنا تھا۔ چوکیدار کی اب بھی اس پر نظر پڑ سکتی تھی۔

وہ خاموشی سے دیوار سے رگڑ کھاتی اسکول کے پیچھے نکل گئی اور دوڑ لگا دی۔ بارہ سال کی وہ بچی اب کھلے شہر میں تنہا تھی۔ اسکول یونیفارم والی وہ لڑکی بازار میں بیٹھتی تو ہر نظر کا مرکز بنتی، گھروں کے باہر بیٹھ جاتی تو بھی سوال کرنے والے ضرور آتے۔ وہ جاتی تو کہاں جاتی۔ بہت دور پیدل چل کر وہ ایک شادی ہال کے پاس پہنچی، اس جگہ رات کو رونق اور دن میں ویرانی ہوتی تھی۔ پارکنگ میں جنریٹر کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے شیڈ بنایا گیا تھا۔ زنگ آلود بدبودار جنریٹر کے ساتھ دبک کر اگلے پانچ گھنٹے وہ شیڈ کے نیچے بیٹھی رہی مگر وہ اسکول نہیں گئی۔

☆☆☆

بچے کی پیدائش پر دور دور تک اس کی آمد کی اطلاع پہنچتی ہے۔ بہت عرصے مبارک سلامت کا سلسلہ چلتا ہے۔ پھر پہلی اولادوں کو چھوڑ کر باقی بچے خاندانی ریڈار سے غائب ہو جاتے ہیں۔ قریبی رشتہ داروں کے علاوہ کسی کو پروا نہیں رہتی۔ پانچ سے پندرہ سال کا بچہ اسکول جاتا ہوگا، کھیلتا ہوگا اور شرارتیں کرتا ہوگا اور کیا۔

''کیوان زبیر، ڈاکٹر زبیر محمود اور عمارہ زبیر کا تیسرا بیٹا تھا جو بہت عرصے خاندانی ریڈار سے غائب رہا۔ لیکن جب اس نے میٹرک کا امتحان شاندار نمبروں سے پاس کیا تو بھولے بسروں کو بھی یاد آ گیا کہ نئی پود کا کیوان زبیر کس قدر لائق فائق ہے۔ کیوان کی خوش قسمتی یہ تھی کہ اس کے زرخیز ذہن کو زیادہ محنت درکار نہیں تھی۔ وہ اپنے ہم عمر لڑکوں والے سارے کام کر کے بھی اپنا تعلیمی ریکارڈ برقرار رکھنے میں کامیاب رہا تھا۔ اس نے انٹر میں پہلے سے بھی شاندار نمبر لیے تھے۔ پھر اس کے بعد اس نے اپنی روش الگ کر لی تھی۔ خاندانی دستور کے مطابق میڈیکل میں جانے کے بجائے وہ سی ایس ایس کرنا چاہتا تھا۔ اس لیے اب وہ شہر کی بہترین یونیورسٹی سے گریجویشن کر رہا تھا۔ اسی ہی یونیورسٹی میں اس کی فرخ وسیم سے دوستی ہوئی تھی۔

یونیورسٹی آ کر اسے معلوم ہوا تھا کہ دنیا تو یقیناً بہت ہی بڑی ہوگی کیونکہ اس کے شہر میں ہی بھانت بھانت کے لوگ بستے ہیں۔ فرخ کی دادی کا چالیسواں تھا اس نے کیوان سمیت دوسرے دوستوں کو بھی بلایا تھا۔ کیوان مروت میں چلا گیا تھا کہ چلو دوست کی خاطر ایک سپارہ تو پڑھ ہی لے گا۔ لیکن فرخ کا رہن سہن ان سے مختلف تھا۔ کیوان کو اپنی پشاوری چپل اتارنے کی بھی فرصت نہیں ملی۔ پرانے طرز کے گھر میں قدم رکھنے کی جگہ بھی نہیں ملی تھی اور اگر جگہ ہوتی بھی تو کسی کو خواہش نہیں تھی کہ کیوان مرحومہ کے ایصال ثواب کے لیے کچھ بھی پڑھے۔ اسے تو فرخ کی طرح کاموں پر لگا ہوا تھا۔ چالیسویں میں شرکت کرنے والے تمام لوگ لمبی محفل سجانے کی نیت سے آئے تھے۔ توقعات کے عین مطابق کھانے کا بھی انتظام تھا۔

اب کیوان نے تو ہمیشہ سے کیٹرنگ سسٹم دیکھا تھا جبکہ فرخ کے والد نے دیگیں پکوا کر برتن کرائے پر منگوا لیے تھے۔ پھر فرخ کے ہم عمر تمام لڑکوں کو کام پر لگا دیا تھا سب کی طرح پراتوں میں کھانا ڈال ڈال کر سفید چادروں پر رکھتے ہوئے کیوان کو الجھن ہو رہی تھی۔ اسے کام کرنے میں اعتراض نہیں تھا۔ لیکن اجنبی ماحول بہت کھٹک رہا تھا اس کے باوجود وہ عادتاً لگا رہا۔ کھانے کی ابتدا ہوتے ہی فرشی دسترخوانوں پر رش مزید بڑھ گیا۔

کیوان جو بہت دیر سے بیت الخلاء جانا چاہتا تھا اسے لگا یہ ہی صحیح موقع ہے۔ صحن اور کمروں کے بیچ میں موجودہ واش روم پر بہت دیر سے لائن لگی ہوئی

TAGPK.COM

تھی۔ جو کھانا دیکھ کر چھوٹ گئی تھی۔ اب بھی ایک دبلا پتلا کمزور لڑکا واش روم کی طرف جا رہا تھا۔ اس لڑکے کی پشت سے ہی اس کے خستہ حال حلیے کا معلوم ہو رہا تھا۔ بوائے کٹ بال بے دردی سے ٹیڑھے میڑھے کٹے ہوئے تھے۔ کھلی پینٹ اور بغیر استری کی دھاری دار کالر والی قمیص بلاشبہ اس نے کئی گھنٹوں سے پہنی ہوئی تھی۔ پہلی نظر میں کیوان کو وہ ملازم لڑکا لگا۔ پھر اس نے خود کو سرزنش کی کہ کیا خبر فرخ کا کوئی رشتہ دار ہی ہو، جو بھی تھا واضح تھا کہ وہ لڑکا کیوان سے تو کم عمر ہی تھا۔ کیوان نے آگے بڑھ کر اس لڑکے کو کندھے سے پکڑ کر پیچھے کیا۔

''سنو پہلے مجھے جانے دو۔'' اس نے بالکل سادہ لہجے میں عام سے انداز میں کہا تھا۔ لیکن جس کو کہا تھا۔ اس کے لیے کچھ بھی معمولی نہیں تھا۔

کندھے پر سے کیوان کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے اس نے باقاعدہ چیخ ماری تھی اور پلٹ کر کیوان کو دیکھا تھا۔ پھر وہ وجود دور دیوار سے جا لگا تھا۔ کیوان بھی اس ردعمل پر بوکھلا گیا۔ پھٹی پھٹی خوفزدہ کالی آنکھوں سے اسے دیکھنے والی لڑکی تھی۔ سر سے پاؤں تک گندا میلا لڑکوں والا حلیہ رکھنے والی وہ حقیقت میں لڑکی تھی۔ اس کے نازک خدوخال اور معصوم چہرہ واضح طور پر ایک لڑکی کا چہرہ تھا۔

''مر جانا مردود، ہاتھ ٹوٹیں تمہارے۔'' وہ سہمی ہوئی تھی پھر بھی آگ بگولہ ہو کر بولی۔

کیوان بھی جھٹکے سے پیچھے ہوا۔ آس پاس کے جن لوگوں نے لڑکی کی چیخ سنی تھی وہ لمحہ بھر منظر دیکھ کر دوبارہ کھانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ بے ڈھنگے حلیے والی اس لڑکی کی چیخ کو اس کی دماغی حالت کے مطابق انہوں نے معمول سمجھا تھا، صرف کیوان تھا جو اب تک حیرت سے اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ ایسی کیوں ہے۔ وہ لڑکی ہوش بحال ہوتے ہی عورتوں کے حصے کی طرف لپکی اور لمحہ بھر میں رش میں گم ہو گئی۔ کیوان بھی سست قدموں سے واش روم کی طرف چلا گیا۔

☆☆☆

وہ اب بھی چالیسویں والے گھر میں موجود تھا لیکن اب وہ گھر کے پچھلے حصے میں خالی دیگوں کے اردگرد بیٹھا اپنے دوستوں کے ساتھ کھانا کھا رہا تھا۔ اس کا ذہن کافی دیر اس عجیب و غریب حلیے والی لڑکی میں الجھا رہا تھا۔ مگر اب پرسکون ہو گیا تھا۔ اسے جواب ملا گیا تھا کہ وہ لڑکی ویسی کیوں ہے۔

کیوان کھاتے پیتے گھر سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر اس کا نسل در نسل خاندانی فخر ہمیشہ ان کی تعلیم رہی تھی اس کی دادی یونیورسٹی پروفیسر تھیں اور اپنے آباؤ اجداد کا فخریہ ذکر کرتی تھیں جو وزیر اور مشیر ہوا کرتے تھے۔ کیوان کی ماں ہاؤس وائف تھیں۔ لیکن وہ بھی بھاری بھرکم ڈگری لے کر بخوشی گھرداری نبھا رہی تھیں۔

کیوان کی تائی خصوصی بچوں کی استاد ہوا کرتی تھیں۔ وہ ڈاکٹر نہیں تھیں۔ مگر انہوں نے تھراپی میں چند کورسز کر رکھے تھے۔ بہت عرصے انہوں نے خصوصی بچوں کے اسکول میں مختلف ذہنی صلاحیتوں کے بچوں کو پڑھایا۔ کئی بچے ان کے گھر بھی آتے تھے اور کیوان کو ان سے ملنے ان کے ساتھ بات کرنے کا تجربہ تھا۔ اس کے لیے فرخ کی کزن کے بارے میں نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں تھا۔ وہ اپنی صفائی کا پیٹروں کا خیال نہیں رکھ سکتی تھی اس لیے ایسے بے ڈھنگے اول جلول حلیے میں پھرتی تھی۔

''شکریہ فرخ! تم نے چیخ کروا دیا۔ اب میں سیدھا ٹیوشنز کے لیے نکلوں گا۔ آج تین گھروں میں جانا ہے۔'' ان کا دوست اسامہ جلدی جلدی آخری نوالے کھاتے ہوئے بولا۔

''تم اتنی محنت کرتے ہو کیا فائدہ۔ بائیک ہی نئی لے لو۔'' چوتھے دوست نے شگوفہ چھوڑا۔

''بس سمجھو لے لی اور اب کوئی گزارے لائق بائیک نہیں لوں گا۔ سیدھا زیرو میٹر لوں گا۔'' اسامہ نے فخر سے کہا۔

''اچھا ٹیوشنز میں اتنی کمائی ہے تو میں بھی ٹیوشنز پڑھانا شروع کر دیتا ہوں۔'' کیوان نے غیر سنجیدگی سے کہا۔

TAGPK.COM

''اچھا تم بھی ٹیوشن پڑھانا چاہتے ہو؟'' فرخ نے بہت للچائی ہوئی نگاہوں سے کیوان کو دیکھا لیکن اس سے پہلے کہ دونوں میں سے کوئی بھی کچھ بولتا فرخ کو کسی نے آواز دے کر بلا لیا اور وہ وہاں سے چلا گیا۔

☆☆☆

یونیورسٹی کی باتیں کرتے اور کھانا کھاتے یہ محفل بھی برخاست ہوئی وہ دوست برآمدے میں پہنچے تو دیکھا رش چھٹ چکا تھا۔

''اچھا فرخ! میں بھی چلتا ہوں صبح یونیورسٹی میں ملاقات ہوگی۔'' کیوان نے الوداعی مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

''ذرا رکنا مجھے تم سے کام ہے شانی باجی! شانی باجی۔'' فرخ مصافحے والے ہاتھ سے ہی کیوان کو روک کر اپنی کسی باجی کو پکارنے لگا۔

چند لمحوں میں چوبیس سال کی شانی باجی پاؤں گھسیٹتے گھسیٹتے باہر آئیں۔ ایک بچہ گود میں اٹھا رکھا تھا جبکہ دوسرا بچہ ماں کا دوپٹا اور قمیص پکڑ کر ساتھ گھسٹتا آ رہا تھا۔ جس کے باعث ماں بھی چپل گھسیٹتی آ رہی تھی۔

''شانی باجی! یہ کیوان ہے میرا دوست، ٹیوشن پڑھانا چاہتا ہے۔ آپ کو ثمر کے لیے ٹیوٹر چاہیے تھا۔ یہ میرا اعتبار کا لڑکا اور بہت لائق ہے۔''

فرخ نے شانی باجی کے سامنے فر فر بولنا شروع کر دیا۔

کیوان فرخ سے ہاتھ چھڑوا کر دو قدم پیچھے ہوا۔ عجیب انسان ہے۔ انگلی پکڑاؤ ہاتھ پکڑ لیتا ہے۔ ابھی نہ کیوان نے ٹیوشن کے بارے میں کچھ کہا نہ فرخ نے تصدیق کی۔ اوپر سے بچوں کی ماں کو ٹیوشنز دھانے کے لیے قائل بھی کرنے لگ گیا۔ کیوان جھنجھلا کر وہاں سے بھاگنے کی تیاری کر رہا تھا۔ جب وہ بے ترتیب حلیے والی لڑکا نما لڑکی شانی باجی کی بغل میں آ کر کھڑی ہوگئی۔ کیوان اور اس کے اردگرد کی دنیا تجسس کے باعث پھر رک گئی تھی۔

''میں چاہ رہی تھی میری بہن کو کوئی ٹیوشن پڑھا دے۔ اس نے میٹرک کے امتحان دینے ہیں۔ بیمار رہتی ہے اس لیے توجہ سے پڑھ نہیں سکتی۔ کوئی پڑھانے والا مل جائے تو پاس ہو جائے۔'' شانی باجی نے سیدھا کیوان سے کہا۔

''باجی میں نے کہہ دیا کہ میں ٹیوشن نہیں پڑھوں گا تو نہیں پڑھوں گا۔ تم اپنے بچے سنبھال لو بہت ہے۔ میری فکر چھوڑو۔'' ثمر نے بہن کا وہی بازو پکڑا جس میں شانی نے پہلے ہی بچہ اٹھا رکھا تھا اور بدلحاظی سے جواب دیا۔

''ساری عمر دسویں فیل رہنا چاہتی ہو۔ مجھے تو ماں باپ نے پڑھنے نہیں دیا۔ شادی کر کے سر سے اتار دیا۔ تمہیں پڑھنا ہے کہ میری طرح بچے پیدا کرنے کی مشین بننا ہے۔'' شانی نے پلٹ کر ثمر کا ہاتھ مروڑ کر آنکھیں دکھائیں۔

''پڑھ تو رہا ہوں پاس ہونا ہوا تو ہو جاؤں گا۔'' ثمر نے بھی دھیمی آنچ جیسے لہجے میں کہا۔

کیوان کو ساری گفتگو سمجھ میں آ رہی تھی وہ شانی باجی سے ثمر اور ثمر سے شانی باجی کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اپنے لیے مذکر کا صیغہ استعمال کرنے والی یہ ثمر نما لڑکی بہت کچھ تھی مگر خصوصی انسان بالکل نہیں تھی۔ اس کی ذہنی طور پر تندرست انسانوں والی گفتگو کے بعد کیوان کو اپنے پچھلے تجزیے کے غلط ہونے کا اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا۔ اگرچہ اب ثمر کے متعلق ابہام اور سوالات مزید بڑھ چکے تھے۔

''تمہیں پڑھائی میں مدد کی ضرورت ہے۔ میں انتظام کر رہی ہوں۔'' شانی باجی نے ڈپٹ کر ثمر سے کہا۔

''مجھے صرف ایک چیز کی ضرورت ہے کہ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں۔ کوئی میرا باپ بنے، نہ کوئی میری ماں بنے۔'' بہن کو پلٹ کر جواب دیتی ثمر کپکپانے لگی، ایسا لگ رہا تھا کہ اسے کسی دورے کے باعث جھرجھری آ رہی ہو۔

کیوان نے فوراً اردگرد دیکھا فرخ قریب کسی رشتہ دار سے باتیں کر رہا تھا۔ اس لڑکی کی حالت سے

TAGPK.COM

کوئی تشویش میں مبتلا نہیں ہوا تھا۔ شانی باجی کا بچہ بھی رونے لگا تھا۔

''میں تو تمہاری بھلائی کا سوچ سوچ کر تھک گئی ہوں۔ کسی کو میرے کہنے کی پرواہ نہیں ہے۔ جاؤں تو کہاں جاؤں جو دل میں آتا ہے کرو۔'' شانی باجی دونوں بچے گھسیٹتی دوبارہ اندر چلی گئیں۔

کیوان اب اس کپکپاتی گھبرائی لڑکی سے کچھ دور اکیلا کھڑا تھا۔ سب کچھ اس کے لیے بے حد عجیب وغریب تھا۔ اس نے فرخ کو دور سے دیکھا اور بغیر الوداع کہے ہی پلٹ کر باہر جانے لگا۔ خدا جانے کیا ماجرا تھا۔ یہ لڑکی کیا چیز تھی اور ایسی کیوں تھی کیوان سوچ رہا تھا پھر وہ سوچتے سوچتے ایک بار پھر پلٹا سامنے اب بھی ثمر موجود تھی۔ اب وہ پہلے کی نسبت اپنی کیفیت کو کچھ قابو کر چکی تھی۔ مگر خاموشی میں بھی اس کی زبان کی بدلحاظی محسوس ہو رہی تھی۔ کیوان کو کچھ سوجھی وہ آگے بڑھ کر ثمر کے مقابل جا کھڑا ہوا۔

''میں کیوان زبیر ہوں۔ فرخ کا دوست، اس کی یونیورسٹی میں ہی پڑھتا ہوں۔ آپ نے مجھ سے ٹیوشن نہیں پڑھنی کوئی بات نہیں لیکن میں پڑھانے میں واقعی بہت اچھا ہوں۔ آپ میرا نمبر لے لیں۔ کبھی کوئی مشکل ہو تو میسج کر دیجیے گا۔ میں فون پر بھی بہت اچھا سمجھا سکتا ہوں۔'' وہ دھیمے صلح جو لہجے میں بول رہا تھا اور ثمر گومگو سی سن رہی تھی۔ جب اتنی لمبی تقریر کے بعد بھی ثمر کا جواب نہیں آیا تو کیوان کو پھر بولنا پڑا۔

''آپ اپنا فون دے دیں میں نمبر ڈال دیتا ہوں۔'' چند لمحوں کے لیے کیوان کو پھر اس لڑکی کی ذہنی صلاحیتوں پر شک ہوا۔ پھر ثمر نے پینٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر فون نکالا اور کیوان کی طرف بڑھا دیا۔

کیوان نے نمبر فیڈ کر کے دوبارہ فون ثمر کو دیا۔ کیوان مڑ کر باہر کی طرف چلا گیا۔ ثمر وہیں کھڑی رہی ساکت اور منجمد، اس کی بولتی نرم زبان بولنے والے کے سامنے بند ہو گئی تھی۔

☆☆☆

بڑی اولاد کو پیدا کرنے کی جتنی جلدی ہوتی ہے اس کو ٹھکانے لگانے کی بھی والدین کو اتنی ہی عجلت ہوتی ہے۔ شانی کا بھی یہی معاملہ تھا۔ اٹھارہ کی ہوتے ہی ماں باپ نے بیاہنے کی کی تھی۔ کیونکہ آگے چار مزید بچے موجود تھے۔ جو جتنا آراستہ ہوتا ہے اس کی اتنی ہی توقیر ہوتی ہے۔ شانی کو چھوٹے بہن بھائیوں کو پالنے کا تجربہ تھا آگے بھی اس سے یہی توقع کی گئی کہ بچے اور گھر سنبھالے گی۔ چند سال گھریلو الجھنوں میں پھنس کر اب اس کے قدم جمے تھے تو اسے احساس ہوا تھا۔ ثمر کو ہر لحاظ سے توجہ کی ضرورت تھی۔ چھوٹی بہنیں پہلی اولادوں کی طرح ہوتی ہیں۔ جن کو تب ماں بن کر پالا ہوتا ہے۔ جب ممتا کی سمجھ بھی نہیں ہوتی۔ اب ثمر کو دیکھتی تھی تو اپنی اولاد جیسی ہوک اٹھتی تھی۔ اب بھی وہ چند دن میکے آئی تھی تو ثمر کی بھلائی سوچ رہی تھی۔ اگر وہ کچھ پڑھائی کا بندوبست کر دے تو یہ لاابالی انداز خود ٹھیک ہو جائے گا۔ مگر ثمر کو راہ راست پر لانے کے لیے چند دن کافی نہیں تھے شانی بچے سلا کر رات کو تھک کر لیٹی تھی۔

اندھیرے کمرے میں اس کے قریب منڈلاتی ثمر، شانی کی ہر کیفیت جانتی تھی۔ اس اکیلی جان پر بیسیوں بکھیڑے تھے۔ ایک مسئلہ حل نہیں ہوتا تھا کہ دوسرے سے نبرد آزما ہونے کا وقت آن پہنچتا تھا۔ ثمر کو اپنی باجی پر بہت پیار آیا۔ وہ باجی کے بستر کے کنارے پر آ بیٹھی اور ان کی ٹانگیں دبانے لگی۔ وہ کتنی محنت کرتی تھی کس قدر تھک جاتی ہوگی۔ ثمر محبت سے بہن کو دبائی رہی۔ شانی بھی ابھی جاگ رہی تھی۔

''جانتی ہوں جانتی ہوں تمہیں مجھ سے محبت ہے۔ مگر کیا فائدہ اس محبت کا جو تم نبھانے بھی نہیں دیتیں اور اس کا مان بھی نہیں رکھتیں۔'' شانی نے غنودگی والے لہجے میں کہا۔

ثمر بول نہیں سکی بس دل میں سوچنے لگی۔

''یہ میری محبت ہی ہے باجی! جو اپنا کوڑھ زدہ وجود آپ سے مخفی رکھا ہوا ہے۔''

یہ سوچتے ہی اسے کچھ اور یاد آنے لگا۔ اپنا سفید

TAGPK.COM

اجلا وجود موتیوں کی رنگین مالا وہ پھر سے کپکپانے لگی۔ اسے فوراً کوئی اچھی یادداشت ڈھونڈنی تھی۔ اپنے ذہن کی بھیانک یادداشتوں کو قید کرنا تھا اور ان پر اچھی یادداشتوں کا پردہ گرانا تھا۔ اپنے ہی ذہن میں بھٹکتے بھٹکتے اسے کیوان کا چہرہ یاد آیا۔ وہ کچھ پرسکون ہونے لگی۔ جب سے اس نے حلیہ بدلا تھا اسے دھتکار کی عادت ہوگئی تھی۔ وہ بہت خوش تھی۔ وہ دھتکارے ہی جانا چاہتی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ اسے اچھے لوگ ملتے نہیں تھے۔ لیکن اچھے لوگ اس سے نگاہ پھیر کر اپنی راہ چل پڑتے تھے۔

کتنا خوش گفتار تھا وہ لڑکا۔ کیسے نرم لہجے میں توجہ سے بول رہا تھا۔ جیسے وہ جواب دے گی تو وہ سنے گا اور سمجھے گا۔ ثمر کو ایسے لہجوں کی کہاں عادت تھی۔ ماں باپ ہمیشہ تنے ہوئے لہجے میں بولتے تھے یا ڈپٹ کر چپ کروا دیتے تھے۔ سننے کا رواج ان کے گھر میں کم ہی تھا۔ البتہ بولنے کا رواج ضرور تھا جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی طرح ہر کوئی خوب بول کر دل کی بھڑاس نکال لیتا تھا۔ خواہ کوئی سنے نہ سنے۔ ”چل اب بس کر تھک جائے گی۔“ شانی باجی نے کہا۔ تو ثمر کو خیال آیا وہ اب بھی ان کی ٹانگیں دبا رہی تھی۔

کنارے سے اٹھ کر وہ اپنے بستر پر جا لیٹی۔ لیکن سونے سے پہلے اس نے موبائل کھول کر کیوان کا نمبر ڈیلیٹ کر دیا جس گلی جانا نہیں اس کا راستہ کیوں پوچھنا۔

☆☆☆

”اب انسان دوسروں کے رشتہ داروں کی کیا پرواہ کرے۔ ہمارے اپنے ہی کئی جھمیلے ہیں۔“ کیوان یہ جملہ کئی بار دہرا چکا تھا۔ وہ تنہائی میں اگر ثمر کا خیال آنے پر یہ جملہ ایک بار دہراتا تھا تو فرخ کے سامنے آنے پر یہ جملہ تین چار بار دہرانا پڑتا تھا۔ سچ یہ تھا کہ اسے ثمر کے بارے میں جاننے کا شوق تھا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا وہ ایسی کیوں ہے۔ فرخ سے اس نے باتوں باتوں میں پوچھا تھا۔

”بس یار کیا بتاؤں چچا کی فیملی ایسی عجیب سی ہی ہے۔“ فرخ ہمیشہ ادھورے جواب دے کر بات ٹال دیتا تھا۔ وہ واضح طور پر ان رشتہ داروں سے شرمندہ تھا۔

غیر شعوری طور پر کیوان نے کئی دن اس کے فون کا انتظار بھی کیا تھا۔ اب وقت تھا کہ اپنی زندگی میں مزید مگن ہو جائے۔ کبھی سالوں بعد کسی محفل میں عجیب و غریب اتفاقات کی بات ہو تو یاد کر کے کہہ دے کہ میں بھی ایک عجیب لڑکی سے ملا تھا جو لڑکوں کی طرح بولتی تھی۔ لڑکوں جیسے کپڑے پہنتی تھی۔ ٹیڑھے میڑھے بوائے کٹ بال تھے اور گندی میلی رہتی تھی۔ پھر محفل ختم ذکر ختم اور یاد ختم وہ اس مشن پر کاربند ہو چکا تھا۔ جب ایک دن فیس بک پر اس کو ثمر کی پروفائل نظر آئی۔ اس کی تصویر نہیں لگی تھی۔ مگر میوچوئل فرینڈز میں فرخ تھا۔ اور اس کا نام ثمر عابد تھا۔

☆☆☆

نوجوانی کے اولین ایام کس قدر خوب صورت ہوتے ہیں۔ بھولپن سے شعور کی طرف وہ پہلا قدم خود سے محبت سکھاتا ہے۔ دل اپنے دل کی سننے کو اکساتا ہے۔ اپنا ساتھ بھانے لگتا ہے۔ بارہ سال کی وہ بچی ساتویں کلاس میں تھی۔ اس پر نیا نیا انکشاف ہوا تھا کہ وہ چہرہ دھو کر ہلکی سی کریم ہی لگا لے تو جلد دمکنے لگتی ہے۔ کانوں میں بچپن کی ڈلی چاندی کی بالیاں اتار کر وہ کبھی جھمکے بھی رنگین تاپس پہننے لگی تھی اس دن وہ بال بنا رہی تھی تو بناتی چلی گئی۔ برش کے ہر چکر کے ساتھ اس کے بال پہلے سے چمکدار اور نرم ہونے لگے۔ شاید۔ اسی لیے اماں ابا کی لڑائی ہوتی رہتی ہے۔ اماں تین تین دن بال نہیں بناتیں اور بناتی بھی ہیں تو جلدی جلدی سلجھا کر پھر سے لپیٹ لیتی ہیں۔

ابا تو ہمیشہ تیار ہو کر گھر سے نکلتے ہیں۔ دفتر جانا تو معمول ہے مگر چھٹی کے دن وہ پہلے سے بھی زیادہ تیار ہوتے تھے۔ شاید اس۔ لیے انہیں اماں کو دیکھ کر غصہ آجاتا تھا۔ اس نے اپنے معصوم دماغ سے سوچا اور افسوس ظاہر کیا۔ پھر سوچا وہ اماں کو سمجھائے گی وقت نکال کر ان کے سر میں تیل لگائے گی کنگھا کرے گی۔ اماں اس کی ضرور مانیں گی۔ وہ اس سے بہت پیار کرتی تھیں اس کو انکار نہیں کریں گی۔ اس بار وہ بازار گئی تو اس نے

TAGPK.COM

کٹ دانے سے بنی بریسلیٹ خریدیں۔ اس کے اسکول میں پڑی لڑکیاں کلائیوں میں ڈھیروں ڈھیر بریسلیٹ پہنتی تھیں۔ اول ان کو کوئی کچھ کہتا نہیں تھا۔ اگر کہنے والا نظر آ جاتا تھا تو وہ لمبے دوپٹے کی اوٹ میں کلائی چھپا لیتی تھیں۔ اس کا بھی دل کیا وہ اپنی چمکیلی بریسلیٹس پہن کر اسکول جائے۔

اس کی سہیلیاں اس کو دیکھیں۔ اس دن وہ اپنی طرف سے بہت کارنامہ کر کے اسکول گئی تھی۔ اس نے کلائی میں رنگین کٹ دانے سے بنی بریسلیٹ پہنی ہوئی تھیں۔ خلاف توقع کسی نے توجہ دی نہ ہی ٹوکا۔ وہ پرسکون ہونے لگی۔ پاکستان اسٹڈیز کی کلاس میں ٹیچر ہما رٹا رٹایا سبق پڑھا رہی تھیں۔ اس کے بھی خیال بھٹک گئے۔ اس نے اپنی کلائی اٹھا کر چاہ سے دیکھی کھڑکی سے باہر سبز درختوں کی جھالر نظر آ رہی تھی۔ سبز درختوں کے آگے اس کی رنگین کلائی اس کو خود ہی بہت اچھی لگی۔ اچانک کلاس میں خاموشی چھا گئی۔ سب نے ٹیچر ہما کی آنکھوں کا تعاقب کر کے اس کی کلائی کو دیکھا۔ وہ بھی چونک کر حقیقت میں واپس آئی۔ ٹیچر ہما کی آنکھوں میں بہت عجیب تاثرات تھے۔ وہ ناخوش نہیں تھیں، لیکن خوش تو بالکل بھی نہیں تھیں اس نے جھٹ کلائی ڈیسک کے نیچے کر لی۔ ٹیچر نے دوبارہ رٹا رٹایا سبق پڑھانا شروع کر دیا۔

☆☆☆

چھٹی کی گھنٹی بجی تو لگا دن اختتام پذیر ہو گیا۔ وقت بھی ہمیں کیسے کیسے بے وقوف بناتا ہے۔ وہ چند سہیلیوں کا جمگھٹا کلاس سے نکل رہا تھا۔ جب باہر اس نے ٹیچر ہما کو کھڑے دیکھا۔

''میری بات سنو۔'' وہ اسے اشارہ کر کے آگے چل پڑیں۔ وہ اپنی سہیلیوں سے جدا ہو کر مخالف سمت چل پڑی تھی۔

''یہ جرنلز اوپر کمپیوٹر لیب میں رکھ آؤ۔'' سیڑھیوں کے پاس پہنچ کر ٹیچر نے اس کی طرف جرنل بڑھائے۔ اس نے جرنل پکڑے اور اوپر کو دوڑی۔ اسے واپسی کی جلدی تھی۔ کاش وہ اس کمرے میں قید ہو کر زندگی گزار دیتی جب اس کا ذہن اس کے دل جیسا معصوم تھا۔ اس کی کلائی میں موتیوں کی قوس قزح تھی اور اسے خود سے پیار تھا مگر وقت آگے بڑھ گیا۔ کمپیوٹر لیب میں سر خورشید اپنی معمول کی کرسی پر بیٹھے تھے۔ اس نے دستک دی۔

''آ جاؤ یہ ٹیبل پر رکھ دو۔''

اس کی کلاس سر خورشید سے حال ہی میں پڑھنا شروع ہوئی تھی۔ کلاس کے اوقات میں ایک خاتون لیب اسسٹنٹ بھی موجود ہوتی تھیں۔ اسکول میں مشہور تھا کہ سر خورشید کی ٹیچر ہما سے منگنی ہو چکی ہے۔ مگر کیا سچ تھا کیا خبر، وہ ٹیبل کی طرف جاتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ ٹیچر ہما تو خوب صورت ہیں معلوم نہیں شاطر شکل والے سر خورشید میں ان کو کیا نظر آتا ہے۔ اس نے جرنل ٹیبل پر رکھے تو پیچھے سے کنڈی لگنے کی آواز آئی۔ وہ ڈر کر پلٹی۔ اس کے اور دروازے کے بیچ میں وہ شاطر شکل والے سر خورشید حائل تھے۔ وہ نا سمجھے انداز میں دروازے کی طرف بڑھی اور خود کو شیطان کے شکنجے میں پایا۔

''سر سر۔'' اس کے منہ سے مزید کچھ الفاظ نکلتے اس سے پہلے اس کا منہ دبوچ لیا گیا۔ وہ مچھلی کی طرح اس کی گرفت میں تڑپ رہی تھی۔ ابھی اس کا ذہن مفلوج نہیں ہوا تھا۔ اس نے پاؤں سے سر کے بوٹوں والے پاؤں کو مارنا شروع کر دیا۔ کہنی سے ان کے سینے میں وار کیا۔ سر نے اس کی کلائی اور زور سے دبوچی موتیوں والا بریسلیٹ دردناک طریقے سے اس کی کھال کو چیر رہا تھا مگر اس سے زیادہ تکلیف اسے اس کمینے انسان کے لمس سے ہو رہی تھی۔ اس نے دانتوں سے منہ پر لپٹی انگلیاں کاٹیں اور ناخن سے آنکھوں پر حملہ کیا۔

وہ نہیں جانتی اس کے کس عمل سے حملہ آور کے قدم لڑکھڑائے۔ مگر وہ تیر کی تیزی سے کنڈی کھول کر باہر بھاگ گئی۔ وہ دوڑتی گئی دوڑتی گئی۔ ویسے ہی ڈرتے کانپتے منتشر وجود کے ساتھ وہ وین میں بیٹھی اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ وہ کچھ بول نہیں پا

TAGPK.COM

رہی تھی۔ دل جیسے پھڑک پھڑک کر دم ہی دے دے گا۔ گھر پہنچ کر وہ دوڑتی ہوئی کسی مہربان آغوش کی چاہ میں اندر گئی۔ کوئی ہو جو اسے اپنی گود میں لے کر اس بدصورت حقیقت کو اس کے دماغ سے مٹا دے۔ وہ اندر آئی تو صوفے پر امی کے ساتھ تائی امی بھی بیٹھی تھیں۔ اس سے پہلے کہ اس کے خشک ہونٹوں سے الفاظ نکلتے اس کی ماں اس پر جھپٹی۔

''اب تم کیا گل کھلا کر آئی ہو؟ اسکول سے پرنسپل کا فون آیا ہے۔ مجھے اسکول بلا رہی ہیں۔'' ماں نے جھٹ اس کے کندھے پکڑ کر جھنجھوڑا۔

''امی میں نے کچھ نہیں کیا کچھ نہیں کیا۔'' وہ چیخ رہی تھی۔ مگر جتنی وہ ڈری اور سہمی تھی اس سے لگ رہا تھا کہ وہ ضرور کوئی بڑا جرم چھپا رہی ہے۔ قریب تھا کہ ماں اس کو بالوں سے پکڑ کر اندر لاتی کہ تائی امی اٹھ گئیں۔

''اس پر کیوں غصہ اتار رہی ہو جس پر تمہیں غصہ ہے اس کو تو آج بھی کھانے کی ٹرے سجا کر پیش کرو گی۔'' تائی امی کا اشارہ اس کے باپ کی طرف تھا۔

''پہلے جا کر دیکھو تو سہی پرنسپل نے کیا کہنا ہے۔ بلکہ میں راستے میں چھوڑ دیتی ہوں کہاں رکشے پر خوار ہو گی۔'' تائی امی نے اپنا دوپٹہ درست کیا اور دونوں کے بیچ دیوار بن کر حائل ہو گئیں۔

اس کی کلائی کی خراشیں، اس کے جسم پر ان چاہے وجود کا احساس آنچ کی طرح دہک رہا تھا اور ایسے ہی الٹے قدموں وہ ماں کے ساتھ دوبارہ اسکول کی طرف چل دی۔

☆☆☆

اس کو کوئی ضرورت نہیں تھی کسی سے بھی رابطہ کرنے کی۔ ویسے بھی دوسروں کی ٹوہ لگانا گناہ ہوتا ہے کوئی جیسا بھی ہے اس کا ذاتی معاملہ ہے چھوڑو پرے۔ پورے ہفتے اس نے خود کو یہی درس پڑھا کر قائل کر لیا تھا پھر جب ویک اینڈ کی پرسکون صبح فراغت والی شام میں ڈھلی تو اس سے رہا نہیں گیا۔ اس نے سیدھا میسج کیا تھا۔

''میں کیوان ـــــ ہوں۔ آپ سے ٹیوشن کے متعلق بات ہوئی تھی۔'' اس نے جان کر فرخ کا حوالہ نہیں دیا۔

''سارا دن موبائل پر میسج آتے رہتے ہیں کہ پرانے اسپلٹ اے سی بیچ لیں۔ ان سے جان نہیں چھٹتی اب تم نے ٹیوشن بیچنا شروع کر دی۔ اتنے پیسے ہوں میرے پاس تو پٹرول خرید کر سب کو آگ نہ لگا دوں۔ کہہ دیا نہیں پڑھوں گا تو ٹیوشن نہیں پڑھوں گا بس۔'' وہ شاید بولتی ہی ایسے تھی۔ کیوان پر بھی چڑھ دوڑی۔ کیوان جو بہت ہی مختلف گفتگو ذہن میں سوچ کر بیٹھا تھا دم بخود رہ گیا۔ وہ ایسی کیوں تھی کیا معلوم مگر جو بھی تھی نہایت بدتمیز تھی۔

☆☆☆

گاڑی میں بیٹھ کر اس کا دل کیا ماں کو سب بتا دے مگر اس کی آواز اب بھی خوف کے باعث دبی ہوئی تھی۔ پرنسپل نے معلوم نہیں کیا کہنا ہو گا۔ کہیں وہ یہ نہ کہیں کہ اس نے بریسلیٹ کیوں پہنے خوف کے مارے اس کا رنگ سفید پڑ چکا تھا۔ وہ کچھ بولتی تو کیسے بولتی وہ ہوش میں تھی یہی معجزہ تھا۔ اس کی ماں گاڑی میں اب بھی رو رہی تھیں۔ اس نے غور نہیں کیا لیکن وہ اس کے گھر آنے سے پہلے سے رو رہی تھیں۔ تائی امی بغیر کسی وجہ کے ان کے گھر نہیں آئی تھیں۔

''اس آدمی کے ساتھ میں نے ہر طرح گزارا کیا۔ مگر یہ آدمی نہیں بدلا۔ اپنے ساتھ کی گئی بے وفائیاں میں نے معاف کر دیں۔ صبر کیا لیکن اب تو اس کی وجہ سے سڑکوں پر عزت نیلام ہونے لگی ہے۔'' اس کی امی دوپٹے میں منہ دیے سسک رہی تھیں۔

''پچھلی نوکریوں سے بھی جھگڑا کر کے نکالا گیا تھا۔ اب چند سالوں سے یہاں قدم جمے تھے تو یہ غبن کا الزام لگ گیا۔ ثابت ہو جائے گا تو مستقل جیل کاٹنی پڑے گی۔'' اس نے بے وفا ناکارہ شوہر کو ساری عمر دنیا دکھاوے کے لیے برداشت کیا تھا۔ اب بھرم ٹوٹنے والا تھا۔

''حوصلہ رکھو، کچھ ثابت وابت نہیں ہوتا اور اگر

TAGPK.COM

ہو بھی جائے تو عدالتوں کے چکر کوئی نہیں کاٹتا بس نوکری سے برخاست کر دیں گے۔ اتنا بڑھ بڑھ کر نہ بولو۔ جو بھی تھا تمہارا واحد کفیل ہمیشہ وہی رہا ہے۔ جو کما کر لاتا ہے تو گھر چلتا ہے۔'' تائی امی نے دیور کی حمایت کی۔

''وہ صرف رقم دیتا ہے دکھ سکھ اور ذمہ داریاں نہیں بانٹتا، رعب ڈالتا ہے ذلیل بھی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ رقم جو دیتا ہے۔'' اس کی ماں نے کڑھ کر سوچا۔

''لو اسکول آ گیا۔ مجھے دیر ہو رہی ہے ورنہ اندر آتی۔ اب حوصلے سے معاملہ نبٹانا، یہ ٹیچرز دشمنی پال لیتی ہیں پھر آگے پاس نہیں ہونے دیتیں، جو بھی خطا ہوئی ہوگی معافی مانگ لینا۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' تائی امی نے براہ راست اسے سمجھایا۔

☆☆☆

انگریزی میں کہا جاتا ہے۔ ''آئس بریک'' ہوگئی اردو میں کہتے ہیں پردہ سرکا اور پنجابی میں کہتے ہیں۔ ''جھاکا کھل گیا'' تو اس بدتمیز طرز تخاطب کے بعد کیوان اور ثمر کے بیچ کا بھی جھاکا کھل گیا تھا۔ کیوان نے ڈھیٹوں کی طرح ایک اور میسج کیا۔

''آپ غصہ نہ کریں میں بھی اب دوبارہ ٹیوشن کی بات نہیں کروں گی۔'' میسج بھیج کر کیوان مسکرایا اسے جواب کی توقع نہیں تھی اس لیے دوبارہ میسج کیا۔

''اگر آپ ایسے بول سکتی ہیں تو میں بھی بول سکتی ہوں۔'' کیوان اپنے لیے مؤنث کا صیغہ استعمال کر کے بہت خوش ہوا تھا۔

''میں ایسے ہی بات کرتا ہوں۔'' آگے سے ثمر کا جواب آیا۔

''لیکن میں ایسا نہیں بن سکتا۔ مجھے لڑکیوں کی طرح کپڑے پہننے پڑیں تو اگلے دن ہی دوپٹا بائیک میں پھنسا کر ایکسیڈنٹ کروا بیٹھوں، میں مردانہ حلیے میں ہی ٹھیک ہوں۔'' وہ بے مقصد بات کرتا جا رہا تھا۔

''ویسے آپ کے کون سے سبجیکٹ ہیں؟'' وہ سوال کر رہا تھا اور حیرت انگیز طور پر جواب بھی آ رہا تھا۔ وہ مزید باتیں کرتا گیا اور جواب آتے رہے۔

''تم نے نیٹ فلیکس پر فلاں سیزن دیکھا ہے؟'' کیوان نے پوچھا۔

''میرے پاس نیٹ فلیکس نہیں ہے۔'' وہاں سے پھیکا سا جواب آیا۔

''چلو اچھا ہے تم اپنا ٹائم پڑھائی پر لگاؤ۔ تمہارے گھر والے فکر مند ہوں گے۔'' اس نے جواب دیا۔

''میری بلا سے بھاڑ میں جائیں۔'' وہ جیسے ماچس ہتھیلی میں لیے پھرتی تھی اور ہر طرف آگ پھونکتی جاتی تھی۔

''تم ویسے فارغ وقت میں کرتی کیا ہو۔'' وہ اس کے لہجے کی ترشی ان دیکھی کر کے پھر اگلا سوال پوچھ لیتا۔

''کھانا پکا لیتا ہوں۔ پودوں کا خیال کر لیتا ہوں۔'' تمام آوازاری کے باوجود وہ جواب دیے جا رہی تھی۔

''اچھا اپنے لان کی تصویر مجھے بھی دکھانا۔'' وہ ہم عمروں کی طرح پیش آتا۔

''مجھے کچھ دکھانے کی ضرورت نہیں۔'' وہ پھر سے ہتھے سے اکھڑنے لگتی۔

''مجھے بچپن میں اسٹامپ اکٹھے کرنے کا شوق تھا۔'' وہ پھر بڑوں کی طرح گفتگو سنبھال لیتا، ایسے ہی بات کرتے کرتے وہ دونوں ایک دوسرے پر عیاں ہونے لگے۔

''چلو تم میں کوئی تو لڑکیوں والی بات ہے کھانا بنانے کا شوق ہے۔'' کیوان نے خوشی سے کہا تھا۔

''مجھے کھانا پکانا نہیں پسند، میں اس لیے بناتا ہوں کیونکہ مجھے چھری چلانے میں بہت مزا آتا ہے۔'' ثمر کا پرسکون جواب آیا۔

کیوان پہلے تو ہنس پڑا۔ وہ اپنی رکھائی کے باوجود دلچسپ تھی۔ پھر کیوان کو اس کے جملے میں پوشیدہ وحشت نظر آئی۔

''میں تمہیں زیادہ جانتا نہیں مگر تم بہت سادہ ہو تم میں کوئی سیاست نہیں ہے۔ بس تم ہر ایک پر غصہ

TAGPK.COM

ہونا چھوڑ دو۔'' وہ بھی جوان خون تھا۔ مشورہ دیے بغیر رہا نہ گیا۔ آگے سے بہت دیر جواب نہیں آیا۔

''تم مجھے نہیں سمجھ سکتے کیونکہ تم میرے جیسے نہیں ہو۔'' بہت دیر بعد اس کا جواب آیا۔ کیوان کو کچھ سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ مگر اس کے جسم میں سنسناہٹ دوڑی تھی۔ اس نے ایسا کیوں کہا تھا؟

☆☆☆

ہمارے معاشرے کے نظریے اور طرز تخاطب میں ترمیم کی ضرورت ہے۔ اس نے لفظ ٹٹولے کہ پرنسپل کو بتا سکے اس کے ساتھ کیا ہوا۔ لیکن اس کے ذہن میں جو الفاظ آئے اس میں اس کو اپنی ہی بے عزتی محسوس ہوئی۔ ایسا کیوں تھا کہ کسی اور کے ناپاک ارادوں سے اس کی عزت پر حرف آ سکتا تھا۔ اگر وہ اپنی حیوانیت دکھانے میں کامیاب ہو جاتا تو کیا وہ سچ میں بے آبرو ہو جاتی؟ اس کی کوئی عزت نہ رہتی؟ جس نے اس عمل کی چاہ نہیں کی، جس کی نیت خالص تھی۔ حرف اس کی عزت پر کیسے آ سکتا ہے۔ جس نے حیوانیت دکھائی عزت تو اس کی لٹنی چاہیے۔ اگر سچ میں ایسا ہے تو اس معاشرے کو چاہیے اپنا نظریہ اور اپنے الفاظ مظلوم سے ہٹا کر ظالم پر مرکوز کرے۔

وہ اب بھی لرز رہی تھی، دل کی دھڑکن کسی مجرم کی طرح بے قابو تھی۔ جو ہوا تھا اس کے باعث وہ خود کو مجرم اور پلید محسوس کر رہی تھی۔ کیا تھا جو وہ کبھی اوپر ہی نہ جاتی، کیا تھا جو وہ تیزی سے رجسٹر رکھ کر واپس آ جاتی، کیا تھا جو وہ بریسلیٹ نہ پہنتی۔

''بیگم عابد! مجھے افسوس ہے مجھے آپ کو ایسے بلانا پڑا لیکن میں اپنے اسکول میں کسی طرح کے ڈسپلن کی خلاف ورزی برداشت نہیں کر سکتی۔'' پرنسپل اس کی ماں سے مخاطب تھیں۔ جبکہ اس کی تمام توجہ کونے میں موجود سر خورشید کی جانب تھی۔ اس شخص سے چند گھنٹوں میں دوبارہ سامنا ہونا اس کی جان نکال رہا تھا۔

''لیکن آپ کی بیٹی نے حرکت ہی ایسی کی ہے کہ اس پر خاموشی اختیار نہیں کی جا سکتی۔ اس نے ہمارے کمپیوٹر ٹیچر کے والٹ سے پیسے چوری کرنے کی کوشش کی ہے۔'' پرنسپل کرخت لہجے کے ساتھ کہہ رہی تھیں۔ اور اس کا حیرت سے منہ کھل گیا تھا۔ ادھر تو ایک نئی کہانی گھڑ لی گئی تھی۔

''جب میں نے اس کو پکڑا تو یہ بھاگ گئی۔'' سر خورشید نے کہا، اس آدمی کی کمینگی کی کوئی حد نہیں تھی۔ اس کی ماں پہلے چونکی پھر پلٹ کر ثمر کو ہی دیکھنے لگی۔

''تمہیں شرم نہیں آتی کس چیز کی کمی تھی جو تم نے ایسا کیا۔'' اس کی ماں کو اس کا وکیل ہونا چاہیے تھا۔ لیکن وہ اس پر ہی انگلی اٹھا رہی تھی۔

''امی! یہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ الٹا انہوں نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ کمرے کا دروازہ لاک کر دیا تھا۔ میرا ہاتھ۔'' وہ اپنی خون زدہ کلائی دکھانے لگی۔

''چپ کر جاؤ اور معافی مانگو سر سے اور میڈم سے خبردار جو آئندہ ایسے کیا۔ عزت سے پڑھائی کرو میرے سر میں خاک ڈالنے کو تمہارا باپ کافی ہے۔'' ماں پھر بولی۔

یہ کیسی پیشی تھی، خون کو خون کے سامنے کر دیا تھا اور انجان لوگ فاتحانہ انداز میں تماشا دیکھ رہے تھے۔

''ٹیچر نے مجھے کہا اوپر رجسٹر چھوڑ آؤ میں وہ رکھنے گئی تو سر نے کنڈی لگا لی۔ انہوں نے مجھے پکڑ لیا تھا۔ میں نے بہت مشکل سے خود کو بچایا۔'' وہ شاک کے عالم میں وہ تکلیف دہ واقعہ اس ہی شخص کے سامنے دہرانے پر مجبور تھی۔ لیکن ماں نے نہیں سنا۔

''چپ۔'' اس کی ماں نے ایک زناٹے دار تھپڑ اس کے گال پر دے مارا۔

''ایک لفظ نہ بولنا معافی مانگو۔'' یہ اس کی ماں کے الفاظ تھے۔

اس نے چہرہ اٹھا کر ماں کو دیکھا۔ کیا واقعی یہ اس کی ماں کے الفاظ تھے؟ اگر کوئی اس سے پوچھتا دو گھنٹے پہلے دی گئی سر خورشید کی تکلیف زیادہ اذیت ناک ہے کہ یہ تھپڑ تو وہ بار بار کہتی، چیخ چیخ کر کہتی کہ اس تھپڑ سے بڑی اذیت اور کوئی نہیں۔ یہ تھپڑ اس ماں کی طرف سے آیا تھا جس نے اس کی تربیت کی تھی، جس نے اپنی تربیت کو بولنے تک کا موقع نہیں دیا تھا۔ اس ماں کی طرف سے آیا

TAGPK.COM

تھا۔ جس کی آغوش میں وہ سر رکھ کر اپنا دکھڑا رونا چاہتی تھی۔ لیکن اس کو اپنی اولاد کے لرزتے وجود کو دیکھ کر تشویش نہیں ہوئی تھی۔ اس نے یہ نہیں پوچھا تھا کہ ثمر کو کیا غم لاحق ہے۔ والدین کے حقوق ہر لقمے کے ساتھ گھول کر پلائے جاتے ہیں مگر اولاد کے حقوق کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ اس کا حق تھا اسے سنا جائے، اس کا حق تھا اس پر یقین کیا جائے، جو کام سر خورشید کرنے میں ناکام رہے تھے اس کی ماں نے کر دیا تھا۔ اسے بے وقعت اس کی ماں نے کر دیا تھا۔

ہم اولاد سے محبت کرتے ہیں پر ہمیں اسے نبھانا نہیں آتا۔ اولاد سے محبت یہ نہیں ہے کہ مار مار کر پڑھایا جائے تاکہ وہ اچھی نوکری پر لگ جائے یا گھر بسا لے۔ محبت تو یہ ہے کہ اس کو سمجھا جائے اس کی خوشی کا احساس کیا جائے۔ بچہ وہ جیتی جاگتی مورت ہوتی ہے۔ جسے ہم دنیا دکھاوے کے لیے بھی تراشتے ہیں۔ تاکہ دنیا دیکھے اور ہم سر اٹھا کر فخر کر سکیں۔ کبھی دنیا اور اس کے پیمانے بھی غلط ہو سکتے ہیں اور ہمارا بچہ صحیح ہو سکتا ہے۔

اس کی بولتی بند ہو گئی تھی پھر اس نے زبان نہیں کھولی، اس کو سننے والا کوئی نہیں تھا تو سمجھنے والا وہ کہاں سے لاتی، کم عمری میں ایسے حادثوں کا شکار ہونے کا بہت بڑا نقصان یہی ہوتا ہے کہ انسان کہیں نہ کہیں خود کو بھی قصوروار سمجھ رہا ہوتا ہے۔ وہ شک سے یقین کی طرف دھکیل دی گئی تھی کہ وہ ہی غلط ہے وہ لب سیے سسکنے لگی، رونے لگی۔

''چلیں آپ اس کو گھر جا کر سمجھائیے گا۔ آئندہ ایسا ہوا تو میں معاف نہیں کروں گی۔''

جہاندیدہ پرنسپل نے بھی دنیا کو اپنے ہی زاویے سے دیکھا تھا۔ پرنسپل نے بظاہر رعایت دے کر معاملہ نبٹایا۔ وہ معصوم خوش رہنے والی، اعتبار کرنے والی اچھی لڑکی جو اس دن صبح اسکول آئی تھی۔ اسکول سے واپس جاتے ہوئے ہمیشہ کے لیے بدل گئی تھی۔

☆☆☆

ثمر سبزی کاٹ رہی تھی۔ اب اس کی چھری چلانے کی شدت قدرے کم ہو گئی تھی۔ پہلے وہ چولہا جلاتی تھی تو وہاں کھڑے ہو کر ایک کے بعد ایک ماچس کی تیلی جلائے جاتی پھر شوق سے تیلی کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک جلتا دیکھتی رہتی اب وہ چولہا جلا کر موبائل پکڑ لیتی، کبھی کیوان کا میسج آیا ہوتا کبھی وہ خود میسج کر لیتی۔ وہ مصروف ہوتے تو مختصر بات کرتے تھے۔ فارغ ہوتے تو لمبی باتیں چل پڑتی تھیں۔

اب ان کی دوستی ایک درجہ ترقی کے بعد واٹس ایپ تک پہنچ گئی تھی۔ کیوان اکثر اپنی نئی سونڈ بونڈ تصویریں سوشل میڈیا پر لگاتا تھا۔ ثمر اپنی تصویر نہیں لگاتی تھی۔ وہ کبھی کالے گلابوں اور کبھی جامنی سمندر کی تصویر لگاتی تھی۔ جو ہفتوں لگی رہتی تھی۔ اب کی بار کیوان نے واٹس ایپ پر سیاہ لیدر جیکٹ والی تصویر لگائی تھی۔ اس کی تصویر دیکھ کر ثمر کو مشہور اداکار یاد آ گیا۔ جس نے ایسے ہی لیدر جیکٹ پہن کر موٹر بائیک چلاتے ہوئے ایک اشتہار میں کام کیا تھا۔

''تم لیدر جیکٹ پہن کر عمر شاہ میر کی نقل کر رہے ہو؟'' ثمر نے کھانا پکاتے ہوئے میسج کیا۔

''میری توبہ میں ان کی نقل کیوں کروں جن کا کام پہلے ہی دوسروں کی نقل کرنا ہے۔ سوچو انسان کو ایک فرضی کردار کو نبھانے کے پیسے مل رہے ہیں۔ ان کی اپنی پرسنالٹی کتنی بے کار ہوگی۔'' وہ خود کو ہیرو کہلانے والوں سے بہت اعلیٰ سمجھتا تھا اس لیے فوراً ثمر کا خیال ری جیکٹ کیا۔

''ہر کوئی ہی ڈھونگ رچاتا ہے۔ اصلیت چھپا کر خود کو برتر اور بہتر ظاہر کرتا ہے۔ فرق یہ ہے کچھ لوگوں کو اداکاری کرنے کے پیسے مل جاتے ہیں۔'' ثمر کی نظر میں پوری دنیا ہی تختہ دار پر لٹکائے جانے کے قابل تھی۔

''ایسا بھی نہیں ہے بہت سے سچے لوگ بھی ہیں۔ تمہارا ابھی اچھے لوگوں سے سامنا نہیں ہوا۔''

کیوان نے کڑواہٹ کا جواب نرمی سے دیا۔

''میرا اچھے اچھوں سے واسطہ پڑا ہے۔ میں اب ان کے اندر تک دیکھ لیتا ہوں۔ کچھ ظالم ہیں کچھ

TAGPK.COM

مظلوم اور باقی تماشائی، مجھے تینوں اقسام پسند نہیں۔ ان تینوں قسموں کے لوگوں کو اس دنیا سے ہی ختم ہو جانا چاہیے۔ دنیا اچھی ہو جائے گی۔'' وہ بولنے لگی تھی کیونکہ اسے سننے والا مل گیا تھا۔

''تم اچھی لڑکی ہو لیکن کبھی کبھی تم بہت غلط کر جاتی ہو۔ ساری دنیا کو سیاہ اور سفید میں تقسیم نہیں کرو۔ اتنی منفی سوچ تمہارے لیے نقصان دہ ہے۔ تمہارا رویہ اپنے گھر والوں کے لیے بھی نرم ہونا چاہیے۔ تم صحیح نہیں کر رہیں ہر وقت لڑتی رہتی ہو۔ اتنا طیش اچھا نہیں ہوتا۔'' وہ اس کے منہ سے ہی سن چکا تھا کہ اس کے گھر والے بھی اس سے تنگ ہیں۔ وہ سب کی ناک میں دم کر کے رکھتی ہے۔

''میں نے کبھی تمہیں کہا ہے تم ضرورت سے اتنے زیادہ میٹھے کیوں ہو، لوگ تمہاری نرم طبیعت دیکھ کر تمہیں روند کر چلے جائیں گے۔ نہیں کہا ناں تو تم بھی مجھے کچھ نہ کہو۔ اگر میں اتنا ہی برا ہوں تو مجھ سے بات ہی کیوں کرتے ہو۔ اب مجھے کوئی میسج نہ کرنا، کیا بھی تو میں ہرگز جواب نہیں دوں گا۔''

اس نے تنگ کر جواب دیا اور رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ کیوان کے دل پر لگا تھا وہ اس کے اس ہی قسم کے رویے کو تبدیل کرنے کا کہہ رہا تھا۔ وہ غالباً جان بوجھ کر دوسرے کو تکلیف دیتی تھی۔ اب اس کے رویے کی وصولی میں کیوان رضا کارانہ طور پر شامل ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے تئیں اس کو بہت پیار سے سمجھایا تھا لیکن ہر انسان مشورہ اپنے ظرف کے مطابق سمجھتا ہے ثمر نے بھی یہی کیا تھا۔

☆☆☆

اپنی ماں سے تھپڑ کھانے کے بعد اسے سارا دن چپ لگی رہی تھی۔ اس کی ماں کو لگا تھا وہ معاملہ نبٹا چکی ہے۔ ایک خاندان کے خوشی غم تو تا عمر سانجھے ہونے چاہئیں۔ لیکن ان کے گھر سمجھانے کا، تربیت کرنے کا رواج نہیں تھا سزا دینے کا سبق سکھانے کا طریقہ رائج تھا۔ وہ خود کو سنبھال کر کھانے کی میز پر آئی تو ماں نے غصے سے منہ پھیر لیا۔ اس کی چپ مزید گہری ہو گئی۔

اگلے دن وہ اسکول گئی تو اسے لگا سارے در و دیوار اس کا منہ چڑا رہے ہیں۔ ٹیچر ہما نے بھی معمول کے مطابق لیکچر لیا۔ کیا انہیں معلوم تھا پچھلے دن کیا ہوا تھا؟

اس نے ڈر کر سوچا کیونکہ اپنی ماں کی طرح اسے دوسروں سے بھی یہی توقع تھی کہ وہ اس ہی پر انگلی اٹھائیں گے۔ لیکن ٹیچر ہما کے رویے سے لگ رہا تھا انہیں کچھ نہیں معلوم۔ وہ کچھ سنبھلنے لگی اس کو یہی بہتر لگا کہ کسی کو کچھ معلوم نہ ہو۔ وہ دن بھی گزر گیا۔

اگلے دن اس کا نظریہ مزید پختہ ہو گیا۔ بہتر یہی تھا کسی کو معلوم ہی نہ ہو کہ سر خورشید نے کیا حرکت کرنے کی کوشش کی، جب کسی کو وہ معلوم نہیں ہوگا تو وہ یہ بھی نہیں جان پائیں گے کہ پرنسپل آفس میں اس کی ماں نے اس کو کیسے ذلیل کیا تھا۔

اگلے دن بھی اس نے ایسے ہی گزارا۔ گم صم چپ چپ، وہ اسکول جاتی گھر آتی اور ایسے ہی گم صم سارا دن گزار دیتی۔ چار دن بعد تو اسے شک گزرنے لگا تھا کہ شاید وہ ہی سر خورشید کے ارادے کو غلط سمجھی تھی۔ وہ اپنے ذہنی سکون کے لیے اپنی ہی یادداشت کی نفی کرنے لگی تھی مگر ہفتہ گزر گیا۔ غلط کو غلط نہ کہنے سے وہ صحیح نہیں ہو جاتا۔ ایک بار پھر اس کی کمپیوٹر کلاس کا دن آ گیا تھا۔

وہ پوری جماعت کلاس روم سے کمپیوٹر لیب کی طرف گئی تھی۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اسے سب ایسے یاد آ گیا تھا جیسے لمحہ بھر پہلے ہوا ہو۔ یہیں وہ ٹیبل تھی جس کے پاس وہ کھڑی تھی اور یہی تو وہ شخص تھا جس کی حیوانیت اس کے اپنے ضمیر کو کھا چکی تھی۔ وہ خدا جانے کیسے کلاس اٹینڈ کر رہی تھی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ بغیر سوچے سمجھے بورڈ پر لکھا رجسٹر پر اتار رہی تھی۔ بس جلد از جلد یہ کلاس ختم ہو جائے تا کہ وہ وہاں سے بھاگ سکے۔

اس پچاس منٹ کی کلاس میں وہ کئی بار خود کو سنبھال چکی تھی۔ کتنی بار اس نے اپنے ناخن اپنی کلائی میں پیوست کر کے خود کو چیخنے سے روکا تھا۔ بہت مشکل سے وہ پچاس منٹ گزرے تھے کلاس کی گھنٹی

TAGPK.COM

کے ساتھ ہی چھٹی کی گھنٹی بھی ہوئی تھی۔ سب لڑکیوں نے سامان سمیٹنا شروع کر دیا تھا۔ پھر بھرے کمرے میں اس جانور کی آواز ابھری۔

''یہ کیا کام کیا ہے تم نے ایک لفظ بھی صحیح نہیں لکھا۔ صحیح سے کام کرو اور جب تک کام ختم نہیں ہوتا تم یہاں سے نہیں جاؤ گی۔'' سر خورشید نے سب کے سامنے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا تھا۔ وہ سہم گئی تھی سکتے میں چلی گئی تھی۔ یہ کیا ہو رہا تھا۔ اس کا دل کہہ رہا تھا بھاگ جائے مگر وہ ذہنی طور پر بہت ڈری ہوئی تھی۔ پچھلی بار کی تذلیل اسے سونے نہیں دیتی تھی۔ کسی ایک انسان نے بھی اسے بتایا ہوتا کہ ایسے موقع پر کیا کرنا چاہیے تو وہ بہت کچھ کر جاتی لیکن اس کا نادان ذہن جب تک کچھ سوچتا کمرہ خالی ہو چکا تھا۔

وہ جلدی جلدی ہاتھ چلانے لگی۔ اسے لگا کام کر لے گی تو یہاں سے جا سکے گی۔ دروازہ لاک ہوا تھا۔ اس نے سب چھوڑ کر دوڑ لگا دی تھی لیکن اس کا شکاری کہیں زیادہ شاطر تھا۔ اس کے سہاروں نے اسے رسوا کر دیا تھا۔ وہ بے آسرا اس شیطان کے چنگل میں پھنس گئی تھی۔ اس بار اس نے خود کو بچانے کے لیے پہلے سے کئی گنا زیادہ طاقت لگائی تھی۔ لیکن اس بار شکاری بھی پہلے سے کئی گنا زیادہ پر اعتماد تھا۔ اس کمزور کم عمر لڑکی جس پر کسی کو اعتبار نہیں تھا۔ اس پر قابو پانا اس کے لیے کوئی مشکل بات نہیں رہی تھی۔ اس حیوان صفت آدمی نے خود کو ذلیل ثابت کیا تھا۔ اپنے اشرف المخلوقات ہونے کو داغدار کیا تھا۔ وہ بہت پستی میں جا گرا تھا۔ اس لعنت زدہ ذلیل مرد کے ہاتھوں اس بارہ سال کی بچی نے اپنا معصوم بے فکر بچپن کھو دیا تھا۔

☆☆☆

دو دن تک ثمر اور کیوان کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی، کیوان کے بھیجے ہیلو ہائے کے میسج کے جواب کے انتظار میں اپنا سا منہ لے کر رہ گئے تھے۔ تیسرے دن کیوان نے ساری صبح یونیورسٹی میں مغز ماری کی تھی پھر ساری شام انٹرنیٹ پر وقت گزاری اور دیر رات تک سوشل میڈیا پر آوارہ گردی کر کے وہ بہت دیر سے سونے لیٹا ہی تھا تو ثمر کا میسج آ گیا۔

''کیسے ہو؟'' اس نے ایسے سادے انداز میں پوچھا جیسے کوئی ناراضی بھی ان کے درمیان آئی ہی نہیں تھی۔

''ٹھیک تم کیسی ہو؟'' بے حد تھکاوٹ کے باوجود وہ ثمر کا پیغام اگنور نہیں کر سکا تھا۔

''میں بہت اداس ہوں۔ کائنات نئے سرے سے ناانصاف لگنے لگی ہے، یہ دنیا اچھی نہیں ہے۔'' ثمر کا جواب آیا تھا۔ کیوان کی نیند بھک سے اڑ گئی تھی۔

''کیوں کیا ہوا؟ تم ٹھیک ہو؟'' اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

''ہمارے روشندان میں ایک چڑیا کا گھونسلہ تھا۔ آج اس میں سے ایک ننھا چڑیا کا بچہ نیچے گر گیا وہ زخمی ہو گیا تھا۔ وہ اتنا چھوٹا تھا کہ ابھی بال اور پر بھی نہیں آئے تھے۔ اس کا دل دھڑک رہا تھا تو پورا جسم چل رہا تھا۔'' وہ لمبے لمبے میسج کر رہی تھی۔ کیوان بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گیا اس نے دوبارہ سارے میسج پڑھے۔ کیا واقعی اتنی رات کو وہ ایک پرندے کا دکھڑا سنانے کے لیے اسے جگائے ہوئے تھی۔

''میں نے اس کو ٹشو میں لپیٹا اس کو گرم رکھا۔ سرنج سے اس کو سریلیک کھانے کو دیا لیکن وہ نہیں بچا میرے ہاتھوں میں ہی اس کا دل دھڑکنا بند ہو گیا۔ وہ مر گیا۔ شاید گرنے سے اندرونی چوٹ لگی تھی۔''

ٹیکنالوجی اتنی اعلیٰ نہیں ہوئی تھی کہ ثمر کی سسکیاں کیوان تک پہنچ سکتیں۔ مگر جذبات اب بھی اپنے سگنل رکھتے تھے اس لیے کیوان کو اس کا غم سمجھ میں آ رہا تھا۔

''یہ تو بہت برا ہوا۔ اس پرندے کی ماں کہاں تھی؟'' کیوان نے جواب طلب کیا۔

''گھونسلے میں ہوگی۔ گھونسلہ اتنا تنگ تھا کہ میں بچہ واپس نہیں رکھ سکتی تھی۔ ظالم ماں، خدا نے اسے اولاد کیوں دی وہ دھیان بھی نہیں رکھ سکی۔'' ثمر شدید صدمے میں تھی۔

TAGPK.COM

''اس پرندے کی اتنی ہی زندگی لکھی تھی اب کیا ہوسکتا ہے۔ تم نے پوری کوشش کی، قسمت ہوتی تو بچ جاتا۔'' کیوان اچھے دوست کی طرح تسلی دینے لگا۔

''پرندہ تھا تو کیا اسے جینے کا حق نہیں تھا۔ یا تو وہ دنیا میں آتا ہی نہیں، ایک سانس بھی نہ لیتا تو ٹھیک تھا۔ لیکن یہ کیا ہوا اس کے ساتھ، وہ پرندہ تھا جو ایک پر بھی اگنے سے پہلے مر گیا۔ پرواز سے پہلے ہی مر گیا۔ وہ اتنی اونچائی سے گرا اور کسی کو رحم نہیں آیا کہ اسے اٹھا لیا جائے اللہ جانے کب سے گرا ہوا تھا۔'' وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

کیوان کو شدید حیرت ہوئی۔ کیا یہ وہی لڑکی تھی جو اتنی مشتعل رہتی تھی کہ جیسے سب کو آگ لگا دے گی۔ وہ لڑکی ایک ادنیٰ سے پرندے کے لیے دکھی ہو رہی تھی۔

کیوان کا دل مچلا تھا اس نے میسج کا جواب نہیں دیا تھا بلکہ کال ملا لی تھی۔ ثمر نے بھی کال ریسیو کر لی۔

''ہیلو۔'' کیوان نے کہا۔

''ہیلو۔'' ثمر کی آواز آئی۔

پھر سناٹا چھا گیا۔ دونوں جو میسج پر پورا پورا دن بات کرتے تھے ایک دوسرے کی آواز سن کر چپ ہو گئے تھے اور کتنی ہی دیر چپ رہے تھے۔ ایک ساتھ ایک دوسرے کے رابطے میں لیکن خاموش۔

''تم اس پرندے کا بتا رہی تھیں۔'' بہت دیر بعد کیوان نے ہی کہا تھا۔

''ہاں وہ پرندہ کیا کہوں دل پر بہت بوجھ پڑ گیا ہے۔ وہ میری نگرانی میں آیا اور میں بچا نہ سکا۔'' ثمر نے توقف سے کہنا شروع کیا۔ پھر وہ وقفے سے اپنے دل کی کئی باتیں کرنے لگی۔ کیوان سنتا رہا اور مختصر جواب دیتا رہا۔ زنانہ آواز میں کرتا ہوں کہتا ہوں سوچتا ہوں، سننا ایک الگ ہی تجربہ تھا۔ پہلی بار تھا کہ ثمر کی بدتمیزی اور بدلحاظی کو ایسے نظر انداز کیا تھا۔ پہلی بار تھا کہ اسے توجہ سے کوئی سننے والا ملا تھا اور اس رات پہلی بار کیوان کو ثمر کے متعلق تجسس سے بڑھ کر اور بھی کچھ محسوس ہوا تھا۔

☆☆☆

وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اس کی ذہنی اذیت زیادہ ہے یا جسمانی تکلیف اس سے بڑھ کر ہے۔ سچ تو یہ تھا کہ دونوں ہی ایک دوسرے پر سبقت لیتے ہوئے پہلی سے زیادہ ناقابل برداشت ہو رہی تھیں۔ اسے اتنی جسمانی تکلیف تھی کہ وہ بستر پر چت لیٹی کراہ رہی تھی۔ ان کی اسکول وین دو چکر لگاتی تھی۔ میٹرک کی لڑکیاں پریکٹیکل کلاسوں کے لیے دیر تک رکتی تھیں۔ اس دن صدیوں پر بھاری لگنے والی گھنٹوں کی اذیت کاٹ کر وہ نا جانے کیسے چل کر وین میں بیٹھی تھی۔

گھر پہنچنے تک اسے بخار چڑھ گیا تھا۔ اس کا جسم آتش فشاں بن گیا تھا۔ جس کے اندر ہی اندر بھسم کرنے والا لاوا بہہ رہا تھا۔ اس کے آنسو بہہ رہے تھے اور اس کے ذہن میں اتنی سوچیں تھیں کہ اسے لگ رہا تھا اس کا دماغ پھٹ جائے گا۔

اسے شدید غصہ آ رہا تھا۔ ظالم کے طاقت ور ہونے پر اور اپنے کمزور ہونے پر شدید غصہ۔ اسے ایسی گھبراہٹ محسوس ہو رہی تھی کہ لگ رہا تھا دل بند ہو جائے گا۔ وہ خود کو الزام دے رہی تھی وہ کلاس میں گئی کیوں؟ اگر گئی تو سب کے ساتھ بھاگ کیوں نہیں گئی۔ جو سلوک اس کے ساتھ ہوا تھا اس کے بعد وہ اپنے وجود سے شرمندہ تھی۔ اسے اپنا جسم ناپاک اور قابل نفرت لگ رہا تھا۔ کبھی وہ درد کی شدت سے غنودگی میں چلی جاتی تھی۔ کبھی وہ اپنے ہی بال نوچنے لگتی تھی اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ سب سے زیادہ وہ تنہا محسوس کر رہی تھی۔ اس دنیا اس گھر، اس معاشرے میں اس قدر تنہا محسوس کر رہی تھی کہ زندگی کی ہر سانس بوجھ بن گئی تھی۔

وہ کس کو اپنا غم کہتی؟ اور اگر کہہ بھی دیتی تو وہ اس کو ہی قصوروار پلید جانتا۔ اس ہی پر انگلی اٹھتی، وہ ہی بے آبرو ٹھہرتی کسی اور کے کیے کا بوجھ اس نے اپنے وجود پر لاد لیا تھا۔ وہ تنہا چلنے لگی تھی۔ وہ ذہنی طور پر کمرہ واردات میں ہی قید تھی۔ ہر تکلیف دہ یاد ہر منظر اب

Khawateen Digest September 2021

TAGPK.COM

بھی اس کے اردگرد موجود تھا۔ اسے لگ رہا تھا وہ کبھی اس یاد سے چھٹکارا نہیں پا سکے گی۔ اس کے وجود کا ایک حصہ اس ساعت میں قید ہو گیا تھا۔ وہ کمزور نہیں تھی، بنا دی گئی تھی پھر مردار نوش کرنے والا گدھ اور مضبوط ہوتا گیا وہ پہلی بار آخری بار ثابت نہیں ہوئی۔

☆☆☆

کسی بھی رشتے میں کامیابی کی ضمانت تعلقات ہوتے ہیں ـــــ کہنے سمجھنے کی صلاحیت کے بغیر ایک مضبوط رشتہ پنپ ہی نہیں سکتا۔ کیوان اور ثمر کے بے نام تعلق کو دنیا کے کسی رشتے کا نام نہیں دیا جا سکتا تھا لیکن وہ روز بروز مضبوط اور ٹھوس ہوتا جا رہا تھا کیونکہ وہاں رابطہ تھا دوسرے کی بات سننے اور سمجھنے کی لگن تھی اور کہنے کی چاہ روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔

وہ سولہ سال کی لڑکی اور اٹھارہ سال کا نوجوان لڑکا تھا۔ ان کے لیے اور بھی غم تھے زمانے میں، وہ بے تکلفی کے باوجود زیادہ تر میسج کرتے تھے۔ البتہ ویک اینڈ پر کال کر لیا کرتے تھے۔ پھر ثمر کے امتحانوں کی تاریخ قریب آئی تو وہ تقریباً روز بات کرنے لگے تھے۔ ثمر کو پڑھائی میں جہاں ضرورت محسوس ہوتی تھی وہاں وہ کیوان سے رابطہ کر لیتی تھی اگر وہ دوستی تھی تو کیوان اسے بہت اچھی طرح نبھا رہا تھا۔ ثمر کو اپنی چھوٹی سی عمر میں وہ اذیتیں ملی تھیں جن کا بوجھ لوگ ساری عمر نہیں اٹھا پاتے۔ کیوان کے آنے سے اسے تپتے صحرا کے سفر میں نخلستان مل گیا تھا۔ وہ بہت عرصے بعد یکسوئی سے پڑھ پائی تھی اس کے امتحان بہت اچھے ہوئے تھے۔ گولیوں سے بھری دوائیوں کے منہ اب ثمر کو کم کھولنے پڑتے تھے۔ زندگی کے بوجھ اس کے لیے پہلے جیسے ہی وزنی تھے۔ مگر اب اپنے کاندھے مضبوط لگتے تھے۔

''اس بار مجھے پورا یقین ہے کہ میں اچھے نمبروں سے پاس ہو جاؤں گا۔ تم نے میرا بہت ساتھ دیا۔ اتنے اچھے امتحان تو میرے پہلے کبھی نہیں ہوئے۔'' ثمر امتحانوں کے بعد اچھے پیپرز ہونے کی بھرپور خوشی منا رہی تھی۔

کیوان کا دل کیا اپنی محنت کا انعام مانگ لے۔ مگر وہ جانتا تھا ثمر سے ایسی کوئی بات کی تو وہ بھڑک جائے گی۔

''مجھے بھی تمہاری محنت پر پورا بھروسہ ہے۔'' کیوان نے ہمیشہ کی طرح اس کا حوصلہ بڑھایا۔

''اس بار بہت اچھے نمبر آ جائیں تو میں اچھے کالج میں داخلہ لے لوں گی۔'' وہ اپنی ہی دھن میں بولی تھی۔ کیوان اس کے جملے پر چونک گیا۔

''لے لوں گی۔'' مہینوں کی جان پہچان میں اس نے پہلی بار اپنے ـــ لیے مؤنث کا صیغہ استعمال کیا تھا۔ کیوان کو لگا اس کو بن مانگے اپنا انعام مل گیا ہو۔ ثمر اب بھی بول رہی تھی۔ لیکن اب کیوان کے ذہن میں ایک لمبے بالوں والی مسکراتی لڑکی کا تصور آ رہا تھا۔ کیوان اپنے ہی تصور پر مسکرایا۔

''اگر اس بار مجھے فیل کیا تو یقیناً اس میں کوئی سازش ہوگی۔ پھر تو میں نے پورے بورڈ کے دفتر کو آگ لگا دینی ہے'' وہ مشتعل ہو کر بولی تو کیوان کا سارا تصور دھڑام سے زمین بوس ہوا۔

اب اسے پھر سے کان کے اوپر تک کٹے ٹیڑھے میڑھے بالوں والی ثمر نظر آنے لگی تھی۔

''کالج جا کر بھی تم آتا ہوں کھاتا ہوں کر کے بولو گی؟ لڑکیوں کے کالج جانا ہے تو لڑکیوں کی طرح بولنے کی پریکٹس کر لو۔'' کیوان نے مذاق میں کہا۔

آگے سے خاموشی چھا گئی۔

''تم کیوں چاہتے ہو میں کمزور ہو جاؤں؟'' وہ ہمیشہ ایسے مشوروں سے دکھی ہو جاتی تھی۔

''یہ کیا بات کی تم نے، عورتیں کب کمزور ہیں۔ اب تو عورتیں مردوں والے سارے کام کر لیتی ہیں۔'' کیوان نے دلیل دی۔

''عورت کے مضبوطی کی مثال دی بھی تو یہ دی کہ وہ مردوں جیسے کام کر لیتی ہیں۔'' ثمر استہزائیہ ہنسی۔

''پھر تو میں صحیح ٹریک پر ہی ہوں۔''

TAGPK.COM

''تم اگر ایسے خوش ہو تو مجھے کوئی مسئلہ نہیں لیکن مجھے لگتا ہے تمہارے اندر ایک نرم دل نازک لڑکی بسی ہے جو باہر آنے کو بے تاب ہے۔'' کیوان کا مشاہدہ صحیح تھا۔

''میں تین دفعہ اس لڑکی کی جان لینے کی کوشش کر چکی ہوں کم بخت مرتی ہی نہیں۔'' وہ بلا کی سنجیدہ تھی۔

''کیا مطلب۔'' کیوان کے جسم میں ویسی ہی سنسنی دوڑی جو اس وقت دوڑی تھی جب ثمر نے کہا تھا تم نہیں سمجھ سکتے کیوں کہ تم مجھ جیسے نہیں ہو۔

''پہلی بار میں نے سبزی کی چھری سے رگ کاٹنے کی کوشش کی تھی۔ فائدہ نہیں ہوا چھری سے تیز تو میرے گھر والوں کی زبانیں تھیں۔ وہ سمجھے میں پاگل ہو گئی ہوں۔ وہ ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے۔ اگلی بار میں نے ڈاکٹر کی دی ساری سکون آور گولیاں ایک ساتھ کھالیں۔ کچھ دیر کے لیے بہت سکون محسوس ہوا تھا مگر پھر سلگ سلگ کر جینے کے لیے جان بچ گئی۔'' وہ بڑبڑا رہی تھی۔

''کیا بات ہے ثمر! مجھے بھی نہیں بتاؤ گی؟'' اس کے سوال میں حد درجے کا مان تھا۔ کتنے حق سے اس کے راز مانگ رہا تھا۔

ثمر میں اس کے حق کو جھٹکنے کی ہمت نہیں ہوئی۔

''کچھ سال پہلے جب مجھے سب کی بہت ضرورت تھی سب نے مجھے اکیلا چھوڑ دیا تھا۔ میں اکیلی تھی اور بے بس تھی۔'' ثمر کی آواز لڑکھڑائی کیوان نے اس کے جملوں کو سہارا دیا تھا۔

وہ اذیت ناک یادیں ثمر کے لیے دہرانا آسان نہیں تھا مگر یہ یادیں اس کے لاشعور میں ہمہ وقت زندہ رہتی تھیں۔ ثمر ایسی کیوں تھی اس کا جواب ثمر سے زیادہ کیوان کو گراں گزرا تھا۔

ثمر کی باتیں معصومیت چھین لینے جیسی سفاک تھیں۔ اتنی کڑوی تھیں کہ موت زندگی سے خوشنما نظر آ رہی تھی۔ وہ ایسا سچ تھا کہ کیوان کو لگا وہ اس بوجھ کے نیچے زندہ درگور ہو جائے گا اور کبھی نکل نہیں پائے گا۔

☆☆☆

اس کے جسمانی زخم بھرنے تک اس کے ذہنی زخم ناسور بن چکے تھے۔ وہ گرمی میں بھی ٹھوڑی تک چادر تان کر لیٹی ہوئی تھی خود کو بے وقت ڈھکنے سے وہ محفوظ محسوس کرتی تھی۔

''مہمان آ رہے ہیں۔ امی کہہ رہی ہیں ڈرائنگ روم کی ڈسٹنگ کر دو۔'' اس کی چھوٹی بہن فجر نے بیگ سے کتابیں نکالتے ہوئے اسے کہا۔

''میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ یہ جملہ اتنی بار دہرا چکی تھی کہ اب سب کو لگتا تھا اس کی بیماری ایک ڈرامہ ہے اور کچھ نہیں۔

''پچھلے دو مہینوں سے میں ہی ڈسٹنگ کر رہی ہوں۔ تم نے کوئی ڈیوٹی نہیں دی۔ میرا ٹیسٹ ہے۔ آج میں کچھ نہیں کروں گی سب کچھ تم ہی کرو گی۔'' اس کی بہن لائق ہونے کے ساتھ پراعتماد بھی تھی۔

''میرا سر چکرانے لگتا ہے ایسا لگتا ہے ہاتھوں میں جان نہیں رہی۔ میرا دل کرتا ہے۔ چیخوں چلاؤں مجھ سے کوئی کام نہیں ہوتا۔'' وہ چادر اتار کر اٹھ بیٹھی اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ وہ سر سے پاؤں تک اذیت میں ڈوبی ہوئی تھی۔

''اس طرح بستر میں پڑی رہو گی تو کوئی کام ہو گا بھی نہیں۔'' فجر کتابیں کھول کر جت گئی تھی۔

''فجر تمہیں معلوم ہے سر خورشید۔'' اس نے تمہید دیتے ہوئے لمبا وقفہ دیا۔

''سر خورشید بہت برے ہیں، وہ کلاس کے بعد کسی نہ کسی بہانے مجھے روک لیتے ہیں۔'' وہ بہت ڈر ڈر کر بول رہی تھی۔

''جانتی ہوں، تم ان کا دیا کام پورا نہیں کرتیں۔ ہر ہفتے تم وین کی دوسری شفٹ میں آتی ہو۔ پہلے تم نے ان کے والٹ سے چوری کی۔ اب وہ تم پر کڑی نظر رکھ رہے ہیں۔'' فجر نے وہی سب اس کے منہ پر کہا جو گھر والے اس کے پیٹھ پیچھے کہہ کر اس کے بگڑے ہوئے رویے کا جواز پیش کرتے تھے۔

''میں نے چوری نہیں کی۔'' وہ تڑپ کر بولی۔

TAGPK.COM

''ہاں معلوم ہے، سر نے تمہیں پکڑ لیا تھا۔ لیکن سر اتنے برے بھی نہیں ہیں۔ برے ہوتے تو سارے اسٹاف کو بتا چکے ہوتے اور تمام اسکول میں ہماری بدنامی ہو چکی ہوتی۔'' فجر نے اپنی طرف سے دلجوئی کی تھی۔ بہن کی بات سن کر اس کے رگ و پے میں بجلی کا جھٹکا لگا تھا۔ وہ جھٹ سے بستر سے اٹھی تھی تن فن کرتی کپڑا لے کر ڈرائنگ روم کی میزیں رگڑنے لگی تھی۔

''ابھی تو وہ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ میں چور ہوں۔ اگر انہیں معلوم ہو گیا کہ میں کیا کچھ کر چکی ہوں تو وہ میرے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟'' وہ ثمر تھی بارہ سال کی بچی ثمر جس کی خورشید نامی درندے نے اچھی برین واشنگ کر دی تھی۔ وہ مظلوم ہو کر بھی خود کو اس گناہ کا فریق سمجھنے لگی تھی۔ ثمر نے ایک کرسٹل کا گلدان اٹھایا اور اس کی سطح سے مٹی جھاڑی۔

''تم کسی کو بتاؤ گی بھی تو کوئی تمہارا یقین نہیں کرے گا۔ کوئی مان بھی لے گا تو میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔ سب تمہیں ہی دھتکاریں گے۔ تمہارے گھر والے تم سے نفرت کریں گے۔ اسکول تمہیں نکال دے گا۔ تمہارے والدین کی بدنامی ہوگی۔'' گلدان کی سطح پر اسے سر خورشید کا چہرا نظر آنے لگا تھا اور ہر طرف اس غاصب کے الفاظ گھوم رہے تھے۔

اس نے بارہ سال کی بچی کے ساتھ بہت بڑی مائنڈ گیم کھیلی تھی اور وہ بارہ سال کی بچی اس کی باتوں کو سچ مان کر چپ کر گئی تھی۔ اس نے یہی دیکھا تھا ظالم سب کو بھول جاتا ہے۔ مظلوم کو نہ کوئی بھولتا ہے نہ بھولنے دیا جاتا ہے۔ ہر ہفتے وہ راز مزید گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ وہ جتنا نفرت کر رہی تھی اتنا ہی اس حقیقت کو چھپانے پر مجبور ہوتی جا رہی تھی، گلدان پر اسے اس جانور کی شکل نظر آ رہی تھی۔ ثمر نے گلدان کو پہلے دبوچا پھر پوری قوت سے فرش پر دے مارا کرسٹل کا وہ حسین اور مہنگا گلدان پاش پاش ہوا تو ہر طرف آہ و بکا شروع ہو گئی۔

''یہ کیا کر دیا۔'' اس کی امی دوڑی چلی آئیں۔

''غلطی سے گر گیا۔'' اس نے گھبرا کر جھوٹ بولا۔

''میں نے خود دیکھا ہے تم نے اٹھا کر پھینکا ہے۔'' اس کا بھائی بھی اٹھ کر آیا تھا اور اس کے خلاف گواہی دے رہا تھا۔ اس کی ماں اور بھائی دونوں اس کو ایسے دیکھ رہے تھے جیسے کھا جائیں گے۔ ماں کو یہی نظر آ رہا تھا کہ اچھی بھلی ان کی بیٹی جوں جوں بڑی ہو رہی تھی بدتمیز اور بدلحاظ ہوتی جا رہی تھی۔ ثمر زمین پر ٹوٹے کانچ کے پاس بیٹھ کر رونے لگی۔

''تمہیں ہو کیا گیا ہے۔ ذرا سکون سے نہیں رہنے دیتیں ہر روز تمہارا کوئی نیا مسئلہ ہوتا ہے۔ اب روئیں تو آنکھیں نکال دوں گی ہر وقت کی نحوست۔'' ماں نے چلا کر کہا اور کانچ سمیٹنے لگی۔

یہی جملہ ماں نے بچی کو لپٹا کر آنکھیں پونچھ کر پوچھا ہوتا تو وہ سب بتا دیتی۔ لیکن اس دن وہ ایک بار پھر خاموش ہو گئی۔ پھر کئی دن تک خاموش رہی۔

☆☆☆

اس اذیت ناک خاموشی کو کچھ ہی عرصہ گزرا تھا تو ثمر کی تکلیف ناقابل بیان ہو گئی۔ اس نے اپنی خاموشی توڑ دی اس کو اپنی کھوئی ہوئی آواز مل گئی جس کو اس نے بلند کرنا شروع کر دیا۔

''میں اسکول نہیں جاؤں گی۔'' پہلے پہل وہ آرام سے کہتی تھی تو آگے سے بھی آرام سے جواب آتے تھے۔

''پڑھنا تو ہوتا ہے۔ شانی بھی بارہ پاس ہے۔'' اس کی امی کہتیں۔

''پڑھنا ہے تو اس اسکول میں نہیں پڑھوں گی۔'' وہ زیادہ زور سے کہنے لگی۔ جواب بھی زور دار آنے لگے۔

''اچھا بھلا اسکول ہے۔ قریب بھی ہے تم پڑھائی پر توجہ نہیں دے رہیں، اسکول کا مسئلہ نہیں ہے۔'' اس کی امی سمجھاتیں۔

کلاس میں اچھے نمبر لانے والی ثمر اس سال بمشکل پاس ہوئی تھی۔

TAGPK.COM

''یہ ٹیچرز تمہیں جانتے ہیں۔ اس لیے لحاظ کر کے پاس کر رہے ہیں۔ نئے اسکول میں کوئی لحاظ نہیں کرے گا۔ یہاں دونوں بہنیں ساتھ آتی جاتی ہو۔ تمہاری کتابیں فجر کو مل جاتی ہیں۔ سب چل رہا ہے۔ بس تم محنت کرو۔'' اس کی ماں کو اسکول تبدیل کرنے کا جھنجھٹ غیر ضروری لگ رہا تھا۔

اولین دلائل کے بعد ثمر ہتھے سے اکھڑ گئی۔ وہ پہلے ہی خودکشی کی ایک ناکام کوشش کر چکی تھی۔ کسی نے جاننے کی کوشش نہیں کی تھی کہ مسئلے کی جڑ کہاں ہے۔ وہ بس سر پکڑے ردعمل دیکھ رہے تھے اور اس ہی کو قصوروار سمجھ رہے تھے۔ ثمر منہ پھٹ ہوگئی تھی اسے پینک اٹیکس ہو رہے تھے۔ وہ گھر کا سامان جان بوجھ کر توڑنے لگی تھی۔ کوئی بات اس کی مرضی کے بغیر ہو تو وہ اردگرد موجود ہر چیز اٹھا اٹھا کر پٹخنے لگتی جس دن غصہ نکالنے کے لیے اس کو کچھ نہیں ملتا تھا وہ خود کو مارنا پیٹنا شروع کر دیتی۔

اسکول جانے کے نام پر گھر میں طوفان ہوتا تھا۔ کبھی وہ جیت جاتی تھی اور گھر پر رہ جاتی تھی۔ جس دن گھر والے جیت جاتے تھے اس دن اس کے تمام زخم دوبارہ ہرے اور پہلے سے زیادہ گہرے ہو جاتے تھے۔ پھر اس نے کمپیوٹر لیب کلاس کے دن اسکول بنک کرنا شروع کر دیا۔

یہ سہیلیوں کے ساتھ ایڈونچر میں کیے بنک نہیں تھے۔ یہ وہ بنک تھے جہاں چار دیواری میں محفوظ ایک درندے سے بچنے کے لیے اسے کھلے آسمان کے نیچے موجود بیسیوں درندوں سے خود کو بچانا ہوتا تھا۔ اسکول یونیفارم میں پھرتی ایک ننھی بچی کے لیے حملہ آوروں کی کمی نہیں تھی۔

ایک دن اس نے اسکول بنک کیا۔ پھر پیاس سے چور ہو کر وہ ایک دکان پر پہنچی۔ وہ کسی گم نام علاقے میں موجود ویران دکان نہیں تھی ایک بھرے پُرے محلے کی نکڑ کی دکان تھی۔ جہاں سے تاحد نظر گھروں کا سودا جاتا تھا۔

''انکل ایک پانی کی بوتل دے دیں۔'' ثمر نے ماتھے سے پسینہ صاف کیا۔ سورج کی تپش سے اس کا چہرہ اور زیادہ سرخ ہو رہا تھا۔

''یہ لو بیٹا دو منٹ پنکھے میں بیٹھ کر پانی پی لو گرمی نے تو کسی کو نہیں چھوڑا۔''

بوتل پکڑا کر وہ شیلف میں موجود ڈبوں کی ترتیب بدلنے لگا۔ ثمر اندر آ گئی اس نے پانی کا پہلا گھونٹ بھرتے ہی مڑ کر دیکھا۔ دکاندار ڈبے بے ترتیب ہی چھوڑ کر شٹر کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ وہ تیر کی تیزی سے دوڑی۔ پانی کی بوتل وہیں گر گئی۔ لمبے تپش والے راستے اس کو تشنگی کے ساتھ ہی گزارنے تھے۔

☆☆☆

ثمر کی ماں شہناز اپنی محدود دنیا میں رہتی تھی جہاں بچوں کو سننے سمجھنے کا رواج نہیں تھا۔ لیکن پھر ثمر کے مسائل نظر آنے لگ گئے تھے۔

اسے اٹیک ہوتا تو کتنی دیر ایسے تڑپتی جیسے سانس رک گیا ہو۔ گھنٹوں ہیجانی انداز میں روتی رہتی اسے کھانا ہضم نہیں ہوتا تھا۔ اسے انفیکشن ہو گئے تھے۔ تو آخر اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا ہی پڑا جو بات وہ اپنے فرشتوں کو بتانے کی ہمت نہیں کر پائی تھی ڈاکٹر سے کیا کہتی، وہ اینٹی ڈپریشن سمیت کئی دوائیاں لے کر گھر آئی تھی۔ وہ اتنے ڈھیر سارے محاذوں پر لڑ لڑ کر تھک گئی تھی۔ اس رات اس نے سکون آور دوائیوں کی تمام میسر گولیاں ایک ساتھ پھانک لیں۔ وہ کسی شیطان کا کھلونا نہیں بنے گی۔ وہ گھر والوں کے لیے بے سکونی اور بوجھ نہیں بنے گی۔ یہ سوچ کر وہ اپنی طرف سے ہمیشہ کے لیے سو گئی۔

☆☆☆

عقیلہ تائی ایک بار پھر ان کے گھر میں بیٹھی تھیں اور شہناز دوپٹے میں منہ دیے زار و قطار رو رہی تھیں۔ عقیلہ تائی کے سامنے سارے بھرم عرصے سے پاش پاش تھے۔ اس لیے شہناز نے خوب دل کی بھڑاس نکالی۔

''اکھڑ ہے بدتمیز ہے پر کیا کر سکتے ہیں۔ خون کا

TAGPK.COM

اثر کہیں تو آتا تھا۔'' لمبی تسلی دے کر یہ آخری جملہ عقیلہ نے منہ میں بڑبڑایا۔

''سائنسدان اس کو ٹین ایج کرائسس کہتے ہیں۔ تیرہ سال کراس کرتے ہی بچے بچیاں خود کو بڑا سمجھنے لگتے ہیں۔ اس لیے ضدیں کرتے ہیں۔ لڑتے جھگڑتے ہیں۔ بدتمیزی کر جاتے ہیں۔'' عقیلہ نے لال شربت کے دو گھونٹ بھرے کوئی کتنا بھی مخلص ہو۔ دوسروں کے جھمیلے نبٹانے کی سکت کی ایک معیاد ہوتی ہے۔

کچھ مہینے گزرے تھے۔ ثمر اب تیرہ سال کی ہو گئی تھی۔

''میں سختی بھی کرتی ہوں۔ ناراض بھی ہو کر دیکھ لیا۔ خدا جانے اس کو کیا ہو گیا ہے۔ اپنی جان لینے کی کوشش کرتی ہے۔ بہتر ہوتا کہ مجھے ہی مار دے۔'' خود کو مظلوم ترین سمجھنا دنیا کا سب سے آسان کام ہے اور شہناز وہی کر رہی تھیں۔

عقیلہ تائی نے شربت کا گلاس ختم کر کے ٹشو سے منہ صاف کیا۔

''یہ صرف کوئی ضد اور ہٹ دھرمی کا قصہ نہیں ہے۔ اس کی طبیعت اچھی خاصی خراب ہے۔ تم اتنی دوائیاں کھلا رہی ہو۔ ایسے تو کسی کا بھی دماغ پلٹ جائے۔ تم کا کی بننے کے بجائے بڑا بن کر دیکھو۔ ثمر کی چھوٹی سی جان کو کئی مصیبتیں لاحق ہیں۔''

کچھ لوگوں کی قسمت خراب ہوتی ہے کچھ لوگ ویسے ہی کم ہمت ہوتے ہیں۔ شہناز میں دونوں خصوصیات تھیں۔ وہ ہاتھ پاؤں ہلاتی بھی تھیں تو قسمت کے کیے پر ماتم ہی کرتی تھیں۔

''بھابھی ایک دن اس لڑکی کے ساتھ گزارنا عذاب ہو گیا ہے۔ وہ مجھے اپنی ماں نہیں دشمن سمجھتی ہے۔ میں ایک حرف بھی بولوں تو نشتر جیسا جواب دے مارتی ہے۔ اس کو اس کے حال پر چھوڑ کر بھی دیکھ لیا تو کلاسوں میں فیل ہونے لگی تھی۔ اس کا بس چلے تو کبھی اسکول کی شکل نہ دیکھے اور گھر رہ کر یہاں جو میں نے سالوں سے جمع جوڑ کر رکھا ہے وہ بھی توڑ پھوڑ دے۔'' شہناز کے پاس دلائل کی کمی نہیں تھی۔

''تم ہی کوئی عقل کو ہاتھ مار لو۔ شوہر سے تو بنا نہیں سکیں کم از کم بچوں سے تو کام نکلوانے کا کوئی گر سیکھ لو۔'' عقیلہ تائی کے پاس یہی حل تھا۔ شہناز جب تک اپنی لڑائیاں خود نہیں لڑے گی تو جیتے گی کیسے۔ باہر مسائل اور حل کا پٹارہ کھلا ہوا تھا تو اندر کمرے میں ایک الگ ہی طوفان برپا تھا۔

☆☆☆

کمرے میں اتنی خاموشی تھی کہ سوئی گرنے کی بھی آواز آ جائے۔ مگر اس کے اندر کا طوفان سب تہس نہس کر رہا تھا۔

''کیا میں اس لائق بھی نہیں کہ موت ہی مجھے قبول کر لے اور اگر زندہ ہوں تو کیوں زندہ ہوں؟ کسی شیطان کی ہوس کے لیے؟ کیا مجھے صرف اس لیے پیدا کیا گیا تھا کہ کسی جانور کا کھلونا بن کر رہ جاؤں ایک کمزور لڑکی جس کی بات سننے کا کسی میں حوصلہ نہیں تھا اس کا اعتبار کون کرتا۔ اس کے زندہ رہنے کا کیا فائدہ اور فائدہ نہیں ہے تو کیوں میں ناکام ہو جاتی ہوں مجھے غلاظت کے ڈھیر میں کیوں پھینکا گیا؟ صرف اس لیے کہ میں لڑکی تھی؟''

اپنے اندر سوالوں کے طوفان کو سمیٹے وہ خاموشی سے اٹھی اور اس نے خود کو باتھ روم میں بند کر لیا۔ اس کے پاس زیادہ وقت نہیں تھا۔ گھر والے طعنے دینے کے ساتھ ساتھ اب اس پر پہرے بھی دینے لگے تھے۔ اس نے قینچی پکڑی اور بالوں کو مٹھیاں بھر بھر کر کاٹنے لگی۔ اگر زندہ رہنا ہی تھا تو وہ لڑکی بن کر ہرگز زندہ نہیں رہے گی۔ اس نے اپنا سر تقریباً گنجا کر لیا تھا۔ دوپٹہ گلے سے اتار کر برہنہ سینے پر اتنی قوت سے باندھ لیا تھا کہ اس کی نسوانیت کسی راز کی طرح تہوں میں دب گئی تھی پھر اس نے ناخن سے گالوں کو اچھی طرح بار بار نوچا تھا تاکہ اس کی شکل بھی بگڑ جائے۔

اس کے فارغ ہونے سے پہلے ہی اس کی بہن نے دروازہ پیٹتے ہوئے اسے پکارنا شروع کر دیا تھا۔ اس نے بے خوفی سے دروازہ کھولا تھا۔ اس کی بہن

TAGPK.COM

فجر ہکا بکا رہ گئی تھی۔

''تم نے کیا کرلیا؟'' فجر بے حواس ہوئی تھی۔

''میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔ مجھے لڑکی نہیں بننا۔'' ثمر نے جواب دیا۔

وہ ثمر عابد اس روز بہت عرصے بعد دل سے پر سکون ہو کر مسکرائی تھی۔

☆☆☆

شہناز اب بھی لاؤنج میں بیٹھی رو رہی تھیں اور عقیلہ انہیں حوصلہ دیتے ہوئے سمجھا رہی تھیں۔ جب کمرے سے آوازیں آنے لگیں۔

''تمہیں جو چاہیے میں لا کر دے دیتی ہوں۔ خدا کے واسطے یوں باہر نہ جاؤ۔'' غالباً فجر دروازے کے آگے ڈھال بن کر کھڑی تھی۔

''تم لوگوں کو تو میں زہر لگتی ہوں پھر کیوں میرے منہ لگتے ہو۔ میں خود ہی کرلوں گی جو کرنا ہے۔ پہلے چاٹتے ہو پھر کہتے ہو زہر کڑوا ہے اور مجھ پر ہی تھوکتے ہو، ہٹو یہاں سے۔''

ثمر بہن کو دھکا دے کر دروازے سے نکلی تھی۔ سامنے عقیلہ تائی بیٹھی تھیں۔ ثمر سہم کر رک گئی عقیلہ تائی نے ٹیڑھے میڑھے بال کٹی ثمر کو دیکھا جس کے سر کی جلد جگہ جگہ سے نظر آ رہی تھی۔ وہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئیں۔

''یہ دیکھیں بھابھی یہ ہے میری اولاد جس کے بارے میں آپ مجھے سکھا رہی تھیں کہ حوصلہ رکھو پیار سے سمجھاؤ۔'' شہناز کو جیسے جن چڑھ گیا تھا۔

وہ صوفے سے اٹھ کر ثمر کو مارنے کے لیے دوڑیں بال تو پہلے ہی کٹ چکے تھے منہ پر تازہ تازہ ناخنوں کے زخم تھے۔ روح چھلنی تھی وہ مارتی تو کہاں مارتیں۔ بس ایک گردن اکڑی تھی شہناز نے اس کا ہی نشانہ لیا۔ شہناز دونوں ہاتھوں سے ثمر کو پیٹنے لگیں۔

''ایسی بدلحاظ بدتمیز اولاد پیدا ہوتے ہی کیوں نہ مر گئی۔'' عقیلہ تائی بڑھ کر شہناز کو روکنے لگیں۔

''وہ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ بیمار ہے۔ اس لیے یہ سب کر رہی ہے۔'' دھان پان سی عقیلہ تائی کے لیے شہناز کو قوت سے دور کرنا ممکن نہیں تھا۔

''یہ بیمار نہیں ہے۔ اس کے ذہن میں شیطان چڑھ گیا ہے، ہر روز ہمیں تکلیف دینے کے نئے گر سوچتی ہے۔ اس کی عمر کی لڑکیاں ماؤں کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنتی ہیں۔ لیکن اس کو نا معلوم کیا مسئلہ ہے۔ عذاب بنتی جا رہی ہے۔'' شہناز ہانپنے لگیں۔

فجر کو دوڑ کر ثمر اور ماں کے بیچ آنا پڑا۔

''امی آپ بیٹھ جائیں میں دیکھتی ہوں۔'' فجر ماں کو دور کرنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ ماں کو صوفے پر بٹھا کر وہ ڈری سہمی کانپتی ثمر کو بمشکل گھسیٹتی ہوئی اندر لے گئی تھی۔

''آپ نے دیکھا بھابھی آپ اس کی وکالت کر رہی تھیں اس کی۔'' شہناز اب سر پکڑے بیٹھی تھی۔

''معاملہ سچ میں گہرا ہے۔ یہ کوئی معمولی ٹین ایج کا اکھڑ پن نہیں ہے۔ اس کو کوئی ذہنی مسئلہ ہے۔'' عقیلہ کا دنیادار دماغ بھی بھونچکا رہ گیا تھا۔

''ڈاکٹروں کو دکھانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا وہ دوائی مرض دور کرنے کے بجائے زندگی ختم کرنے کے لیے استعمال کر گئی تھی۔'' اب کی بار شہناز روئی نہیں تھیں وہ گم سم ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔

''اس کو کچھ دن کے لیے میرے پاس بھیج دو ثمر کے باپ اور تایا کو میں سمجھا لوں گی۔ اس کا ماحول بدلنے دو۔ پھر کچھ سنبھلے گی تو میں ڈاکٹر کو بھی دکھاتی ہوں۔ وہ تمہارے قابو کی نہیں ہے۔ اس طرح تم بیمار ہو جاؤ گی اور وہ بھی کسی قابل نہیں رہے گی۔''

عقیلہ کو بڑا سمجھ کر بلاتے تھے تو اس نے بڑا بننے کا ثبوت بھی دیا تھا۔ مسائل پر تبصرہ کرنے کے بجائے وہ —— مسائل کا سامنا کرنے چلی تھی تو یہ ان کا بڑا پن تھا۔ لیکن ثمر کے مسائل عقیلہ کی پہنچ سے بھی دور تھے۔

☆☆☆

وہ چھ دن کے بعد اسکول آئی تھی۔ تایا ابو آفس جاتے ہوئے اسے اسکول چھوڑ گئے تھے۔ وہ جب سے تائی کے گھر تھی تب سے روز دادی اس کے سر میں

TAGPK.COM

تیل لگاتی تھیں تاکہ اس کے آنے والے بال لمبے اور صحت مند آئیں۔ تائی کے گھر دن گزر جاتا تھا لیکن راتوں کو ڈراؤنے خواب دیکھ کر وہ یہاں بھی چیخیں مارتی ہوئی ڈر کر اٹھ بیٹھی تھی۔

یہ سچ تھا کہ یہاں اسے کوئی طعنے نہیں دیتا تھا یہاں سب اسے بیمار سمجھتے تھے اس لیے اسے پیار سے رکھتے تھے۔ پھر بھی وہ ویسی ہی تھی۔ جیسے اپنے گھر میں ہوتی تھی۔ سانپ کا شکار کوئی نہیں کرتا۔ بھیڑیں بے نام ماری جاتی ہیں۔ کیونکہ سانپ زہریلا ہوتا ہے۔ ثمر کو بھی زہریلا بنے رہنا تھا تاکہ محفوظ رہے۔

اسے اسکول بھیجنے سے پہلے دادی نے بہت محبت سے دوپٹا اس کے سر پر اوڑھایا تھا۔ وہ کلاس میں بھی سر ڈھانپے بیٹھی رہی اس کی سہیلیاں اس سے دور ہوگئی تھیں۔ وہ بات کرلیتی تو کوئی جواب دے دیتا۔ ورنہ وہ خاموشی سے بیٹھی رہتی۔ اس دن ٹیچرز کی کوئی میٹنگ ہو رہی تھی۔ اس لیے ان کی ساری کلاس اندر ہی بیٹھی گپیں لگا رہی تھی۔

''ٹیچر ہما کی بھی شادی ہونے والی ہے۔ وہ میری بس میں جاتی ہیں۔ جس رشتہ والی نے میرے بھائی بھابھی کا رشتہ کروایا تھا انہوں نے ہی ٹیچر ہما کا بھی کہیں رشتہ کروادیا ہے۔'' قریب بیٹھی لڑکیوں میں سے ایک بولی ثمر علامتی طور پر کتاب کھولے بیٹھی تھی۔ یہ بات سن کر اس کے کان بھی کھڑے ہوگئے۔

''اچھا میں تو سمجھ رہی تھی سر خورشید اور ٹیچر ہما کی شادی ہوگی۔'' اس ہی ٹولی میں دوسری لڑکی نے پوچھا۔

''دونوں'' کا کپل تو ہے۔ لیکن منگنی شادی کا کوئی سین نہیں۔'' انفارمیشن لانے والی لڑکی نے پھر کہا۔

ثمر نے جو کتاب علامتی طور پر کھولی ہوئی تھی۔ وہ بھی بند کردی۔ وہ خود کو سر خوشید کو اپنی ماں کو اور قسمت کو الزام دینے میں اتنی مصروف تھی کہ اس نے ٹیچر ہما کے ملوث ہونے پر کبھی غور ہی نہیں کیا تھا۔ اب وہ سوچ رہی تھی تو آہستہ آہستہ سب نظر آتا جارہا تھا۔ ٹیچر ہما نے اس دن کلاس میں اسے سر سے کلائی تک جانچا تھا۔ کمپیوٹر لیب میں بھی اسے ٹیچر ہما نے بھیجا تھا۔ اسے لگتا تھا سر خورشید سے زیادہ نفرت اسے کسی سے محسوس نہیں ہوسکتی۔ مگر ٹیچر ہما سے اسے کہیں زیادہ نفرت محسوس ہوئی تھی۔ اس کے باوجود وہ پہلے سے بھی زیادہ بے بس محسوس کررہی تھی۔

☆☆☆

مس ہما میٹنگ اٹینڈ کرکے اسٹاف روم تک پہنچیں تو چھٹی کی بیل ہوچکی تھی۔ انہیں بس میں جانا تھا اس لیے جلدی سے سب کو الوداع کہہ کر گیٹ کی طرف لپکی گئیں۔ ان کے بائیں ہاتھ میں والٹ اور موبائل تھا جو وہ میٹنگ میں لے کر گئی تھی۔ دائیں بغل میں ان کا بیگ تھا جس میں انہوں نے بچوں کی کاپیاں اپنے نوٹس اور کئی اہم کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ یہ بیگ وہ اسٹاف روم میں چھوڑ کر گئی تھیں۔ چلتے چلتے انہوں نے والٹ بیگ میں رکھا ان کا ہاتھ کسی گیلی چیز سے ٹکرایا۔ اس نے بیگ میں جھانکا وہاں پر چیز گیلی اور سیاہ تھی۔ وہ الٹ پلٹ کر چیزیں دیکھنے لگیں ہر چیز پر کالی سیاہی بہہ رہی تھی۔ اس نے چہرے سے بال ہٹائے اس کا ماتھا اور گال بھی سیاہ ہوگئے۔ کسی نے جان کر ان کے بیگ میں سیاہی کی کئی بوتلیں انڈیل دی تھیں۔

ہر چیز ناقابل شناخت تھی۔ بیگ وہیں سڑک پر رکھ کر وہ کچھ ایسا تلاش کرنے لگیں جو سیاہی سے بچ گیا ہو مگر ان کو ایسا کچھ نہ ملا البتہ ان کے دونوں ہاتھ اور کپڑے سیاہی میں لتھڑ چکے تھے۔ دوسروں کی زندگی سیاہ کردینے والی کو اپنے جسم پر موجود علامتی کالک سے ہی گھن آرہی تھی۔

مس ہما نے کسی طرح خود کو اور بیگ کو سنبھال کر قدم بڑھایا ڈور گیٹ کے پاس ایک لڑکی سیدھی کھڑی ان کو گھور رہی تھی۔ لڑکی نے اپنے سر سے دوپٹا اتار کر اپنا چہرہ دکھایا۔ تقریباً گنجے سر اور مردہ آنکھوں والی وہ لڑکی ثمر تھی وہ ثمر جس کی آنکھوں کی رونق چھیننے میں مس ہما کا بہت گہرا ہاتھ تھا۔

ثمر کا زخمی چہرہ، اوٹ پٹانگ حلیہ اور وہ زندگی سے عاری آنکھیں دیکھ کر مس ہما کو لگا جیسے انہوں نے اپنا نامہ اعمال دیکھ لیا ہو۔ ثمر چند سیکنڈ انہیں گھور کر چلی

TAGPK.COM

گئی تھی۔ لیکن سیاہی میں ڈوبی ہما ویسے ہی ہکا بکا کھڑی رہیں بہت دیر بعد وہ ہلیں بھی تو وہ لڑکھڑا لڑکھڑا کر قدم اٹھا رہی تھیں۔

تائی امی کے گھر سب رات کو کھانے پر جمع ہوتے تھے۔ اس لیے وہ شام میں ہی تازہ سالن پکائی تھیں۔ تائی امی کچن میں مصروف تھیں ثمر بھی خاموشی سے کھسک کر اندر آ گئی۔

''میں کچھ مدد کروں؟'' ثمر نے سہمے انداز میں پوچھا۔

''دھیان سے کاٹنا۔'' تائی امی نے ثمر کو چھری اور سلاد کی سبزی پکڑاتے ہوئے ہدایت دی تھی۔

ثمر، تائی امی سے ضروری بات کرنے آئی تھی۔ لیکن جب اس نے سبزی کاٹنی شروع کی تو وہ اس کام میں ہی مگن ہو گئی۔ اس کے اندر کے غصے کو باہر نکلنے کا ایک جائز رستہ مل گیا تھا۔ اس پر ادراک ہوا کہ جسمانی مشقت کے ذریعے ذہنی سکون حاصل کیا جا سکتا ہے۔ سبزی کاٹ کر اس نے پورے گھر کی دوڑ لگائی وہ اور بہتر محسوس کرنے لگی پھر دوڑتی دوڑتی وہ اندر آئی اور کچن کے دروازے تک دوڑتی رہی۔

''تائی امی میں نے اب دوبارہ اس اسکول میں نہیں جانا۔''

اس دروازے میں پہنچتے ہی پھولے ہوئے سانس کے ساتھ جھٹ کہا۔ مبادا وہ کہنے کا ارادہ نہ بدل دے عقیلہ سالن پر دھنیا چھڑک رہی تھیں۔ مڑ کر ثمر کو جانچتی نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔

''اسکول میں کوئی مسئلہ ہے؟ کوئی تنگ کرتا ہے؟ پڑھائی نہیں ہو رہی؟'' تائی امی کے سوالوں میں ٹوہ تھی وہ اس سے مخلص تھیں۔ مگر وہ ان کی سگی اولاد نہیں تھی جس کے لیے ان کی مامتا تڑپتی ہو۔ وہ اس کا مسئلہ سنجیدگی سے حل کرنا چاہتی تھیں تاکہ جن سے ذمہ داری لی تھی ان کو بتا سکیں جو تم نہ کر سکے دیکھو میں نے کر دکھایا۔

''میں اس اسکول نہیں جانا چاہتی وجہ اگر آپ جاننا چاہتی ہیں تو بھی میں نہیں بتا سکتی۔ لیکن اگر اسکول نہیں بدلا تو میں کسی دن اپنی جان لے ہی لوں گی۔'' اس نے حقیقت کے ایک پہلو سے پردہ اٹھایا تھا۔ اصل بات اس نے اب بھی چھپا رکھی تھی۔ وہ راز ہی کیا جس کی جان سے زیادہ حفاظت نہ کی جائے۔

عقیلہ نے فراغت میں ٹھنڈے دماغ سے سوچا کلاسیں لے کر فیل ہونے سے یہی بہتر تھا کہ وہ اسکول ہی نہ جائے۔ عقیلہ نے اس کا اسکول چھڑوا دیا۔ ثمر کو ڈاکٹر نے سکون آور دوائیاں دے دیں۔ وہ بظاہر بہتر ہونے لگی تو اس کا نئے اسکول میں داخلہ کروا دیا گیا۔ وہ پھر بھی اپنے بال خود کاٹتی رہی۔ اب وہ سر گنجا کرنے کے بجائے بوائے کٹ بال رکھنے لگی تھی۔ لڑکوں جیسے کپڑے پہننے لگی۔ گندی میلی رہتی بدلحاظی سے بولتی یہ سارا کچھ اس کی ڈھال تھیں۔ جن کو وہ کسی طور پر چھوڑنے کو تیار نہیں تھی۔ اپنی ڈھالوں کے ساتھ وہ آگے بڑھتی رہی۔ وہ لڑکوں جیسی حرکتیں کرتی، اسے ڈر تھا وہ لڑکی بن کر رہے گی تو اس کی امی اس کی شادی کر دیں گی۔ کبھی وہ گھر چلی جاتی۔ پھر دوبارہ تایا کے گھر آ جاتی۔ تیرہ سے سولہ سال کا عرصہ اس نے ایسے ہی گزارا۔ وہ بظاہر جیتی جاگتی لڑکا نما لڑکی تھی۔ لیکن اندر سے وہ پل پل مرتی سہما ہوا زخموں سے چور ایک معصوم بچہ تھی اور بس۔ ثمر بولنا بند کر چکی تھی لیکن فون اب بھی چل رہا تھا۔ دوسری طرف موجود کیوان منتظر تھا کہ اب کوئی اسے چٹکی کاٹ کر جگا دے گا۔ یہ سب جو اس نے سنا تھا یہ سچ نہیں ہو سکتا تھا ایک بچی کے ساتھ ظلم ہوا اور اس کا اعتبار کرنے کے بجائے اس کو دھتکارا گیا۔ برا بھلا کہا گیا۔ سچ اتنا دردناک کیسے ہو سکتا ہے۔

''تم..... لیکن؟..... پھر..... مجھے سمجھ میں نہیں آ رہی میں کیا کہوں؟'' کیوان نے صاف گوئی سے کہا۔

''تم نے سن لیا، مان لیا آج تک کوئی یہ بھی نہیں کر سکا۔ تھینک یو۔'' وہ کس قدر ممنون تھی وہ بتا نہیں سکتی تھی۔ کوئی سنے گا اور یقین کرے گا ایسا تو اس کو بھی ممکن لگا ہی نہیں تھا۔

''میں نے تم سے دوستی کرنے میں دیر کر دی۔ کاش میں تب تمہارا دوست ہوتا۔ تمہاری مدد کرتا۔''

TAGPK.COM

وہ خود بھی زخمی اور ہارا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

''میں ہر پل یہ سب بھولنے کی کوشش کرتی ہوں۔ لیکن اگر پھر بھی یاد آجائے تو یہی سوچتی ہوں کہ کاش۔ مجھ میں اتنی طاقت آگئی ہوتی کہ اس کی حالت خراب کر دیتی، کاش میں اسکول نہ جاتی، کاش میں بریسلیٹ نہ پہنتی مگر کچھ نہیں ہوتا۔ دوسرا موقع کبھی کسی کو نہیں ملا۔ مجھے بھی نہیں ملتا۔'' اس طویل گفتگو کے دوران کسی لمحے وہ باقاعدہ طور پر تھاسے کی پر آگئی تھی۔

''بریسلیٹ؟ تمہیں لگتا ہے اس نے یہ سب بریسلیٹ کی وجہ سے کیا؟'' کیوں نے حیران ہو کر سنا۔

''صرف بریسلیٹ کی وجہ سے نہیں لیکن اس دن میں واقعی بہت اچھی لگ رہی تھی۔ ٹیچر ہما نے سوچا ہوگا میں یونیفارم کے خلاف بریسلیٹ پہن کر آئی ہوں۔ شاید میں غلط قسم کی لڑکی ہوں۔'' مظلوم ظالم کی گردن پکڑنے کے بجائے خود کو ہی مورد الزام ٹھہرا رہا تھا۔ ایسی ذہنیت کا قصوروار شاید معاشرہ تھا یا اس کے بسنے والے لیکن ایسی سوچ کو بھگت ثمر اور اس جیسی بے قصور مخلوق رہی تھی۔

''یہ کیسی منطق ہے؟ اس نے تمہاری عمر نہیں دیکھی؟ تمہارا یونیفارم نہیں دیکھا؟ تمہارا بچپن اور معصومیت نہیں دیکھی۔ ان سے کوئی چیز اخذ نہیں کی۔ موتیوں کی دولڑیوں سے تمہیں برا سمجھ لیا۔ ایسا نہیں ہوتا ثمر! تمہارا کچھ بھی کرنا کچھ بھی کہنا اس سب کی وجہ ہرگز نہیں بنا۔ ایسا بھول کر بھی مت سوچو تم بے قصور اور معصوم تھیں اور ہو۔'' وہ صحیح وقت پر صحیح بات کر جاتا تھا۔

یہ سننا تھا کہ ثمر رو پڑی۔ عرصے بعد درد کی شدت سے یادوں کے آسیب سے وہ رو پڑی کیوان دوسری سمت حوصلے سے اسے روتا سنتا رہا۔

☆☆☆

فون بند کرنے کے بعد وہ کتنی دیر بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ اس کا ذہن بھول بھلیوں میں کھو چکا تھا وہ بھول چکی تھی کہ کون سا وقت چل رہا ہے۔ پل بھر کے لیے وہ وہی ثمر بن گئی، جس کو اپنے منہ پر نزاکت سے کریمیں لگانا بالوں میں بار بار برش کرنا پسند تھا۔ پھر اگلے ہی پل وہ دوبارہ مہینے میں تین بار نہانے والی۔ اپنے بڑے بھائی کے پرانے ڈھیلے کپڑے پہننے والی ثمر بن کر سوچنے لگی۔ دونوں یادیں اسے پرسکون کرنے میں ناکام رہیں۔ تیسرے پل وہ کمپیوٹر لیب کے بند دروازے کے اندر محبوس بن گئی جس کی چیخیں اس کے اندر اس بے دردی سے گھونٹی گئی تھیں کہ آج تک اندر ہی اندر گونج رہی تھیں۔

اس ہی لمحے ثمر کا سانس بند ہونے لگا۔ اس کا سانس حلق میں پھنس گیا تھا۔ وہ بے بسی سے ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگی۔ وہ ڈر جو اس کے لاشعور میں رچ بس گیا تھا۔ اس کے شعور میں آکر اس پر حاوی ہو گیا تھا۔ بے بسی کے احساس نے اس کے ہاتھ پاؤں مفلوج کر دیے تھے۔ وہ بستر کے کنارے سے پھسل کر زمین پر گری اور تڑپنے لگی۔ وہ اتنی دیر تڑپی تھی کہ اسے لگا دنیا ختم ہو گئی اور اس کی جان نکل گئی۔

☆☆☆

اس وقت ثمر کے سامنے تو اس نے خود کو سنبھال لیا تھا اور حوصلے سے بات کی تھی۔ مگر وہ خود اس قدر شاک میں تھا کہ دن رات کا ہوش نہیں رہا تھا۔ ساری رات اس نے وحشت سے کروٹیں بدلی تھیں کسی کے ساتھ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ وہ اس بات سے انکار کر کے ایک بار پھر بے خبری کی دنیا میں جانا چاہتا تھا۔ جہاں بچوں کو بچہ سمجھا جاتا ہے۔ خواتین کی عزت کی جاتی تھی۔ لیکن اس کی پرفیکٹ دنیا کا تصور کرچی کرچی ہو چکا تھا۔ اب اسے وہ دنیا نظر آرہی تھی جہاں بغیر تصدیق کے کسی کو بھی استاد مقرر کر لیا جاتا تھا اور سامنے والا بھی اپنے پیشے کی عزت کرنے کے بجائے اس کی دھجیاں بکھیر دیتا تھا۔ کیوان نے اگلا پورا دن اس ہی کشمکش میں گزارا۔

اس میں ثمر سے رابطہ کرنے کی ہمت نہیں تھی دوسری طرف بھی خاموشی تھی۔ یونیورسٹی میں کیا ہوا اس کو کچھ یاد نہیں تھا۔ وہ چار بجے گھر آیا تو احساس ہوا اس نے صبح سے کچھ کھایا نہیں تھا۔ وہ صوفے پر نیم

TAGPK.COM

دراز ہوگیا اس کا بیگ اس کے قدموں میں آ گرا۔

''برخوردار! کیا بزرگوں کو سلام کرنے کا رواج ختم ہوگیا ہے؟'' قریب کے صوفے پر اس کی نانی بیٹھی تھیں۔

''نانی! آپ ادھر بیٹھی ہیں۔ میں دھوپ میں سے آیا تھا آپ نظر ہی نہیں آئیں۔'' اس نے جلدی سے اٹھ کر نانی کو گلے لگایا۔

''جیتے رہو، آج کل ہر وقت آن لائن رہتے ہو کیا بات ہے۔'' اس کی نانی بہت سالوں کی ٹیچنگ کے بعد ریٹائر ہوئی تھیں۔

اب بھی عینک لگا کر موبائل پکڑے کوئی گیم کھیلنے میں مصروف تھیں۔

''آپ بتائیں گیم کے کون سے لیول پر پہنچ گئی ہیں؟'' کیوان نے نانی کا سوال نظر انداز کر کے بات کا رخ موڑا۔

''یہ سر کا درد چھوڑے تو اس سے دگنے لیول کلیئر ہو چکے ہوتے۔'' نانی نے موبائل بند کر کے ایک طرف رکھا۔

کیوان نے ساری عمر اپنی پھرتیلی اور قابل نانی کے منہ سے ایک ہی شکایت سنی تھی اور وہ تھا ان کا سر درد، وہ نیند کی کچی تھیں۔ اس کے باعث ان کو سر درد رہتا تھا۔

''امی! میں آپ کے سر میں تیل لگا دیتی ہوں۔ کیوان! تم کھانا کھالو۔'' قریب کے کمرے سے کیوان کی ماما تیل کی بوتل لے کر کمرے میں داخل ہوئیں۔

''جو حکم۔'' کیوان کی بھوک یکدم چمک اٹھی تھی۔

وہ کھانا کھا کر لاؤنج میں ہی نانی کے پاس بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا تھا جب اس نے موبائل اٹھا کر ثمر کو ہیلو کا میسج لکھا پھر بھیجے بغیر مٹا دیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اس سارے معاملے میں وہ کیا کردار ادا کر سکتا ہے۔

''نانی! آپ جب مختلف ذہنی صلاحیتوں کے بچوں کو پڑھاتی ہیں تو آپ کو اس ذمہ داری سے ڈر نہیں لگتا؟ آپ کی کوئی ایک غلطی، لاپروائی میں کہا ایک جملہ اگلے انسان کے لیے تباہی ہو سکتا ہے۔'' وہ خود کو کڑا سبق پڑھا رہا تھا۔

''وہ بچے بے حد سادہ ہوتے ہیں محبت کی زبان فوراً سمجھ لیتے ہیں۔'' نانی نے مسکرا کر کہا۔

''ہاں یہ مسئلہ تو بڑوں میں آتا ہے۔ کسی بھی بات کا الٹا مطلب لے سکتے ہیں۔'' کیوان ثمر کا اکھڑا رویہ دیکھ چکا تھا اب دوبارہ یہ غلطی نہیں دہرانا چاہتا تھا۔

''اتنا گہرائی سے کیوں سوچ رہے ہو۔ ایسا کون سا دوست بنا لیا جو لفظ پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے؟'' نانی ہنسیں۔

''وہ ایک لڑکی ہے لیکن بالکل لڑکوں جیسی، ویسے ہی بات کرتی ہے کپڑے پہنتی ہے، ہر وقت غصے میں رہتی ہے لیکن بہت معصوم ہے۔'' اس نے جلدی میں ثمر کا تعارف کروا دیا۔

''پھر غصے کی کیا وجہ ہے؟'' نانی بھی سب چھوڑ چھاڑ کر ہمہ تن گوش تھیں۔

''دراصل'' کیوان بتاتا گیا۔ آہستہ آہستہ ٹکڑوں ٹکڑوں میں اس نے سب بتا دیا۔

''پہلے مجھے اس کے رویے کی وجہ معلوم نہیں تھی میں کچھ بھی کہہ دیتا تھا۔ اب سب جان کر میں اسے کیا کہوں؟ کس منہ سے اسے لڑکی جیسا بننے کا مشورہ دوں اگر کہہ دوں کہ اسٹریس نہ لو تو میں کتنا بے حس لگوں گا۔'' کیوان نے دکھ سے کہا اور نانی کو دیکھنے لگا۔

نانی نے بڑھ کر اس کے سر پر پیار بھرا ہاتھ پھیرا اور اس کا گال سہلاتے ہوئے ہاتھ وہیں روک لیا۔ ''تم ایسا کرو اسے کچھ بھی نہ کہو۔ صرف اسے سنو، اس کے پاس سنانے کو بہت کچھ ہوگا۔ سننے والا قسمت سے ملتا ہے۔ تم وہی سننے والے بن جاؤ۔ اس کے دل میں بہت بھڑاس ہوگی اسے نکالنے دو۔ اب تو تھراپسٹ آ گئے ہیں۔ دل کے درد کو سنتے ہیں۔ پھر علاج کرتے ہیں۔ ہمارے وقتوں میں ہمیں سننے والے بھی نہیں ملے۔'' نانی نے گال سہلا کر ہاتھ واپس کھینچ لیا۔

''آپ کے وقت میں؟'' کیوان سچ میں اچھا سننے والا تھا۔ اس نے چونک کر نانی کو دیکھا۔ نانی گڑبڑا گئیں پھر سفید سر ہلا کر کمزور جسم والی نانی آہستہ سے بولیں۔

''یہ ہمارے معاشرے میں بہت پرانی بات ہے۔ البتہ اب اتنی بڑھ گئی ہے کہ نظر انداز کرنا ناممکن

TAGPK.COM

ہوگیا ہے۔'' نانی کا چہرہ کچھ زیادہ اداس ہوگیا تھا۔

''آپ کے ساتھ بھی کبھی؟'' کیوان نے نانی کے دونوں ہاتھ بھینچ لیے۔

''تمہاری دوست کا سن کر لگتا ہے میرے ساتھ تو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ مگر بچپن کے معصوم کچے ذہن میں بدنیتی سے چھونے والا ایک لمس بھی آسیب کی طرح چمٹ جاتا ہے۔ میرے بھی چمٹ گیا تھا۔ اس آسیب سے چھٹکارا ملتا تو اس پر مزید پردے ڈال کر چھپا دیتے ہیں۔'' نانی نے ہمیشہ کی طرح مسکرا کر ہی کہا۔

''لیکن نانی آپ تو اتنی پڑھی لکھی سمجھ دار تھیں۔'' کیوان کو شدید حیران ہوئی تھی۔

''وہ تو میں ہوں۔ مگر مجرم مجھ سے بھی سمجھ دار تھا ایک بار کا قصہ تھا کسی کو بتانے سے بہتر لگا تھا کہ چھپا لوں۔''

نانی نے آہستہ آہستہ کر کے کیوان کو ہی سارا کچھ بتا دیا۔ کچھ دیر دونوں نے معاشرے کے اس پہلو پر رنج و غم کا اظہار کیا۔ دل سے دل تک کتنی باتیں ہوئی تھیں پھر وہ دونوں بھی معمول پر آ گئے تھے۔ نانی کیوان کے گھر ہفتہ بھر رہی تھیں۔ کیوان نے غور کیا تھا نانی کافی پرسکون تھیں۔ ان کے سر میں رہنے والا وہ دیرینہ درد اس کے بعد ہونا بند ہوگیا تھا۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو اس کے اردگرد اتنی تیز روشنیاں تھیں کہ اسے یقین ہوگیا تھا کہ اس سیاہ دنیا سے آخر کار اس کی جان چھوٹ گئی پھر سفید لباس میں موجود نرس کو دیکھ کر اسے احساس ہوا کہ اس کا وجود پرواز نہیں کر سکا تھا۔ یہ لمحہ بھی گزر گیا اور اس کی آنکھیں پھر بند ہوگئیں۔

اسے ثمر نے رابطہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے پانچ دن ہوگئے تھے۔ جب آگے سے جواب آیا تھا۔

''ہیلو، بس کچھ طبیعت خراب تھی۔''

ثمر کی طبیعت جیسی بھی تھی کیوان کی رگوں میں اس ایک میسج سے خون روانی سے دوڑنے لگا تھا۔

''کہاں تھیں تم، میں کس قدر پریشان تھا۔''

''میں وہ مووی بھی دیکھ آیا جس کا مجھے انتظار تھا۔''

''اور تم اتنے دن کہاں غائب رہیں کوئی کورس تو جوائن نہیں کر لیا تھا؟''

''ہمارا بھی فیملی ٹرپ پلان ہو رہا ہے۔'' اس نے پے در پے کتنے ہی سوال کر ڈالے۔ اس کے پاس دنیا کی خوش گوار خبریں ہوتی تھیں۔

''اچھا کہاں جاؤ گے۔'' وہ اپنی تکلیف بھول کر اس کی خوشیاں محسوس کرنے لگتی تھی۔

''امی کا سوات بھی پھنسا ہوا ہے اور ابو کا ہنزہ، خیر خیریت سے ٹرپ ہو جائے۔ یہ نہ ہوا ابو ہنزہ چلے جائیں اور امی اپنے میکے۔'' کیوان عادتاً اپنی زندگی کی اپ ڈیٹ دینے لگا پھر اسے ثمر کا خیال آیا۔

''ثمر! تم نے اتنا سب کچھ برداشت کیا میرا بس نہیں چل رہا تمہارے اسکول جا کر اس کو سبق سکھا آؤں۔'' کیوان کو دکھ بھی تھا اور غصہ بھی۔

''میں نے برداشت نہیں کیا میں نے خمیازہ بھگتا ہے مجھے کتنی قسم کی بیماریاں ہیں ذہنی تکالیف ہیں اب بھی مجھے پینک اٹیک ہوا تھا۔ ہاسپٹل رہ کر آئی ہوں۔'' ثمر کے لیے ہر بات اس سے کہنا آسان ہوگیا تھا۔

''تم کسی تھراپسٹ کو دکھاؤ تمہیں مدد کی ضرورت ہے تم اکیلے یہ سب ہینڈل نہیں کر سکتیں۔'' کیوان نے اسے سمجھایا۔

''میں تھراپسٹ کے جاؤں گی، وہ مجھ سے سوالات پوچھے گا، میں دوبارہ اس سب سے نہیں گزر سکتی۔ ابھی اٹیک اس ہی لیے ہوا کیونکہ میں نے تمہیں بتاتے ہوئے اس ساری اذیت کو دوبارہ محسوس کیا تھا۔ میں پہلے ہی بہت بار اس اذیت سے گزری ہوں اب بار بار گزرنے کی ہمت نہیں۔'' اس نے دوٹوک کہہ دیا۔

''تم نارمل اور خوش گوار زندگی گزارو، تمہیں ٹھیک ہونے کے لیے محنت کرنی پڑے گی۔'' کیوان نے پھر درخواست کی۔

''نارمل کا معلوم نہیں لیکن جس دن تم سے بات کرتی ہوں خوش رہتی ہوں، زندگی سے تمہارے جیسے سامع کی کوئی امید نہیں تھی۔ مگر تم انعام کی صورت مل گئے۔'' اس کے لیے مسکرانا آسان ہوگیا تھا۔

''تمہارے گھر والوں کو تمہارا ساتھ دینا چاہیے

TAGPK.COM

تھا الٹا وہ تمہیں ہی ڈانٹتے رہے۔"

اصولاً اس کہانی میں کیوان کو ہونا ہی نہیں چاہیے تھا ثمر کو اپنوں کا کندھا ملتا تو غیر کی جگہ نہ رہتی۔

"دنیا تنگ ہو جائے تو گھر کی دیواروں کو آپ کا آسرا بن جانا چاہیے۔ میرا گھر اور اس کے مکین ایسا نہیں کر سکتے۔" وہ دکھ سے بولنے لگی۔ ہر اس شخص جس سے اسے شکوے شکایت تھیں ان کے خلاف بھڑاس اس نے کیوان کے سامنے نکالی۔

کتنے ہی دن ایسے گزرے کتنی فون کالز ثمر کے اندر بھرے غبار کی نظر ہو گئیں۔

☆☆☆

پہلی ملاقات کا دن آ گیا تھا۔ ثمر نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر بال بنانا شروع کیے اور اس کام میں دو منٹ بھی نہیں لگے اس کے بال تھے ہی کتنے۔ کیا اسے کیوان سے ملنے جانا چاہیے تھا؟ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ اور اگر جانا چاہیے تھا تو کیا اس حلیے میں اونچے نیچے کٹے بالوں میں بدرنگ پرانی کالر والی شرٹ میں؟ اس نے پل بھر کو اپنا جائزہ لیا۔ پھر کندھے اچکا دیے۔ اب یہی اس کا اصل تھا وہ ٹائم پر کیوان کے بتائے پتے پر پہنچی۔ وہ ایک مصروف بازار تھا کوئی قریبی دوست یا سہیلی ہوتی تو۔ وہ اس کو ساتھ لے آتی مگر اس کا غم گسار کیوان ہی تو تھا۔

"اور تم آ گئیں۔" اچانک کہیں سے کیوان اس کے سامنے آ گیا تھا۔

"آ تو گیا ہوں پر مجھے جلدی جانا ہے۔" ثمر دن کے اجالے میں پہلی ملاقات جیسی اکھڑ اور بدتمیز ہو کر مل رہی تھی۔

"کوئی مسئلہ نہیں مجھے صرف تمہارے پینتالیس منٹ چاہئیں۔" کیوان نے خندہ پیشانی سے کہا۔

"مطلب؟" ثمر کی بھنویں تن گئیں۔

"جلدی چلو، ٹائم اسٹارٹس ناؤ۔" کیوان مصنوعی عجلت دکھاتے ہوئے تیز تیز آگے بڑھنے لگا۔

"لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں۔ کچھ بتاؤ تو سہی۔" ثمر سوال در سوال کرتے تیزی سے کیوان کے پیچھے چل رہی تھی۔

کیوان مصروف سڑک پر تیز تیز چل کر بائیں طرف ایک بلڈنگ کی طرف مڑ گیا۔ ثمر بھی اس کے پیچھے اتنی ہی تیزی سے بلڈنگ میں داخل ہوئی کہ اس بلڈنگ کا بورڈ بھی نہیں پڑھا۔

اندر ریسپشن ڈیسک کے اردگرد کئی خالی کرسیاں تھیں لیکن کیوان ایک راہداری میں داخل ہو کر دروازہ کھول کر ایک کمرے میں غائب ہو گیا۔ ثمر کی رفتار کو بریک لگ گئے۔ اس نے فوراً قدم موڑے اور وہ باہر کی طرف جانے لگی۔ بند دروازوں کے پیچھے جانے کا اسے کوئی شوق نہیں رہا تھا۔ وہ ویران جگہ نہیں تھی۔ وہاں لڑکے لڑکیاں سب پھر رہے تھے۔ دن کا اجالا پھیلا ہوا تھا۔ مگر اسے دن کے اجالوں کے ہولناک ہونے کا تجربہ تھا۔ وہ اس جال میں نہیں پھنسنا چاہتی تھی۔ وہ بلڈنگ کے باہر آ گئی انگلیاں مروڑتے ہوئے اردگرد سواری ڈھونڈنے کے لیے جائزہ لینے لگی۔

"کہاں جا رہی ہو؟" کیوان دوڑتا ہوا اس کے پیچھے آیا تھا۔

"میری مرضی جہاں بھی جاؤں تم مجھے بتا کیوں نہیں رہے تم کہاں لے کر جا رہے ہو۔" وہ پھٹ پڑنے کو تھی۔ کیوان نے حیرت اور بے یقینی سے انگلی اٹھا کر بلڈنگ پر لگے بورڈ کی طرف اشارہ کیا۔

"مارشل آرٹس سینٹر" بلڈنگ پر لکھا تھا۔

"میں نے سوچا جسمانی ٹریننگ تمہارے لیے اچھی ہو گی۔" کیوان شرمندہ ہو گیا تھا۔

"مجھے سرپرائز نہیں چاہئیں، میں برداشت نہیں کر سکتی تمہیں کسی چیز پر ایک سو دس فیصد اعتماد بھی ہو کہ وہ میرے لیے اچھا ہے تو بھی تمہیں میری رضامندی پوچھنی ہے اور میرے جواب کا مان رکھنا ہے۔" اس کے دل کی دھڑکن قابو میں آ گئی تھی مگر اس کے جسم پر اب بھی سنسناہٹ ہو رہی تھی۔

"آئی ایم سوری۔" کیوان نے دونوں ہاتھ کان کے پاس لے جا کر کہا۔

"مس ثمر عابد! میں نے آپ کا داخلہ ابتدائی کراٹے کلاس میں کروایا ہے۔ مجھے امید ہے اس سے آپ کو اچھا لگے گا۔ کیا آپ اندر جا کر کلاس کا مشاہدہ کرنا

TAGPK.COM

چاہتی ہیں، تاکہ آپ فیصلہ کرسکیں۔'' کیوان نے کسی شاہی دربان کی طرح سینے پر ہاتھ رکھ کر جھک کر کہا۔

''اچھا ٹھیک ہے۔'' ثمر سے اہتمام سے باتیں نہیں ہوتی تھیں۔ وہ مختصر جواب دے کر اندر کی طرف چل پڑی۔ وہ کلاس خاص طور پر لڑکیوں کے لیے ڈیزائن کی گئی تھی۔ مردوں کے ساتھ عورتیں بھی ٹریننگ دے رہی تھیں۔ ثمر نے ہمیشہ خود کو بچانے کے بارے میں سوچا تھا۔ لیکن کبھی اس کی باقاعدہ تربیت لینے کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب وہ وہاں پہنچ گئی تھی۔ اس کے نام کا اندراج کروا کر کیوان یونیفارم بھی لے چکا تھا تو اس سے انکار نہیں ہوسکا۔ اس نے سوچا پہلی کلاس لے کر دیکھ لیا جائے۔

اس جیسی دھان پان لڑکیوں کو پہلے وارم اپ کروایا گیا۔ سب لڑکیاں انسٹرکٹر کی نقول میں ہاتھ پاؤں کمر آگے پیچھے کرنے لگیں سب کمر کو واشنگ مشین کی طرح دائروں میں ہلانے لگیں۔ مگر ثمر ناپسندیدگی سے سب کو دیکھتی رہی۔ اسے کہا ماننے کی عادت نہیں رہی تھی۔ پانچویں وارم اپ ایکسرسائز تک وہ انسٹرکٹر کا تھوڑا بہت کہا ماننے لگی تھی۔ سیدھا کھڑے ہو کر اس نے پہلے ایک ایڑی اٹھائی پھر دوسری ایڑی اٹھائی پھر ایک کے بعد ایک یہی دہرانے لگی اسے اچھا لگنے لگا۔ جیسے اس کو اپنے جسم پر کھویا ہوا کنٹرول ملنے لگا ہو۔

وہ انسٹرکٹر کی بتائی باتوں پر عمل کررہی تھی۔ دماغ اور جسم کا کارآمد تعلق بن رہا تھا۔ دماغ ایک ہاتھ کو آگے اور دوسرے کو پیچھے ہونے کا آرڈر دے رہا تھا اور جسم اس کی تعمیل کررہا تھا۔

اس کے دماغ کا اس کے ہی جسم سے تعلق بہتر ہورہا تھا۔ اگر وہ اپنے جسم پر اختیار حاصل کرلے تو اس کا وہی جسم جو اس کو پلید اور کھنڈر نما لگتا تھا کسی اچھے کام کے لیے استعمال ہوسکتا تھا۔ یہ سوچ کر وہ زیادہ محنت سے ہدایات کو فالو کرنے لگی۔ جیسے جیسے وہ طے شدہ اسٹیپ لے رہی تھی۔ ویسے ویسے اس کے اندر بھرے غصے کو نکلنے کا راستہ مل رہا تھا۔ وہ نہیں جانتی تھی اس کو اس کورس کے اختتام پر کیا محسوس ہوگا مگر فی الحال وہ خود کو اپنے ماضی سے مزید طاقتور محسوس کررہی تھی۔

☆☆☆

ادھر ہی کراٹے کلاس میں بنچ پر وزیٹرز کے ساتھ بیٹھا کیوان بے حد سکون محسوس کررہا تھا۔ جب ثمر نے تھراپسٹ کے پاس جانے سے انکار کیا تھا تو کیوان نے خود ہی انٹرنیٹ پر اس سب کا حل ڈھونڈنا شروع کردیا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ انٹرنیٹ پر بتائی ذہنی ایکسرسائز ثمر کے ساتھ بہت غیر محسوس طریقے سے کررہا تھا۔

بہتری اور شفا کی طرف پہلا قدم قبول کرنا، یہ قدم ثمر نے خود اٹھایا تھا۔ اس نے کیوان کو سب کچھ سچ سچ بتادیا تھا۔ اس نے بھیانک یادوں کو فراموش کرنے، ان پر پردے ڈالنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس نے جو ہوا اس کا سامنا کیا تھا۔ دوسرا قدم تھا خود کو معاف کرنا۔ یہ قدم کیوان سے بے خیالی میں اٹھ گیا تھا۔ اس نے ثمر کو سمجھایا تھا کہ وہ بے قصور تھی۔ خود کو الزام دینا چھوڑ دے۔ آج بڑے ہو کر وہ سمجھ سکتی ہے کہ خورشید کی دی دھمکیاں جھوٹی تھیں۔ وہ ثمر اس کی بہن، اس کے گھر والوں کو قتل نہیں کرسکتا تھا۔ اب وہ سوچتی ہے کاش اس نے بدنامی کی موت کی پرواہ نہ کی ہوتی۔ لیکن اس وقت کے حساب سے اس نے جو کیا اس کی قصوروار وہ ہرگز نہیں تھی۔

وہ ناسمجھ تھی۔ بے بس تھی۔ اس کے کسی عمل سے یہ آفت نہیں ٹل سکتی تھی۔ یہ اس کے بڑوں کے دیکھنے کے کام تھے۔ پرنسپل تماشہ نہ لگاتی ثمر کو اکیلے میں بلا کر پوچھتی تو حالات مختلف ہوتے۔ کیوان نے ثمر کی مدد کی کہ وہ اس کاش کے چنگل سے نکل آئے۔ خود کو ہر الزام سے بری کرلے۔

وہ تحمل سے اس کی ساری باتیں سنتا ثمر کو پہلے لگتا تھا اس کے پاس بتانے کو کچھ نہیں لیکن اس کی غبار آلود باتیں تھمنے کا نام ہی نہیں لیتی تھیں وہ جتنا بول رہی تھی اتنا سمجھ رہی تھی کہ وہ ایک جیتا جاگتا انسان ہے۔ کسی اور کی درندگی سے وہ پلید نہیں ہوگئی وہ بڑے مقاصد حاصل کرسکتی ہے خواب دیکھ سکتی ہے۔ عبادت کرسکتی ہے، رو سکتی ہے خوش ہوسکتی ہے۔ وہ قابل عزت ہے وہ محترم

TAGPK.COM

ہے۔ اس کو معتبر اس کے اعمال بناتے ہیں۔ حیوانوں کی درندگی اس کے اندر کی اچھائیاں نہیں چھین سکتی۔ پھر جب کیوان کو لگا کہ ثمر اگلے قدم کے لیے تیار ہے تو اس نے ثمر کے لیے اس کراٹے کلاس کا معلوم کیا۔

ایک مشہور اداکارہ جو بچپن میں کسی حیوان کی دی اذیت کا شکار ہوئی تھی وہ بڑے ہو کر باکسنگ کرتی تھی اور اس کو کارآمد قرار دیتی تھیں۔ کیوان نے پڑھا تھا۔ انسان کے اندر موجود غصہ اور تکلیف انسان کو اندر ہی اندر کھا لیتا ہے۔ اس سب غصے دکھ اداسی کو اس ہی کائنات کو واپس لٹا دینا چاہیے۔ ثمر کو کراٹے کے ذریعے اپنی بھڑاس جسمانی طور پر نکالنے کا موقع ملا تھا۔ کیوان کو اپنا پلان کامیاب ہوتا نظر آ رہا تھا۔ وہ فارغ بیٹھ کر اس کو دیکھتا رہا اور خوش ہوتا رہا۔ وہ اس لمحے کو طویل سے طویل کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اگلا قدم جو شفا کی طرف اٹھانا تھا وہ سب سے مشکل تھا۔ کیونکہ وہ تھا مجرم کو معاف کرنا۔

☆☆☆

کیوان پہلی کلاس کے بعد دوبارہ نہیں آیا تھا۔ لیکن ثمر روز جاتی تھی۔ اسے جیسے ایک سرا ملا تھا اس دلدل سے نکلنے کا اب وہ اس کو چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔

''تم نے پہلے کبھی کراٹے سیکھے ہیں۔'' کلاس کی ایک اور لڑکی ہانیہ پسینہ صاف کرتے ہوئے ثمر کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

''نہیں فرسٹ ٹائم ہے۔'' ایک انجان لڑکی سے بات کرنے میں اسے جھجک ہو رہی تھی۔

''اچھا تمہارا ماہی منڈوں والا اسٹائل ہے مجھے لگا اماں ابا نے لڑکا بنا کر پالا ہے۔'' ہانیہ ہنس کر اپنی پونی ٹھیک کرنے لگی۔

''کون سی کلاس میں ہو؟'' ہانیہ باتونی تھی۔

''میٹرک کے پیپرز دیے ہیں۔'' ثمر نے جواب دیا۔

''گریٹ میں نے بھی دیے ہیں۔ بس خدایا اتنے نمبر آ جائیں کہ اپنی پسند کے کالج میں ایڈمیشن ہو جائے۔'' ہانیہ نے دونوں ہاتھ اٹھا کر بیچ میں خالق حقیقی سے بات بھی کر لی۔

''کون سے کالج میں ایڈمیشن لینا ہے؟'' ثمر بھی پوچھے بنا نہیں رہ سکی تھی۔

آگے سے ہانیہ بولنے لگی ان دو سے چار پھر چھ لڑکیوں کا ایک ننھا سا کراٹے کلاس گروپ بن گیا تھا جو فارغ وقت میں دل کھول کر باتیں کرتی تھیں۔ ثمر بھی آہستہ آہستہ سننے سے بولنے پر آ گئی تھی۔ ان دوستوں کے آنے کے بعد ثمر نے اپنے بال خود کاٹنا چھوڑ دیے تھے۔ وہ بالوں کو لمبا ہونے دے رہی تھی تاکہ اپنی سہیلیوں جیسی ہی نظر آئے۔

☆☆☆

''مجھے اتنی اداسی ہو رہی ہے کہ ہمارا کورس ختم ہو گیا لیکن ہانیہ اور میرا پورا ارادہ ہے کہ آگے مزید کورسز کریں گے بلیک بیلٹ تک پہنچیں گے۔'' وہ اب بھی کیوان سے باقاعدہ باتیں کرتی تھی۔ مگر اب کیوان کے علاوہ اس کی اور نئی دوستیں بن گئی تھیں۔ اس کی دنیا بارونق ہو گئی تھی۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' کیوان نے کہا۔

''میں تو اس ہی کالج میں داخلہ لوں گی جہاں ہانیہ جا رہی ہے۔'' اس کے اندر کی لڑکی روز بروز نمایاں ہوتی جا رہی تھی۔

''ثمر! تم نے کبھی مجھے اپنے اس ٹیچر کے بارے میں نہیں بتایا۔ کیا اب بھی وہ وہیں اس ہی اسکول میں ہے؟'' خوش گوار گفتگو میں کیوان نے درد ناک ماضی کا باب پھر سے کھولا تھا۔

ثمر جس سب کو دفن کرنا چاہتی تھی کیوان وہ گڑے مردے اکھاڑتا تھا۔ کیونکہ ثمر نے ان کو اپنے وجود میں دفن کر رکھا تھا۔ کیوان چاہتا تھا ان کی ابدی جگہ ثمر کا وجود نہ ہو۔ ان کو کہیں اور دفن ہونا چاہیے تھا۔

''وہ تو مر گیا تھا۔'' ثمر نے پھر سے اس اذیت کو اپنے وجود سے بہنے دیا۔

☆☆☆

یہ ان دنوں کی بات تھی جب تائی امی کی بڑی بیٹی کی شادی ہونے والی تھی۔ ثمر بازار بالکل نہیں جاتی

TAGPK.COM

تھی۔ مگر چونکہ وہ زیادہ تر وقت تایا تائی کے گھر رہتی تھی۔ اس لیے تائی امی چاہتی تھیں وہ ڈھنگ کے حلیے میں شریک ہو۔ روز بازاروں کے چکر لگ رہے تھے۔ تو ایک روز وہ بھی چلی گئی۔ اس نے ہلکے رنگ کی اونچی قمیص اور ٹراؤزر لیا تھا۔ اس کے بعد سے وہ شاپنگ کے شاپر پکڑے تائی امی اور باجی کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔

''ثمر! تم ثمر عابد ہو نا؟'' تائی امی اور باجی ایک دکان میں داخل ہوئی تھیں۔ لیکن ایک ہیجانی آواز نے ثمر کو دروازے کے باہر ہی روک لیا تھا۔

ایک ننھی بچی کو گود میں اٹھائے وہ بوڑھی عورت نہیں تھی۔ لیکن لگ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں ویران اور اندر دھنسی ہوئی تھیں۔ رنگ اب بھی اس کا گورا تھا لیکن بے حد بے رونق تھا۔ نین نقش جو بھی خوب صورت تھے اب بھی ویسے ہی تھے مگر اب خوب صورت نہیں پھٹکارے ہوئے تھے۔ وہ دونوں تین سال بعد مل رہی تھیں مگر دونوں کا حلیہ اتنا بدل چکا تھا کہ پہچاننا مشکل ہو رہا تھا۔

''ٹیچر ہما؟'' ثمر نے انہیں پہچان لیا تھا پھر بھی ان کے حلیے پر یقین نہیں کیا تھا۔

''میں بہت اذیت میں ہوں ثمر! مجھے معاف کردو۔ میں محبت کرتی تھی اس سے بہت محبت کرتی تھی اس کو خوش کرنے کے لیے سب کر جاتی تھی۔ ہر گناہ ہر تکلیف جس سے وہ مجھ سے راضی رہے، مجھے قبول تھا۔'' اس کا پور پور رو رہا تھا۔

''یعنی آپ شیطان کی پرستش کرتی تھیں۔ ایسے گناہوں کی معافی مانگیں۔'' ثمر کے اندر غصے کا لاوا ابلنے لگا تھا یہ وہ وقت تھا جب اسے خود اپنے وجود پر قابو نہیں آیا تھا۔

''وہ شیطان تھا یہ بات میں بہت دیر میں سمجھی۔ محبت نے اندھا کر دیا تھا۔ میری تو منگنی ہو چکی تھی لیکن قدرت چاہتی تھی میں اپنے کیے کا کفارہ ادا کروں۔ میرے اور اس کے تعلق کی خبر اسکول سے نکل کر خاندان میں پھیل گئی۔ میری منگنی ٹوٹ گئی اور مجھے خورشید سے ہی شادی کرنی پڑ گئی۔ میں تب بھی خوش تھی محبت جو کرتی تھی مگر تم سچ کہتی ہو وہ شیطان تھا۔ اس کی اگلی شکار چپ نہیں بیٹھی۔ وہ اسکول کے باہر پکڑا گیا مگر ذلیل ہو کر اسکول سے بھی نکال دیا گیا تھا۔ وہ ذلت آج تک میرے اور میری بیٹی کے نصیب سے چپکی ہے۔'' اس کی وحشت ناک آنکھیں گواہ تھیں کہ وہ سچ بول رہی ہے۔

ثمر چپ کھڑی تھی اسے سکون مل رہا تھا، خوشی مل رہی تھی وہ چاہتی تھی وہ یونہی تڑپتی رہے اور ثمر دیکھتی رہے۔ بہت دن بعد یوں ٹھنڈ پہنچ رہی تھی۔

''ثمر! تم مجھے معاف کردو شاید یہ اذیت کم ہو جائے وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرا ہے۔ اسے ایڈز ہو گیا تھا اس کے کرتوت اس کے چہرے پر نظر آتے تھے۔ میری محبت نفرت میں بدل گئی تھی۔ اس کے ساتھ جو وقتی خوشی ملی تھی میں اس پر نادم ہوں۔ وہ مر بھی گیا ہے تو بھی میں دربدر ہوں کوئی اسکول مجھے نوکری نہیں دیتا۔ کہیں اس کے کردار کی بدنامی تو کہیں اس کی بیماری کی شہرت پہنچ جاتی ہے۔ اس کے خاندان والے میرے خاندان والے کوئی ہم سے تعلق نہیں رکھتا۔ کچھ خدا ترس رشتہ دار اس بچی کے نصیب کے صدقہ خیرات دے جاتے ہیں۔ اس بھری دنیا میں یہ بچی اور میں ہیں، ساتھ خورشید کی بدنامی ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔'' وہ تڑپ رہی تھی۔

ثمر نے اس بچی کو دیکھا اس کی صورت میں ماں باپ کسی کی جھلک نظر نہیں آ رہی تھی۔ قدرت کی مہربانی تھی۔ پھر بھی ثمر کو اس پر ترس نہیں آیا۔ ثمر پتھر دل نہیں تھی لیکن اس کا غم بہت بڑا تھا۔ وہ چپ چاپ دیکھتی رہی۔ پھر بغیر کسی جواب کے پلٹ کر تائی امی کے پاس چلی گئی پیچھے سے ہما آوازیں دیتی رہی۔

''مجھے معاف کردو۔''، ''مجھے معاف کردو۔''

☆☆☆

''پھر؟'' کیوان نے پوچھا۔

''میری بہن اسی ہی اسکول میں تھی۔ مجھے معلوم تھا سر نوکری چھوڑ چکے ہیں۔ مگر اسکول والے

TAGPK.COM

اصل وجہ کامیابی سے چھپا گئے تھے۔ اس کے بعد میں نے اپنی ایک کزن کو سب بتایا تھا وہ بھی میرے جیسی ہے آج تک کامیابی سے سب چھپا رہی ہے اب تم دوسرے ہو اور کسی کو بتانے کا میرا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ پھر دوبارہ کوئی خبر نہیں ملی، کبھی ایسے ہی سر راہ ملاقات ہو جائے گی تو دیکھوں گی۔'' ثمر نے آخری سین تمام کر کے پردہ گرایا۔

''میں یہ پوچھ رہا ہوں پھر تم نے انہیں معاف کر دیا؟'' کیوان نے دھیمے لہجے میں کہا تھا مگر ثمر کو پھر آگ لگ گئی۔

''میں اس کو معاف کر دوں؟ وہ سب جانتی تھیں وہ اس جرم میں برابر کی شریک ہیں۔ بلکہ وہ اس سے بھی بری ہیں وہ تماشہ دیکھ کر خوش ہونے والوں میں سے ہیں۔ یہ جو آج کل ڈارک ویب کی باتیں ہو رہی ہیں۔ جانتے ہو اس کے دونوں طرف کتنے غلیظ لوگ بیٹھے ہیں وہ خورشید اور ہما جیسے لوگ ہی ہیں۔'' ثمر کا سانس پھولنے لگا تھا۔

''میں ان کے لیے نہیں کہہ رہا۔ مجھے ان سے کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ میں تمہارے لیے کہہ رہا ہوں۔ تم اپنے اندر ان کے لیے کوئی جذبہ بھی کیوں رکھو، چاہے وہ غصہ اور نفرت ہی کیوں نہ ہو۔ ان کو اتنی اہمیت نہ دو کہ ان کا خیال بھی تمہارے دل میں آئے۔ اگر ان کا ذکر ہو بھی جائے تو تمہیں کوئی فرق ہی نہ پڑے۔ انہیں اپنے سسٹم سے نکال دو، اور یہ تب ہی ممکن ہے جب تم انہیں معاف کر دو گی۔'' کیوان نے یہ سب بہت پہلے کسی یوٹیوب ویڈیو میں دیکھا اور تب سے وہ اس بارے میں سوچ رہا تھا۔

''تم سمجھ نہیں رہے۔ جن کو بڑی سے بڑی سزا دینی چاہیے انہیں معاف کر دوں؟'' ثمر کا غصہ فطری تھا۔

''تم ان کو سزا دینا چاہو تو ضرور دو بلکہ وہ زندہ ہوتا تو میں خود اس کے خلاف ایکشن لے لیتا۔ دنیاوی سزاؤں کا دل کی معافی سے تعلق نہیں ہے۔ اس کی پردہ پوشی نہیں کرنی۔ اس کو بے نقاب کرو اس کی اصلیت کھول کر رکھ دو اگر ایسے تمہیں سکون ملتا ہے تو یہ سب کر گزرو۔ بلکہ میں تو چاہوں گا کہ اپنی پرانی اسکول کی سہیلیوں اور دوستوں کو یہ سب بتاؤ ان کے پاس بھی بتانے کو ایسا بہت کچھ ہوگا۔ لیکن اگر تم یہ سب نہیں چاہتیں تو؟'' کیوان نے پھر سوال پوچھا۔

''وہ مر چکا ہے دوسرے اس کے شر سے محفوظ ہیں اور ٹیچر ہما بدترین زندگی گزار رہی ہیں۔ اب وہ معصوم بچی بھگتے گی۔ میں پولیس میں نہیں جاؤں گی بدلہ بھی نہیں لوں گی لیکن میں انہیں معاف نہیں کر سکتی۔'' اب ثمر بے بسی سے کہہ رہی تھی وہ اس جذبے کے آگے مجبور تھی۔ کیوان یہی تو چاہتا تھا وہ مضبوط بن جائے، بے بس نہ رہے۔

''تم نے انہیں باقاعدہ سزا نہیں دلوانی ان کو بے نقاب نہیں کرنا پھر صرف اپنے اندر اتنی نفرت رکھنے کا کیا فائدہ؟ یہ نفرت ان تک نہیں پہنچ رہی یہ تمہیں اندر ہی اندر بے بس کر رہی ہے۔ تم ان سے منسلک ایک جذبے کے آگے بے بس ہو۔ بے شک وہ جذبہ نفرت کا ہے۔ وہ تمہیں ان سے جوڑے ہوئے ہے۔ تمہیں آگے بڑھنے سے روک رہا ہے۔ اس تعلق کو ہمیشہ کے لیے توڑ دو خود کو آزاد کر لو۔ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' کیوان جتنا دھیما لہجہ رکھتا تھا اس کی بات اتنی وزنی ہو جاتی تھی۔

''میں ان کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔'' ثمر کو کیوان کی کوئی بھی بات اچھی نہیں لگ رہی تھی پھر بھی اس نے فون بند نہیں کیا تھا۔

''معاف کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم اسے کھانے پر بلاؤ۔ اسے خط لکھ کر معافی کا اعلان کرو۔ ہم پڑوسی ملک سے امن کا نعرہ لگا کر دوستی بگھارنے لگ جاتے ہیں معافی اور امن الگ بات ہے۔ دوستی قطعی مختلف چیز ہے۔ ابھی تو وہ تمہاری دل کی عدالت میں پیشی پر ہیں۔ انہیں وہیں سے بری کر دو۔ یہ معافی تمہارے دل پر موجود غبار ہٹانے کے لیے ہے۔ کوئی بھی اذیت کتنی بڑی کیوں نہ ہو اس میں برائیوں کے ساتھ کوئی اچھائیاں بھی آتی ہیں۔ اگر آپ دوسرے کو سب اذیتوں کا الزام دیتے ہیں تو اس سب سے آئی بہتری کا کریڈٹ بھی دینا پڑے گا جو اس سب سے آئی ہیں۔

TAGPK.COM

اس لیے بہتر ہے کہ ان کے خیال سے لاتعلق ہو جاؤ۔''
کیوان کی یہ بات سب سے دم دار تھی۔
''اچھائی؟ بہتری؟ کیسی باتیں کر رہے ہو۔ اس سے کیا بہتری آسکی ہوگی؟'' ثمر شاک میں تھی۔
''میں نہیں جانتا یہ تم بتاؤ گی جب تم اس سب کو پیچھے چھوڑ کر دوسروں سے زیادہ مضبوط زیادہ کامیاب زندگی گزار رہی ہوگی تب تمہیں خود کوئی بہتری نظر آئے گی۔ تب تم اس نفرت کے جذبے کے آگے بے بس نہیں رہو گی۔ معاف کرنا تمہارے لیے آسان ہو جائے گا۔ یہ غصہ صرف ان مجرموں کے لیے نہیں ہے۔ تم اپنے گھر والوں کے لیے بھی یہ سب محسوس کرتی ہو۔'' کیوان نے اسے یاد دلایا۔
''ہاں فجر کا تو کوئی قصور نہیں تھا وہ تو مجھ سے بھی چھوٹی تھی اس نے بس میری بات نہیں سمجھی تھی۔ میں نے صحیح سے کہی بھی تو نہیں تھی شانی باجی بھی تب اپنے سسرال کے مسئلوں میں مصروف تھیں۔ بعد میں ان دونوں نے میرا سب سے زیادہ خیال رکھا ہے۔'' ثمر نے کچھ سوچ کر کہا۔
پھر کیوان کی باتوں کا ہی اثر تھا اس لمحے اس نے فجر کے لیے اپنے دل میں موجود سارا غصہ ساری کدورتیں نکال پھینکی تھیں۔ کیوان کے لیے یہ خوش آئندہ بات تھی۔ آج اس نے فجر کو معاف کر کے اپنے دل کو ایک نفرت کے رشتے کے بوجھ سے آزاد کیا تھا۔ وہ ایسے ہی بہتری کی طرف جاتی رہی اور خوش رہنے لگی تو کبھی نہ کبھی اس کا وجود ہر قسم کی نفرت کے بوجھ سے آزاد ہو جائے گا۔ ثمر کا رزلٹ آ گیا کالج میں ایڈمشن بھی ہو گیا۔ ہانیہ سے دوستی تھی بعد میں اور بھی سہیلیاں بن گئیں۔ ثمر کے مشکل دور میں کیوان اور اس کا جو بہت اچھا رشتہ بنا تھا۔ وہ اب بھی قائم تھا۔ لیکن اب وہ ہلکی پھلکی کالج کی باتیں کرتے تھے۔
ثمر کے گھر والے بھی اس کی بدلی ادا سے خوش تھے اب وہ گھر میں توڑ پھوڑ نہیں کرتی تھی۔ سیدھے جواب دے دیتی تھی۔ کچھ لوگوں کو صرف بھرے پیٹ کی محبت آتی ہے۔ حالات ساز گار ہوں۔ آمدن آ رہی ہو۔ ہماری فکریں دور ہوں تو ان سے بہتر محبت کوئی نہیں نبھاتا۔ ثمر کے گھر والے بھی ایسے ہی تھے۔
''فجر حد کرتی ہے اپنے لیے شرارہ لائی تو میرے لیے بھی شرارہ لے آئی ٹھیک ہے میں دوپٹا لینے لگی ہوں مگر اتنے بھی لڑکیوں والے شوق نہیں ہو گئے کہ شرارہ ہی پہن لوں۔'' وہ ایک نوجوان لڑکے سے شرارے کی باتیں کر رہی تھی۔ ان کے شوق اور معمول الگ ہوتے جا رہے تھے۔
''تو پہن لو۔ شادیوں پر لوگ ایسے ہی کپڑے پہنتے ہیں۔'' کیوان بھی جواب دے دیتا تھا۔
''بالکل نہیں اس قمیص کے نیچے کوئی ٹراوزر ہی پہن لوں گی۔'' ثمر بضد تھی۔
''اگر تم میری بات نہیں مانو گی تو میں بھی تم سے بات نہیں کروں گا۔'' اس نے مذاق میں کہا۔
''اچھا اچھا پہن لوں گی ایسے تو نہ کہو۔'' وہ سچ میں گھبرا گئی تھی۔ کیوان نے اس کی زندگی میں جو حصہ ادا کیا تھا اس کے بعد ثمر، کیوان کے لیے نہایت نرم مزاج ہو گئی تھی اور اس کی ہر بات فرض سمجھ کر مانتی تھی۔

ثمر شادی میں شرارہ پہن کر گئی تھی اور بہت خوشی سے تصویر کھینچ کر کیوان کو بھیجی تھی کیوان نے تصویر دیکھی تو بے حد خوش ہوا۔ میک اپ اور سجنے سنورنے سے وہ دور بھاگتی تھی۔ لیکن اب میک اپ بھی کیا ہوا تھا اور اس میں کمفرٹیبل بھی لگ رہی تھی۔ زندگی نارمل ہونے لگی آگے بڑھنے لگی اور عام سے دنوں میں ہی اچانک بھونچال آ جاتے ہیں۔

☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو لگا سب کچھ معمول کے مطابق ہے، عام یونیورسٹی کا دن تھا، سادا اپنے جیسے باقی دنوں میں مدغم ہو جانے والا۔ پھر آنکھیں رگڑ کر اس نے فون اٹھایا ثمر کا میسج آیا ہوا تھا۔ میسج اتنا لمبا تھا کہ اسے لگا فارورڈ میسج ہے۔ وہ اگنور کرنے لگا جب میسج کا پہلا لفظ اپنا نام پڑھا وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔
''کیوان میری بات سنو۔ میں تمہیں بہت پسند کرتی ہوں بلکہ پسند بہت چھوٹا لفظ ہے۔ میں

TAGPK.COM

تمہارے لیے کیا جذبات رکھتی ہوں۔ بتانا آسان نہیں ہے۔ لیکن تمہاری ہو جاؤں تم میرے ہو جاؤ زندگی سے اب ایسی خوش فہمی نہیں رہی۔ میں ایک ڈپریشن کی مریض ہوں۔ اکھڑ مزاج ہوں۔ میں کبھی شادی نہیں کر سکتی۔ تم ایک پڑھے لکھے تمیز دار لڑکے ہو۔ ہمارا کوئی جوڑ ہی نہیں ہے۔ ہمارے خاندان مل سکتے ہیں نہ ہم ایک ہو سکتے ہیں۔ تم ساتھ ہوتے ہو تو دل میں وہ جذبے ابھرتے ہیں جن کی تکمیل میرے لیے ممکن نہیں ہے۔ میرے لیے پیار محبت کی راہیں دوسروں جیسی نہیں ہیں۔ یہ راہیں پل پل میرے زخموں کو دہکا کر نئے آبلوں میں بدلتی رہیں گی میں تمہیں ایک دوست کی طرح یاد رکھنا چاہتی ہوں۔ اس لیے تمہیں بھی مجھے بھولنا ہے۔ میرے لیے پریشان نہیں ہونا اور بھرپور زندگی گزارنا، اس فانی دنیا کا نظام بنا ہی ایسا ہے کسی کے جانے سے نہیں رکتا تم نے میرے لیے جو کچھ کیا میں اس کا احساس کبھی نہیں اتار سکتی اب تمہارا ساتھ مجھے مشکلوں میں ڈال دے گا۔ اپنا بہت خیال رکھنا اور مجھے بھول جانا۔''

کیوان نے میسج پڑھ کر فوراً جواب دینے کے لیے انگوٹھا چلایا لیکن وہاں سب بند تھا۔ ثمر نے اسے ہر جگہ سے بلاک کر دیا تھا۔ وہ جانتی تھی کیوان اس کو بات کر کے قائل کر لے گا اور وہ ایسا ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ کیوان نے اس کو، ابھی اس کی بہت ضرورت تھی یہ ایسا زخم نہیں جو آسانی سے بھر جاتا۔ وہ جب تک باقاعدہ علاج نہیں کروائے گی، یہ یادیں پلٹ کر آئیں گی ابھی تو کیوان نے اسے قائل کرنا تھا کہ سائیکاٹرسٹ کو دکھائے، وہ اس کے لیے بہت پریشان ہو رہا تھا۔ پھر سب چھوڑ کر اس نے اس اظہار محبت کو پڑھا جو ثمر نے اس سفاکی سے کیا تھا کہ دل برا ہوا تھا اسے احساس ہوا تھا کہ ثمر کے احساس یک طرفہ نہیں تھے وہ بھی اس کے لیے بہت کچھ محسوس کرتا تھا یہ وہ محبت تھی جس کی پہلی کونپل کھلنا شروع ہوتے ہی مسل دی تھی۔

اس نے سارا دن اضطراب میں گزارا اور رات جب وہ اپنے کمرے میں تنہا تھا تو اسے احساس ہوا ثمر نے سچ کہا تھا۔ وہ غلط نہیں تھی وہ دونوں ابھی کم عمر تھے کسی مضبوط رشتے کی طرف نہیں جانا چاہتے تھے۔ ابھی تو ان کی پڑھائی بھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ ان کے خاندان، رہن سہن بہت مختلف تھا وہ خوش اسلوبی سے ایک نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ اچھے دوست تھے مگر جوڑ دار نہیں تھے۔ ثمر بہت مشکل سے نارمل زندگی طرف بڑھ رہی تھی اس کے قدموں سے زمین کھینچنا اسے خود بھی قبول نہیں تھا۔ ہر لحاظ سے ثمر کا فیصلہ ٹھیک تھا۔ پھر بھی دل میں خلش تھی کیوان نے ہر پہلو سے سوچ کر ثمر کا فیصلہ قبول کر لیا اور دل کی خلش کو اپنی موت آپ مرنے کے لیے چھوڑ دیا۔

☆☆☆

شانی اس دن بہت خوش تھی۔ گول مٹول تو وہ پہلے بھی تھی لیکن اس دن تو دمک رہی تھی۔

''تائی امی! یہ دیکھیں میرا کمرا ہے۔ بیچ میں اسٹور آ جاتا ہے۔ سڑک کا شور بھی نہیں آتا۔''

شانی کے نئے گھر میں تائی امی پہلی بار آئی تھیں ساتھ شہناز اور بچے بھی تھے۔ سب شانی کی خوشی میں بہت خوش تھے۔ بچے شوہر خرچوں کے مسئلے اب بھی تھے۔ مگر اپنی زمین اور چھت ہو گئی تھی، اب شانی اپنے مسائل سے زیادہ بہتر نبرد آزما ہو سکتی تھی۔ سارے کم عمر کزن ٹیرس سے نو آباد سرسبز علاقہ دیکھ رہے تھے۔ شہناز اور عقیلہ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھی چائے پی رہی تھیں۔ تو عقیلہ نے ہمت کی۔

''شہناز! تمہارے میرے بیچ ہمیشہ دوستی رہی ہے۔ دوست سمجھ کر ہی تم سے فجر کا ہاتھ مانگنا چاہتی ہوں، سوچا بھائیوں کو خون عزیز ہی ہوتا ہے۔ مردوں نے انکار نہیں کرنا پر تمہارے دل میں فرخ کے لیے کچھ ہے تو پہلے بتا دو۔ میں بات نہ بڑھاؤں۔'' عقیلہ نے سمجھداری سے کہا۔

''بھابھی! فرخ اپنا بچہ ہے مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ لیکن ثمر سے پہلے فجر؟'' شہناز کو خوشی کے ساتھ ساتھ رنج بھی ہوا تھا ثمر کی گریجویشن مکمل ہونے والی تھی لیکن اس کے بارے میں خاندان سے کسی نے نہیں پوچھا تھا۔

''ثمر اور فرخ کی عمروں میں زیادہ فرق نہیں ہے میرا ماننا ہے لڑکی چند سال چھوٹی ہو تو نباہ بہت

TAGPK.COM

ہے۔'' عقیلہ کے دل میں جو بھی وجہ تھی منہ پر اس نے مناسب جواب ہی دیا تھا۔

''اور فکر کیوں کر رہی ہو ہماری ثمر میں کس چیز کی کمی ہے بلکہ میں اپنے جاننے والوں میں اس سلسلے میں بات کرتی ہوں جلد کوئی اچھا جواب آئے گا تم بالکل بے فکر رہو۔''

عقیلہ تائی کی بات ٹیرس سے نیچے آتی ثمر اور فجر دونوں نے سنی تھی۔ جب سے ان کے بھائی نوکر ہوئے تھے گھر میں نظر آنے والے معاشی مسائل ختم ہو گئے تھے لیکن عقیلہ تائی برے وقتوں میں بھی ان کے ساتھ رہی تھیں۔ فجر کو ان کی خواہش پر اعتراض نہیں ہوا تھا۔ لیکن ثمر ڈر گئی تھی اس کے سامنے شادی کی تلوار عرصے سے لٹک رہی تھی آج اس تلوار کو چلانے والے ہاتھ مل گئے تھے۔

ثمر کو دیکھ کر کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ یہ وہ لڑکی ہے جو کبھی نیند کی گولیاں کھاتی تھی۔ خودکشی کرنا چاہتی تھی۔ وہ اپنی جیسی لڑکیوں کی طرح بولتی بجتی سنورتی تھی ہر روز پہلے سے بہتر گزر رہا تھا۔ وہ پڑھائی میں بھی اچھی تھی۔ لیکن اکثر راتوں کو وہ برا خواب دیکھ کر اب بھی اٹھ جاتی تھی۔ شہناز اور عقیلہ کی باتیں سن کر بھی وہ فکر مند ہوئی تھی۔ اس رات ڈراؤنے خواب دیکھنے والی ثمر کی نیند ایک اچھا خواب دیکھ کر ٹوٹی تھی۔

☆☆☆

''کیوان میں ثمر پہچانا؟'' اس نے رات کو دو بجے کیوان کو ان بلاک کر کے میسیج کیا تھا۔

''ثمر کیسی ہو؟'' وہ بھولا نہیں تھا لیکن کچھ سالوں کے بعد بات ہونا بالکل ایسا تھا جیسے اجنبی سے بات ہو رہی ہو۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' وہ پیغام کے ساتھ اسمائلی بھیج رہی تھی۔

کچھ منٹ انہوں نے کہاں ہو کیا کرتے ہو جیسے سوال جواب کیے یہ بدلنے کی عمر تھی۔ وہ دونوں بدلے ہوئے تھے۔

''تم بہت اچھے ہو کیوان! بہت زیادہ اچھے تم سے اچھا انسان میں نے زندگی میں نہیں دیکھا۔ میں جب یاد آتا ہے تو تمہارے لیے دعا کرتی ہوں۔ تمہیں کبھی کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ اب کی بار اس نے سرخ دل پیغام کے ساتھ بھیجے تھے۔

''تم بھی لڑکیوں والی باتیں کرنا سیکھ گئی ہو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے میں بالکل نارمل زندگی گزار رہی ہوں۔ پھر بھی مجھے رات میں ڈراؤنے خواب آتے تھے۔ میری نیند ڈسٹرب رہتی تھی۔ لیکن تم جانتے ہو آج کیا ہوا؟''

اس کی خوشی ان بے شمار دل کی آنکھوں والے یا شرم سے سرخ ہونے والے ایموجیز سے نظر آ رہی تھی جو وہ بار بار بھیج رہی تھی۔

''کیا ہوا؟'' کیوان جانتا تھا کچھ بہت اچھا ہوا ہوگا۔

''آج میں نے خواب میں دیکھا میں جا رہی ہوں کہ ایک بہت بڑا سانپ ہولناک اژدھا آ گیا اور مجھ پر حملہ کر دیا۔ میں ادھر ادھر بھاگ رہی تھی سب آس پاس تھے۔ میرے گھر والے میری دوستیں کسی نے مجھے نہیں بچایا میں پاگلوں کی طرح بھاگ رہی تھی۔ پھر تم آ گئے جب کوئی نہیں آیا تم آ گئے تم نے مجھے بچا لیا کیوان تم وسیلہ بنے۔ تم نے میری جان بچائی، کیوان میں اس وقت رو رہی ہوں خوشی سے اور تمہیں میسیج کر رہی ہوں تم نے مجھے بچا لیا کیوان۔'' وہ مستقل میسیج کر رہی تھی۔

کیوان سے بولا نہیں گیا وہ کچھ لکھ نہیں سکا۔ یہ اظہار محبت سے بھی بڑھ کر تھا۔ جذبات کا ایسا سیلاب اس نے پہلے کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ دونوں اپنے جذبات میں گھرے محبت سے لبریز ممنون اور مشکور تھے۔ کیوان سے پھر بھی کوئی پیغام ٹائپ نہیں ہوا۔ لیکن ثمر جواب کی منتظر نہیں تھی۔

''میں تم سے دور نہیں جانا چاہتی تھی پر مجھے جانا پڑا تھا۔ میں نہیں جاتی — تو ہمارے بیچ سب کچھ عجیب ہو جاتا لیکن اب میں ٹھیک ہوں۔ اب مجھے لگتا ہے میں اب سب ہینڈل کر لوں گی۔ میری شادی بھی ہو گئی تو سب ٹھیک رہے گا۔ ویسا نہیں ہوگا جیسے میں سوچتی تھی۔ مجھے اب اس نئے رشتے کا سوچ کر

TAGPK.COM

بھی ڈر نہیں لگتا سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔'' وہ بنا سوچے سمجھے ٹائپ کر رہی تھی اور اس کے جذبات لفظوں میں پروئے جا رہے تھے۔

''میں تمہیں ہمیشہ خوش اور مطمئن دیکھنا چاہتا ہوں۔'' کیوان پر چاروں طرف سے جن جذبات کی بارش ہوئی تھی وہ انہیں لفظوں میں پرونے کی طاقت نہیں رکھتا تھا۔ وہ بس انہیں محسوس کر رہا تھا دل کی دھڑکن، منتشر کرنے والے جذبات سجدہ شکر میں گرنے پر مجبور کرنے والے جذبات شہوت سے پاک محبت کے جذبات وہ سب محسوس کر رہا تھا۔

دونوں میں سے کسی نے بھی کوئی نیا تعلق جوڑنے کی بات نہیں کی تھی۔ کسی نے بھی پرانے تعلق کو زندہ کرنے کی خواہش کا اظہار نہیں کیا تھا۔ کیونکہ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ ان کا جو تعلق رہا تھا وہ ہی بہت خاص بہت معتبر اور مکمل رہا تھا۔ اب وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے نیک تمنائیں تمام عمر رکھنے والے تھے۔

اس دن احساسات کے مدجزر سے گزر کر وہ کچھ دن رابطے میں رہے پھر کسی نے کسی کو بلاک نہیں کیا۔ مگر رابطہ ختم ہو گیا۔ زندگی آگے مختلف راہوں پر لیکن بہتری کی طرف چلنے لگی بلکہ وہ اپنے اپنے آسمانوں کو زیر کرنے کے لیے پرواز کرنے لگے۔

☆☆☆

اس نے کالج کا بیگ ریسٹورنٹ کی کرسی کے کونے پر لٹکایا۔ آج بھی وہ کالج بنک کر کے آئی تھی۔ لیکن سر اٹھا کر خوشی سے بنک کیا تھا۔ اس کی سہیلیاں بھی آنے والی تھیں۔ صبح راستے میں ان کا پلان بنا تھا کہ پہلی دو کلاسیں بنک کر کے اچھی سی جگہ ناشتہ کیا جائے۔ ثمر تب تک کالج کے باہر پہنچ چکی تھی۔ اس نے وہیں سے پکٹی کھائی اور مطلوبہ ریسٹورنٹ پہنچ گئی۔

ویٹر نے مینیو اس کے سامنے رکھا تو ایک رنگ برنگی ڈرنک اس کو بہت اچھی لگی۔

''یہ لا دیں کیا قیمت ہے؟'' اس نے پوچھا۔

ویٹر نے قیمت بتائی۔

''ابھی رہنے دیں میری فرینڈز کو آنے دیں۔''

اس کا بجٹ محدود تھا لیکن اس کی کچھ فرینڈز امیر تھیں جو باقی گروپ کے بھی ایکسٹرا پیسے دے دیا کرتی تھیں۔ وہ ٹیبل بجاتے ہوئے ان کا انتظار کرنے لگی۔ وہ اکیلی ریسٹورنٹ میں مطمئن بیٹھی تھی۔ یہ سب اس لیے ممکن ہوا تھا کیونکہ اس نے اپنے ساتھ ہوئے حادثوں سے سبق سیکھا تھا اور اب اس کی ایک ہی پالیسی تھی وہ حال میں جیتی تھی۔ اس کے ساتھ جو ہوا وہ ماضی تھا وہ اب نہیں ہو رہا تھا اسے کوئی ضرورت نہیں تھی اسے روز زندہ کر کے جینے کی۔ آج جو ہو رہا تھا وہ اس پر اختیار رکھتی تھی، وہ گزرے وقت کی مظلومیت جینے کے بجائے آج کا اختیار جیتی تھی۔ آج وہ مظلوم نہیں تھی اور آج کی زندگی بہت اچھی تھی۔ وہ خود کو اہمیت دیتی تھی خود سے پیار کرتی تھی اور مکمل تھی۔

ابھی وہ اپنا ماحول انجوائے کر رہی تھی کہ ویٹر وہ ڈرنک لے آیا جس پر اس نے پہلے انگلی رکھی تھی۔

''میں نے تو آرڈر نہیں کی۔'' ثمر گھبرا گئی۔

نہیں میڈم یہ کمپلیمنٹری ہے۔'' ویٹر نے مسکرا کر کہا اور بل لے کر دور دیوار کی اوٹ میں بیٹھے کیوان کی طرف گیا۔

کیوان نے بل ادا کیا۔ اسے اتفاق سے ثمر نظر آئی تھی وہ اٹھ کر اس سے ملنے جانے لگا تھا کہ جب اس کی چار پانچ سہیلیاں شور مچاتی اس کے آس پاس آ بیٹھیں اب سارے ریسٹورنٹ میں صرف اس ہی ٹیبل کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

کیوان رخ بدل کر بغیر کسی پچھتاوے کے باہر نکل گیا۔ اس نے ثمر کو خوش اور مطمئن دیکھ لیا تھا۔ وہ خود اس سے بھی زیادہ خوش اور مطمئن محسوس کر رہا تھا۔ انہیں اپنے فیصلے پر پچھتاوا تھا نہ اس کے باعث بے سکونی۔ پرواز سے پہلے ان کی راہیں ملنا اور پرواز کے بعد ان کی راہیں جدا ہونا لکھنے والے نے ایسے ہی لکھا تھا۔ اس داستان کو وہ دونوں قیمتی یادوں کے خزانے میں ہمیشہ سنبھال کر رکھنے والے تھے۔

TAGPK.COM

ماہنامہ کرن

ستمبر 2021ء کے شمارے کی ایک جھلک

- اداکارہ ''حرامانی'' سے ملاقات،
- اداکارہ ''لیلیٰ واسطی'' کہتی ہیں ''میری بھی سنیئے''،
- اس ماہ ''واعظہ شاہد'' کے ''مقابل ہے آئینہ''،
- ''دامن سحاب'' مہوش افتخار کا سلسلہ وار ناول،
- ''میرے ہم نفس میرے ہم نوا'' آسیہ مرزا کا سلسلہ وار ناول،
- ''خواب، دریچے اور امید'' شمائلہ دالعباد کا مکمل ناول،
- ''نمکین پانیوں کا سفر'' منعم ملک کا مکمل ناول،
- ''جنہیں راستے میں خبر ہوئی'' نازیہ کنول نازی کا ناولٹ،
- ''یہ من چلی ہوا'' عندلیب زہرا کا ناولٹ،
- ایمل رضا، ام ہانی، فلک تنویر اور فرزین لہرا کے افسانے اور مستقل سلسلے،
- ''کرن کتاب''

دلچسپ معلوماتی مضامین اور مزیدار ریسپیز کے ساتھ

ستمبر 2021ء کا شمارہ شائع ہوگیا

TAGPK.COM

TAGPK.COM

کمرے کی واحد کھڑکی کی بیرونی محراب کی ٹوٹی اینٹ میں چڑیا نے اس بار پھر گھونسلہ بنالیا تھا۔ اس کے پروں کی پھڑ پھڑاہٹ اور مسلسل چوں چوں کچی نیند سے جگانے کا سبب بنی تھی۔ حالانکہ کچھ دن پہلے ہی اسی خدشے کے پیش نظر اس نے ماسی شریفاں کو خاص تاکید کی تھی کہ اس اکھڑی اینٹ کی بھرائی کروادیں۔ مگر لگتا تھا حسب عادت وہ پھر اس کا کہا بھول گئی تھیں۔

وہ بے چاری بھی کیا کرتیں۔ ایک اکیلی جان اور اس پر بکھیڑے ہزار۔ جب سے گھر کا کچن شہلا اور ثوبیہ بھابھی کے حوالے ہوا تھا۔ تب سے ان کی دہری شامت آ گئی تھی۔ اکثر دونوں اپنے حصے کے کئی کام ان کے ناتواں کاندھوں پر ڈالے رکھتیں۔ ایسے میں اس کا کام انہیں خاک یاد رہنا تھا۔

وہ تلملا کر اٹھی۔ جھپٹ کر کھڑکی کا پٹ وا کیا۔ اپنی دھن میں تنکے جوڑتی چڑیا گھبرا کر اڑی تھی۔

اوپر سے نیچے تک گھاس پھونس کا اک ڈھیر لٹک رہا تھا۔ اور وہ جو اس ارادے سے آئی تھی۔ کہ یہ

صدف ریحان گیلانی

کمرک

TAGPK.COM

TAGPK.COM

قصہ ہی ختم کرنا ہے تو وہیں ساکت ہوگئی۔ ہاتھ اک پٹ پر جمے رہ گئے۔ وہ ایک گھونسلہ نہیں تھا۔ وہ ایک ارمان تھا۔ ایک خواہش، آرزو، ایک تمنا تھی۔ وہ دیکھنے میں بے ترتیب اور بے ڈھب ضرور تھا۔ مگر اس کے ایک ایک تنکے کو بڑی جانفشانی اور باریک بینی سے جوڑا گیا تھا۔ اور یقیناً اس سارے عمل میں چڑیا نے بہت محنت کی تھی۔

اب جو اسے وہیں ایستادہ دیکھ کر بے چین سی ادھر سے ادھر پھدکتی پھر رہی تھی۔ اک موٹا تازہ چڑا بھی کہیں سے دو چار سفید پر چونچ میں دبا کر لے آیا تھا۔ ایک انسان کو اپنے آشیانے پر نظریں جمائے دیکھ کر اس کا چھوٹا سا دل بھی دہل گیا تھا۔ وہ بے قرار سامنے والی منڈیر پر چک پھیریاں کاٹنے لگا۔

اپنا گھر سب کو ہی پیارا ہوتا ہے۔ اور جو گھر بسنے سے پہلے اجڑ جائے۔ اس کی اذیت کیسی ہوتی ہے۔ یہ اس سے بہتر اور کون جانتا ہوگا۔ وہ دونوں اس کے اگلے کسی بھی عمل سے سہمے ہوئے تھے۔

ان کی بے چارگی پر اسے بے اختیار ترس آیا تھا۔ آہستگی سے پٹ بند کرتے وہیں دیوار سے ٹیک لگالی۔ باہر وہ دونوں شور مچاتے پھر سے اپنے کام میں جت گئے۔ ان کی چوں چوں میں اب خوشی اور اطمینان کی چہکار تھی۔ ایک عجیب سے احساس نے اس کی پلکیں بھگو ڈالیں۔ ایک گہرا سانس بھرتے اپنے کمرے پر نظر ڈالی تھی۔

قدیم طرز کے روایتی اور خوب صورت انداز سے سجائے گئے اس کمرے کی ایک ایک چیز مکین کے

مکمل ناول

TAGPK.COM

TAGPK.COM

عمدہ ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ کسی زمانے میں وہ بھی خوب کریزی ہوا کرتی تھی۔ پورے گھر کی سجاوٹ کے لیے ہلکان رہا کرتی۔ اور اسی جنون میں اکثر اپنی پاکٹ منی بھی اڑا دیا کرتی۔ پھر وہ ہوئی اور اماں کی پھٹکاریں۔

''ہائے۔ اللہ سائیں کیا بنے گا اس لڑکی کا۔ یہ تو صفاچٹ ہے۔ پیسے کی تو قدر ہی نہیں کرتی۔ بس گھر بھرنے کا شوق ہے۔ یہ بھی نہیں دیکھتی۔ گھر میں نئی چیز رکھنے کی جگہ بھی ہے یا نہیں۔''

''ارے میری پیاری ماں! جگہ کی فکر نہ کریں۔ اتنی بڑی حویلی ہے ہماری۔ بھلا جگہ کی کیا کمی۔ اور دلوں میں جگہ ہو تو ہر جگہ گنجائش نکل آتی ہے۔ ابھی دیکھیں میں ان شوپیسز کے لیے کیسے جگہ بناتی ہوں۔ اڑی او صفوراں..... وسائی..... ادھر آؤ۔"

اور وہ دونوں پلک جھپکتے میں آن حاضر ہوئی تھیں خبر تھی۔ آج بابا سائیں کی لاڈلی ان کے ساتھ شاپنگ پر گئی تھی۔ تو اب ضرور انہیں بھی انعام ملنے والا ہے۔ اور وہی ہوا اس نے کارنس، سینٹرل ٹیبل، سائڈ ٹرالیز سے کافی کچھ اٹھا کر انہیں پکڑا دیا۔ اماں حق دق ''اڑے۔ اڑے'' ہی کرتی رہ گئیں۔ اس نے لپک جھپک نئے شوپیس سجا بھی دیے تھے۔

''دیکھا، میں نے کہا تھا نا۔ نکل آئی نا جگہ۔ آپ تو یوں ہی گھبرا جاتی ہیں۔" وہ گردن اکڑائے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''ہائے چھوری۔۔ کیا کروں تیرا۔ پیسے کوئی کھیتوں میں اگتے ہیں کیا۔ جو ہر مہینے تو یہ الا بلا اٹھا کر لے آتی ہے۔ پھر حاتم طائی کی ماں بنی پچھلا سب ریوڑیوں کی طرح بانٹ دینا۔ اگر تیری یہی حرکتیں رہیں نا تو مڑس (شوہر) کے گھر جوتے کھائے گی۔ ایسی فضول خرچیوں پر اگلے ہی دن چوٹی سے پکڑ کر نکال باہر کرے گا وہ۔''

اور ان کی منظر کشی پر وہ دل کھول کر ہنسی تھی۔

''لطیف جلبانی کی بیٹی ہوں اماں۔ گوٹھ کے کسی معمولی مزارعے کی نہیں۔ جو وہ مجھے ہاتھ لگا کر اپنی شامت کو آواز دے گا۔ اور یوں بھی اسے پتا ہے میرا۔ اور اسے میری کسی بات پر کبھی کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا۔ سو پلیز یو ڈونٹ وری اباؤٹ اٹ۔"

وہ ان کا گال چھو کر ہنستی ہوئی ہوئی باہر بھاگ گئی تھی۔

''ہاہ۔ وڈی کوئی بے شرم لڑکی ہے۔ اللہ جانے کیا گٹ مٹ کر گئی ہے۔" غصے سے لال پیلی ہوتی اماں نے ماتھے پر ہاتھ مارا تھا۔ وہ چونک گئی۔ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ ماسی شریفاں پکار رہی تھیں۔

''امڑ..... مرک..... چائے تیار ہے۔ شہلا بی بی پوچھ رہی ہیں۔ ہمارے ساتھ پیو گی یا ادھر ہی بھجوا دیں۔۔ اور تمہاری شاگردیں بھی آ گئی ہیں۔ باغ میں بٹھا دیا ہے انہیں۔"

''ٹھیک ہے ماسی۔ آپ چلیں میں باہر ہی آ رہی ہوں۔" اس نے واش روم کا رخ کیا تھا۔ اور کچھ دیر بعد جب وہ باہر آئی تھی تو ثوبیہ اسے دیکھتے ہی بولی تھیں۔

''تمہارا چہرہ کیوں بجھا بجھا سا ہے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری؟" اس نے بے اختیار ہاتھ نم آلود چہرے پر پھیرا تھا۔ ہونٹوں پر اک پژمردہ سی مسکان آ ٹھہری۔

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔ شاید نیند پوری نہیں ہوئی۔ اسی لیے آپ کو کچھ سست دکھائی دے رہی ہوں۔ آج کل کام کا برڈن بھی تو ہے نا۔ پیپر جو ہونے والے ہیں۔'' شہلا نے بھنویں اچکا کر جھٹانی کو دیکھا پھر اسے۔

''ہاں، تم نے بھی تو خواہ مخواہ کا شوق پال رکھا ہے۔ ساری برادری والے کتنی باتیں کرتے ہیں۔ بھلا بتاؤ لطیف جلبانی کی دھی معظم، مکرم جلبانی کی بہن اور یہ نوکری کی مشقت۔ لیکن تمہیں تو شوق ہے ہم سب کو لوگوں کی باتیں سنوانے کا۔ تم سولہ جماعت پاس دن رات محنت کر کے جتنا کماتی ہو نا۔

TAGPK.COM

اتنے تو میرے بابا سائیں اپنے چار جماعت پڑھے ہڈحرام کمدار کو دے دیتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ وہ حساب کتاب میں ہیر پھیر کر کے بنا لیتا ہے۔ ہاہاہا۔" انہوں نے ہمیشہ کی طرح آج بھی بے تکی ہی ہانکتے ایک بے ہنگم قہقہہ لگایا تھا۔ وہ بھی حسب سابق کڑوا گھونٹ بھرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''ماسی شریفاں! میری چائے باغ میں ہی لے آئیں۔"

''ارے ہاں بھاجائی (بھابھی) مجھے آپ کو بتانا یاد نہیں رہا۔ آج اماں کا فون آیا تھا، بتا رہی تھیں۔ وڈے ماما سائیں کی طبیعت کافی بگڑ گئی ہے۔" اور وہ جو راہداری عبور کرنے کو قدم بڑھا چکی تھی، ٹھٹک کر رک گئی۔ شہلا مزید کہہ رہی تھی۔

''ڈاکٹروں نے تو جواب دے دیا ہے۔ کہتے ہیں، گھر لے جا کر جتنی خدمت کر سکتے ہو باپ کی کر لو۔ پر ادا جمال نہیں مانا۔ کہتا ہے ہسپتال میں ٹھیک سے دیکھ بھال تو ہو رہی ہے نا۔ ڈاکٹر اور نرسیں چوبیس گھنٹے ان کے آس پاس موجود ہوتے ہیں۔ اور ماما کی حالت دیکھتے ہوئے انہوں نے تو اپنی ساری ناراضیاں بھی بھلا دی ہیں۔ ہو سکتا ہے آج کل میں چھوٹے ماما اور مامی کے پاس بھی آئیں معافی تلافی کے لیے۔ اور وہ تو یہ بھی بتا رہی تھیں کہ اس نے باہر چھوٹے بھائی کو بھی فون کیا ہے۔ کئی سالوں سے بول چال بند تھی۔ جلد ہی واپسی کا کہا ہے۔ اب دیکھو کتنے دن لگتے ہیں آنے میں۔ شاید بیوی کو بھی ساتھ لے آئے۔ ارے جب خاندانی سنگ توڑ کر غیر عورت سے شادی کر ہی لی تو پھر اسے سب سے کیا چھپانا۔ ویسے بہت عقل مندانہ فیصلہ کیا ادا جمال نے۔''

وہ تو اور بھی جانے کیا کہہ رہی تھیں۔ لیکن اس کی سماعتیں اس سے زیادہ بوجھ سہارنے سے قاصر تھیں۔ لڑکھڑاتے ہوئے بے اختیار ستون کا سہارا لیا تھا۔

''ماں صدقے امڑ۔ دھیان ساں (دھیان سے)۔'' چائے لاتی ماسی شریفاں نے گھبرا کر بازو تھاما تھا۔

''دن رات کتابوں میں سر دو گی تو ایسی حالت ہی ہو گی، کھاتی پیتی تو تم ہو نہیں۔'' وہ تو نصیحتوں کی پٹاری کھولنے کو تھیں۔ وہ بیزار لہجے میں بول اٹھی۔

''میرے سر میں درد ہے ماسی۔ آپ جا کر لڑکیوں سے کہو، آج چھٹی کر جائیں۔ میں چھت پر ہوں۔ ذرا ہوا خوری کروں گی تو طبیعت بہل جائے گی۔''

وہ تیز قدموں سے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ کھلے آسمان پر کئی پرندے اپنی موج میں اڑتے پھر رہے تھے۔ ایک پرندہ اس کے دل پر بھی اترا تھا۔ جس کے نوکیلے پنجے اندر تک پیوست کئی پرانی یادوں کو کھینچ لائے تھے۔ سو اب یہ طے ہوا کہ آج بھی اپنے ہی بازوؤں میں منہ چھپا کر اسے خوب رونا تھا۔

☆☆☆

جب کھجور کا پھل پکنے پر آتا تو اپنے ساتھ ہر ذی نفس کو پکانے کا ارادہ کر کے آتا تھا جیسے۔ ایسی سخت گرمی پڑتی کہ الامان۔ کڑی دوپہروں میں جب ہر چیز تندور بنی ہوتی تو اماں ان سب بچوں کو گھیر کر ٹھنڈے کمرے میں لے جاتیں۔ ان کی سختی سے ڈر کر وہ آنکھیں تو موند لیتے تھے۔ مگر جیسے ہی ان کے خراٹے گونجنے لگتے۔ ایک ایک کر کے بڑی آہستگی سے وہ سب کھسک لیتے۔ ادا مکرم کو تو پتنگ بازی کا شوق چھت پر لے جاتا۔ معظم کے یار اس

TAGPK.COM

کے انتظار میں ہوتے۔ نہر میں تیراکی کے مقابلوں کے لیے۔ اس کی من پسند جگہ اوطاق کے سامنے والا آم کا درخت تھا۔ جس پر پڑا جھولا لو کے تھپیڑوں کو کیسی ٹھنڈی ہوا میں بدل دیتا تھا۔ اسے خوب مزا آتا۔ اور اگر اس سے پہلے کوئی اس جھولے پر قبضہ جمائے ملتا تو وہ اس کی ٹھیک ٹھاک خبر بھی لیتی تھی۔ جیسے اس روز سجاول اس سے پہلے وہاں جھول رہا تھا۔ ان میں ویسے تو گاڑھی چھنتی تھی۔ دونوں میں سال بھر کا فرق تھا۔ ایک ہی صحن میں ایک ساتھ پلے بڑھے تھے۔ اس لیے اک دوجے کے بنا گزرتی بھی نہ تھی اور جب کسی بات پر لڑ پڑتے تو بھی کمی نہ چھوڑی جاتی۔ وہ اسے دیکھتے ہی آگ بگولہ ہوئی تھی۔

''یہ میرا جھولا ہے۔ اترو نیچے۔''

''تمہارا نام لکھا ہے اس پر۔ میں تو نہیں اتروں گا۔ بڑی آئی میرا جھولا ہے۔''

سجاول نے ٹکا سا جواب دیتے منہ بگاڑ کر نقل بھی اتاری تھی جو شہزادی مرک کے مزاج کو مزید برہم کرنے کا سبب بنی۔

''ہاں میرا نام لکھا ہے اس پر۔ دادا سائیں نے یہ جھولا میرے کہنے پر صرف میرے لیے یہاں ڈالا تھا۔ تم جا کر اپنے لیے جھولا کہیں اور ڈال لو۔ چھوڑو اسے۔ نہیں تو میں زور کا دھکا دے کر گرا دوں گی۔"

''تم نے جھولے کو ہاتھ بھی لگایا نا تو دیکھنا کیا حشر کروں گا تمہارا۔'' وہ بھی سجاول جلبانی تھا۔ وہ آگے بڑھی تھی کہ تیز جھولا لیتے سجاول نے ٹانگ اڑا کر اسے روکنا چاہا۔ لیکن اپنے ہی دھیان میں آتی وہ پیچھے کو جا گری۔ اس کی چیخ پر جہاں گھبرا کر سجاول نے جھولا روکا وہیں اوطاق میں آرام کرتے دادا سائیں بھی حواس باختہ سے باہر نکل آئے۔

''اڑے۔ مرک میرا بچہ کیا ہوا ہے؟'' بس ان کے پوچھنے کی دیر تھی۔ مرک بی بی نے جو راگ بھیرویں چھیڑا تو ان دونوں کے ہاتھ پاؤں پھلا دیے۔ دادا، پوتا لپک کر اس تک پہنچے تھے۔ سجاول تو ایک قدم کا فاصلہ چھوڑ کر ڈرتا نادم سا وہیں رک گیا۔ دادا سائیں نے اسے گود میں لے لیا تھا۔ وہ اس کے ہاتھ پاؤں چیک کر رہے تھے۔ اور بری طرح چھلی ہتھیلیاں دیکھ کر انہیں لاڈلے پوتے پر غصہ آیا تھا۔

''یہ کیا حرکت تھی۔ دیکھو کیسی بری چوٹ لگی ہے اسے۔ ایسے بدتمیزی کرتے ہیں بھلا۔"

''نن..... نہیں دادا سائیں۔ میں نے اسے دھکا نہیں دیا۔ میں نے تو.....''

''جھوٹا۔ دادا سائیں۔ جھوٹا ہے یہ۔ اس نے مجھے لات مار کر گرایا ہے۔" ابھی وہ ہکلاتے ہوئے اپنی صفائی میں پوری بات بھی نہ کر سکا تھا کہ وہ کڑے تیوروں سے گھورتی تڑخ کر بولی تھی۔

''کتنی بری بات ہے سجاول! تم نے تو مجھے دکھی کر دیا یار۔ کتنی بار سمجھایا ہے۔ تم بڑے ہو، خیال رکھا کرو اس کا۔ نہ کہ تم ہی اسے تکلیف دو۔ اور پھر یہ جھولا بھی تو میری شہزادی کا ہے تم کیوں بیٹھے تھے اس پر۔ خبردار آئندہ مجھے اس پر جھولتے نظر نہ آنا۔ اور اب چلو معافی مانگو اپنی شرارت کی۔''

''کوئی نہیں۔ میں نے کوئی نہیں کرنی اس سے صلح۔ یہ گندا ہے۔ مارتا ہے مجھے۔" وہ زور شور سے سر نفی میں ہلاتی انکاری ہوئی۔ رونا بدستور جاری تھا۔ وہی ہمیشہ والا جس میں آنسو کم اور واویلا زیادہ ہوتا تھا۔ دادا نے سجاول کو فرسٹ ایڈ باکس لانے بھیجا اور اسے پچکارا۔

''میری سوہنی دھی۔ میری شہزادی اگر اسی طرح روتی رہی نا تو تیری اماں ترس کھانے کے بجائے الٹا مار لگائے گی۔ وہ تو تجھے سلانے کے لیے لے کر گئی تھی نا۔ اور تو اسے دھوکا دے کر باہر نکل آئی۔ سجاول اچھا بچہ ہے۔ اس نے جان بوجھ کر نہیں مارا۔ اچھے بچے ایک دوسرے سے لڑتے تو نہیں ہیں نا۔" وہ مسلسل سوں سوں کرتی جا رہی تھی۔ دادا سائیں نے شفقت سے ساتھ لگا لیا۔ سجاول فرسٹ ایڈ باکس لے آیا تھا۔ انہوں نے پائیوڈین اس کی ہتھیلیوں پر لگائی تھی۔ جس کی جلن سے اس کے ہونٹوں سے

TAGPK.COM

بچپن حسنہ کو ادی پکارتے گزارا تھا۔ اس جیسی ڈل اور کم گو سی لڑکی کا تو تصور بھی..... نہیں نہیں..... لگتا تھا اب وقت آ گیا ہے کہ وہ بھی اماں کو اپنا خیال بتا دے۔

''اور ہاں حسنہ دھی کے لیے تم لوگ جو بھی فیصلہ کرو مجھے اعتراض نہیں۔ لیکن مرک کے لیے میں بہت پہلے سے فیصلہ کر چکا ہوں۔ اور مجھے یقین ہے تم سب بھی میرے اس فیصلے کا مان رکھو گے۔ چاہے میں اس وقت تک رہوں یا نہ رہوں۔" سب نے بے اختیار انہیں دیکھا۔

''اللہ نہ کرے بابا سائیں۔ یہ کیسی بات کر رہے ہیں۔ اللہ آپ کو لمبی حیاتی دے۔ آپ ان بچوں کے بھی بچے کھلائیں۔" لطیف جلبانی تڑپ کر بول اٹھے۔

مرک کی بسری بن گئی تھی۔ اور یہ تو دادا سائیں کی بھی فیورٹ تھی۔ وہ ان کے بنا کیسے کھا لیتی۔ اسی دھن میں اس طرف آ رہی تھی کہ ان کے کہے الفاظ نے وہیں روک لیا۔ وہ بیٹے کا شانہ تھپکتے کہہ رہے تھے۔

''سجاول اور مرک میرے سب سے چھوٹے اور میرے بہت پیارے بچے ہیں۔ وہ دونوں ہمیشہ سے مجھے ایک ساتھ بہت اچھے لگتے ہیں۔ اور میری خواہش ہے کہ وہ سدا ساتھ خوش و آباد رہیں۔ اسی لیے سجاول جلبانی کے ساتھ اپنی شہزادی مرک کا سنگ (رشتہ) طے کر دیا ہے۔ اور میں یہ بھی جانتا ہوں، تم میں سے کوئی بھی میرے اس فیصلے پر معترض نہیں ہو گا۔" انہوں نے بات مکمل کر کے بسم اللہ کہتے ہوئے نوالہ توڑا تھا۔ اور ان کی خواہش پر کون اعتراض کر سکتا تھا۔ جلال جلبانی نے مسکرا کر سر ہلایا۔

''جی بالکل بابا سائیں۔ دونوں آپ کے ہی بچے ہیں۔ آپ کا فیصلہ سر آنکھوں پر۔ جو آپ کی خوشی وہ ہماری۔ کیوں لطیف! تمہاری کیا صلاح ہے؟'' انہوں نے بھائی کو دیکھا تھا۔ اور جب باپ نے کہہ دیا کہ کوئی معترض نہ ہو تو بھلا وہ کیونکر جرأت کرتے متانت سے مسکرا دیے۔

''یہ بابا سائیں کی خوشی ہے تو ہماری بھی ہوئی۔ اللہ بچوں کو نیک بخت کرے۔''

''آمین۔'' دادا سائیں نے پورے جذب سے کہا۔ اندر سب ایک دوجے کو مبارک باد دے رہے تھے۔ اور باہر کھڑی وہ گم صم ہو گئی تھی۔ وہ اور سجاول..... سجاول اور وہ..... جن کا بچپن سے لڑکپن تک ایک ساتھ کھیلتے، لڑتے جھگڑتے گزرا تھا۔ تو وہیں آپس میں دوستی بھی خوب تھی۔ مگر ایسا..... یہ تو کہیں سان و گمان میں نہ تھا۔ یوں بھی ابھی ان کی عمر ہی کیا تھی۔ دونوں بے چارے آئے دن بڑے بھائیوں کے رعب تلے پستے رہتے اور جب آپس میں ملتے تو ایک دوجے کا دکھ سکھ بانٹتے۔ اور اسے تو خاص طور پر اپنے ہر کام کے وقت ایک وہی نظر آتا تھا۔ وہ اس کی ہر بری بھلی سن جو لیتا تھا۔ اکثر اسکول کا ہوم ورک بھی نبٹا دیتا۔ درختوں پر چڑھ کر کچے پکے پھل اتار دیتا۔ اور اسے جھولا جھلانا تو جیسے اسی کی ذمہ داری تھا۔ اور دادا سائیں کہہ رہے تھے کہ وہ دونوں.....

اففف۔ اس کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی تھی۔ الہڑ اور ناسمجھی کی عمر میں ملا یہ وہ پہلا احساس تھا۔ جو دل کی دیواروں پر پکے رنگ کی طرح ثبت ہوا۔ ایک مہک بن کر روم روم مہکا گیا۔ وہ سرتاپا اس انوکھی سی سرشاریت میں گم تھی۔ جب کہیں قریب ہی سے کسی نے پکارا۔ وہ جاگتی آنکھوں کے خواب سے ہڑبڑا کر چونکی۔ سر اٹھا کر دیکھا۔ وہ سخت چڑا ہوا تھا۔

''بہری ہو کیا۔ سنائی نہیں دیتا۔ ہو کس دھیان میں۔ پلیٹ کیسے پکڑے کھڑی ہو۔ فرش پر دیکھو بسری گر گئی ہے تمہاری۔" اور وہ دیکھ کر بھی اٹھانے کو نہیں جھکی تھی۔ بلکہ عجیب سا ری ایکٹ کرتے مسکراتی، نظریں چراتی اندر بھاگ گئی۔

''ہیں۔ اسے کیا ہوا۔ یہ لڑکی تو چڑی ہے بالکل۔ اب یہ کیا ڈرامہ تھا۔" وہ سارے معاملے سے بے خبر متحیر سا بسری اٹھا رہا تھا۔

TAGPK.COM

☆☆☆

ماما شیر نواز کے بیٹے سے ادی حسنہ کا سنگ طے ہو گیا تھا۔ آج کل شادی کی تیاریاں عروج پر تھیں۔ ہر دوسرے دن خریداری کے لیے شہر کے چکر لگ رہے تھے۔

آج زیور کا آرڈر دینا تھا تو تائی حفیظہ جو دیورانی کے ساتھ ہی یہ فریضہ ادا کر رہی تھیں۔ آج بیٹی کو بھی ساتھ لے گئیں۔ زیور پہننا اس نے تھا تو پسند بھی اسی کی ہو تو اچھا ہے۔ مرک اسکول سے واپسی کے بعد مزے سے ٹی وی لگا کر بیٹھ گئی۔ یہ عیاشی سب افراد خانہ کے ہوتے کہاں میسر آتی تھی۔ خوب اونچا لمبا خوبرو ہیرو جو درخت سے لپٹی کھڑی نازک اور الہڑ سی ہیروئن سے ڈائیلاگ جھاڑ رہا تھا۔ وہ کچھ اور سمٹ رہی تھی۔ اور جب ہیرو نے اس کا ہاتھ تھاما تو.....

اپنے حصے کے سارے کام نبٹا کر ماسی شریفاں تو دالان میں بچھے تخت پر دوپٹہ تانے بے فکر ہو کر سو گئی تھی۔ سجاول باہر سے آ رہا تھا۔ شدید بھوک بھی لگی تھی۔ اسے سوتا دیکھ کر وہ اندر آ گیا۔ ارادہ تو سیدھا کچن کا رخ کرنے کا ہی تھا۔ مگر سامنے ہی چلتے ٹی وی اور صوفے پر دونوں بازو گھٹنوں کے گرد لپیٹے گم صم بیٹھی مرک نے توجہ کھینچ لی۔ وہ اس تک آیا۔ آواز دی۔ مگر وہ وہاں ہوتی تو سنتی۔ وہ تو اس درخت کے پاس تھی۔ اور ہاتھ اس کی گرفت میں تھا۔ جس کی میٹھی میٹھی باتیں سماعتوں میں رس گھول رہی تھیں۔ سجاول نے پھر سے پکارا تھا۔ اس بار بھی جواب نہ پا کر شانے پر ایک دھپ لگا دی۔ وہ ہڑبڑا کر ہوش میں آئی۔ اسے سامنے دیکھا تو رنگ خواہ مخواہ سرخ پڑ گیا۔ اور وہ اس کی حالت سے بے خبر بول رہا تھا۔

''سب خیر ہے نا۔ یہ ہوا کیا ہے تمہیں۔ وہ انسان کے ہی بچے ہیں، کوئی جنات کے نہیں۔ اور لڑکی تو اچھی بھلی خوب صورت ہے۔'' وہ جو خوش کن خیالات کی وادی کی سیر پر تھی ایک جھٹکے سے باہر پھینک دی گئی۔ بھنا کر ٹی وی آف کیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے۔ خود دیکھ رہی تھیں۔ میں آیا تو بند کر دیا۔ کیوں بھلا۔'' اسے برا لگا تھا۔ وہ تڑخ کر بول اٹھی۔

''ابھی کیا کہہ رہے تھے۔ کون سی لڑکی خوب صورت ہے؟'' وہ پاؤں نیچے اتارے پوری کی پوری اس کی طرف گھوم گئی۔ آنکھیں جو پہلے جگر جگر چمک رہی تھیں۔ ان میں اب خشونت بھری تھی۔ رنگت مزید دہکی ہوئی۔

''وہی لڑکی جسے تم اتنا غور سے دیکھ رہی تھیں کہ آس پاس کی خبر ہی نہیں تھی۔ بلکہ نہیں تم لڑکی کو نہیں تم ضرور اس کے کپڑوں کا ڈیزائن دیکھ رہی تھیں۔ تم لڑکیوں کو میتھ کا سوال تو ایک باری میں سمجھ میں نہیں آتا۔ لیکن دوسری لڑکی کے کپڑوں کا ڈیزائن فوراً کیسے سمجھ لیتی ہو۔''

سجاول اس کے سامنے ایک دوسری لڑکی کو کتنے آرام سے خوب صورت کہہ گیا تھا۔ اسے ہمارے درمیان رشتے کی نزاکت کا واقعی کوئی احساس نہیں ہے۔ اسے پتا ہی نہیں ہے میں اس کے لیے کیا سوچتی ہوں۔ وہ اپنے ہی خیالوں میں گم تھی۔ وہ اس کی بے توجہی پر اس بار متحیر ہی نہیں بلکہ متفکر بھی ہوا تھا۔

''اے چھوری۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری۔ یہ بیٹھے بیٹھے کہاں چلی گئی ہو۔ کہیں تاپ واپ تو نہیں چڑھ گیا دماغ کو۔ دکھاؤ ذرا۔'' وہ اپنی جگہ سے اس کا ماتھا چھونے کے ارادے سے اٹھا تھا۔ وہ بوکھلائی اس سے پہلے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''نن..... نہیں۔ ایسا تو کچھ نہیں ہے۔ مجھے کیوں چڑھنے لگا تاپ واپ۔ اور تم جاؤ یہاں سے۔ کوئی آ جائے گا تو کیا سوچے گا۔''

''ہائیں۔ مطلب کیا ہے تمہارا اس بات سے۔ کوئی کیوں کچھ سوچنے لگا۔ کیا ہم پہلی بار یہاں اکٹھے بیٹھے ہیں۔ اور میں کہیں نہیں جا رہا۔ مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ ماسی تو باہر خراٹے لے رہی ہے۔ مجھے اس کی نیند خراب کرنا اچھا نہیں لگا۔ تم جاؤ میرے لیے کھانا گرم کر کے لاؤ۔ شاباش جلدی۔'' آرڈر

TAGPK.COM

جاری کرنے کے بعد وہ ریموٹ سے ٹی وی آن کیے وہیں پاؤں پسار چکا تھا۔

''چچ..... چچ..... مجھے دادا سائیں سے سخت گلہ ہے۔ انہوں نے بالکل اچھا نہیں کیا میرے ساتھ۔'' وہ ٹی وی اسکرین پر نظر آتے چہرے پر نگاہ جمائے جانے کس سے کہہ رہا تھا۔ اس کی خیالی رو بہکی۔ چونک کر اسے دیکھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''اس پوری حویلی میں ایک ہی تو سنگی ساتھی تھا میرا۔ جس سے جب چاہے دل کی بات کر لیا کرتا تھا۔ اچھی مشکل میں ڈال دیا ہے۔ میں تو سوچ رہا ہوں ان سے کہوں۔ اللہ کا واسطہ ہے دادا سائیں اپنا فیصلہ واپس لے لیں۔'' وہ باقاعدہ ہاتھ جوڑ چکا تھا۔ جیسے وہ سامنے ہی کھڑے ہوں۔ جبکہ وہ دھک سے رہ گئی۔ تو اس کا شک صحیح نکلا۔ وہ اس فیصلے پر سب سے بڑا معترض خود ہی تھا۔ وہ خوش نہیں بلکہ بیزار تھا۔ ان کے درمیان بننے والے اک نئے نویلے تعلق سے۔ وہ اتنی رنجیدہ ہوئی تھی کہ کھڑے کھڑے پتھر کی ہوگئی۔ یوں جیسے کسی مجسمہ ساز کا شاہکار ہو۔ اور اسے دیکھتا سجاول حیران۔ وہ بچپن سے اس کے کئی روپ دیکھ چکا تھا۔ کبھی شریر اور کبھی بہت معصوم سی۔ کبھی کھلنڈری اور کچھ تک چڑھی سی۔ اور کبھی بے تحاشا خوب صورت مگر کبھی حد درجے لاپروا۔ مگر اس پل جو اس کے چہرے پر دیکھا وہ اسے ساکت کر گیا۔ اففف۔ کیا تھی یہ لڑکی۔ ابھی اتنی سی دیر میں ٹی وی کی اسکرین نے اتنے رنگ نہیں بدلے تھے۔ جتنے ان چند لمحوں میں اس ظالم کے چہرے نے بدلے تھے۔ کبھی سفید، کبھی گلابی، کبھی لال، کبھی پیلا۔ اسے تو فکر پڑ گئی کہیں کھڑے کھڑے نیلی نہ پڑ جائے۔ بے اختیاری میں لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہوں میں۔ اب یہ کوئی بات ہے بھلا۔ آخر انہیں کس بات کی جلدی تھی۔ کتنی مکمل اور بے فکر دوستی تھی ہماری۔ کبھی تم نے میری کوئی بات سنتے یوں بے دھیانی نہیں دکھائی تھی جیسے اب اگلے ہر پل میں گم صم ہو جاتی ہو۔ یار اتنے رنگ تو ایک دن میں گرگٹ نہیں بدلتا ہوگا۔ جتنے تم نے ابھی کچھ ہی منٹوں میں بدل لیے اور قسم اللہ کی ہر رنگ اتنا انوکھا اور دلفریب کہ میں تو اس سحر میں کھو گیا ہوں۔ تم صبح ہو۔ تم شام ہو یا رات۔ یا پھر باغ میں کھلا کوئی پھول۔ موتیا، گل انار، گل دوپہری یا گلاب۔'' اور وہ جو ابھی کچھ دیر قبل اس لیے رنجیدہ ہو رہی تھی کہ وہ ان کے اس تعلق کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتا۔ اور جب وہ اپنے جذبات کا اظہار کرنے پر آیا تو فقط چہرہ ہی نہیں کان کی لویں تک سرخ پڑ گئیں۔ کسمسا کر ہاتھ کھینچتے نچلا لب دانتوں تلے داب لیا۔

''مم..... میں تمہارے لیے کھانا لے کر آتی ہوں۔'' دھڑ دھڑ کرتے دل کے ساتھ اب کوئی راہ فرار تو اختیار کرنا تھی۔ جلدی میں مڑتے ہوئے ٹیبل سے گھٹنا لگ گیا۔ کراہ کر وہیں دہری ہوگئی۔

''اوہ۔ یہ کیا کیا بے وقوف لڑکی۔'' سجاول نے گھبرا کر اسے تھامتے واپس صوفے پر بٹھایا۔

''کیا ہوا، کیا بہت زور سے لگ گئی۔'' اس کی پلکوں کی سطح تیزی سے نم ہوتی دیکھ کر وہ بے چین ہوا تھا۔ مرک نے گھٹنا سہلاتے نفی میں سر ہلایا۔

''گھبراؤ نہیں۔ میں کوئی دوا دیکھتا ہوں۔ اور ہاں اس سے پہلے دادا سائیں والا مرہم تو ہے ہی۔ اگر اجازت ہو تو وہ لگا دوں۔'' سجاول کی آنکھوں میں زمانے بھر کی شوخی و شرارت سمٹ آئی تھی۔ مرک نے بے اختیار مارے شرم و گھبراہٹ کے کشن اٹھا کر اس کے سر کا نشانہ لیا تھا۔

☆☆☆

"دادا سائیں! آپ سے ایک بات کہوں؟"

صحن میں بچھی رنگین پایوں والی چارپائی کی پائنتی بیٹھی بڑی نرمی اور نفاست سے وہ ان کے پیروں کے ناخن کاٹ رہی تھی۔ جب سیڑھیاں اترتے سجاول کو دیکھ کر کچھ یاد آیا۔

''ہوں۔ کہو۔'' دادا سائیں کل کا باسی اخبار پوری عرق ریزی سے پڑھ رہے تھے، اسی دھیان میں ڈوبے اجازت دی۔ وہ وہیں گرل تھامے رک

TAGPK.COM

گیا۔

''وہ بات یہ ہے دادا سائیں! کہ سجاول کو آپ کے فیصلے پر اعتراض ہے۔ وہ خوش نہیں ہے۔ کہہ رہا تھا کہ آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔'' اور اگلا لمحہ اس کے بدترین خدشے کی تصدیق کر گیا تھا۔ وہ بدتمیز لڑکی اس دن کی بات کو بھولی نہیں تھی۔ اور اب جانے کس رنگ میں ان تک پہنچانے کا ارادہ کیے بیٹھی تھی۔ یوں تو وہ ان سب سے ہی بہت پیار کرتے تھے۔ مگر جہاں کسی نے ان کے کسی فیصلے سے انحراف کی جرات کی تو تاریخ گواہ تھی۔ اسے ان کا عتاب بھی بھگتنا پڑا تھا اور یہ مرک کی بچی ضرور اس کی شامت بلا کر چھوڑے گی۔ وہ ایک ہی جست میں دو چار قدمچے پھلانگتا نیچے آیا تھا۔

''نن..... نہیں دادا سائیں۔ یہ بہت کوڑھی (جھوٹی) لڑکی ہے۔ اپنی طرف سے گپ مار رہی ہے۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ اور بھلا میری مجال کہ آپ کے کسی فیصلے سے انکار کر سکوں۔ میں تو ہمیشہ سے آپ کا لاڈلا اور تابعدار بچہ ہوں نا۔'' وہ ان کی پشت پر آ کھڑا ہوا اور ان کے شانے دبانے لگا۔

''ارے ابا۔ میرے کندھے تو مت اتارو نا۔ اور کس بات پر اعتراض ہے تمہیں۔ ادھر آ کر بولو۔ کیا زنانیوں کی طرح پیچھے چھپ رہے ہو۔'' انہوں نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر سامنے کیا۔ مرک نے لب بھینچ کر بے ساختہ امڈتی ہنسی دبائی۔ وہ اسے گھورتا بچوں کی طرح ہاتھ باندھے عین سامنے آ کھڑا ہوا۔

''کچھ نہیں دادا سائیں! بتایا تو ہے۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ یہ جھوٹی الزام رکھ رہی ہے مجھ نیانے (بچے) پر۔''

''اللہ۔ اللہ۔ دادا سائیں نیانے کی شکل تو دیکھیں۔ اور اس کی جرأت دیکھیں، آپ کے سامنے مجھے جھوٹی کہہ رہا ہے۔ مطلب آپ کی تربیت پر انگلی اٹھا رہا ہے۔'' وہ معصوم صورت بنائے فریاد کناں ہوئی تھی۔ اخبار پرے کرتے انہوں نے عینک کے پیچھے سے پوتے کو گھورا۔

''عقل دھار۔ (کچھ عقل کرو) سجاول پٹ.. تم نے میری لاڈلی دھی کو میرے سامنے ہی جھوٹا کہہ دیا۔ تمہاری اتنی مجال۔''

''ہاں تو دادا سائیں۔ کیا کروں یہ سچ بھی تو نہیں بول رہی۔ خواہ مخواہ کوئی دشمنی نکال رہی ہے مجھ سے۔ کل میں نے اس کو بیدو نائی کے پھٹے سے وہ گندے سندے گول گپے نہیں لا کے دیے تھے نا۔ یہ اسی کا غصہ اتار رہی ہے۔ جانتا ہوں میں اس کو۔'' وہ دانت کچکچاتے بول رہا تھا۔ ادھر ہنسی ضبط کرنے کی کوشش میں اس کا چہرہ حد درجے لال پڑ چکا تھا۔ جسے دیکھ کر وہ زیر لب بڑبڑا کر رہ گیا۔ ''گرگٹ''

''یہ غلط ہے دادا سائیں! ایسا کچھ نہیں ہے۔ مجھے اس پر کسی بات کا غصہ نہیں ہے۔ یہ آج صبح ہی مجھ سے کہہ رہا تھا کہ آپ کو ایسا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ آج کل خشک سردی کا موسم ہے۔ آپ کو اپنے پرانے دوست کے شہر جانے کا رسک نہیں لینا چاہیے، کہیں آپ کی طبیعت پھر سے خراب نہ ہو جائے۔ پہلے ہی تو کتنے دن بعد ذرا سا آرام آیا ہے۔ کیوں سجاول بولو، کیا تم نے ایسا نہیں کہا کیا؟'' وہ بڑی بڑی آنکھیں پٹپٹاتی اس سے پوچھ رہی تھی۔

اور اس کا بس نہ چلا تھا۔ کوئی چیز اٹھا کر اپنے ہی سر پر دے مارتا۔ اس لڑکی کے ساتھ شرارت کرنا ہر بار مہنگا پڑتا ہے۔ لیکن وہ پھر بھول کر ایسی غلطی کر جاتا تھا۔

''اڑے بابا میں کون سا تانگے پہ بیٹھ کر جا رہا ہوں جو سردی لگنے کا خطرہ ہو۔ اپنی گاڑی پر جاؤں گا۔ اور شام تک واپسی بھی ہو جائے گی۔ پھر وہ پرانا یار ہے میرا۔ آج کل بیمار ہے۔ خبر لینے نہ گیا تو دکھ ہوگا اسے۔''

''جی..... جی دادا سائیں۔ بالکل حق فرمایا آپ نے۔ اور کسی کا ادھار جلدی اتار دینا بھی تو عمدہ اخلاق کی پہلی نشانی ہے نا۔'' خصوصاً اس کی اتری صورت کو نظر بھر کر دیکھتے وہ نہایت معصومیت سے

Khawateen Digest September 2021

TAGPK.COM

سوال کناں تھی۔

''بالکل۔ میری شہزادی۔ اول تو کسی بھی طرح کا ادھار کرو ہی مت۔ اور اگر بحالت مجبوری قرض چڑھ جائے تو کوشش کر کے وقت سے پہلے ہی اتار دو۔ یہی بہتر ہے۔'' انہوں نے تائید کے ساتھ تاکید بھی کی۔

''اور میں ہمیشہ ایسا ہی کرتی ہوں۔ مجھے تو بے چینی لگ جاتی ہے۔ جب تک حساب برابر نہ کر لوں۔ کیوں بجو۔ تم تو جانتے ہی ہو نا مجھے۔'' مرک کا انداز دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

وہ اسے گھورتا منہ پر ہاتھ پھیر رہا تھا کہ انہیں اپنی جانب دیکھتا پا کر ٹھوڑی کھجانے لگا۔

''اب راستہ روک کر کیا کھڑے ہو۔ ہٹو پیچھے۔ میں اپنے کمرے میں جا رہا ہوں تیار ہونے۔ تم جا کر اس پیرل پوتی کو دیکھو، وہ جاگا ہے کہ نہیں۔ کہتا تھا دادا سائیں ہم سویرے سات بجے یہاں سے نکل جائیں گے۔ اور اب آٹھ بجنے کو ہیں اور اس نواب کا کچھ پتا نہیں۔'' وہ گھٹنوں پر زور دیتے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ وہ سر ہلاتا واپس سیڑھیوں کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

قدیم طرز کے جہازی سائز پلنگ سے ماتھا ٹیکے وہ فرش پر دوزانو بیٹھی تھی۔ شکن آلود اور ملگجا لباس بتا رہا تھا وہ آج کل خود سے بھی غافل ہے۔ سیاہ نین کٹورے لبالب نمکین پانی سے بھرے تھے۔ چہرے پر چھایا گہرا حزن و ملال۔ چہار جانب پھیلی اداسی اس کے اندر تک اتری لگ رہی تھی۔ آج گیارہواں دن تھا دادا سائیں کو ان سے بچھڑے۔ اور اسے اب تک یقین نہیں آتا تھا۔ پنج وقتہ نماز تو ان کا معمول تھی۔ لیکن نماز جمعہ کا وہ خاص اہتمام کیا کرتے تھے۔ اور اس رات انہوں نے خاص طور پر اس سے کہا تھا۔

''شہزادی مرک کل کے لیے میرا سفید کھدر کا جوڑا نکال کر شریفاں کو ابھی دے دو۔ وہ استری کر کے رکھ دے۔ یہ نہ ہو صبح اٹھتے ہی کام کاج میں لگ کر بھول جائے۔''

''ماسی بھول بھی گئی تو میں ہوں نا آپ کی شہزادی۔ میں خود آپ کے کپڑے پریس کر دوں گی۔ فکر نہ کریں۔ اور یہ کیا آپ نے لاسٹ جمعہ کو بھی وائٹ ڈریس پہنا تھا۔ اس بار کسی اور کلر کا جوڑا نکال دیتی ہوں۔''

''اونہوں۔ سفید ہی نکالنا۔ جانے کیوں دل کر رہا ہے یہی رنگ پہننے کو۔'' ہر صبح وہ صحن میں کھڑے ہو کر سب کو نماز فجر کے لیے آواز دیتے ہوئے مسجد جاتے۔ اس صبح ان کی آواز نہیں آئی تھی۔ اور اس کا دل بری طرح بے چین ہوا تھا۔ وہ خود ان کے کمرے تک آئی۔

''دادا سائیں۔ دادا سائیں۔'' اس نے پکارتے ہوئے کئی بار دستک دی مگر اس کی پکار کا جواب کہاں سے آتا۔ وہ تو رات کے جانے کس پہر ہمیشہ کی ابدی نیند سو چکے تھے۔ ان کا دل چاہ رہا تھا تاں اور اس دن انہیں سفید لباس ہی پہنایا گیا تھا۔

وہ ان کو اب کبھی نہیں دیکھ پائے گی۔ وہ کہیں نہیں تھے۔ رہ گئی تھیں تو بس ان کی نشانیاں۔ وہ سفید جوڑا آج بھی الماری میں جوں کا توں ٹنگا تھا۔ ان کی تسبیح ان کی ٹوپی سائیڈ ٹیبل پر ویسے ہی دھری تھی۔

اب اس کا زیادہ وقت اسی کمرے میں گزرتا تھا۔ اماں کئی دفعہ زبردستی باہر لے جاتیں۔ وہ موقع پاتے ہی پھر آ بیٹھتی تھی۔

شریفاں رات کا کھانا لگا رہی تھی۔ اسے تو اب بھوک بھی نہیں لگتی تھی۔ اس نے سجاول سے کہا تھا اسے کھانے کے لیے بلا لائے۔ اور وہ بنا آہٹ کیے پاس آ بیٹھا تھا۔ اس کا ستا چہرہ دیکھ کر دل کٹ کر رہ گیا۔

''تم پھر پلنگ سے جڑ کر بیٹھی ہو۔ کتنی بار سمجھایا ہے ایسے نہیں بیٹھتے۔ چلو جلدی سے اٹھو۔ باہر سب کھانے پر تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔'' اس نے ہاتھ تھام کر کھینچا تھا، وہ اک آہ بھرتی کسلمندی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ مگر کھانے سے منع کر دیا۔

TAGPK.COM

''مجھے بھوک نہیں ہے۔ تم جا کر کھاؤ۔''

''اگر تمہیں بھوک نہیں ہے۔ تو میری بھی بھوک مر گئی۔ تمہاری خاطر ایک وقت کا کھانا نہیں کھاؤں گا تو مروں گا تھوڑی۔'' وہ وہیں پلنگ پر چت لیٹ گیا۔ وہ اس کے لفظوں پر دہل کر رہ گئی۔ بے اختیار ایک ہاتھ سینے پر رکھا۔

''اللہ نہ کرے۔ مریں تمہارے دشمن۔ شرم تو نہیں آتی۔ کتنی فضول بات کی ہے تم نے۔''

''اور تم جو خود کر رہی ہو۔ مانا کہ ہمارا دکھ بہت بڑا ہے۔ مگر یہ صدمہ صرف تمہیں ہی تو نہیں ملا۔ ہم سب بھی اتنے ہی دکھی ہیں۔

''اپنا حال دیکھو کیا کر لیا ہے۔ دادا سائیں کی مرگ ایسی تو نہیں تھی۔ اب جلدی سے چل کر پہلے خود کو ٹھیک کرو پھر سب کے ساتھ مل کر کھانا کھاؤ۔ آجاؤ شاباش۔'' وہ نرمی سے مسکراتا دروازے کی جانب بڑھا تھا کہ اس نے ہاتھ پکڑ کر روکتے نظر بھر کر اس کے اجلے چہرے کو دیکھا۔

''میں چل رہی ہوں۔ لیکن پلیز تم مجھ سے وعدہ کرو آئندہ کوئی فضول بات منہ سے نہیں نکالو گے۔ تم ہمیشہ میرے ساتھ رہو گے۔ مجھے زندگی میں کبھی اکیلا نہیں چھوڑو گے۔''

''وعدہ۔ اپنے جیتے جی تمہیں کبھی کسی مقام پر تنہا نہیں چھوڑوں گا۔ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں گا۔ تمہارا سایہ بن کر۔'' اپنے دونوں مضبوط ہاتھوں میں اس کا ہاتھ لیے اس نے عہد باندھا تھا۔ وہ کئی دن بعد دل سے مسکرائی تھی۔

اور اس پل دونوں نہیں جانتے تھے۔ وعدہ وہ گرہ ہوتی ہے۔ جسے انسان لگاتا تو اپنی مرضی سے ہے۔ مگر اسے کھولنے کے لیے وہ ہمیشہ تقدیر کے ہاتھوں کا محتاج رہتا ہے۔

☆☆☆

مکرم نے بائیک کو ایک بار پھر زوردار کک لگائی تھی۔ لیکن بے سود، وہ کھانس کر پھر چپ کر گئی۔ آج جتنا اسے یونیورسٹی پہنچنے کی جلدی تھی۔ اتنا ہی یہ بائیک کم بخت نخرے کر رہی تھی۔ اسی جلدی میں اس نے اماں کو ناشتے کے لیے بھی انکار کر دیا تھا۔ انہوں نے کچن کی کھڑکی سے جھانکا۔

''تجھے اگر اپنی سواری سے محبت ہے نا تو یہ بھی تیرا خیال کرتی ہے۔ یہ چاہتی ہے تو آج خالی پیٹ گھر سے نہ نکلے۔ چل آ میرا بچہ کچھ کھا لے۔ تب تک معظم اسے اسٹارٹ کرتا ہے۔''

''سوری! مجھ میں طاقت نہیں ہے۔ صبح صبح پاؤں تڑوانے کی۔ یہ اگر آج آرام مانگ رہی ہے تو کوئی بات نہیں۔ اس بے چاری کا بھی حق ہے۔ یونی تک لفٹ تو میں بھی دے سکتا ہوں۔ ایک منٹ بس ذرا بیگ لے آؤں۔ ادا سائیں!'' معظم اپنا ناشتا ختم کر چکا تھا۔ اٹھ کر اندر بھاگا۔ منہ میں کچھ بڑبڑاتے مکرم نے اتر کر ایک زوردار ٹھوکر بائیک کو رسید کی تھی۔ چہرہ لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔

''اڑے بابا یہاں تو کام کر کر کے انسان تھک جاتے ہیں۔ یہ تو پھر مشین ہے۔ جتنا تیز تم اسے دوڑاتے ہو۔ ضرور کوئی پرزہ خراب ہو گیا ہو گا۔ اب اس بے چاری کا کیا قصور۔ ٹھڈے تو مت مارو غریب کو۔'' لطیف جلبانی اس شور شرابے پر اپنے کمرے سے نکلے تھے۔

''غریب یہ نہیں ہے بابا سائیں۔ غریب تو ہم ہیں۔ جنہیں قسمت نے ٹھڈا مارا ہے۔ اور ابھی دیکھیے گا۔ آگے بھی بہت سی ٹھوکریں پڑیں گی ہمیں۔ کیونکہ جب تک آپ کی آنکھ کھلے گی۔ تب تک بہت سا پانی پلوں کے نیچے سے گزر چکا ہو گا۔'' وہ عجیب سے لہجے میں بولتا انہیں حیران کر گیا تھا۔ انہوں نے الجھ کر اس کے بگڑے نقوش دیکھے۔

''کیا مطلب ہے اس بات کا؟''

''فی الحال کچھ بھی نہیں۔ رہنے دیں آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اور میں نے پرسوں آپ سے فیس کا کہا تھا۔ یاد ہے آپ کو یا بھول گئے؟'' وہ اب معظم کی بائیک کی پشت پر کپڑا مار رہا تھا۔

''یہ بھی کوئی بھولنے والی بات ہے۔ میں نے

TAGPK.COM

کہہ دیا تھا ادا جلال سے۔ پیرل بھی تو تمہاری ہی یونیورسٹی میں پڑھتا ہے نا۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس کی فیس جمع کروانے جائیں گے تو ساتھ ہی تمہاری بھی کروادیں گے۔ تم بے فکر ہو جاؤ۔''

''اور بہتر ہوگا، آپ تھوڑی سی فکر کرنا سیکھ لیں۔ آپ کی اطلاع کے لیے بتادوں وہ جو آپ کے ادا جلال کے صاحبزادے ہیں نا، وہ کل اپنی فیس جمع کروا چکے ہیں۔ اور یہ بھی سن لیں۔ وہ یونیورسٹی دادا سائیں کی گاڑی پر جاتا ہے۔ جواب اسی کے تصرف میں ہے۔ اور آپ کے بچے ان پرانی موٹر سائیکلوں پر ذلیل وخوار ہوتے ہیں۔ اگر آپ یونہی سوتے رہے تو یہ ذلت ہمیشہ کے لیے ان کا مقدر بن جائے گی۔''

اس نے بائیک کو زوردار کک لگائی تھی۔ اور یہ جا وہ جا۔ پیچھے بے چارا معظم چیختا ہوا دور تک بھاگا تھا۔ لطیف جلبانی ابھی تک وہیں کھڑے اس کے کہے الفاظ پر غور کررہے تھے۔

☆☆☆

ماسی شریفاں اوطاق کی صفائی کرنے جارہی تھی۔ وہ بھی اس کے ساتھ چلی آئی۔

آج کتنے دنوں بعد اس طرف آنا ہوا تھا۔ ایک وہ وقت تھا جب سارا سارا دن اسی احاطے میں گزر جاتا۔ کمرے، دالان اور بڑا سا باغ۔ جس میں لگے طرح طرح کے پھل پھول اور آم کے درخت پر جھولا ان کی دلچسپی کا باعث ہوتے تھے۔ وہ اسی آم کے تنے سے ٹیک لگائے سبز گھاس پر بیٹھ گئی۔ اس پر اب جھولا نہیں تھا۔ مگر پکھیوں (پرندوں) کے آکھیرے (گھونسلے) تو ضرور ہوں گے۔ جن میں رکھے رنگ برنگے انڈے دیکھنے کی چاہ میں وہ اکثر اوپر چڑھ جایا کرتی۔ اس کام میں ہمیشہ سجاول ہی اس کا معاون ہوا کرتا۔

ایک مرتبہ وہ انڈے گھونسلے سے نکال لائی۔ نیچے اترنے تک وہ ننھے ننھے انڈے اس کی مٹھی میں دبے ٹوٹ گئے تھے۔ اور تب اماں سے وہ ڈانٹ پڑی تھی کہ توبہ۔ سجاول بے چارے کو تو تائی حفیظہ نے ایک تھپڑ بھی جڑ دیا تھا۔ اور اسے روتے دیکھ کر وہ اس سے زیادہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ آہ۔ زندگی کا کتنا خوب صورت دور تھا وہ۔ مگر کتنی جلدی بیت گیا۔ بچپن کم از کم بھی پچاس سال کا تو ہونا چاہیے تھا اے کاش.....

اور اگلے لمحے وہ اپنے اس بچکانہ خیال پر ہنس دی۔ اس کی ہنسی کی آواز خاموشی بھری دوپہر میں کسی سریلے ساز کی طرح کھنکتی دور تک پھیلتی چلی گئی تھی۔

حویلی کی طرف جاتا سجاول ٹھٹک کر رکا۔ وہ شہر سے آرہا تھا۔ کل اس نے کہا تھا۔ مجھے بائیو پڑھنے میں مشکل درپیش ہے۔ کہیں سے آسان فہم نوٹس لادو۔ اور آج وہ اسی مہم پر گیا تھا۔ بھاری پلندہ اس کے شانے پر جھولتے بیگ میں تھا۔ وہ اسی جانب چلا آیا۔ بور سے لدی ہوئی آم کی سرسبز شاخوں سے پھوٹتی اک خاص خوشبو ساری فضا کو مہکائے ہوئے تھی۔ ان شاخوں کی چھاؤں تلے گلابی لباس میں اپنے دھیان میں مست سی بیٹھی اس دل ربا سی ہنستی لڑکی نے جیسے اس منظر کو مکمل کردیا تھا۔

''دوپہر کے وقت اکثر باغوں میں جنزیاں (چڑیلیں) نکل آتی ہیں۔ سنا تو تھا آج دیکھ بھی لیا۔'' وہ اس کی آواز پر چونکی۔ اور ایک بار پھر ساری کائنات اس کی ہنسی سے بھر گئی۔ اور اس کے اندر تک بھی۔

''لیکن میں نے تو یہ سنا ہے کہ ایسے وقت میں پریاں سیر کرنے باغوں میں آتی ہیں۔ اور کچھ شرارتی بھوت ان کا پیچھا کرتے ادھر خواہ مخواہ آن دھمکتے ہیں۔'' سرتاپاؤں اسے دیکھتے صاف چوٹ کی گئی۔ وہ مسکراہٹ دباتا پاس آبیٹھا۔

''اور وہ بھوت پریوں کا پیچھا کیوں کرتے ہیں۔ کیا اس بارے میں کچھ سنا ہے تم نے؟''

''ہوں۔ واندے (فارغ) جو ہوتے ہیں۔ کرنے کو کچھ نہیں تو پریوں کا پیچھا ہی سہی۔''

مرک کے لبوں پر شرارتی سی مسکان سجی تھی۔ گھاس کی مٹھی بھر کر اس پر اچھال دی۔ سجاول نے

TAGPK.COM

اطمینان سے تنکے جھاڑے۔ پھر اک گہری نظر اس کے دلنشیں چہرے پر ڈالتے اسی سکون سے گویا ہوا۔

''جی نہیں۔ بالکل غلط۔ اب بھوت ایسے بھی واندے نہیں ہوتے۔ انہیں اپنے ہزار کام ہوتے ہیں۔ وہ صبح سویرے شہر جاتے ہیں۔ پڑھائی کرتے ہیں۔ اور تو اور سارے زمانے کی واندی پریاں بھی اپنے کام ان کے سر ڈال دیتی ہیں۔ وہ بے چارے جگہ جگہ جا کر خاک چھانتے ہوئے نوٹس لاتے ہیں۔ اور قسمت دیکھو بے چاروں کی پھر واپسی پر مفت کی باتیں بھی سنتے ہیں۔''

مصنوعی خفگی سے اسے گھورتے سجاول نے بیگ سے موٹی سی فائل نکالی۔ جسے دیکھتے ہی وہ پکڑنے کو لپکی تھی۔ مگر جو اس کی پہنچ سے دور کر دی گئی۔ وہ اس کی طرف جھکتے سرگوشیانہ لہجے میں گویا ہوا۔

''یہ کاغذی علم جتنا مرضی پڑھ لو۔ مگر پھر بھی تم وہ نہیں جان پاؤ گی جو ابھی میں تمہیں بتانے لگا ہوں۔ کان کھول کر غور سے سنو اور کبھی بھولنا بھی مت۔ یہ بڑے راز کی بات ہے۔ پتا ہے وہ بھوت جو پری کا پیچھا کرتے ہر جگہ پہنچ جاتا ہے، وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟''

اور مرک نے بھاری پلکوں کی چلمن اٹھائی۔ سجاول نے فائل ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

''وہ اس لیے میری مرک شہزادی کہ وہ اس پری پر عاشق ہے۔ اور وہ بھی پورے دل و جان سے۔ تب ہی تو اس کے بنا بے چارے کا کہیں جی نہیں لگتا۔ جہاں وہ ہوتی ہے وہ بھی اس کی خوشبو کے پیچھے پیچھے وہیں پہنچ جاتا ہے۔ کیا سمجھیں۔''

اور وہ جو پورے دھیان سے کان لگائے ہوئے تھی۔ لہجے کی شرارت اور آنکھوں سے لپکتی شوخیوں پر یکدم ایسی گلابی پڑی کہ دوپٹے اور چہرے کے رنگ میں فرق مٹ گیا۔ بے طرح سٹپٹاتے ہوئے فائل اٹھا کر اسی میں منہ دے لیا۔ سجاول کو اس کی یہی ادائیں بھاتی تھیں۔ دادا سائیں اسے کتنا قیمتی تحفہ دے گئے تھے۔ اس کا دل بے اختیار ان کے لیے دعا گو ہوا تھا۔

''تمہیں یہاں آ کر اپنا بچپن اور جھولا یاد آ رہا ہے۔ تب ہی تو اس درخت سے جڑی بیٹھی ہو۔ ٹھہرو میں رسی لے کر آیا۔ آج پھر ہم دونوں وہی بچے بن جاتے ہیں۔''

وہ اسٹور کی طرف بڑھ گیا۔ مرک کی خوشی کی انتہا نا رہی تھی۔ وہ بن کہے سب جان لیتا ہے۔ اس کی خوشی کے لیے سب کچھ کر سکتا ہے۔ اور یہ کیسا خوش کن خیال تھا۔ اسے خود پر رشک آیا۔ اور اس پر بے اندازہ پیار جو پوری توجہ سے آم کی سب سے موٹی شاخ پر رسی باندھ رہا تھا۔ نا سجاول کو اپنی تھکان یاد رہی تھی نا اسے کچھ اور۔ ماسی کب کی اپنا کام نبٹا کر جا چکی تھی۔ مکرم نے اچانک سے بائیک سامنے لا کر روکی تو دونوں بے طرح چونکے۔

''تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو۔'' وہ لال آنکھوں سے انہیں گھورتے دبے دبے لہجے میں غرایا تھا۔ وہ گھبرا کر جلدی سے دوپٹہ سر پر لیتی درخت کی اوٹ میں ہو گئی۔ بڑے سارے آہنی گیٹ سے ایک گاڑی اندر آ رہی تھی۔ ضرور کوئی مہمان تھے۔ مارے گھبراہٹ کے اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا تھا۔

سجاول نے لب کھولے

''وہ ادا۔ وہ ایسا ہے کہ.....''

''تم سے بات نہیں کی میں نے۔ اپنی بکواس بند ہی رکھو تو بہتر ہے۔ اگر تمہیں عقل ہوتی تو اسے لے کر یہاں نہ آتے۔ اوطاق میں گھر کی عورتوں کا کیا کام۔ یہاں کسی بھی وقت مہمان آ سکتے ہیں۔ مگر تم۔''

''نن..... نہیں ادا سائیں! سجاول کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ میں تو خود.....''

''تمہارا دماغ بھی درست کرتا ہوں۔ بس مہمانوں کو اندر بٹھا آؤں۔'' وہ تن فن کرتا پلٹ گیا تھا۔ اس کی جان پر بن آئی تھی۔

''ہائے اللہ سائیں۔ یہ آج کیا ہو گیا۔ ادا تو

TAGPK.COM

بہت غصے میں ہیں۔ اب کیا ہوگا بجو۔"

اور وہ کیا کہتا غصہ تو اسے بھی آ رہا تھا۔ مکرم نے پوری بات سنے بنا کس بری طرح جھڑکا تھا اسے۔ بد لحاظ تو وہ شروع سے ہی تھا۔ مگر آج کل کچھ زیادہ ہی مزاج برہم رہنے لگے تھے موصوف کے۔ شانے اچکاتے اسے اپنے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

اور مکرم نے اسی پر اکتفا نہیں کیا تھا اس رات حویلی میں ٹھیک ٹھاک ہنگامہ آرائی ہوئی۔ سجاول کی دہری شامت آئی۔ چچا سائیں کے آگے جو شرمندگی ہوئی وہ الگ اور بابا نے علیحدہ عزت افزائی کی۔ مرک نے لاکھ کوشش کی تھی صفائیاں دینے کی لیکن اس کی سنتا کون۔ مکرم نے جس انداز سے مرچ مسالا لگا کر اس بات کو سب کے سامنے بیان کیا تھا۔ اسے پہلی بار بہت غصہ آیا۔ دل پر اک کاری ضرب لگی۔ مگر وہ یہ نہیں جانتی تھی۔ یہ ضرب آخری ہرگز نہیں ہے۔

☆☆☆

پیرل اور مکرم جلبانی حویلی کے وہ بچے تھے جو تقریباً ہم عمر تھے۔ مگر ان کی جو بات الگ تھی وہ یہ کہ دونوں کی آپس میں کبھی نہ بنی تھی۔ بچپن میں وجہ تنازعہ اکثر کھلونے ہوا کرتے تھے۔ یا پھر ہم جماعت ہونا۔ کیونکہ پیرل اپنی ذہانت اور ہوشیاری سے ٹیچرز کے دلوں میں گھر کر چکا تھا۔ ان سے شاباشی بھی لیتا۔ اور وہیں مکرم اپنی کند ذہنی اور سادگی کے باعث سب کی تنقید کی زد پر رہتا۔

اصل بگاڑ یہیں سے شروع ہوا۔ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں بڑی بڑی بدگمانیوں میں بدلتی گئیں۔ دل تنگ ہوتے گئے۔ انہیں اپنی انہی حرکتوں پر دادا سائیں سے خوب ڈانٹ بھی پڑا کرتی اور آپس میں صلح بھی وہی کرواتے۔ لیکن اب وہ نہیں رہے تھے۔

اور دکھ کی بات تو یہ اس بار ان کے کڑیل جوان پوتوں کے درمیان تنازعہ ان ہی کے نام منسوب ہوا تھا۔ چونکہ ان کی گاڑی سے لے کر ان کے کمرے تک سب کچھ پیرل نے اپنے قبضے میں کر لیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ وہ اپنی زندگی میں ہی اسے یہ سب سونپ گئے تھے۔

اس کے علاوہ جو بڑی اور اہم وجہ بنی وہ یہ کہ ان کے بعد حویلی اور تمام کاروبار کے امور کی نگرانی تایا جلال نے سنبھال لی تھی۔ خاص طور پر فلور مل کی۔ جس کی بابت اسے پتا چلا تھا کہ وہ بہت جلد اپنے نام کروا رہے ہیں۔

"دادا سائیں! جیتے جی بھی مجھ سے انصاف نہیں کرتے تھے۔ اور اب بھی انہوں نے ثابت کیا کہ وہ اپنے بڑے بیٹے اور اس کی اولاد کے ہی زیادہ سگے ہیں۔ پتا کریں بابا سائیں! کہیں آپ ان کی سوتیلی اولاد تو نہیں تھے۔" مکرم جلے بھنے لہجے میں ان سے کہہ رہا تھا۔ آج ہی اسے خبر ملی تھی اور حویلی آتے ہی اس نے اک طوفان اٹھا دیا تھا۔

"فضول کی بک بک نہیں کرو۔ یہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو کسی دشمن کی اڑائی ہوائی بھی ہو سکتی ہے۔ مجھے بالکل یقین نہیں ہے۔ ادا جلال میرے ساتھ کوئی دھوکا نہیں کر سکتے۔" لطیف جلبانی نے ڈپٹ دیا۔ باپ کے بعد بڑا بھائی ہی تو ان کا بھروسا تھا۔ وہ کیسے مان لیتے۔ مکرم استہزائیہ ہنس دیا۔

"او کے ایز یو وش۔ تو مت کریں یقین، اور کھائیں مزے سے دھوکا۔ آپ کو تو میں ہی جھوٹا لگوں گا۔ ایک سچا آپ کا بھائی ہی ہے۔ جو وکیل چاچا کے دفتر کے چکر پہ چکر لگا رہے ہیں۔ اور ان کا پوتا ہمارا وہ دشمن ہے جس نے مجھے یہ سب بتایا ہے۔"

وہ دادا سائیں کے اس دیرینہ وکیل دوست کا تذکرہ کر رہا تھا۔ جنہیں وہ سب ہی ان کے اصل نام کے بجائے وکیل چاچا ہی کہا کرتے تھے۔ اور جو ان کے تمام کاروباری امور کے لیگل ایڈوائزر بھی تھے۔

ان کا پوتا بھی اسی یونی میں پڑھتا ہے جو مکرم کا پکا یار ہے۔ یہ تو وہ بھی جانتے تھے۔ اور اس نے سچ کہا ہوگا یا جھوٹ، اس کا تعین کرنے کے لیے انہوں نے خود دادا جلال سے بات کرنے کی ٹھانی تھی۔

انہیں یہ موقع بھی جلد ہی مل گیا۔ حسب معمول رات کے کھانے پر سب ہی جمع تھے۔ وہ سب بچوں

TAGPK.COM

سے دن بھر کے معمولات پوچھ رہے تھے۔ وہی انداز جیسے دادا سائیں ایک ایک بچے کو پوری توجہ دیا کرتے تھے۔ وہ خاموشی سے سب دیکھ رہے تھے۔ آج کسی کی بھی بات پر ہوں ہاں تک نہ کی۔ اور ان کی یہی چپ محسوس کرتے انہوں نے پوچھا تھا۔

''کیا بات ہے لطیف۔ آج بڑے گم صم ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا تمہاری۔''

''ہوں ٹھیک ہے۔ بس کچھ سوچ رہا تھا۔'' انہوں نے نیپکن سے منہ صاف کرتے پلیٹ پرے سرکائی۔

''ایسا کیا سوچ رہے ہو۔ خدانخواستہ کوئی پریشانی تو نہیں؟'' انہیں فکر لاحق ہوئی تھی۔ جسے ان کے اختصار نے بڑھاوا دیا۔

''شاید۔''

''یہ کیا بات ہوئی شاید۔ جو مسئلہ ہے تم کھل کر کہو۔ میں ہوں نا۔ سب دیکھ لوں گا۔''

انہوں نے شانے پر ہاتھ رکھ کر تسلی دی تھی۔ جسے محسوس کر کے پہلے تو سوچا کہ یہ بات بھائی سے تنہائی میں کریں۔ مگر مکرم کے تنے چہرے پر نظر پڑی تو ارادہ بدل دیا۔ اچھا ہے سب کے سامنے اس بچے کی غلط فہمی دور ہو جائے گی۔ بس اسی خیال کے تحت وہ سوال بھائی کے سامنے لا رکھا۔ جسے سن کر وہ ذرا نہ گھبرائے تھے بلکہ بڑے اطمینان سے بولے۔

''تم نے ٹھیک سنا ہے۔'' اور جہاں ان کے سر پر پہاڑ ٹوٹا۔ وہیں مکرم کے لب سیٹی کے سے انداز میں سکڑے۔ ایک چتلاتی نگاہ باپ کے پھیکے پڑے چہرے پر ڈالی تھی۔ (ہونہہ۔ بڑا یقین تھا اپنے ادا جلال پر۔ اب دیکھ لیا)۔

''لیکن تم شاید بھول رہے ہو۔ جب بابا سائیں نے وہ فلور مل خریدی تھی تو انہیں کچھ سرمایہ تمہاری بھاجائی (بھابھی) حفیظہ کے بھائی نے ادا کیا تھا۔ جو انہوں نے اسی وقت وہ رقم اس کے حصے کی زمین کہہ کر کھاتے میں بھی لکھ دی تھی۔ اور باقی کی رقم میں نے اپنے دوست سراج گھمن سے بطور قرض لے کر بابا سائیں کو دی تھی۔ اور پھر جس کی ادائیگی بھی میں خود ہی کرتا رہا۔ اسی لیے تو بابا سائیں نے اپنی زندگی میں ہی فلور مل کے سب انتظام میرے سپرد کر دیے تھے۔ کہ اس پر تمہارا پیسہ لگا ہے سو تم خود سنبھالو اور وہ تو.....''

''واہ واہ۔ بہت خوب۔ پیرل کو دادا سائیں اپنی زندگی میں ہی اپنی سب چیزوں کا مالک بنا گئے۔ اور آپ کو بھی اپنی زندگی میں ہی جائیداد سونپ گئے۔ کیا کہنے۔''

مکرم دونوں ہاتھوں سے تالی پیٹ رہا تھا۔ گویا انہیں داد دے رہا ہو۔ جلال جلبانی اس کے انداز پر حیران ہوئے تھے۔ تو پیرل ایک جھٹکے سے اٹھا۔

''تم یہ کس طرح بات کر رہے ہو بابا سائیں سے۔ تمہارا کیا مطلب ہے۔ کیا وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔'' اس نے لب بھینچتے شانے اچکا دیے تھے۔ جس پر وہ اور بھڑکا۔

''دیکھ رہے ہیں چاچا! آپ اس کو۔ یہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ آپ اسے۔''

''تم چپ رہو پیرل۔ جب دو بڑے آپس میں بات کر رہے ہوں تو بچے نہیں بولتے۔ اور مکرم پٹ تم بھی حوصلہ کرو۔ تمہارے دل میں جو بھی بات ہے، وہ تم ڈائریکٹ بھی مجھ سے کر سکتے ہو۔ میں سمجھ سکتا ہوں، تمہارا غصہ کس بات پر ہے۔ بے شک بابا سائیں نے پیرل کو اپنی گاڑی دینے کا کہا تھا۔ لیکن اب وہ اسے ہاتھ نہیں لگائے گا کیونکہ.....''

''یہ کیسی بات کر رہے ہیں آپ بابا۔ کیوں ہاتھ نہیں لگاؤں گا میں۔ وہ دادا سائیں نے مجھے تب سے ہی دے رکھی تھی جب سے میں نے یونی۔'' اور ابھی جملہ پیرل کے منہ میں ہی تھا کہ جلال جلبانی کا زوردار تھپڑ اسے ساکت کر گیا۔ باقی سب بھی متحیر و پریشان ہو اٹھے تھے۔ بات اچانک اتنی بڑھ جائے گی کسی کے گمان میں نہ تھا۔ لطیف جلبانی نے لپک کر انہیں تھاما۔

''ادا..... یہ..... یہ کیا کر رہے ہیں۔ جوان

TAGPK.COM

اولاد پر ہاتھ اٹھاتا ہے کوئی۔"

"تم اتنے بدعقل اور نافرمان ہو چکے ہو۔ مجھے اندازہ نہیں تھا اس کا۔ جب میں نے کہا کہ بڑوں کے درمیان نہیں بولتے پھر تم نے منہ کیوں کھولا۔ دفع ہو جاؤ میری نظروں کے سامنے سے۔" وہ دھاڑے تھے۔ پورے ہال میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ جمال اور سجاول فوراً اسے دھکیلتے وہاں سے لے گئے۔ تائی حفیظہ تو رونے لگیں۔ مگر شوہر کا جلال دیکھتے آنسو اندر ہی پی لیے۔ مکرم منہ پھلائے اب بھی ویسے ہی اکڑ کے کھڑا تھا۔

"مجھے افسوس ہے کہ ہمارے گھر کی بات باہر سے تم تک پہنچائی گئی اور وہ بھی نہایت غلط انداز سے۔ جبکہ آج کل میں، میں خود تمہیں سب معاملات بتانے والا تھا۔ بابا سائیں تو بہت پہلے ہی سب چیزوں کی تقسیم کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے تو وکیل چاچا سے بات بھی کر لی تھی۔ سارے معاملات ان کو سمجھا دیے تھے۔ مگر قضا نے مہلت ہی نہ دی۔ اور اب ان کے جانے کے بعد یہ ذمہ داری میرے سر پر ہے۔ اور یاد رکھو چند ٹکوں کے پیچھے میں کبھی ناانصافی نہیں کروں گا۔ تم میرے چھوٹے بھائی ہو۔ میرے لیے میرے بچوں جیسے۔ لیکن اگر تمہارے دل میں میرے متعلق کوئی بال آ چکا ہے تو میں ابھی کمدار سے کہہ کر سارے کاغذات منگوا لیتا ہوں۔ تمہیں میرا کہا سچ نہ لگ رہا ہو۔ مگر کمدار کا تو یقین کرو گے نا۔ کہ وہ بابا کا پرانا نمک خوار ہے۔ اور پھر ہر ہر معاملے کی کاغذی کارروائی بھی تو اسی کے سامنے ہوتی رہی ہے۔ بلکہ میرا خیال ہے میں وکیل چاچا سے ابھی تمہاری بات کرواتا ہوں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔" جلال جلبانی نے سیل فون اٹھانے کو ہاتھ بڑھایا تھا کہ ان کی خاموشی میں دراڑ پڑی۔ اور باقی سب مہر بہ لب انہیں دیکھ رہے تھے۔ مکرم نے تو دانت بھینچ لیے۔ بھلا منع کرنے کی کیا تک تھی۔ کر لیتے بات ابھی دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جاتا۔ یہ بابا بھی نا۔

"میں ایسا کم ظرف نہیں ہوں کہ اپنے ہی بھائی کے لیے کمیوں اور غیروں سے گواہیاں مانگوں۔ مجھے آپ کی بات کا یقین ہے۔ جو بھی ہے سچ ہے۔" اور انہوں نے بھائی کے شانے پر بازو پھیلاتے ساتھ لگا لیا۔

"مجھے خوشی ہے کہ تم میرا اعتبار کرتے ہو۔ لیکن ساتھ ہی مجھے بہت دکھ بھی ہوا ہے کہ ہمارے یہ بچے ہم سے اپنا قد نکلتا دیکھ کر کسی اور گمان میں پڑ گئے ہیں۔ اب ہمیں یہ دن دیکھنا تھے کہ یہ ہم سے سوال جواب کریں گے۔ اور ہم ان کے سامنے کٹہروں میں کھڑے ہوں گے۔ اور قبل اس کے کہ یہ آپس میں دست و گریباں ہو کر ہمارے پرکھوں کی عزت کو بھی رولیں۔ اس سے پہلے ہی ہمیں فیصلہ کرنا ہوگا۔ کچھ عرصہ بعد جو اس حویلی کی دیواریں ٹوٹ پھوٹ کر تقسیم ہوں گی۔ تو کیوں نہ ہم آج ہی انہیں آپس میں محبت کے ساتھ بانٹ لیں۔"

ان کی اس بات پر کئی دل کانپ گئے تھے۔ تو کچھ نے سکون بھرا سانس بھی لیا۔ لطیف جلبانی نے ترچھی کر انہیں دیکھا۔ وہ کیا کہہ رہے تھے۔ ابھی تو بابا سائیں کی قبر کی مٹی بھی خشک نہیں ہوئی تھی اور ان کی حویلی پر یہ وقت آ گیا تھا۔ اب اس میں دیواریں کھڑی ہوں گی۔ کیا کہے گی دنیا۔ بیٹے باپ کے مرنے کا انتظار کر رہے تھے۔ نہیں..... نہیں۔ میں ایسا کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ ان کا سر نفی میں ہل رہا تھا۔

"یہ بچے تو بے وقوف ہیں۔ ادا سائیں ہم کیوں ان کے پیچھے لگ کر اپنا تماشا بنوائیں۔ میں ہی چریا ہوں جو اس لڑکے کی باتوں میں آ گیا۔ مجھے اسی وقت اس کے منہ پر چماٹ (تھپڑ) مارنا چاہیے تھی۔ سارے فساد کی جڑ یہی ہے۔ اسے تو میں چھوڑوں گا نہیں۔" وہ مکرم کو کڑے تیوروں سے گھورتے اسے مارنے کو لپکے تھے کہ وہ راہ میں حائل ہوئے۔

"کیا کرتے ہو لطیف! ابھی مجھے کہہ رہے تھے کہ جوان اولاد پر ہاتھ نہیں اٹھاتے۔ اور اب خود وہی حرکت کرنے لگے ہو۔ دیکھو مارا ماری اس مسئلے کا حل

TAGPK.COM

نہیں ہے۔ ان کا خون گرم ہے۔ ذرا بھی کوئی پانی کا چھینٹا دیتا ہے تو یہ شور کرنے لگتے ہیں۔ نادان ہیں۔ ابھی سمجھ نہیں ہے، کیا اچھا ہے کیا برا۔ ہمیں جذباتیت سے نہیں بلکہ سمجھ داری سے سوچنا ہے اور وہ فیصلہ کرنا ہوگا۔ جو ہمارے بچوں کو ایک دوسرے سے جوڑ کر بھی رکھے۔ تم سمجھ رہے ہو نا میری بات۔''

اور وہ کیا کہتے ساری غلطی اپنی ہی لگ رہی تھی۔ نہ مکرم کی باتوں میں آتے نہ معاملہ یہاں تک پہنچتا۔ اور وہ تو اب بھی اسی بات پر مصر تھا۔

''دیکھا میں نہ کہتا تھا۔ ان کے دل میں کھوٹ ہے۔ وہ پہلے سے یہی سب سوچے بیٹھے تھے۔ آپ کے بات کرنے کی دیر تھی۔ سب فیصلے سنا کر چلے گئے۔ اور آپ..... میں تو حیران ہوں آپ کی تابعداری پر، ان کی ہر بات کو سچ مان لیا۔ میں تو کہتا ہوں ابھی فون کریں وکیل چاچا کو اور اپنے طور پر سارا معاملہ پوچھیں۔ وہ کیسے اتنے مزے سے پوری فلور مل ہڑپ کر سکتے ہیں۔ میں نہیں مانتا ان کی کہانی کو..... میں تو.....''

''رخسانہ! اس لڑکے سے کہو، یہ اپنی شکل گم کرے۔ ورنہ میں آج کچھ کر بیٹھوں گا۔'' مکرم تو بولے ہی جا رہا تھا۔ وہ بیوی پر چلائے۔

''ٹھیک ہی تو کہہ رہا ہے وہ۔ آپ کی اولاد ہے، آپ کا دشمن نہیں۔ برابر محنت کرتے ہیں آپ پھر کیسے ادا جلال سب کچھ ہضم.....'' وہ بھی بیٹے کی ہم نوا تھیں۔

''نکلو تم سب یہاں سے۔ دفع ہو جاؤ۔''

''ابھی آپ کو مجھ پر غصہ ہے۔ میری باتیں بری لگ رہی ہیں۔ مگر میں بتا رہا ہوں۔ ایک دن پچھتائیں گے۔'' مکرم کہاں باز آنے والا تھا۔

''ادا سائیں پلیز۔ آپ کو اللہ کا واسطہ ابھی چلے جائیں۔'' لطیف جلبانی نے سر تھام لیا تھا۔ ان کی حالت دیکھتے مرک نے ہاتھ جوڑے۔ معظم اسے کھینچتا ہوا لے گیا۔ اب وہ باقی کی بھڑاس اماں کے سامنے نکال رہا تھا۔

☆☆☆

''اوہ۔ کم آن۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ کیوں اتنی ڈپریسڈ ہو۔ یہ سب جو کچھ بھی ہوا۔ دنیا سے الگ تو نہیں۔ یہ تو ہر گھر کی کہانی ہے۔ ہر خاندان کا قصہ ہے۔ ایمان سے اتنا دکھ تو اماں اور چاچی نے نہیں منایا جو برسوں سے اس صحن میں مالکانہ احساس سے چلتی پھرتی تھیں۔ انہوں نے بھی اس تبدیلی کو قبول کر لیا ہے۔ صحن میں ایک دیوار ہی تو اٹھی ہے نا۔ باقی سب تو وہی ہے۔ بس دعا کرو، ایسی کوئی دیوار دلوں کے درمیان نہ اٹھے۔''

وہ کب سے اسے سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا دھیان بٹانے کو ادھر ادھر کی ہانک رہا تھا۔ جانتا تھا وہ حساس لڑکی اندر ہی اندر اس دکھ سے ٹوٹ سی گئی ہے۔ وسیع و کشادہ حویلی کے ہوئے دو ٹکڑوں نے گویا اسے بھی دو لخت کر ڈالا تھا۔

اس دن جو تایا جلال نے فیصلہ کیا اس پر جلد ہی عمل پیرا ہوئے تھے۔ ایک چھ فٹ کی دیوار اب حویلی کے سینے پر اک بوجھ کی طرح دھری تھی۔ اور اس سے کہیں زیادہ اس کی روح پر۔

دیوار کے اس پار نیم کا درخت تھا۔ اور اگلی پار سکھ چین کا۔ دونوں کی شاخیں اب بھی پہلے کی طرح آپس میں گلے مل رہی تھیں۔ پرندے بھی یہاں وہاں پھدکتے پھر رہے تھے۔ ایک ٹہنی سے دوسری اور پھر پہلی۔ انہیں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ اب بھی پہلے سے آزاد تھے۔ ویسے ہی بے فکر اور خوش باش۔

''آخر یہ سرحدیں صرف انسانوں کے لیے ہی کیوں مخصوص ہوتی ہیں؟ وہی کیوں حد بندیاں لگاتے ہیں۔''

اس کے اندر کا درد نوک زبان تک چلا آیا تھا۔

''کیونکہ یہ قانون فطرت ہے۔ ایک وقت تک تو خاندان جڑ کر رہ سکتے ہیں۔ مگر زندگی کے کسی نا کسی مقام پر آ کر انہیں الگ ہونا ہی پڑتا ہے۔ اور یہ ایک طرح سے اچھا ہی ہوا نا، مستقبل قریب میں تمہیں ہی اس کا فائدہ پہنچنے والا ہے۔ دیکھو نا، جب

TAGPK.COM

کچھ سال بعد ہماری شادی ہوگی تو تم مجھ سے لڑائی کی صورت میں بڑے مزے سے مجھے میکے جانے کی دھمکی دے سکتی ہو۔ لیکن اگر یہ حویلی ایک ہی رہتی تو.....''

''تمہیں تو بس بے کار کی باتیں بنانا آتی ہیں۔ تم اس درد کو محسوس ہی نہیں کر سکتے جو میں کر رہی ہوں۔ مہربانی کر کے اپنے یہ خیالات اپنے تک ہی رکھو۔ اور اب جاؤ اپنے گھر۔'' اتنی حسین بات نے بھی اس کا موڈ نہیں بدلا تھا۔ بے طرح چڑتے ہوئے ٹھک سے ہاتھ جوڑے تھے۔

''اوہ اتنے سال کی تو بات ہی رہنے دو۔ یہ نوبت تو ابھی آ گئی کہ تم مجھے اپنے گھر سے نکل جانے کا کہہ رہی ہو۔ اللہ ڈرے۔ یہ دن بھی دیکھنا تھے مجھے۔''

اس نے دہائی دی تھی۔ مرک پیٹھ موڑے پھر سے دیوار کی جانب مڑی تھی کہ دور سے ایک بگولے کو حویلی والی سڑک پر آتے دیکھا۔ اس کی روح فنا ہوئی تھی۔ یہ تو ادا مکرم تھا جو اپنی تیز رفتار بائیک پر آ رہا تھا۔ بے اختیار سینے پر ہاتھ رکھے وہ پیچھے ہوئی۔

''مم..... میں چلتی ہوں۔ ادا مکرم آ رہا ہے۔ اس نے مجھے چھت پر دیکھ لیا تو بہت خفا ہوگا۔''

''اچھا ایک منٹ ٹھہرو میری بات تو.....'' وہ پکارتا ہی رہ گیا۔ وہ دھڑ دھڑ سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔ وہ افسردگی سے اسے یوں بدحواسی سے جاتے دیکھتا رہا۔

چند دن پہلے کتنا سکون تھا زندگی میں۔ کوئی بے چینی اور فکر نہیں تھی۔ کس قدر مطمئن تھے وہ۔ اور اب..... لگتا تھا۔ خوشیوں کو خود کی ہی نظر لگ گئی ہے۔ اسے ادا مکرم پر غصہ آیا۔ اس ایک شخص کی وجہ سے ان کا پورا خاندان ہل کر رہ گیا تھا۔ کیا تھا جو اگر وہ ذرا حوصلے اور تحمل سے کام لیتا۔ یوں پوری حویلی تو نہ متاثر ہوتی مگر..... وہ جلتا کڑھتا نیچے آ رہا تھا کہ پیرل سے سامنا ہو گیا۔

''مرک تمہاری منگیتر (منگیتر) ہے۔ دادا سائیں نے بڑی محبت سے یہ سنگ جوڑا تھا۔ اور تم عجیب بزدل آدمی ہو۔ اب اس سے یوں چھت پر ملتے ہو جیسے کسی کے دیکھ لیے جانے کا ڈر ہو۔ بہادر بنو میرے شیر۔ جب دل چاہے اسے حویلی جا کر ملا کرو۔ کسی کی مجال نہیں جو تمہیں روک سکے۔'' وہ ایک ہاتھ سے مونچھوں کو تاؤ دیتے دوسرا اس کے شانے پر رکھتے بولا تھا۔ سجاول نے ترچھی نظر سے اس کے ہاتھ کو دیکھا پھر نرمی سے پرے کرتے لب کشائی کی۔

''بالکل ٹھیک کہا۔ مرک میری منگیتر ہے اور ہمارا رشتہ دادا سائیں نے جوڑا تھا۔ لیکن آپ کا یہ خیال سراسر غلط ہے کہ میں بزدل ہوں۔ میں اب بھی اس سے ملنے حویلی اسی طرح جا سکتا ہوں۔ اور مجھے کوئی روکے گا بھی نہیں۔ مگر بات دراصل یہ ہے کہ میں جانا نہیں چاہتا۔ میں کس منہ سے وہاں جاؤں۔ مجھے وہاں جاتے شرم آتی ہے۔ آپ نے اس قابل چھوڑا ہے کہ.....''

''کیا بکواس کر رہے ہو۔ تمہارا کیا مطلب ہے۔ یہ سارا کیا دھرا میرا ہے؟'' وہ برا مان گیا۔

''تو اور کس کا ہے۔'' یہ اس نے پوچھا نہیں تھا۔ لیکن پیرل شاید یہی سمجھا تھا۔ تب ہی کہنے لگا۔

''سارا قصور اس مکرم کا ہے۔ اسے ہی میں کبھی ہضم نہیں ہوا۔ وہی جل جل کے مر رہا تھا۔ بچپن سے مجھ سے مقابلے بازی کا شوق رہا ہے اسے۔ اور ہمیشہ منہ کی کھائی ہے۔ تم نہیں جانتے، وہ کتنے چھوٹے ظرف کا آدمی ہے۔ آج کل وہ یونی میں سب سے کہتا پھر رہا ہے کہ اس کا تایا اور اس کی اولاد غاصب ہیں۔ جو ان کا حق کھا گئے ہیں۔''

''کیا واقعی؟'' سجاول کو اس کی بات سن کر حد درجہ حیرانی ہوئی۔ وہ اپنے ہی سگے رشتوں سے اتنا بدگمان ہے۔ کہ ایسی اوچھی حرکت کر گزرے گا۔ یہ تو خواب و خیال میں نہ تھا۔

''وہ اپنے سب دوستوں میں بیٹھ کر یہی رونے روتا ہے۔ انہیں اپنی مظلومیت اور ہمارے ظلم کے قصے سناتا ہے۔ جو لوگ اس کے منہ پر سگے بنتے ہیں

TAGPK.COM

وہ میرے منہ پر آ کر میرے بن جاتے ہیں۔ میں سب دیکھ اور سن رہا ہوں۔ اس کی کمینگی کا کسی دن اسے ایسا جواب دوں گا نا کہ.....''

''فار گاڈ سیک ادا سائیں۔ اگر ادا مکرم نے کم ظرفی دکھائی ہے تو ایٹ لیسٹ آپ تو خود کو ان جیسا ثابت نہ کریں۔ جتنا کچھ ہو چکا کیا وہ کافی نہیں ہے جلبانی خاندان کے لیے۔ ہم اب کوئی اور تماشا افورڈ نہیں کر سکتے۔ آپ نے شاید بابا اور چاچا کے چہروں کو غور سے نہیں دیکھا۔ صرف ایک بار پڑھیں ان کے ماتھے پر لکھی درد کی تحریر۔''

''اور میں جو روز اپنے اور اپنے بابا کے لیے لوگوں کی آنکھوں میں لکھا پڑھ رہا ہوں۔ اس کا کیا؟'' وہ تلملا کر بات کاٹ گیا۔

''ہمیں ان لوگوں سے کیا لینا دینا جو ایسی باتوں پر چند دن کچہری کرتے ہیں اور پھر کسی نئی کہانی کے سامنے آنے پر پچھلی بھول جاتے ہیں۔ آپ.....''

''واہ۔ واہ۔ بڑی اچھی مثال دی تم نے۔ میں تمہاری ذہانت کا قائل ہو گیا۔ لیکن میرے پیارے اس چند دن کی کچہری میں جو ہماری عزت کا لوگوں کی نظر میں کچرا ہوا ہے تم اس کے لیے کیا کہو گے۔ اور تم بے فکر رہو۔ میرے کسی عمل سے تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ مرک تمہاری ہے اور ہمیشہ تمہاری ہی رہے گی۔''

وہ عجب انداز سے مسکراتا پلٹ گیا۔ سجاول خالی الذہنی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

محبت اس چشمے جیسی ہوتی ہے جو سنگلاخ چٹانوں میں بھی پھوٹ پڑتا ہے۔ وہ بھی تو مومل ایاز کی چاہت میں پور پور بھیگا ہوا تھا۔ اوروں کے لیے بدمزاج اور اکڑو مکرم اس کے سامنے موم کے پتلے میں ڈھل جاتا تھا۔ اب تو اماں بھی اس کی رازدار تھیں۔ اور ان کا وعدہ تھا کہ یہ امتحان دے لو۔ پھر تمہارے بابا کو بھی راضی کر لوں گی۔ مگر ابھی اس امتحان میں تو کچھ دن باقی تھے کہ ایک عجیب امتحان سر پر آ پڑا تھا۔

مومل کے مزاج کچھ دن سے بدلے ہوئے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر خفا ہو جاتی، چار دن پہلے ان میں ٹھیک ٹھاک تو تو میں میں ہو گئی۔ وہ تو اسی خوش گمانی میں تھا کہ معمولی سی ناراضی ہے۔ ایک آدھ دن میں خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔ بڑے گھر کی لڑکی تھی۔ نخرے تو ناک پر دھرے تھے۔ وہ بھی خوب ناز اٹھاتا۔ اب بھی آنے والے لمحات کا سوچ کر محظوظ ہوتا رہا جب وہ اسے منائے گا اور وہ مسکراتی دلنشیں آنکھوں سے دیکھے گی۔ وہ پھولوں کا بہت خوب صورت بکے لے کر آیا تھا۔ خیال یہی تھا آج اس کے من پسند ریسٹورنٹ میں لنچ کریں گے۔ مگر..... ضروری نہیں سب خیال و ارادے آپ کی خواہشوں کے مطابق ہوں۔ سر پھرا تو وہ تھا ہی۔ دماغ مزید الٹ گیا جب کیفے ٹیریا کی میز پر مومل کو پیرل کے مقابل بیٹھے دیکھا۔ دونوں کافی کی چسکیاں بھرتے کسی بات پر ہنس رہے تھے۔

''یہ نظارا تو میں نے کل بھی دیکھا تھا۔ یہ دونوں آئس کریم پارلر میں بیٹھے تھے۔ میں ابھی تم سے بات کرنے ہی والا تھا کہ اب پھر دونوں ایک ساتھ۔''

اس کا دوست بتا رہا تھا۔ وہ تو صرف حیران تھا جبکہ اس کے اندر تو بھڑ بھڑ کرتی آگ جلنے لگی تھی۔ جس پر پیرل کے انداز نظر نے اور تیل چھڑکا۔ وہ جس طرح مونچھوں کو تاؤ دیتے مسکرایا تھا۔ آگ چہار طرف پھیل گئی۔ مکرم کو کچھ ہوش نہیں رہا۔ اس نے کیفے ٹیریا کی محاورتاً نہیں۔ بلکہ حقیقت میں ٹیبل سے ٹیبل بجا دی تھی۔ کم تو پیرل بھی نہیں تھا۔ وہ مار کٹائی اور ہنگامہ آرائی ہوئی کہ مجبوراً انتظامیہ کو پولیس بلانا پڑی۔

☆☆☆

پیرل نے کہا تھا، لوہے کو لوہے سے کاٹنا ضروری ہو گیا ہے۔ اور افسوس کتنے گھٹیا پن کی آری

TAGPK.COM

چلائی تھی کہ وہ جو اک ذرا سے بچ جانے والے مان کے آسرے پر تعلق جڑا تھا۔ یک لخت ہی ٹوٹ گیا۔ اس نے تو حد ہی کر دی۔ ابھی تو پہلے ملال دل سے نہ اترے تھے۔ وہی پرانے زخم ٹیس دے رہے تھے۔ حویلی میں کھڑی دیوار ہی آنکھوں میں رڑک (چبھ) رہی تھی۔ کہ اس کی یہ خود ساختہ دشمنی اور ایسا اوچھا وار لطیف جلبانی کا بھی کلیجہ چیر گیا۔ انہوں نے تو باپ کے ترکے کی جیسی تیسی تقسیم پر بھی کچھ نہ کہا تھا جو بھائی نے دیا۔ اس پر بھی ممنون ہوئے۔ مگر اب حوالات سے بیٹے کو جس طرح جھکے سر سے لے کر آئے تھے۔ یہ ان کا دل ہی جانتا تھا۔ ان لڑکوں نے تو ان کے باپ دادا کی ساری زندگی کی کمائی گئی عزت کو اپنے جوتوں کی ٹھوکروں سے ایک پل میں اڑا دیا تھا۔ پورے علاقے میں تماشا بنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ ہاتھ جوڑتے بھائی کے سامنے لمحہ بھر کو ٹھہرے تھے۔

''میں مانتا ہوں مکرم بے حد جذباتی اور جلد باز ہے۔ منہ پھٹ بھی ہے جو دل میں ہوتا ہے وہی زبان سے بھی کہہ دیتا ہے۔ میں پہلے صرف اسے ہی غلط سمجھتا رہا۔ مگر مجھے بہت دکھ ہے کہ میں خود بھی غلط تھا۔ آپ نے بہت اچھا فیصلہ کیا جو حویلی میں دیوار اٹھوا دی تھی۔ اب کم از کم مجھے بھی اک فیصلہ کرنے میں آسانی محسوس ہو رہی ہے۔ اب ایک دیوار میری طرف سے بھی کھڑی سمجھیں۔ اور آئندہ نہ میں اس دیوار کو پار کروں گا اور نہ ہی آپ۔ جو کچھ ہوا بس وہی بہت ہے میرے لیے۔'' وہ واضح الفاظ میں سارے تعلق رشتے ختم کرتے چلے گئے تھے۔ وہ روکنے کی کوشش ہی کرتے رہ گئے۔ مارے بے بسی کے اپنے لاڈلے کو گھورا۔ جس کے اتاولے پن نے یہ دن دکھایا تھا۔

''اتنا تماشا کرنے سے اچھا تھا، آپ اس لڑکی کو شادی کر کے گھر لے آتے۔ تب تو میں بھی مانتا آپ کی مردانگی کو۔ یہ کیا کہ خود تو بدنام ہوئے ہی۔ اس پرائی بیٹی کو بھی کسی سے نظریں ملانے لائق نہیں چھوڑا۔ افسوس ہوا مجھے آپ کے اس تھرڈ کلاس ڈرامے پر۔ خوب خاندان کا نام روشن کیا ہے۔''

سجاول کی ملامتی نظریں اس کے خراشوں بھرے چہرے پر تھیں۔ بھائی کی دگرگوں حالت پر اسے کوئی غم نہیں تھا۔ بلکہ اس کے خیال میں تو وہ اس سے زیادہ ہی ڈیزرو کرتا تھا۔ وہ تو مکرم کے ایک ہاتھ کی انگلی ٹوٹ گئی ورنہ دیکھنے والے تو سمجھ بیٹھے تھے وہ اسے آج ختم کر کے ہی چھوڑے گا۔ اور وہ ڈھٹائی سے ہنسا تھا۔

''شادی اور اس لڑکی سے۔ میں ابھی ایسا چریا بھی نہیں ہوا۔ میں نے کبھی کسی کے جھوٹے گلاس میں پانی نہیں پیا۔ تم ایک جھوٹی لڑکی سے شادی کی بات کرتے ہو۔ وہ بھی جو مکرم کی مفلسی کو دیکھتے اس پر تھوک کر آئی ہو۔ کیا میں جانتا نہیں اس جیسی لڑکیوں کو۔ جو حال اور مال دیکھ کر تعلق بناتی ہیں۔ ہونہہ۔ یہ تو بس مکرم جیسے کمینے آدمی کو سبق سکھانے کے لیے تھا۔ اور اسے خوب نصیحت ہو گئی ہو گی۔ اب غیرت مند ہوا تو آئندہ آخری سانس تک پیرل جلبانی کے منہ لگنے کا سوچے گا بھی نہیں۔''

اس کے لہجے میں تنفر اور رعونت بھری تھی۔ وہ متاسف سا دیکھے گیا۔

''کیا فائدہ ہوا اتنے مہنگے اسکولوں اور یونیورسٹی میں جانے کا۔ صاف دکھ رہا ہے بچپن سے لے کر جوانی تک چکر ہی کاٹے ہیں۔ یا صرف بابا سائیں کا پیسہ خرچ کروایا ہے۔ تہذیب و اخلاق کے تو ہجے تک نہیں سیکھے آپ نے۔ مجھے آپ کا یہ رویہ قطعاً برداشت نہیں ہوا۔ بہت برا کیا۔ بہت برا۔''

''اور اس مکرم نے تو بہت اچھا کیا نا جیسے۔ ہر جگہ الٹی سیدھی بکواس کرتا پھر رہا تھا جو مجھے برداشت نہیں ہوئی تھی۔ کیا غلط کیا بابا سائیں نے۔ حویلی پورے منصفانہ طریقے سے آدھی بانٹ کر دے دی۔ زمینیں بھی۔ اور وہ جو فلور مل میں حصہ بنتا تھا اس کے بدلے وہ کلر والی زمین بھی تو دی۔''

''پیرل.....'' جلال جلبانی ان دونوں کی اونچی آوازیں سن کر اس طرف آ رہے تھے کہ مارے طیش

TAGPK.COM

کے بولتا وہ سچ بھی بول گیا تھا جو شاید نہیں بولنا چاہئے تھا۔ باپ کی تنبیہی پکار پر لب دانتوں میں داب لیے۔

سجاول پر تو حیرت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ یہ کیا سن رہی تھیں اس کی سماعتیں۔ شدید عالم بے یقینی میں گھرتے اس نے اپنے بہت پیارے اور اصول پسند بابا کا چہرہ دیکھا۔ جن کی دیانت داری اور فہم و فراست پر اسے کبھی شبہ نہیں رہا تھا۔ مگر کیا وہ سب اس کی سمجھ کا دھوکا تھا۔ اس کی غلط فہمی تھی۔ وہ ایسا متحیر ہوا کہ زبان لڑکھڑا گئی۔

''بب..... بابا یہ ادا پیرل۔ کک..... کیا کہہ.....'' اس کے حلق میں لفظ گولے بن کر اٹک رہے تھے۔ بولا ہی نہ گیا۔ وہ پیرل کو کڑے تیوروں سے گھورتے جلدی سے اس کے بیان کی نفی کر گئے۔

''کچھ نہیں بکواس کر رہا ہے۔ دماغ خراب ہے اس کا تو۔ جو منہ میں آتا ہے بکے چلا جاتا ہے۔ اور تم اب یہاں کھڑے میری شکل کیا دیکھ رہے ہو۔ دفع ہو جاؤ ادھر سے۔''

وہ پیرل پر دھاڑے تھے۔ اور اس کے پیچھے خود بھی پلٹ کر تیز تیز قدموں سے چل دیے۔ وہ متحیر سا انہیں جاتے دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

وہ ہمیشہ سے ہل ہل کے رٹے مارنے کی عادی تھی۔ مگر آج کل کتاب لے کر بیٹھتی تو لگتا پتھر کی ہو گئی ہے۔ کچھ بھی پڑھا نہ جاتا۔ صفحات پر لکھے لفظ آپس میں گڈمڈ ہونے لگتے۔ کبھی ایک صورت میں ڈھل جاتے۔ وہ لاکھ سر جھٹکتی۔ مگر..... اس نے بے بسی سے سر گھٹنوں پر رکھ لیا۔ اندر ایک بے چین سمندر سر پٹخ رہا تھا۔ ادا مکرم تو شروع سے ایسے ہی تھے۔ چلتی ہوا سے بھی بھڑ پڑتے۔ مگر اسے حیرت تو بابا پر تھی۔ جو بیٹے کی حرکتوں پر سرزنش کرنے کے بجائے الٹا اپنے بھائی سے ہی لڑ کر آ گئے۔ اور تب اماں نے روتے ہوئے اسے کہا تھا۔

''تم نے دیکھا نا، تمہارے تایا اور اس کی اولاد نے کیا کیا ہمارے ساتھ۔ وہ تو جیسے بابا سائیں کے مرنے کا ہی انتظار کر رہے تھے۔ سب ہی کچھ ہتھیا لیا۔ چلو اس پر تو ہم نے صبر کر لیا مگر انہوں نے تو کہیں عزت بھی نہیں رہنے دی۔ ایسے تو کوئی غیر بھی سلوک نہیں کرتا جو کچھ وہ کر گزرے۔ تمہارے بابا کو تو اس دکھ نے چپ ہی لگا دی ہے۔ وہ تم سے تو کچھ نہیں کہیں گے۔ لیکن تم اب یہ اپنے ذہن میں بٹھا لو۔ ہمارا ان لوگوں سے کسی قسم کا کوئی لینا دینا باقی نہیں رہا۔ جہاں سارا لحاظ مروت ختم ہوا وہاں سب رشتے داری بھی گئی۔ اب کبھی بھول کے بھی حویلی کے اس طرف مت جانا۔ سمجھیں۔''

اور وہ سمجھ تو لیتی مگر اس دل کا کیا کرتی جو کسی بھی طرح سمجھنے پر آمادہ ہی نہیں تھا۔ اس دن کے بعد سے وہ بھی تو نہیں آیا تھا۔ وہ روز اسی آس پر کتابوں کا بہانہ کیے چھت پر آن بیٹھتی۔ اس کی کرلاتی روح کو جس کے دلاسے کی ضرورت تھی۔ وہ کہیں نہیں تھا۔ جس کی ایک مسکراہٹ ہر درد کی دوا تھی۔ وہ طبیب ہی لاپتا تھا۔

ضرور وہ بھی خفا ہو گیا ہے۔ ادا مکرم اور بابا نے اچھا نہیں کیا نا۔ وہ ان دونوں سے بری طرح بدگمان اور ناراض ہو چکی تھی۔ اصل قصہ نہ کسی نے بتانا مناسب سمجھا نہ ہی اس میں پوچھنے کی ہمت تھی۔ بس جو آنکھوں دیکھا اور جتنا کانوں سنا تھا۔ اسی کے پس منظر میں اسے ان کا ہی قصور دکھائی دے رہا تھا۔ ادا مکرم کی رعب دار شخصیت کا اثر کچھ تو پہلے بھی اس کے حواسوں پر چھایا رہتا تھا۔ ان سے بات کرتے دل سہما رہتا۔ کہیں کسی بات پر خفا ہو کر ڈانٹ ہی نا دیں۔

قریب ہی آہٹ ہوئی تھی۔ تڑپ کر سر اٹھایا۔ لمحہ بھر کو دل خوش فہم ہوا تھا۔ پل بھر کو سانس مہکی۔ اس کے آنے کے خیال نے ہی ساری فضا کو گلرنگ کر ڈالا تھا۔ لیکن جب پوری آنکھیں کھول کر اپنے برابر بیٹھے مکرم کو دیکھا تو سانس گم ہوئی۔ اک لمحے کو ہوا تھم گئی تھی۔

TAGPK.COM

سرعت سے بدلتے اس کے چہرے کے رنگ اس سے بھی مخفی نہیں رہے تھے۔ اس نے مسکراتے کچھ فاصلے پر رکھی پلیٹ کی جانب اشارہ کیا۔

''اوہ تو میری لاڈلی بہن پڑھتے پڑھتے تھک گئی تھی۔ اور دیکھو گلہری نے تمہارا آدھا سینڈوچ ہڑپ کرلیا ہے۔ مجھے دیکھتے ہی باقی کا بھی لے کر بھاگ گئی۔ اب ایسا کرو، دوسرا بھی اسے دے دو۔ اور اب نیچے چلو۔ میں ماسی سے کہتا ہوں وہ تمہارے لیے تازہ سینڈوچ بنا دے گی۔'' اس نے بنا کوئی جواب دیے پلیٹ میں سے سینڈوچ اٹھا کر دیوار پر رکھ دیا۔ اور کتابیں سمیٹنے لگی۔

''میں جانتا ہوں تم مجھ سے ناراض ہو۔ لیکن تم ابھی کچھ نہیں جانتیں۔ اور میں تمہارے معصوم ذہن کو ان معاملات میں الجھانا بھی نہیں چاہتا۔ تم ابھی بہت چھوٹی ہو۔ تمہیں سب باتوں سے ہٹ کر صرف اپنی اسٹڈیز پر توجہ دینا چاہیے۔ اور پڑھنے کے لیے اپنا کمرہ سب سے مناسب جگہ ہوتی ہے۔ وہاں کم از کم پرندوں کا شور وغل تو نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی کوئی شرارتی گلہری سینڈوچ اڑا سکتی ہے۔ اور فکر نہیں کرو، میں نے معظم کی ڈیوٹی لگا دی ہے۔ وہ پڑھائی میں تمہاری مدد کر دیا کرے گا۔ اور اگر پھر کوئی مسئلہ ہو تو میں ہوں نا تمہارا بڑا بھائی۔''

وہ بہت نرم اور مشفقانہ انداز سے کہہ رہا تھا۔ اب بھی اس نے جواب میں کچھ کہنا ضروری نہیں سمجھا۔ چپ چاپ سیڑھیاں اترنے لگی۔

''تم اس گھر کی اکلوتی بیٹی ہو۔ اور سب ہی کو بہت پیاری ہو۔ سب تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔ اور یاد رکھو، ہم سب بھی تمہارے اسی رویے کے زیادہ حق دار ہیں۔ فضول لوگوں اور بیکار کی باتوں کو اپنے دماغ سے جھٹک دو تو بہتر ہے۔ ایک بیٹی کے لیے اس کے باپ اور بھائیوں کی عزت سے بڑھ کر اور کچھ اہم نہیں ہوتا۔ وہ ان سب کی امین ہوتی ہے۔ اور کسی بھی دوسرے رشتے کے پیچھے کبھی بھی اس امانت میں خیانت نہیں کرتی۔ اور میں تم سے بھی یہی امید رکھتا ہوں۔ کہ تم ایک اچھی اور سمجھ دار بیٹی ثابت ہوگی۔''

اپنے پٹی زدہ ہاتھ کو دیکھتے وہ دھیمے لہجے میں جو سمجھانا چاہ رہا تھا۔ اسے خوب سمجھ میں آ گیا تھا۔ ازل سے یہی دستور چلتا آ رہا ہے چڑھاوا ہمیشہ صنف نازک کے ارمانوں کا ہی چڑھایا جاتا ہے۔ خاندان کے مردوں کا کیا ہر بار عورت کو ہی بھگتنا پڑتا ہے۔ دشمنیاں بنانے کا شوق خود کو ہوتا ہے۔ اور بوجھ سارا ایک کمزور کاندھے پر ڈال دیتے ہیں۔ ہونہہ..... اس کے اندر دھواں بھرنے لگا تھا۔ دھڑ دھڑ کرتی سیڑھیاں اترتی چلی گئی۔ کچن میں کام کرتی ماسی شریفاں نے اسے آتے دیکھا تو جلدی سے بغل میں کچھ دابتی اس کے پیچھے چلی آئی۔

''دھی مرک۔ میں جب باہر گئی تھی تو مجھے سجاول ملا تھا۔ اس نے تمہارے لیے یہ اخبار دیا ہے۔ لو جلدی سے سنبھال لو۔''

وہ ہاتھ میں تھامی کتابیں بیڈ پر اچھال چکی تھی۔ حلق میں نمکین گولہ سا اٹک رہا تھا۔ آنسو تھے کہ ابلنے کو بے تاب ہو رہے تھے۔ ماسی سے جھپٹنے کے سے انداز سے وہ اخبار لیا۔ جو بڑی نفاست سے تہہ کیا گیا تھا۔

''کیا بات ہے بچے۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ تم رو کیوں رہی ہو۔'' اس کے بھرے نین کٹورے انہیں متوحش کر گئے۔

''کچھ نہیں۔ بس ذرا سر میں درد ہے۔'' گلابی رخسار ایک ہاتھ کی پشت سے رگڑتے وہ بمشکل بول سکی۔

''سارا دن تو کتابوں میں سر دیا ہوتا ہے۔ درد تو ہوگا ہی۔ تم گھبراؤ نہیں۔ میں اچھی سی چائے بنا کے لاتی ہوں۔ اور یہ اخبار مت پڑھنے لگ جانا۔ ابھی رکھ دو اسے۔ پھر دیکھ لینا۔'' وہ تاکید کرتی کمرے سے نکل گئیں۔ اس نے ہاتھ میں دبے اخبار کو دیکھا جس کا پیلا پڑتا کاغذ بتا رہا تھا، کئی دن پرانا ہے۔ وہ جو پہلے ہی زود رنج ہو رہی تھی۔ دماغ اور کھول گیا۔

TAGPK.COM

''اتنے دن سے نہ اپنی کوئی خیر خبر دی۔ نہ میری پوچھی۔ اب اٹھا کر یہ باسی اخبار بھیج دیا۔ اس کا میں نے تعویذ بنا کر گلے میں ڈالنا ہے۔ ہونہہ۔'' بری طرح کلستے وہ اخبار کھلی کھڑکی سے باہر پھینک دیا تھا۔

☆☆☆

''ماشاء اللہ۔ اتنے گھنے اور لمبے بال ہیں تمہارے۔ مگر مجال ہے جو ذرا بھی توجہ دیتی ہو۔ یہ تو اماں ہی ہیں جو ہر ہفتے باقاعدگی سے ان میں تیل ڈال دیتی ہیں۔ ورنہ تم تو مہینوں غافل رہو۔''

ثوبیہ اس کی پشت پر بکھری سیاہ دراز زلفیں رشک سے دیکھتی کہہ رہی تھی۔ ہر چھٹی والے دن کی طرح آج بھی اماں نے اسے قابو کر کے اپنے آگے بٹھا لیا تھا۔ اس کے واویلا کرنے کے باوجود وہ پاؤ بھر تیل اس کے سر میں ڈالے سخت ہاتھوں سے مساج کرنے لگیں۔

''تو اور کیا۔ یہ تو اللہ جانے روز کنگھا بھی کن جتنوں سے کرتی ہے۔ بس چلے تو یونہی مروڑ کے جوڑا بناتی چل پڑے۔ یہ تو میں ہی ہوں جو شروع سے ان بالوں کا خیال رکھتی آ رہی ہوں۔''

''ہاں شوق بھی تو آپ کا ہی ہے نا۔ تو سنبھالیں بھی آپ ہی۔ میں نے تو کئی بار چاہا۔ اس جھنجھٹ سے جان چھڑا لوں۔ اب کہاں لڑکیاں اتنے لمبے بال رکھتی ہیں۔ اور پھر جو جاب کرتی ہوں وہ تو قطعاً نہیں رکھ سکتیں۔ روز دوسرے بکھیڑوں کو نبٹاؤں یا ان بالوں کے ناز اٹھاؤں۔ کیوں بھا جائی۔ میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا۔'' اس نے صاف انہیں چڑایا تھا۔ اور وہ حسب سابق تپ اٹھیں۔

''خبردار۔ جو کچھ الٹا سیدھا سوچا بھی تو۔ ان بالوں کے بجائے میں تیری نوکری ہی نہ چھڑوا دوں۔ ذرا اپنے آس پاس نظر ڈالو تمہاری عمر کی لڑکیاں کیسے بن ٹھن کر رہتی ہیں۔ اور تیرے ساتھ کی کئی تو اپنے اپنے گھر بار والی۔''

''اُف۔ اماں۔ پلیز اب بس کر دیں۔ مجھے پھر سے نیند آنے لگی ہے۔'' تیزی سے ان کی بات قطع کرتے اس نے بال بھی زور سے کھینچے تھے۔ کئی ٹوٹ کر ان کی انگلیوں میں اٹکے رہ گئے۔

ثوبیہ نے اس کا سرخ پڑتا چہرہ پورے دھیان سے دیکھا۔ اماں ایک گہری سانس لے کر رہ گئیں۔ ہر بار یہی ہوتا جب بھی وہ ایسا کوئی ذکر شروع کرتیں وہ طرح دے جاتی۔ مکرم اور معظم کی شادیوں کے بعد وہ چاہتی تھیں، وہ بھی اپنے گھر کی ہو جائے۔ پہلے تو اس نے پڑھائی کو ہی اوڑھنا بچھونا بنا رکھا تھا۔ فزکس میں ایم ایس سی کرنے کے بعد خوش قسمتی سے ایک کالج میں لیکچرار شپ مل گئی۔ وہ تو خوب ناراض ہوئی تھیں۔ مگر جب مکرم اور بابا اس کے ہم نوا ہوئے تو انہیں بھی چار و ناچار اجازت دینا پڑی۔ وہ ماں تھیں۔ اس کے دل سے بے خبر نہیں تھیں۔ جانتی تھیں جو بات انہوں نے اس تعلق کے ساتھ ہی ختم کر دی تھی۔ وہ اس کا سوگ اب تک منا رہی ہے۔ اور اس بے وقوفی پر کئی بار باتوں ہی باتوں میں سرزنش کر چکی تھیں۔ وہ ہر بار سن، سمجھ کر گونگی بہری بن جاتی۔ انہیں غصہ بھی آتا اور دکھ بھی ہوتا۔ خاندان سے باہر کے کئی ایک اچھے رشتے آئے تھے۔ انہوں نے اس کی پروا نہ کرتے ہوئے ایک جگہ بات طے کرنے کا سوچ لیا۔ رشتہ ہر لحاظ سے مناسب تھا۔ مگر پھر جانے کیا ہوا لڑکے والے پلٹ کر آئے ہی نہیں۔ انہوں نے چاہا تھا کہ ایک بار لڑکے والوں سے پوچھا جائے۔ مگر اس کے لیے نہ لطیف جلبانی راضی ہوئے نہ مکرم۔ وہ تو اکڑ گیا۔

''ہماری بہن کسی سے کم ہے کیا جو ہم خود جا کر لوگوں کی منت کریں۔'' کہنا تو اس کا بھی ٹھیک تھا۔ وہ تو اندر سے ٹوٹ سی گئیں۔ نام تو بہت چاؤ سے مرک رکھا گیا تھا۔ مگر کیا اس کے بخت کی مسکراہٹیں روٹھ گئی تھیں؟ جب بھی سوچتیں۔ دل پر گہری ضرب لگتی۔ وہ تو اس کی اجاڑ صورت دیکھ دیکھ ہولتی رہتی تھیں۔ مگر ہمیشہ ایسا ہی ہوتا۔ وہ جب بھی ایسا کوئی تذکرہ کرتیں وہ پوری بات بھی نہ سنتی۔ اب بھی اٹھ

TAGPK.COM

کے جانے کو تھی کہ تین سالہ عمر بھاگتا آ کر ٹانگوں سے لپٹ گیا۔

''منجھی پالی پوپی (میری پیاری پھوپھی)۔''

اس نے اپنی توتلی زبان میں خوشی سے ایک نعرہ لگایا تھا۔ یہ بھی عجب بات تھی۔ عرصہ چھ سال سے اس نے کبھی آنکھ اٹھا کر ادا مکرم کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ بول چال بھی بس اتنی کہ وہ کوئی بات کرتا تو جواب دے دیتی۔ ورنہ خود سے کبھی مخاطب نہیں کرتی تھی۔ اتنے سال گزرنے کے باوجود آج بھی ناراضی برقرار تھی۔ (ناراض تو وہ کسی اور سے بھی تھی۔ اور اب تو اتنی کہ اس کے نام سے بھی نفرت ہو چلی تھی) مگر ننھے شہزادے عمر میں تو گویا اس کی جان تھی۔ اسے دیکھے بنا سویر نہیں ہوتی تھی۔ چھٹی کا سارا دن وہ اسی کے ساتھ گزارتی۔ اس نے جھک کر عمر کو گود میں بھر لیا تھا۔ چٹاخ پٹاخ سرخ سیب سے گال چوم لیے۔

عمر کے پیچھے آتا مکرم یہ منظر دیکھ کر زیر لب مسکرا دیا۔ دل فرط محبت سے مسرور ہوا تھا۔ اپنی نادان گڑیا سی بہن اسے بے حد پیاری تھی۔ اور ان محبتوں کے اظہار کا اس کا اپنا ایک الگ انداز تھا۔ اس نے لاڈ کرتے پھوپھی بھتیجے کو دیکھا۔

''میرا عمر بیٹا آج کس کے ہاتھ سے نیرن کرے گا؟''

''پالی پوپی کے ہاتھ سے۔'' وہاں سے کھٹ جواب آیا تھا۔

''اوہ گڈ۔ تو پھر ڈن ہو گیا۔ آج بابا بھی آپ کی پوپی (پھوپھی) کے ہاتھ کا ناشتا کریں گے۔ زبردست سا ہری مرچوں والا آملیٹ اور خستہ پراٹھا۔ اور چائے یاد ہے نا کیسے بنانی ہے۔'' مینیو بتاتے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔ جو مہر بہ لب کچن کی طرف چل دی تھی۔ اسے جاتے دیکھ کر ثوبیہ بول پڑی۔

''کیا ہو گیا آپ کو۔ ایک دن تو چھٹی کا ملتا ہے اس بے چاری کو۔ وہ بھی آپ نے صبح صبح کام پہ لگا دیا۔ کمال کرتے ہیں۔ میں بنانے ہی جا رہی تھی ناشتا؟''

''وہ میری بہن ہے۔ کبھی کبھار اس سے کام لینا میرا حق بنتا ہے۔ اچھا ہے نا، اس طرح کچھ دیر کو وہ میرا احساس تو کرتی ہے۔ خیر تم اس کی فکر کرنے کے بجائے میری تیاری کی فکر کرو۔ مجھے ایک گھنٹے تک شہر کے لیے نکلنا ہے۔ اگر تمہیں کچھ منگوانا ہے تو بتا دو۔''

''اُف۔ چھٹی کے دن بھی آپ کے کام ختم نہیں ہوتے۔ کوئی دن تو گھر والوں کے ساتھ بھی گزار لیا کریں۔ اب شہر میں ایسا کیا کام ہے جو آج ہی جانا ضروری ہے؟'' وہ بری طرح چڑی تھی۔

''اڑے بابا! جلدی آ جاؤں گا۔ کسی سے کاروباری سلسلے میں ملنا ہے۔ اب کیا کروں مجبوری ہے۔ تم تو تھانیدارنی ہی بن جاتی ہو۔ چلو اب کپڑے نکالو میرے۔'' وہ بازو سے پکڑے دھکیلتا ساتھ لے گیا۔ اماں انہیں مسکراتی آنکھوں سے جاتا دیکھ رہی تھیں۔

ایک وقت تھا، کتنا ستایا تھا انہیں مکرم نے۔ کتنے کٹھن تھے وہ دن۔ اب بھی یادداشت کے پردے پر لہراتے تو روح جھنجھنا اٹھتی۔ اس فساد کے نتیجے میں اسے یونیورسٹی سے نکال دیا گیا تھا۔ تعلیم ادھوری رہ گئی۔ وہ بہتیرا سمجھاتی رہیں کہ کہیں اور داخلہ لے لے۔ مگر وہ تو جیسے اپنی ضد پر ہی اڑ گیا تھا۔ اس نے اسموکنگ شروع کر دی تھی۔

جس دن اس کے کمرے کی صفائی کرواتے ان پر یہ انکشاف ہوا۔ ان کے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ بابا کے ساتھ زمینیں اور کاروبار تو سنبھال رہا تھا۔ مگر اپنا آپ ضائع کرنے پر تلا تھا۔ من مانیاں وہ پہلے بھی کرتا تھا۔ مگر پھر تو ضدی اور ہٹیلا بھی ہو گیا۔ تب انہیں بھی سب مسائل کا حل اس کی شادی میں ہی نظر آیا تھا۔ لیکن وہ تھا کہ اس ذکر پر ہی آگ بگولہ ہو جاتا۔ اپنی بے عزتی بھلائے نہیں بھولتی تھی۔ مگر آخر کب تک۔ وہ ماں تھیں، اموشنل بلیک میلنگ کا تو پرمٹ ملا ہوا تھا انہیں۔ اور بس پھر یونہی دھمکاتے

TAGPK.COM

ایک دن اسے راضی کر ہی لیا تھا۔

ثوبیہ انہی کا انتخاب تھی۔ جس پر بلاشبہ انہیں بے پناہ فخر تھا۔ شادی کے پہلے ہی دن انہوں نے ایک سمجھ دار ساس ہونے کا ثبوت دیتے بہو کے سامنے سب حالات کھول دیے تھے۔ الف تا ے ساری کہانی کہہ سنائی تھی۔ جس کا فائدہ یہ ہوا کہ اسے مکرم کے اکھڑے تیوروں کو برداشت کرنے میں بے حد آسانی رہی تھی۔ اس کے سب رویے جھیلتی گئی۔ آہستہ آہستہ مکرم کی بد مزاجیاں دور ہونے لگیں۔

پھر زمانے نے وہ مکرم بھی دیکھا۔ جو مسکرانے لگا تھا۔ اور وہ اسے خوش دیکھ کر خود بھی مطمئن ہو گئیں۔ ان ہی کی دعائیں تھیں جواب وہ ایک نارمل زندگی گزار رہا تھا۔

بیٹے کو ہنستا مسکراتا دیکھ کر جہاں ان کا دل مسرور ہوتا تھا۔ وہیں بیٹی کا سنجیدہ چہرہ ان کی راتوں کی نیندیں اڑائے ہوئے تھا۔ ایسے آخر کب تک چلے گا۔ کیا ساری زندگی وہ یونہی تنہا گزار دے گی۔ نہیں اب چاہے وہ جتنا جی میں آئے شور کرے مجھے سنجیدگی سے اس کے بارے سوچنا پڑے گا۔

''عمر! جاؤ، بابا سائیں کو بلا کے لے آؤ۔ کہو ناشتا بن گیا ہے۔'' وہ خود سے ارادے باندھ رہی تھیں۔ مرک کی آواز پر چونک اٹھیں۔ عمر ماشاء اللہ ہمیشہ کا تابعدار بچہ اس کے کہے پر جانے کو تھا کہ انہوں نے ننھا سا ہاتھ پکڑ کر روکا۔

''اتنے سے نیانے سے کام کرواتی ہو۔ حد کرتی ہو تم بھی مرک۔ یہ دو قدم پر تو کمرہ ہے اس کا۔ خود جا کر بلا لو۔''

''مجھے ابھی عمر کا ناشتا بنانا ہے۔ آپ ہی آواز دے دیں۔''

وہ جھکے سر سے تاویل دیتی جلدی سے پلٹ گئی۔ وہ گھورتی رہ گئیں۔ خوب تاؤ چڑھا۔

اب وہ چولہے کے پاس کھڑی ہو ہی گئی تھی تو سوچا آج سب کو اپنے ہاتھوں کے ذائقے سے فیض یاب کر دے۔ ثوبیہ کے اصرار کے باوجود اس نے جگہ نہیں چھوڑی۔ عمر کے لیے فرنچ ٹوسٹ، بوائل ایگ، ایک کپ دودھ۔ اماں کی سادہ روٹی، رات کا سالن۔ بابا کے لیے دودھ اور پورج۔ ادا معظم کے لیے چوکور پراٹھا اور مکھن۔ وہ سب کی فرمائشیں پوری کرتی جا رہی تھی۔ ماسی شریفاں سرو کرنے پر مامور تھیں کہ کھلے گیٹ سے کچھ لوگوں کو اندر آتے دیکھا۔ جنہیں دیکھ کر انہیں بالکل حیرت نہیں ہوئی تھی۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں، ایک دن ایسا ضرور آتا ہے۔ جب گئی بہاریں پلٹ آتی ہیں۔ دریا میں لاٹھی مارنے سے پانی کے دو حصے تھوڑا ہو جاتے ہیں۔ وہ تیزی سے کچن کی جانب چل دیں۔ وہ اپنے لیے چائے کا پانی رکھ رہی تھی۔

''امڑ مرک! تم ہٹو پیچھے۔ باقی کا کام میں کرتی ہوں۔ کچھ مہمان آ گئے ہیں۔ ان کے لیے بھی چائے بنانی ہے۔'' انہوں نے ناشتے کے خالی برتن سنک میں رکھتے کہا تھا۔

''اتنی صبح کون سے مہمان آ گئے ہیں ماسی؟'' پانی میں پتی ڈالتے وہ مصروف انداز سے استفسار کر رہی تھی۔

''دیکھ لو خود ہی۔'' ماسی کے پر جوش سے لہجے پر اس نے بے اختیار لاؤنج میں کھلتی کھڑکی سے باہر دیکھا۔ اور باہر کا منظر دیکھ کر جہاں کی تہاں رہ گئی۔ چڑھتے سورج کی سنہری نکھری کرنوں کے گھیرے میں وہ پشمینے کی نیلی چادر اوڑھے کھڑی تائی حفیظہ تھیں۔ جن کے چہرے پر تھکن کے علاوہ ندامت کی چھاپ صاف دکھائی دے رہی تھی۔ ان کے برابر ہی ادا جمال، سر جھکائے کھڑا پیرل اور سب سے پیچھے وہ تھا۔ جس کی صورت پر نظر پڑتے ہی وقت کی نبضیں تھم گئیں۔ اک لمحے میں کوئی پہیہ الٹا گھوم گیا تھا۔ ہنستے کھیلتے، شرارتیں کرتے، لڑتے، روٹھتے، مناتے کتنے بے شمار لمحے یہاں وہاں سے نکل کر سامنے آن کھڑے ہوئے۔ کوئی ادھر سے دامن کھینچ رہا تھا کوئی ادھر سے۔ وہ نیم کی ٹہنیوں پر لگی پیلی نمبولیاں اتارتا

TAGPK.COM

جاتا۔اور وہ فراک کے دامن میں بھرتی جاتی۔ وہ جھولے دیتا۔ وہ اوپر اور اوپر ہواؤں میں اڑنے لگتی۔ وہ سبق بتاتا تو اسے سب یاد ہونے لگتا۔اس کے لاڈ اٹھاتا، آنسو پونچھتا۔دلاسے دیتا۔اور پھر.....

ماسی کے ہاتھ سے کوئی برتن چھوٹا تھا یا اس کے ضبط کا دامن۔اس نے بے اختیار دونوں ہاتھ منہ پر رکھے۔ دھندلائی نظر سے ہر چہرہ مٹ گیا جیسے ایک دن اچانک سے وہ غائب ہوا تھا۔ بنا پوچھے، بنا بتائے۔محبتوں میں امتحان تو سنے تھے۔مگر کیا جان بھی لی جاتی ہے؟ایسا تو کبھی دیکھا نہ سنا۔ بنا جرم کے سزا اور وہ بھی ایسی کڑی۔ جسے دیکھے بنا ایک دن نہیں کٹتا تھا۔اسی سے دوری کاٹتے صدیاں بیت گئیں۔ اور کیسے یہ تو کوئی اس کے دل سے پوچھتا۔

اس دن ادا پیرل اور مکرم کی لڑائی والے واقعے کے بعد وہ آیا ہی نہیں۔ وہ بے تاب انتظار کرتی رہتی۔ جب یہ سنا تایا سائیں نے اچانک اسے اعلا تعلیم کے لیے ملک سے باہر بھیج دیا ہے۔یہ اس کے لیے نہایت حیران کن اطلاع تھی۔ایسا کیسے ہوگیا؟ وہ اس سے ملے بنا حویلی سے باہر نہ جانے والا دیس سے ہی کیسے چلا گیا۔ وہ تو اسی واہمے میں تھی کہ جیسے اسے اماں نے ادھر جانے سے منع کیا ہے۔ویسے ہی اسے بھی تائی نے روک رکھا ہوگا۔ اس کے چلے جانے کا صدمہ کم تھا کیا۔ جو اس کے بچھڑ جانے کی خبر نے رہی سہی جان بھی رگوں سے کھینچ لی تھی۔

''پہلے وہ اسے مجبور سمجھتی رہی۔ کہ جو تایا تائی کے دباؤ میں آکر یہاں سے چلا گیا تھا۔انہوں نے ضرور اپنا غصہ نکالا تھا۔مگر اس نے کون سی دشمنی نبھائی تھی جو وہاں جا کر اپنی مرضی سے شادی کرلی۔

وہ کیسے بھول جاتی وہ پچھلے جاڑے کی ایک صبح۔ جب دھند بھرے بادلوں کا سینہ چیرتا سورج کئی دن بعد دھرتی کو سنہری کرنیں بانٹنے نکلا تھا۔

وہ دھوپ سینکنے چھت پر چلی آئی۔ یونہی تائی کی چھت پر جھانکا۔ تائی حفیظہ کی آواز قریب سے ہی آرہی تھی۔ وہ چھت پر ہی تھیں۔ فون کان سے لگا تھا۔اور ان کے ہونٹوں سے نکلتے اگلے الفاظ نے اس کی ساری توجہ کھینچ لی تھی۔ وہ نہایت نرم لہجے میں بات کرتے کرتے اچانک سے چیخ ہی تو اٹھی تھیں۔

''یہ..... کک..... کیا کہہ رہے ہو تم۔ایسا کیسے کر سکتے ہو..... تم نے مجھے بتانا بھی مناسب نہیں سمجھا؟ کیا میں مرگئی تھی۔''

مرک کی جانب ان کی پشت تھی۔انہیں پتا ہی نہیں چلا تھا کہ ان کی باتیں کوئی اور بھی سن رہا ہے۔ انہوں نے رک کر چند سیکنڈ اگلی طرف کی بات سنی تھی۔ پھر اسی غصے سے گویا ہوئیں۔

''اتنی بڑی بات کو تم نے مجھ سے اتنے سال چھپائے رکھا۔اور وہ مواا ختر اس نے بھی کبھی نہیں بتایا مجھے کہ تو باہر جا کر یہ گل کھلا چکا ہے۔ ارے تو تو اپنے باپ سے لڑ کر گیا تھا۔ میری کیا خطا تھی جو مجھے صدمے پر صدمے دے رہے ہو۔ جب بھائی، بھائی آپس میں ایک نہ رہے تو تیرا سنگ کہاں قائم رہنا تھا۔لیکن میں تیرے لیے ایک سے ایک اچھی لڑکی دیکھ رہی تھی۔تو جس پر راضی ہوتا اسی سے تیری شادی کرا دیتی۔مگر تو نے میرے سارے ارمانوں کو آگ لگا دی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔تو پیرل سے بھی بڑھ جائے گا۔ اتنا بے ادب اور خودسر بیٹا نکلے گا میرا۔تو نے وہاں شادی کرلی سجاول؟ اور..... اور مجھے پتا تک نہیں۔ میں تجھے کبھی معاف.....''

تائی حفیظہ تو رنج میں ڈوبی اور بھی بہت کچھ کہے جا رہی تھیں۔ وہ دیوار سے لڑکھڑاتی ہوئی پیچھے ہٹی۔ کان ابھی تک سائیں سائیں کر رہے تھے۔ یہ کیا کہا تھا تائی حفیظہ نے۔ کیا واقعی..... جو سنا وہ سچ تھا؟ وہ یہیں کھڑا تو ایک دن کہہ رہا تھا۔

''سجاول نے اپنا آپ ہی نہیں اس نے تو اپنی ہر آتی جاتی سانس بھی مرک جلبانی کے نام لکھ چھوڑی ہے۔ مجھے تو تم سے محبت کرنے کے لیے یہ ایک زندگی بہت کم لگنے لگی ہے۔ جی چاہتا ہے چند زندگیاں اور مستعار لے لوں۔''

اور اس کے لہجے کی گمبھیرتا اس کی دھڑکنیں زیرو

TAGPK.COM

زبر کر گئی تھی۔ تب دل بے پایاں احساس مسرت سے لبالب بھر گیا تھا۔ خود پر ہی رشک آیا۔ وہ اپنے آپ پر نازاں ہوئی تھی۔ سجاول جلبانی جیسا شاندار شخص اس کا مقدار تھا۔ اس کا خود پر سے اختیار کھوتا جا رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا اس کا دل ڈوب جائے گا۔ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ دھوپ دیکھ کر شہلا نے مشین لگالی تھی۔ اور وہ کپڑے ڈالنے چھت پر آئی تھی کہ اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہو اٹھی۔ اور اسے تو کوئی سہارا چاہیے تھا۔ اس کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کے رو پڑی۔ سجاول جلبانی تمہیں تو میں کبھی معاف نہیں کروں گی تم نے میرے دل ہی نہیں میری روح کو بھی کچلا ہے۔

باہر سب اپنی اپنی جگہ ساکت تھے۔ کچھ پل بیتے بابا کے بوڑھے وجود میں جنبش ہوئی وہ مہمانوں کے استقبال کو اٹھ کھڑے ہوئے۔ سجاول جلبانی آگے بڑھ کر بے تابی اور گرم جوشی سے اپنے پیارے چاچا سائیں کے گلے لگ گیا۔ شرمسار سا پیرل، مکرم کی طرف آیا تھا۔ اس نے بھی بازو وا کر دیے۔ کتنے سالوں کی جمی برف پگھل گئی تھی۔ کہرے کے دبیز بادل دور ہوئے تھے۔ اب کھلا کھلا موسم تھا۔ سب اک دوجے کا حال احوال پوچھ رہے تھے۔ کسی کو کوئی پرانی باتیں یاد ہی نہیں رہی تھیں۔ یا پھر کوئی وہ تذکرہ چھیڑنا ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ اور ایک وہ تھی جس کی طرف ایک ایک لمحہ پلٹ پلٹ کر آ رہا تھا۔ چہرہ مارے ضبط کے سرخ پڑنے لگا۔ زور سے مٹھیاں بھینچتی وہ تیر کی مانند کچن سے نکلتی اپنے کمرے کا رخ کر گئی۔ اسی لمحے اس کی نظر اٹھی تھی۔ کبھی صرف اس کے شانوں پر لہراتے بال اب پشت پر کسی حزن بھری کالی سیاہ رات کی مانند بکھرے تھے۔ وہ کچھ نہ کہہ کر بھی گویا بہت کچھ کہہ گئی تھی۔ وہ بھی تو اک طویل سفر سے لوٹا تھا۔ انگلیاں فگار، آبلہ پا، روح خاک آلود اور بدن پر تھکان کی ریت چمٹی ہوئی تھی۔ کہنا تو اسے بھی بہت کچھ تھا۔ سب اپنی باتوں میں مگن تھے۔ اور وہ اپنی سوچوں میں گم۔ جب چائے کا کپ سامنے رکھتی شہلا نے چونکایا۔

''تم اکیلے ہی آ گئے ادا سجاول۔ اپنی کنوار کو نہیں لائے۔ وہ تو پکی انگریز ہو گی نا اور بہت خوب صورت بھی۔'' اور وہ یک دم بوکھلایا ہوا اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

☆☆☆

جب جاگتی آنکھوں کے خواب چھن جائیں تو سوتی آنکھوں کے خواب اسی وچھوڑے سے مرجاتے ہیں۔ پہلے یہ غم تھا۔ وہ جا کر آیا نہیں۔ اب یہ غصہ وہ واپس آیا ہی کیوں۔ وہ اس کی صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اس دن کے بعد بھی آیا تھا، وہ سامنے ہی نہ گئی۔ سب تایا جلال کی عیادت کو گئے تھے وہ سر درد کا بہانہ کر کے کمرہ بند ہو گئی۔

خدشہ سچ ثابت ہوا وہ ملنے آیا تھا۔ ماسی شریفاں دروازہ کھٹکھٹاتی رہی۔ اس نے تکیے میں منہ دے لیا۔ جو بھیگتا چلا گیا۔ باہر سجاول کا دل لہولہو ہو رہا تھا۔ اتنا سخت رد عمل۔ کیا وہ اسے منا پائے گا؟

''بہت سارا وقت تمہارے انتظار میں رو رو کر کاٹا ہے اس نے۔ اب اتنا غصہ تو حق بنتا ہے۔ پتا ہے نا، ضدی تو بچپن سے ہے۔ غصہ اترے گا تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گی۔" ماسی شریفاں تسلی دے رہی تھیں۔

''میں بھی تو اک کوہ گراں پار کر کے آیا ہوں ماسی۔ بہت سفر کیا ہے میں نے۔ اب ستانا چاہتا ہوں۔ کیا اسے میرا احساس نہیں؟" وہ روہانسا ہو رہا تھا۔ انہوں نے محبت سے شانہ تھپکا۔

''اب ہم بچے نہیں کہ یوں آنکھ مچولی کا کھیل کھیلیں۔ مان لیا کہ وہ خفا ہے۔ پر میں آ گیا ہوں نا۔ وہ جو کہے گی، میں ہر جانہ بھرنے کو تیار ہوں۔ لیکن وہ ایک بار مجھ سے بات تو کرے۔ آپ پلیز اسے بتا دیں میں پھر آؤں گا۔''

اس کے جوتوں کی دور ہوتی ٹک ٹک بتا رہی تھی وہ جا رہا ہے۔ وہ جو گھٹ گھٹ کر رو رہی تھی۔ جانے کیا ہوا، یک دم ضبط کی طنابیں چھوڑ بیٹھی۔ اتنا روئی

TAGPK.COM

کہ ہچکیاں بندھ گئیں۔

کچن کی لائٹ جلتی دیکھ کر خیال آیا شاید ماسی بند کرنا بھول گئی ہیں۔ لیکن وہاں ثوبیہ کو عمر کا فیڈر بناتے دیکھ کر واپس پلٹنے کو تھی کہ اس نے پکار لیا۔

''آج پھر اتنی رات تک جاگ رہی ہو۔ نیند نہیں آرہی تمہیں بھی۔ لگتا ہے اپنے لیے کافی یا چائے بنانے آئی تھیں۔ چلو اچھا ہوا ایک سے بھلے دو۔ میں بھی سوچ رہی تھی کچھ بنانے کو۔ تم یہ فیڈر لے کر عمر کے پاس جاؤ۔ میں دو منٹ میں اچھی سی چائے بنا کر ابھی آئی۔'' اس کی عادت تھی اگلے کی سنے بنا اپنی کہے جاتی۔

ناچار مسکراتے فیڈر تھام لیا۔ مکرم کسی کام کے سلسلے میں دو روز کے لیے شہر گیا ہوا تھا۔ عمر نیند بھری آنکھیں ملتا رس رس کر رہا تھا۔ وہ اسے پیار کرتی لوری سنانے لگی۔ جب تک ثوبیہ چائے لے کر آئی۔ وہ اس کی گود میں سو چکا تھا۔

''تمہیں تنگ تو نہیں کیا اس نے۔''

''بالکل بھی نہیں۔ یہ تو میری جان ہے میرا پارا بچہ۔ تنگ تھوڑی کرتا ہے۔'' اس نے احتیاط سے لٹاتے ہوئے عمر کی پیشانی چوم لی۔

''ہاں۔ تم اس کی پیاری پوپی جو ہو۔ تنگ کرنے کے لیے ماں ہے نا۔ مکرم نہیں ہیں تو ضد پہ اڑ گیا تھا۔ کہ بابا کے پاس جانا ہے۔ سو ہی نہیں رہا تھا۔ میں تو پریشان ہو گئی تھی۔ شکر ہے تمہارے آنے سے سو گیا۔ ورنہ جانے کب تک تنگ کرتا مجھے۔ تم یہ چائے لو ٹھنڈی ہو جائے گی۔ میں تمہیں اس کے کرتے دکھاتی ہوں۔ اماں نے بنوا کر بھیجے ہیں۔''

وہ مگ اسے تھماتی الماری کی طرف بڑھ گئی۔

''ادا اظہر کی شادی کی تاریخ پکی ہو گئی ہے نا۔ اسی سلسلے میں اماں نے عمر کے لیے یہ کرتے اور شیروانی بنوائی ہے۔ خیر سے ماموں کا شہ بالا بنے گا میرا شہزادہ۔ دیکھو اچھے ہیں نا سب۔'' اس نے ایک بڑا سا شاپنگ بیگ لا کر اس کے سامنے الٹ دیا۔ چھوٹے چھوٹے رنگ برنگے کڑھائی والے کرتے، سنہری کام والی میرون شیروانی اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ اس نے سوئے ہوئے عمر کے ساتھ لگا کر دیکھی۔

''ماشاء اللہ۔ اللہ نظر بد سے بچائے۔ سب بہت اچھے ہیں۔ یہ تو ننھا سا گڈا لگے گا پہن کر۔ اور آپ کی تیاری ہو گئی۔''

''ہاں تقریباً۔ کچھ چیزیں رہتی ہیں۔ وہ ان شاء اللہ تمہارے ادا کے ساتھ نیکسٹ ویک شہر جا کر لے آؤں گی۔ تم بھی چلنا۔ ویسے تو ہمارا بارات کا جوڑا اماں کی طرف سے ہو گا۔ تمہارا فیورٹ کلر پوچھا تھا انہوں نے۔ میں نے ریڈ بتا دیا۔ کبھی تمہیں یہ کلر پہنے دیکھا نہیں۔ ہمیشہ ہلکے رنگ پہنتی ہو۔ لیکن مجھے پورا یقین ہے ڈارک شیڈ تم پر بہت سوٹ کرے گا۔'' ثوبیہ نے کرتے سمیٹ کر واپس شاپنگ بیگ میں ڈالے۔ وہ متحیری کہہ گئی۔

''م..... مگر کیوں۔ آپ نے ایسا کیوں کیا۔ مجھے تو کچھ نہیں چاہیے۔ اور آپ کو پتا ہے میں شادی۔''

''اللہ کے واسطے اب یہ مت کہنا تم شادی پر نہیں جاؤ گی۔ ایک ہی نند ہو میری۔ اگر تم بھی نہ گئیں تو وہاں سب مجھ سے سوال کریں گے۔ نا بابا۔ میں وہاں ادا سائیں کی شادی انجوائے کرنا چاہتی ہوں۔ تم نہیں جاؤ گی تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ میری خاطر ہی سہی۔ پلیز مرک انکار نا کرنا۔''

''لیکن بھابھی! آپ کو پتا ہے میرا کالج.....''

ہر بار کی طرح اب بھی یہی بہانہ نکالا تھا۔ جو پل میں مسترد کر دیا گیا۔

''مجھے اتنا پتا ہے تمہاری چار دن کی چھٹی سے کالج بند نہیں ہو جائے گا۔ وہ صرف تمہارے سر پر نہیں چلتا۔ میں نے اکثر نوٹس کیا ہے۔ تم دونوں بہن بھائی کی عادتیں بہت ملتی ہیں۔ وہ بھی کسی بات کے پیچھے پڑ جائیں تو پھر توبہ ہی بھلی۔ اور اپنے کام کی خاطر تو دیوانے ہوئے پھرتے ہیں۔ اور میں نے تو ان کا وہ روپ بھی دیکھا ہے جب حضرت پوری دنیا سے بیزار تھے۔ ہماری شادی ہوئی تو پتا ہے انہوں

TAGPK.COM

نے کئی مہینے مجھ سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کی تھی۔ ایک دن تو ان کے رویے سے میں اتنی دبر داشتہ ہوئی کہ سوچا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے چلی جاوں۔ جب یہ شخص ہی اپنا نہیں تو اس کے گھر میں رہ کر کیا کرنا۔ مگر تب اماں نے مجھے بہت پیار سے سمجھایا۔ انہوں نے کہا۔

''تم اس گھر میں مکرم کے نام سے آئی ہو۔ لیکن اب ہم سب اور یہ حویلی تمہاری اپنی ہے۔ اب ہماری خوشیاں اور ہمارا مان تم سے جڑا ہے۔ کیا تم یہاں سے جا کر ہم سب کو دکھی کرنا چاہو گی؟ بس تب ہی میں نے ٹھان لی کہ میدان چھوڑ کر بھاگنا نہیں ہے۔ اور دیکھ لو آخر کار جیت میری ہوئی۔ اور میری جان میری مانو تو تم بھی خود پر سے یہ یاسیت کا خول اتار دو، چھوڑ دو یوں الگ تھلگ رہنا۔ کوئی بھی سکھ یا دکھ آخری نہیں ہوتا۔ اور تم اپنے ادا سائیں کی طرف ہی دیکھ لو۔ اللہ کے کرم سے کتنے خوش ہیں وہ۔ کیونکہ انہوں نے اس کلیے کو سمجھ لیا تھا کہ حیاتی کبھی کسی ایک شخص پر ختم نہیں ہو جاتی۔ وہ رشتے جو جان سے لگا کر رکھتے ہیں۔ ان کی محبتوں اور خلوص پر اسے فوقیت دینے کا مطلب تو یہی ہوا نا آپ کے لیے اہم وہی تھا جو چلا گیا۔ اس طرح تو آپ اسے مزید خوش گمان کرتے ہو۔ یعنی آپ اسی لائق تھے جو سلوک وہ کر گیا؟''

ثوبیہ سانس لینے کو رکی تھی اور اس کی سانس گم ہوئی۔ وہ ہل کر رہ گئی۔ اس سچ پر تو کبھی سوچا ہی نہیں۔ وہ تو ہر غمزدہ کی طرح اتنے عرصے سے ''کیوں'' کی ہی لکیر کو ہی پیٹ رہی تھی۔ ''کیسے'' پر تو کبھی دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ مگر وہ بھی کیا کرتی۔ جن دلوں کو ہجر کے تالے لگ جائیں وہ پھر کسی اور سوال کے لیے کب کھلتے ہیں۔

بنا قصور کے اب تک سزا کاٹی تھی۔ اور اس کی ہمت تو دیکھو اپنی زندگی دھڑلے سے کسی اور کے نام کر کے پھر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ کیا یہ اتنی آسانی سے معاف کی جانے والی غلطی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اب اس کے کیے پر خود کو اذیت نہیں دینی۔ بلکہ اسے بتانا ہے کہ میرے نزدیک اس کی کچھ اہمیت نہیں رہ گئی۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبی اٹھ گئی تھی۔

''تم کہاں چلیں۔ میں تو کہتی ہوں مرک تم آج ادھر ہی سو جاؤ۔ عمر اگر رات میں اٹھ گیا تو کم از کم تمہاری وجہ سے مجھے تنگ تو نہیں کرے گا نا۔'' اور وہ جو اپنے کسی دھیان میں تھی۔ اس کی بات پر ہاں یا نا کے بجائے خود کلامی کے سے انداز سے گویا ہوئی۔

''آپ نے بالکل ٹھیک کہا بھابھی۔ اگر میں شادی پر نہ گئی تو سب آپ سے سوال کریں گے۔ میں اس بات کو سمجھ سکتی ہوں۔ اور میں ہرگز نہیں چاہوں گی کہ آپ کی خوشی خراب ہو۔ اسی لیے اب جلدی سے بتائیں، آپ شاپنگ پر کب جا رہی ہیں۔ تاکہ میں بھی اسی حساب سے ٹائم نکال سکوں۔'' پلکوں پر اتری نمی ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے وہ پوچھ رہی تھی۔

لہجہ بھیگا ہوا ضرور تھا۔ مگر آواز ہموار تھی۔ ثوبیہ نے بے اختیار بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

''اُف۔ مرک تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔ تمہاری اس بات نے کتنی خوشی دی ہے مجھے۔ تم دیکھنا تمہارا دامن بھی خوشیوں سے بھر جائے گا۔ من چاہی مرادیں پاؤ گی۔ ان شاء اللہ۔'' اور اس کی دی گئی دعا پر وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

☆☆☆

سہ پہر کا سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ وین نے اسے گیٹ پر اتارا تھا۔ گو کہ صبح کی نسبت اس وقت گرمی کی شدت میں کمی تھی۔ مگر مارے تھکان کے حال برا تھا۔ اندر آتے ہی جھٹ چادر اتار کر تہہ کرنے لگی۔ دوپٹہ گلے میں پٹی کی مانند پڑا تھا۔ جب کسی سے ٹکر ہوتے ہوتے بچی۔ تیز روشنی سے چندھیائی آنکھیں اٹھا کر دیکھا تھا۔

وہ متحیر سی تک رہی تھی۔ پشاوری چپل میں مقید صاف ستھرے پیروں سے ہوتی ہوئی نگاہ اوپر تک

TAGPK.COM

نے کئی مہینے مجھ سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کی تھی۔ ایک دن تو ان کے رویے سے میں اتنی دلبرداشتہ ہوئی کہ سوچا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے چلی جاؤں۔ جب یہ شخص ہی اپنا نہیں تو اس کے گھر میں رہ کر کیا کرنا۔ مگر تب اماں نے مجھے بہت پیار سے سمجھایا۔ انہوں نے کہا۔

''تم اس گھر میں مکرم کے نام سے آئی ہو۔ لیکن اب ہم سب اور یہ حویلی تمہاری اپنی ہے۔ اب ہماری خوشیاں اور ہمارا مان تم سے جڑا ہے۔ کیا تم یہاں سے جا کر ہم سب کو دکھی کرنا چاہو گی؟ بس تب ہی میں نے ٹھان لی کہ میدان چھوڑ کر بھاگنا نہیں ہے۔ اور دیکھ لو آخر کار جیت میری ہوئی۔ اور میری جان میری بانو تو تم بھی خود پر سے یہ یاسیت کا خول اتار دو، چھوڑ دو یوں الگ تھلگ رہنا۔ کوئی بھی سکھ یا دکھ آخری نہیں ہوتا۔ اور تم اپنے ادا سائیں کی طرف ہی دیکھ لو۔ اللہ کے کرم سے کتنے خوش ہیں وہ۔ کیونکہ انہوں نے اس کلیے کو سمجھ لیا تھا کہ حیاتی کبھی کسی ایک شخص پر ختم نہیں ہو جاتی۔ وہ رشتے جو جان سے لگا کر رکھتے ہیں۔ ان کی محبتوں اور خلوص پر اسے فوقیت دینے کا مطلب تو یہی ہوا نا آپ کے لیے اہم وہی تھا جو چلا گیا۔ اس طرح تو آپ اسے مزید خوش گمان کرتے ہو۔ یعنی آپ اسی لائق تھے جو سلوک وہ کر گیا؟''

ثوبیہ سانس لینے کو رکی تھی اور اس کی سانس گم ہوئی۔ وہ ہل کر رہ گئی۔ اس سچ پر تو کبھی سوچا ہی نہیں۔ وہ تو ہر غمزدہ کی طرح اتنے عرصے سے ''کیوں'' کی ہی لکیر کو ہی پیٹ رہی تھی۔ ''کیسے'' پر تو کبھی دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ مگر وہ بھی کیا کرتی۔ جن دلوں کو ہجر کے تالے لگ جائیں وہ پھر کسی اور سوال کے لیے کب کھلتے ہیں۔

بنا قصور کے اب تک سزا کاٹی تھی۔ اور اس کی ہمت تو دیکھو اپنی زندگی دھڑلے سے کسی اور کے نام کر کے پھر اس کے سامنے آن کھڑا ہوا تھا۔ کیا یہ اتنی آسانی سے معاف کی جانے والی غلطی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اب اس کے کیے پر خود کو اذیت نہیں دینی۔ بلکہ اسے بتانا ہے کہ میرے نزدیک اس کی کچھ اہمیت نہیں رہ گئی۔ وہ کسی سوچ میں ڈوبی اٹھ گئی تھی۔

''تم کہاں چلیں۔ میں تو کہتی ہوں مرک تم آج ادھر ہی سو جاؤ۔ عمر اگر رات میں اٹھ گیا تو کم از کم تمہاری وجہ سے مجھے تنگ تو نہیں کرے گا نا۔'' اور وہ جو اپنے کسی دھیان میں تھی۔ اس کی بات پر ہاں یا نا کے بجائے خود کلامی کے سے انداز سے گویا ہوئی۔

''آپ نے بالکل ٹھیک کہا بھابھی۔ اگر میں شادی پر نہ گئی تو سب آپ سے سوال کریں گے۔ میں اس بات کو سمجھ سکتی ہوں۔ اور میں ہرگز نہیں چاہوں گی کہ آپ کی خوشی خراب ہو۔ اسی لیے اب جلدی سے بتائیں، آپ شاپنگ پر کب جا رہی ہیں۔ تاکہ میں بھی اسی حساب سے ٹائم نکال سکوں۔'' پلکوں پر اتری نمی ہاتھ کی پشت سے صاف کرتے وہ پوچھ رہی تھی۔

لہجہ بھیگا ہوا ضرور تھا۔ مگر آواز ہموار تھی۔ ثوبیہ نے بے اختیار بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

''اُف۔ مرک تم اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔ تمہاری اس بات نے کتنی خوشی دی ہے مجھے۔ تم دیکھنا تمہارا دامن بھی خوشیوں سے بھر جائے گا۔ من چاہی مرادیں پاؤ گی۔ ان شاء اللہ۔'' اور اس کی دی گئی دعا پر وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی۔

☆☆☆

سہ پہر کا سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ وین نے اسے گیٹ پر اتارا تھا۔ گو کہ صبح کی نسبت اس وقت گرمی کی شدت میں کمی تھی۔ مگر مارے تھکان کے حال برا تھا۔ اندر آتے ہی جھٹ چادر اتار کر تہہ کرنے لگی۔ دوپٹہ گلے میں پٹی کی مانند پڑا تھا۔ جب کسی سے ٹکر ہوتے ہوتے بچی۔ تیز روشنی سے چندھیائی آنکھیں اٹھا کر دیکھا تھا۔

وہ متحیر سی تک رہی تھی۔ پشاوری چپل میں مقید صاف ستھرے پیروں سے ہوتی ہوئی نگاہ اوپر تک

TAGPK.COM

اٹھی۔ سفید کرتا شلوار پر نیلے رنگ کی واسکٹ اس کے لمبے قد پر خوب جچ رہی تھی۔ کبھی دبلا پتلا سا دکھنے والا لڑکا اب مضبوط ڈیل ڈول والے وجیہہ مرد کے روپ میں اس کے سامنے تھا۔

اس سے نظر کیا ملی کہ بے اختیار دھڑکنیں زیر وزبر ہوئیں۔ جب سے وہ واپس آیا تھا۔ آج پہلی بار اتنے قریب سے دیکھ رہی تھی کہ کچھ لمحوں کے لیے ذہن صاف سلیٹ ہوگیا۔ بھول ہی گئی اس کی سب جفائیں۔ بے وفائی۔ یاد رہا تو بس اتنا کہ وہ لمحہ موجود میں ہے۔ دوسری طرف عالم جدا تھا۔ اسے دیکھ کر بے پایاں جوش ومسرت سے لب مسکرا دیے۔ بے تابی سے بول اٹھا۔

''تھینک گاڈ تم آگئیں۔ میں تم سے ہی ملنے آیا تھا۔ کیسی ہو مرک۔'' اور وہ بے طرح چونک گئی۔ اس کی آواز تو کسی گھنٹی کی طرح تھی۔ سارے سوئے درد جگا دیے۔ جب سامنا ہو ہی گیا تھا۔ تو بہتر تھا کہ پچھلے کچھ حساب ہی بے باق کر لیے جائیں۔

''تمہارے سامنے ہوں۔ زندہ..... ابھی مری نہیں۔''

''اللہ سائیں سلامت رکھے۔ ایسے کیوں کہا تم نے۔ بے وقوف لڑکی جب کوئی حال پوچھتا ہے تو کہتے ہیں الحمدللہ میں ٹھیک ہوں۔'' وہ فوراً ٹوک گیا۔

''مسٹر سجاول جلبانی! پہلی بات نوٹ فرمائیں۔ جس مرک سے آپ ملنے آئے ہیں۔ وہ اب یہاں کہیں نہیں ہے۔ اور دوسری بات مجھے کسی کا اتنا بے تکلف ہونا قطعاً پسند نہیں۔''

اس نے تو سنجیدگی سے ہی کہا تھا۔ ادھر الٹا اثر ہوا۔ وہ بے ساختہ ہنس دیا۔ اس کی ہنسی سے جیسے ساری کائنات بھر گئی تھی۔ خوبرو چہرہ کچھ اور روشن ہوا تھا۔ اس نے ارادتاً نظر پھیر لی۔

''اللہ..... اللہ..... وہی تنتنا۔ وہی غصہ۔ وہی نخرے۔ میں نے تو سنا ہے، گزرے برسوں میں خوب پڑھائیاں شڑھائیاں کر کے استانی بھرتی ہوگئی ہو۔ مگر لگتا ہے کچھ نہیں بگاڑا اس پڑھائی نے بھی تمہارا۔ مزاج تو آج بھی وہی ہے۔ ذرا نہیں بدلا۔ ہاں حلیہ بہت خوب ہوگیا ہے تمہارا۔ دیکھنے میں بڑی سمجھ دار لگ رہی ہو۔ شکل بھی پہلے کے مقابلے میں تھوڑی بہتر ہوگئی ہے۔ اور تمہارے بال تو کمال۔ پتا ہے اس دن دیکھتے ہی میرا دل کیا چاہا۔''

اور وہ اس سے زیادہ نہیں سن سکتی تھی۔ لب بھینچتے قدم اندر کو موڑنا چاہے تھے کہ سجاول نے لپک کر ہاتھ تھام لیا۔

''تمہاری ناراضی سر آنکھوں پر۔ سب گلے شکوے پورے دھیان سے سنوں گا۔ مگر پھر کسی وقت۔ ابھی صرف میری خاطر بس کر دو یہ غصہ۔ دیکھو، میں آگیا ہوں نا واپس۔ اب.....'' اس نے ایک جھٹکے سے ہاتھ کھینچا۔

''تمہاری اس واپسی پر کیا اب جشن مناؤں؟ آگئے ہو تو سیو واٹ؟ ناراض ان سے ہوا جاتا ہے۔ جن سے کوئی تعلق، کوئی واسطہ ہو۔ اور گلے شکوے بھی وہاں کیے جاتے ہیں جن پر مان ہوتا ہے۔ جبکہ تم.....'' وہ کچھ کہتے کہتے ایک بار پھر لب بھینچ گئی۔

''ہاں بولو۔ رک کیوں گئیں۔ جو کہنا چاہتی ہو ایک بار کہہ کر دل کی بھڑاس نکال لو۔ جانتا ہوں بہت غصہ ہے تمہیں۔ جب تک جی بھر کے چیخ چلا نہیں لو گی تمہیں چین کہاں آئے گا۔ آخر اتنے سالوں کا غبار ہے۔ کچھ کم تو نہیں۔ اچھا چلو شاباش۔ کیری آن۔ کیا جبکہ میں.....''

سجاول نے سینے پر بازو لپیٹے۔ گویا فرصت سے سننے کا ارادہ ہو۔ دلچسپی سے اس کا لال بھبھوکا چہرہ نظر بھر کر دیکھا۔

''میں حیران ہوں۔ اتنا کچھ کرنے کے بعد تم کتنی ڈھٹائی سے میرے سامنے آکر کھڑے ہوگئے ہو۔ شرم تو تمہیں ذرا سی بھی نہیں آتی۔''

''آئی تھی نا! یار تب ہی تو سب چھوڑ چھاڑ کے چلا آیا۔'' اس نے ایک بار پھر ہاتھ تھامنا چاہا تھا کہ وہ پیچھے ہٹتی ایک تنفر بھری نگاہ سے نواز کر تیز تیز قدموں سے اندر بڑھ گئی۔

TAGPK.COM

"مرک..... مرک..... میری بات تو سنو۔ یہ کیا حرکت ہے۔ کیوں کر رہی ہو میرے ساتھ ایسا۔ آخر کب تک۔" وہ اس کے پیچھے لپکا تھا کہ لابی کے سرے پر شہلا کو کھڑے دیکھ کر وہیں رک گیا۔ وہ کمان سے نکلے تیر کی طرح اس کے پاس سے گزرتی چلی گئی۔

"میں نے کہا تھا کچھ دیر بیٹھ کر انتظار کر لو۔ مگر تمہیں ہی جلدی تھی۔ ابھی وہ کالج سے آئی ہے تھکی ہوئی ہوگی۔ اس لیے تمہاری بات نہیں سنی۔ ویسے بھی وہ فریش موڈ میں بھی ہو تو کون سا کسی کی سن لیتی ہے۔ بڑا مزاج ہے اس کا۔ سب نے ہی لاڈ کر کر کے سر پر چڑھا رکھا ہے۔ ویسے ایک بات بتاؤ سجاول! تم نے اب اس سے کہنا کیا ہے۔ تمہارا اور اس کا رشتہ تو تب ہی ختم۔"

اور اس وقت وہ نہ کسی کی سننا چاہتا تھا اور نہ کسی کو کچھ کہنا۔ وہ واپس پلٹ گیا۔ شہلا بھی کندھے جھٹکتی اندر کو مڑ گئی۔

وہ گیٹ سے نکل رہا تھا جب مکرم کی گاڑی آن رکی۔ اس نے آواز بھی دی تھی۔ لیکن وہ ان سنی کرتا چلتا جا رہا تھا۔ آنکھوں کے آگے دھند کی ایک چادر گہری ہونے لگی۔ اسے لگ رہا تھا ہر طرف دھواں ہی دھواں پھیل رہا ہے۔ سانس لینا مشکل تھا۔ اس کا دم گھٹ رہا تھا۔

مکرم گاڑی سے نکل کر اس کے پیچھے آیا تھا شانے پر ہاتھ رکھ کر رخ اپنی طرف پھیر لیا۔

☆☆☆

یہ دادا سائیں کا بیڈ روم تھا۔ وہی فرش پر بچھا ایرانی قالین۔ شیشم کی لکڑی کا بڑا سا پلنگ۔ ساتھ ہی رکھے سائڈ ٹیبل پر بھی ان کی کتابیں، ٹوپی، رومال، تسبیح اور اکثر دوائیں پڑی ہوتی تھیں۔ پہلے یہاں رنگین پایوں والی چار کرسیاں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن اب ان کی جگہ لیدر کا قیمتی صوفہ رکھا تھا۔ بائیں دیوار کے ساتھ بڑی سی الماری اب بھی تھی۔ جن میں ترتیب سے تہہ لگے ان کے کپڑے ہوا کرتے تھے۔ بے اختیار جی چاہا۔ الماری کھول کر دیکھے۔ ان کپڑوں میں آج بھی ان کی خوشبو ہوگی۔ اور کیا ایک دراز میں وہ ڈبہ بھی ہے۔ جو اکثر ٹافیوں اور خشک میوہ جات سے بھرا رہتا تھا۔ جب رات میں ان سے کہانی سنتے تو وہ بچوں کی ذہانت کا امتحان لینے کو گزشتہ کہانی میں سے کچھ سوال پوچھا کرتے تھے۔ جو درست جواب دیتا اسے انعام کی صورت بادام، اخروٹ، مکھن والی ٹافی اور کاجو ملا کرتے تھے۔

آہ۔ وہ دن..... آج کتنے سالوں بعد وہ ادھر آئی تھی۔ یہاں کے تو ایک ایک کونے میں ہزاروں یادیں چھپی تھیں۔ وہ کس کس سے منہ موڑتی اور کس کس سے آنکھ ملاتی۔ اس کی پلکیں بھیگ رہی تھیں۔

اس پر تایا جلال کی حالت۔ وہ شدید بیماری کی وجہ سے معذور ہو چکے تھے۔ پہلے تو طبیعت اتنی خراب تھی کہ بولنے کے قابل بھی نہیں رہے تھے۔ وہ تو بہتر علاج، مسلسل فزیوتھراپی اور پھر سجاول کے آنے سے اتنا ہوا کہ اب وہ تھوڑا بہت بولنے لگے تھے۔ سب ان سے ملنے آتے رہتے تھے۔ بس اک وہی نہیں آ پائی تھی۔

آج ادا مکرم خود اسے لے کر آئے تھے کہ تایا جلال اسے بہت یاد کرتے ہیں۔ وہ ایک بار تو ان سے مل لے۔

وہ بہت پیار سے اسے دیکھ رہے تھے۔ آنکھیں ان کی بھی بھیگی ہوئی تھیں۔ انہیں بھی بہت سے گزرے لمحے یاد آ رہے تھے۔ جن کے پھیروں میں الجھ کر وہ اپنی ہی انگلیوں سے ایسی سخت گرہیں لگا بیٹھے تھے۔ جنہیں اب کھولنے میں دشواری پیش آ رہی تھی۔ انسان نادان ہے۔ تھوڑے سے سامان کے لیے کتنے نقصان سمیٹ لیتا ہے۔ کاش وہ پہلے جان سکتے۔

سب سے زیادہ سجاول کے قصوار تھے۔ وہ مہر بہ لب ان کی خدمت کیے جاتا۔ کوئی شکوہ کوئی گلہ نہیں۔ وہ ایک حرف شکایت زبان تک نہیں لایا تھا۔ اور انہیں اس کی یہی بات مار رہی تھی۔ وہ بستر پر ضرور تھے مگر ابھی اتنے بھی لاچار نہیں تھے کہ اس کے لیے کچھ کر نہ پاتے۔ انہوں نے اسے بلا بھیجا تھا۔ جو ان کے لاڈلے شہزادے کے ہر درد کی دوا تھی۔ اور اب اس کا ہاتھ اپنے

TAGPK.COM

بوڑھے ہاتھوں میں لیے پیار سے تھپک رہے تھے۔

''جیتی رہو میری بچی! تم اندازہ نہیں کر سکتیں تمہیں اس کمرے میں دیکھ کر کتنی خوشی ہو رہی ہے۔ مجھے ایسا لگ رہا ہے کہ جیسے بابا سائیں ان کواڑوں کے پیچھے سے تمہیں دیکھ رہے ہیں۔ ضرور وہ بھی بہت خوش ہوں گے اور میری خطائیں معاف کر دیں گے۔ انسان ہوں نا بھول ہو گئی۔ تم بھی اپنا دل صاف کر لو۔ بخش دو ہماری خطائیں۔'' وہ کپکپاتی آواز میں رک رک کر بول رہے تھے۔

یہ سونا پن دیکھ کر دل چاہتا ہے میں اپنے سجاول کو گھوٹ (دولہا) بنا ہوا دیکھوں۔ اس کا گھر آباد کر دوں۔ اس کی خوشیاں دیکھنے کی تمنا ہے اب بس۔ بابا سائیں اپنے جیتے جی اس کی زندگی کا فیصلہ کر گئے تھے۔ میں ٹھیک ہوتا تو خود چل کر جاتا اپنے چھوٹے بھائی کے پاس۔ اور ہاتھ جوڑ کر اس سے اپنی امانت مانگتا۔ مگر اب مجبور ہوں۔ مکرم پٹ (بیٹا) تم لطیف کو میرا پیغام دے دینا اور اس کو کہنا کہ کوئی جلدی کی تاریخ دے دے۔ میں اپنی آخری سانس سے پہلے یہ فرض ادا کرنا چاہتا ہوں۔ میری زندگی تو اب چراغ سحری ہے۔ کیا پتا کب بجھ جائے۔''

''اللہ نہ کرے تایا سائیں۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ اللہ پاک آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ آپ ہمارے بچوں کی بھی خوشیاں دیکھیں گے۔ اور فکر نہ کریں، میں جاتے ہی آپ کا پیغام بابا سائیں کو دے دوں گا۔ بس آپ اپنا خیال رکھیں۔''

مکرم نے ان کے پاؤں دباتے تابع داری اور محبت سے کہا۔ وہ اس کی بات پر افسردگی سے مسکرا دیے۔ جبکہ وہ جو تایا جلال کی بات پر پوری طرح حیران بھی نہ ہو پائی تھی کہ اس کے منہ سے نکلے الفاظ پر تو دنگ رہ گئی۔ گردن موڑ کر متحیر نظروں سے اپنے اس بھائی کا چہرہ دیکھا تھا۔ کیا وہ سب بھول گیا تھا۔ وہ تو جلبانی حویلی کے اس حصے کے کسی فرد کا نام سننا گوارا نہیں کرتا تھا۔ اسی نے کہا تھا۔ اب ہمارا اس خاندان سے کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ بیٹیاں تو باپ اور بھائیوں کی عزتوں کی امین ہوتی ہیں۔ اس سے وہاں بیٹھا ہی نہ گیا۔ آنسو سمیٹتی اٹھ کر کمرے سے نکل آئی۔ سجاول ابھی شہر سے لوٹا تھا۔ بابا کی دوائیں اور کچھ ضروری سامان لینا تھا۔ ڈھیر سارے شاپنگ بیگز اس کے ہاتھوں میں تھے۔ اسے اچانک بابا کے کمرے سے نکلتے دیکھ کر خوش گوار حیرت نے آن گھیرا۔ پیلے، نیلے امتزاج کے لباس میں ستا چہرہ لیے وہ دل میں اتر جانے کی حد تک حسین لگ رہی تھی۔ سحر طراز آنکھوں میں پانی کے ساتھ گھلی سرخی انہیں کچھ اور دل نشین بنا رہی تھی۔ ہتھیلی سے رخسار پونچھتی وہ اپنے دھیان میں چلتی آ رہی تھی۔ سجاول نے جھٹ سب چیزیں صحن میں بچھی چارپائی پر ڈھیر کیں۔ اور اس کی طرف آیا۔

''واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز۔ محترمہ مرک جلبانی اور یہاں؟ بائے دا وے مجھ سے تو بات کرنا گوارہ نہیں۔ تو پھر میرے گھر کیا لینے آئی ہو۔ ہاں۔ بولو.....''

انداز میں ایک سرخوشی نمایاں تھی۔ لاکھ چاہنے کے باوجود اسے چڑانے سے خود کو باز نہیں رکھ پایا۔

''ویری اسمارٹ۔ تم تو بہت چالاک نکلے۔ اچھی پلاننگ کی ہے۔ آئی ایم امپریسڈ۔'' اور جتنا وہ محبت سے بول رہا تھا۔ اس نے لب کھولے تو اتنا ہی کرختگی سے کہہ گئی۔ وہ حیران ہوا تھا مگر انداز کی بشاشت برقرار رہی۔

''میں صرف اسمارٹ ہی نہیں بلکہ ڈیشنگ، ہینڈسم، اینڈ ویری چارمنگ بھی ہوں۔ مگر تم کہاں مانو گی۔ سدا کی جل ککڑی ہو۔ میری تعریف پہلے بھی ہضم نہیں ہوتی تھی تمہیں۔ اور یہ چالاک کس کو کہا۔ سب کو اپنے جیسا سمجھ رکھا ہے تم نے۔ اور حد تو دیکھو اوپر سے پلاننگ کا الزام بھی۔ ویسے ان سب باتوں سے مطلب کیا ہے تمہارا۔''

''بہت خوش فہم ہو گئے ہو۔ تمہارے سب لچھن جانتی ہوں میں۔ اور ایسا تو ہو نہیں سکتا مسٹر سجاول جلبانی کہ تم کچھ جانتے نہ ہو۔ جب میں نے تمہاری کوئی بکواس نہیں سنی تو تم ڈائریکٹ تایا سائیں کو درمیان میں لے آئے۔

TAGPK.COM

اب اموشنلی بلیک میل کرو گے مجھے اور میرے خاندان کو۔ یاد رکھو میں اب تمہارے جھانسے میں آنے والی نہیں۔ پہلے تم نے کم ستم کیے ہیں جواب رہی سہی کسر بھی پوری کرنا چاہتے ہو۔ اگر تم کسی کو اپنے کرتوت بتانے کی ہمت نہیں رکھتے تو میں بتا دیتی ہوں۔ تم اتنے انوسنٹ ہو نہیں جتنے بن رہے ہو۔ اور یہ مت سمجھنا کہ میں کچھ جانتی نہیں۔ مجھے سب پتا چل چکا ہے۔ تم وہاں جو کر کے آئے ہو۔"

"دیٹس گریٹ۔ اگر تمہیں پتا چل چکا ہے تو یہ اور بھی اچھی بات ہے۔ میں خود تمہیں ہر بات بتانا چاہ رہا تھا۔ مگر تم دو گھڑی میرے پاس بیٹھو تو سہی۔ تم تو پتا نہیں کب کب کا غصہ جمع کیے ہوئے ہو۔ اب بھی کس لہجے میں بول رہی ہو۔ میں بھلا کیوں بلیک میل کروں گا۔ مجھے تو یہ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ تم اتنا اوور ری ایکٹ کیوں کر رہی ہو۔

تم نے تکلیفیں اٹھائی ہیں تو درد میں نے بھی سہے ہیں۔ ہم دور ضرور ہوئے تھے مگر اک دوجے سے الگ تو نہیں۔ تم صرف اپنے بارے میں کیوں سوچ رہی ہو۔ میری طرف کیوں نہیں دیکھ رہیں۔ تمہیں میرا احساس کیوں نہیں ہو رہا۔ واٹس رونگ ود یو مرک۔ کیوں کر رہی ہو ایسا۔"

سارے زمانے کی تھکن لہجے میں سمٹ آئی۔

"واہ۔ چہ خوب۔ میں غلط کر رہی ہوں وہ بھی تمہارے ساتھ۔" اس نے داد دینے کو تالی بجائی۔ پھر اس کی الجھن بھری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"وقت ملے تو اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا اور خود سے پوچھنا۔ تم کیوں یہ سب کر رہے ہو۔ میرے اور اس پورے خاندان کے ساتھ۔ میں نے پہلے ہی بتایا میں اب وہ بے وقوف سی مرک جلبانی نہیں ہوں۔ جو تمہارے جھوٹ کو بھی سچ مان کے جیا کرتی تھی۔ اب مجھے جھوٹ اور سچ کے درمیان فرق کرنا آ گیا ہے۔ تم اپنی زندگی کے فیصلے کر چکے ہو۔ اب مجھے پورا حق ہے کہ میں اپنے لیے خود فیصلہ کروں۔ اور میرے ان فیصلوں میں کم از کم تم کہیں نہیں آتے۔ تایا سائیں کو بتا دینا جو وہ چاہ رہے ہیں۔ اب وہ نہیں ہو سکتا۔" مرک نے انتہائی بے دردی سے اس کے حواسوں پر بجلی گرائی تھی۔

وہ تو اس کے سخت الفاظ اور لب و لہجے کی رعونت پر ہی پتھر ہو گیا تھا۔ جب چوٹ ذرا ٹھنڈی ہوئی اور اس کی شدت کا احساس جاگا۔ تو مارے غم و غصے کے اس کے پیچھے لپکا تھا۔ مگر وہ جا چکی تھی۔ وہ ہتھیلی کا مکا مار کر رہ گیا۔

☆☆☆

"بابا سائیں تمہیں بلا رہے ہیں۔ جا کر ان کی بات سنو۔" ثوبیہ نے جس انداز سے آنکھیں مٹکاتے اسے چائے کی ٹرے دے کر کہا تھا۔ ٹھٹک تو وہ تب ہی گئی تھی۔ اس دن تایا جلال نے جو پیغام ادا مکرم کے ہاتھ بھیجا تھا۔ ضرور وہ ان تک پہنچ چکا ہے اور اس کا یہ اندازہ غلط نہیں تھا۔ اماں اسے دیکھتے ہی چمک کر بولیں۔

"لیں آ گئی ہے آپ کی شہزادی۔ پوچھ لیں اس سے مجھے نہیں لگتا اب یہ راضی ہو گی۔ پہلے کم زیادتیاں کی ہیں ان لوگوں نے ہمارے ساتھ۔ کہ آپ ساری زندگی کا طوق بھی اس کے گلے میں ڈالنا چاہتے ہیں۔ میں تو کہتی ہوں صفا چٹ انکار۔"

"تم چپ کرو گی رخسانہ بی بی۔ کیا مجھے اجازت ہے کہ میں اپنی بیٹی سے بات کر سکوں؟" لطیف جلبانی ان کی باتوں پر اکتا کر ٹوک گئے۔

"ہاں۔ ہاں کر لیں بات۔ اسی لیے تو بلایا ہے اسے۔ پر میں بتا رہی یہ اب کوئی بچی نہیں رہی۔ نا کوئی ان پڑھ گنوار گوٹھانی ہے۔ جس کا سنگ آپ جہاں چاہیں منہ اٹھا کر دیں۔ اب یہ پڑھی لکھی اور سمجھ دار ہے۔ اپنا اچھا برا جانتی ہے۔ اس کو بھی حق ہے اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کا۔ اور میں ماں ہوں جانتی ہوں اپنی اولاد کو۔ اب یہ ایسا کوئی بیوقوفانہ فیصلہ نہیں مانے گی۔" اور ان کے اس اعتماد پر انہوں نے کڑے تیوروں سے گھورا۔

"بہتر ہو گا کہ تم یہاں سے چلی جاؤ۔ مجھے

TAGPK.COM

اکیلے میں بات کرنے دو اپنی بیٹی سے۔"

"بے شک کر لیں۔ مگر میں آپ کو اس کی زندگی خراب نہیں کرنے دوں گی۔ ایک ہی بیٹی ہے میری۔ اسے بھی ان لوگوں میں بھیج دوں۔ جو پہلے ہی بری طرح ہمارا اعتبار توڑ چکے ہیں۔ کیا کیا نقصان نہیں پہنچائے ہمیں۔ آپ بھول گئے۔"

"مجھے سب یاد ہے۔ میں کچھ نہیں بھولا۔ لیکن تم شاید بھول رہی ہو کہ جن باتوں کے پیچھے تم اتنا غصہ کر رہی ہو ان کا حساب تو میرا اللہ کر چکا ہے۔ ادا جلال نے جس فلور مل کے پیچھے مجھ سے دغا کیا تھا۔ وہ تو کب سے خسارے میں ہے۔ اور انہوں نے جو زمین کلر والی اور بے کار سمجھ کر بدلے میں مجھے دی تھی۔ اللہ کے کرم سے وہی زمین موٹروے کے راستے میں آنے کی وجہ مجھ سے کروڑوں میں خرید لی گئی۔ اور انہی پیسوں سے تمہارے بچوں کو نئے کاروبار مل گئے۔ جو اللہ کے فضل سے دن رات پھل پھول رہے ہیں۔ اور اس میں یقینی طور پر ہمارے بچوں کی دیانت اور محنت کا بڑا ہاتھ ہے۔ کیونکہ ہم نے ان کی تربیت ہی اسی اصول پر کی تھی۔

دوسری طرف جمال اور پیرل اسی دولت کے پیچھے لڑتے رہے۔ جو ان کے باپ نے بے ایمانی سے بچائی تھی۔ اور آخر کار ایک دن تنگ آ کر پیرل یہ حویلی ہی چھوڑ گیا۔ سجاول تو بہت پہلے ہی ان کے غلط فیصلوں کی وجہ سے انہیں چھوڑ کر جا چکا تھا۔ اور یہی صدمے ادا جلال کو اس حال تک لے آئے جو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہو۔

اب اور کیا چاہتی ہو۔ اتنا کچھ تمہاری آنکھوں کو اس رب رحیم نے دکھا دیا۔ اور پھر بھی تم اس کی حکمتوں کو سمجھنے سے قاصر ہو تو میں تمہاری بے عقلی پر ماتم کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا۔ اور جس فیصلے پر تم اس قدر کاوڑ (غصہ) کھا رہی ہو۔ وہ میں کر ہی نہیں رہا۔ بلکہ یہ تو سالوں پہلے بابا سائیں اپنی خوشی سے کر گئے تھے۔

اس فیصلے سے میں تو نہیں مکر سکتا۔ اور مجھے پورا یقین ہے کہ میری بیٹی بھی انکار نہیں کرے گی۔ کیوں مرک بیٹا۔ تم کر سکتی ہو انکار؟ اس دادا کے فیصلے سے جن کی محبت پر تمہیں کبھی شک نہیں رہا؟"

انہوں نے سوال ہی ایسا کیا تھا کہ اس کے سارے جواب گونگے ہو گئے۔ وہ اس پر تو کچھ کہہ ہی نہیں سکتی تھی۔ دادا سائیں نے تو ضرور اس کے لیے اچھا ہی سوچا ہو گا مگر..... ہاں لیکن ایک دوسری "وجہ" ہے نا۔ جس کی بنا پر وہ ان تک اپنا موقف پہنچا سکتی تھی۔ اور اماں بھی تو اس کے ساتھ ہیں۔

اسی خیال نے حوصلہ بخشا تھا۔ وہ لفظ ترتیب دے رہی تھی اور ادھر لطیف جلبانی اس کے جھکے سر کو دیکھتے مسرور ہوئے تھے۔ اس کی چپ کو اس کی مرضی جانتے ہوئے فخر اور اعتماد سے پر نظر اپنی زوجہ پر ڈالی۔

"دیکھا میں نے کہا تھا نا۔ میری بیٹی ان لڑکیوں میں سے نہیں جو چار کتابیں پڑھ کر ماں باپ کے منہ کو آتی ہیں۔ یہ میری سمجھ دار اور تابعدار بیٹی ہے۔ جانتی ہے برسوں پہلے دادا سائیں نے جو فیصلہ کیا تھا۔ وہی اس کے حق میں بہتر ہے۔ سجاول ہے تو ادا جلال کا بیٹا مگر ان کی باقی اولاد کی نسبت سلجھا ہوا اور سمجھ دار نوجوان ہے۔ مجھے اس پر پورا بھروسہ ہے۔ وہ ہماری مرک کو بہت خوش رکھے گا۔

تم خواہ مخواہ شور مچا کر ہماری خوشی کو کرکرا مت کرو۔ میں ادا جلال کو اس جمعے کی تاریخ دے آیا ہوں۔ سادگی سے نکاح ہو گا۔ کیونکہ سجاول کی بھی یہی مرضی ہے۔ ہاں باقی ہلا گلہ ولیمے پر ہو جائے گا۔ تم کل مرک کو شہر لے جاؤ اور جو ضروری شاپنگ....."

"لل..... لیکن بابا سائیں وو..... وہ....." اس کے تو حواس مختل ہوئے تھے۔ یہ کیا کر آئے تھے وہ۔ ہمت مجتمع کر کے زبان کھولی تھی کہ ان کا فون بج اٹھا۔

"اڑے منجھا پٹ (میرا بچہ) گھبرائی کیوں ہو۔ ابھی چار دن پڑے ہیں جمعہ آنے میں۔ تم کل مکرم کے ساتھ شہر جا کر اپنی پسند سے چند ایک ضروری چیزیں لے لو۔ باقی سامان شادی کے بعد بھی لیا جا سکتا ہے۔ ویسے تو سجاول نے منع کر دیا ہے کہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن تم میری اکلوتی بیٹی ہو۔ اللہ نے

TAGPK.COM

چاہا تو پوری شان سے رخصت کریں گے تمہیں۔"
انہوں نے اس کا سر تھپتھپا کر فون کان سے لگا لیا۔ بات کرتے کرتے اٹھ کر چلے گئے۔

اماں سر پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھیں۔ اور اس کا تو دل ہی بیٹھنے لگا۔ یہ کیا کر ڈالا تھا انہوں نے۔ وہ کیسے ایک دھوکے باز کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دے سکتے ہیں۔ جبکہ سب ہی جانتے ہیں وہ وہاں شادی کر چکا ہے۔ اور پھر بھی..... کیا انہیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ کیا انہوں نے اس بے ایمان سے کوئی سوال نہیں کیا؟ وہ کیسے اتنی آسانی سے اس کا ہاتھ اسے تھما سکتے ہیں۔

اسے رونا آ رہا تھا۔ جب انہوں نے اماں کی ایک نہیں سنی تھی تو اس کی بھلا کون سنے گا۔ اور یہ وہ سوالیہ نشان تھا جو لٹو کی مانند اس کے چہار اطراف گھومتا ہی جا رہا تھا۔

☆☆☆

اس نے کئی دن بعد دادا سائیں کو خواب میں دیکھا تھا۔ صاف ستھرے سفید لباس میں مطمئن اور ایک آسودہ مسکان ان کے چہرے پر تھی۔ وہ اسے دیکھ رہے تھے اسی پیار بھرے انداز سے۔ اور اسے تو ان سے بہت کچھ کہنا تھا بہت سی باتیں کرنا تھیں مگر آنکھ کھل گئی۔ بس پھر اسے ساری رات نیند نہیں آئی۔ بے چینی سی لگی تھی۔ کوئی اور تو اس کی سننے پر آمادہ ہی نہیں تھا۔

اس نے تو کئی بار صاف الفاظ میں اس دھوکے باز کو انکار کیا تھا۔ مگر پھر بھی نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ لیکن بابا کو کن الفاظ میں سمجھائے۔ یہ خود اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اب ایک امید جاگی تھی شاید کہ دادا سائیں ہی میرا دکھ جان لیں۔ اور یہی خیال ان تک لے آیا تھا۔

نماز فجر کی ادائیگی کے بعد وہ ماسی شریفاں کو ساتھ لیے شہر خموشاں چلی آئی تھی۔ جہاں اس پل درختوں کی شاخوں پر جھولتے پرندوں کی سریلی چہکاروں نے ایک سماں باندھ رکھا تھا۔ ان کی میٹھی بولیوں میں رب کی وہ حمد وثنا تھی جو روح تک کو سرشار کیے دے رہی تھی۔ لبوں پر بے اختیار کلمہ طیبہ جاری ہوا تھا۔

دھیمے قدموں سے چلتی وہ ان کی قبر سے کچھ ہی فاصلے پر تھی۔ جب سفید لباس میں کاندھوں پر سرخ اجرک ڈالے، سر پر سندھی ٹوپی جمائے اس فرشتہ صورت کو دیکھا جس کا بھیانک باطن اس سے قطعاً مخفی نہیں تھا۔ جی میں تو آئی تھی۔ ان ہی قدموں پر واپس پلٹ جائے۔ مگر پھر اگلا خیال روک گیا۔ اچھا ہے آج دادا سائیں کے سامنے ہی اس سے دو دو ہاتھ کر لیے جائیں۔ انہیں بھی تو پتا چلے ان کا پیارا پوتا اندر سے کتنا بدصورت ہے۔

اور مٹی کی ڈھیری کو پانی ڈال ڈال کر ہاتھوں سے برابر کرتے سجاول نے آہٹ پر سر اٹھایا تھا۔ اسے دیکھ کر آنکھیں صبح کے ستارے سی چمک اٹھیں۔ وہ یوں پاس جا کھڑی ہوئی۔ گویا دیکھا ہی نہیں۔ دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔ اس کا کام بھی تقریباً ہو چکا تھا۔ پانی سے اچھی طرح ہاتھ دھو کر وہ بھی شامل دعا ہو گیا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ بند پلکوں سے موتی ٹوٹ کر ریشمی رخساروں تک پھسل آئے۔ جی تو چاہ رہا تھا چیخ چیخ کر حال دل سنائے۔ تاکہ اوروں کی خوش فہمیاں بھی دور ہو سکیں۔ مگر خود پر ضبط کرنا پڑا۔ ادھر وہ موتیوں کو گرتے دیکھ کر بے تابی سے کہہ اٹھا۔

"اونہوں۔ رو کیوں رہی ہو۔ اڑے چڑی کتنے اذیت رساں لمحوں کے بعد ہمیں سکھ ملا ہے۔ اور ایسے وقت میں تو اللہ سائیں کا ڈھیروں شکر ادا کرتے ہیں۔ دیکھو تو دادا سائیں بھی کتنے خوش ہوں گے آج۔ سالوں پہلے کیا گیا ان کا فیصلہ پورا ہونے جا رہا ہے۔ اور....."

"اور جیسے دادا سائیں کو اس وقت تو کوئی غم نہیں ہوا ہوگا۔ جب تم نے ان کے سالوں پہلے کے فیصلے کو ٹھوکر ماری ہو گی۔" ہتھیلی سے بھیگے رخسار صاف کرتے وہ چڑ کر بول ہی اٹھی۔

"خدانخواستہ۔ میں کیوں مارنے لگا ان کے فیصلے کو ٹھوکر۔ کیا تمہیں نہیں پتا۔ ان کا وہ فیصلہ ہمیشہ سے مجھے کتنا پیارا ہے۔ اسی کی بقا کے لیے تو سالوں کی دوری بھی سہی۔ میں نہیں چاہتا تھا تمہارے سامنے اس حال

TAGPK.COM

میں آؤں کہ میرے کاندھوں پر نا کردہ گناہوں۔"

"تم اب بھی آئے ہی کیوں ہو؟ اتنے سالوں میں میرا صبر آزما کر چین نہیں آیا تمہیں۔ جواب ایک نئی مشکل لے آئے ہو میرے لیے۔ میں نے تو سوچ لیا تھا۔ تم میرا نصیب تھے ہی نہیں۔ جہاں دادا سائیں چلے گئے۔ وہیں ان کی خواہش بھی گئی۔ سمجھا لیا تھا خود کو۔ کہ تم جس کے تھے اس کے ہو چکے۔ تم نے وہاں شادی کر لی۔ اب میرا اور تمہارا کوئی واسطہ نہیں....."

"ایک منٹ۔ ایک منٹ۔ کیا کہا تم نے؟ میں نے وہاں شادی کر لی۔ میں نے؟ اوہ گاڈ..... یہ..... یہ کس نے کہا تم سے۔" وہ بے حد حیرانی سے اس کی بات قطع کرتا گویا ہوا تھا۔

اور وہ کیسے بھول جاتی وہ منحوس لمحے جب یہ دل دوز خبر سنی تھی۔ اس دن سے زندگی اجیرن تھی۔ پہلے تو پھر بھی کوئی آس باقی تھی۔ لیکن یہ سننے کے بعد تو دل ہی مر گیا تھا۔ اس نے روتے روتے اس دن کا احوال سنا دیا۔ وہ ہولے ہولے ایک ہاتھ سر پر مار رہا تھا۔

خشک حلق تر کرتے اس نے چہرہ اٹھایا تھا۔ اس سے نظر ملی۔ اور وہ یک ٹک دیکھتا چلا گیا۔ مرک کی رہی سہی امید بھی دم توڑ گئی۔ شاید اندر کہیں اک آس سانس لے رہی تھی۔ وہ کہے گا۔

"نہیں میری مرک۔ یہ سب جھوٹ ہے۔ ایسا تو کچھ بھی نہیں۔ میں صرف تمہارا ہوں۔" مگر کچھ آرزوئیں بہت کم عمر لے کر آتی ہیں۔

"اوہ اب سمجھا۔ تمہارے غصے اور لڑائیوں کے پیچھے یہ وجہ تھی۔ خیر میں تمہیں کوئی بھی وضاحت نہیں دوں گا۔ کیونکہ مجھ سے بدگمان ہونے سے پہلے اچھا ہوتا تم خود پر بھی اک نظر ڈال لیتیں۔ دادا سائیں کے فیصلے کو ٹھوکر تو تم نے ماری تھی۔ جب کسی اور کے نام سے اپنا نام جوڑنے چلی تھیں۔ تب کوئی درد نہیں اٹھا تھا۔ کوئی اذیت محسوس نہیں ہوئی ہوگی تمہیں۔ ذرا بھی نہیں سوچا ہوگا کہ مجھ پر کیا بیتے گی۔" وہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کے مصداق سوالیہ ہوا تھا۔

"میں نے کسی اور سے شادی کی تو نہیں۔ وہ تو اماں کی خواہش تھی۔ اور پھر مجھ سے پوچھا ہی کس نے تھا۔ جیسے اب نہیں پوچھا گیا۔ تب بھی میرے ماں باپ نے اپنی مرضی کرنا چاہی تھی۔ وہ تو میری ہی نیت نہیں تھی۔ جو بات بنتے بنتے ٹوٹ گئی۔ اور پھر تم نے سوچا تھا اپنی دنیا بساتے جو میں کچھ سوچتی۔" اس کے پاس ہر سوال کا جواب تھا۔ لیکن شاید اس کے پاس نہیں۔ تب ہی تو ٹال گیا۔

"خیر اب بات کچھ یوں ہے کہ یہ قصہ بہت طویل ہے۔ یہاں کھڑے کھڑے میں تمہیں کسی بھی طرح کی وضاحت نہیں دے سکتا۔ ابھی تم گھر چلو۔ پھر ملتے ہیں۔" وہ پیشانی مسلتا دھیمے سروں میں بولا تھا۔ اور اس کے یوں صاف طرح دے جانے پر اس کا غصہ گرما کی دھوپ کے جیسے کچھ اور چمکا تھا۔ تڑخ کر کہا۔

"میں تم سے اب ملنا تو دور۔ ساری عمر تمہاری شکل نہیں دیکھنا چاہتی۔ میں دادا سائیں کو یہی بتانے آئی تھی۔ مجھے ان کا یہ فیصلہ نامنظور ہے۔ نہیں کروں گی میں تم سے شادی۔"

"لیکن اب تو تاریخ بھی طے ہو چکی۔ سارے خاندان کو دعوت نامہ بھی بھیج دیا گیا۔ حویلی کے حالات بھی بہتر ہو چکے۔ اب تو کوئی رکاوٹ نہیں۔ تو پھر تمہیں کیا مسئلہ ہے۔"

"آئی ڈونٹ کیئر۔ میرا کسی بات سے لینا دینا نہیں۔ اور تم مجھے کیا وضاحت دو گے۔ مجھے اب تم سے کسی بھی قسم کی وضاحتیں درکار نہیں۔ اور کیا سمجھتے ہو۔ میں ایک ناسمجھ اور بے وقوف لڑکی ہوں۔ جسے محبت کا جھانسا دے کر ایک بار پھر رجھا لو گے۔" وہ حلق پھاڑ کر چلائی۔ سجاول نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا۔ اور دبے لہجے میں تنبیہہ کی۔

"آہستہ آواز میں بولو۔ کیوں سب کے آرام میں خلل ڈال رہی ہو۔ ہر جگہ کے کچھ اصول و قوانین ہوتے ہیں۔"

"اپنے اقوال اپنے تک ہی رکھو۔ مجھے مت پڑھاؤ یہ بے کار کے بھاشن۔ ہر رشتے کے بھی کچھ ضابطے و قاعدے ہوتے ہیں۔ تم نے وہ نبھائے؟

TAGPK.COM

مجھے نصیحت کرنے سے پہلے جا کر ایک بار آئینے میں اپنی یہ مکروہ شکل دیکھ لو۔"

"خیر اب تم زیادتی پر زیادتی کیے جا رہی ہو۔ شکل تو اچھی خاصی پاک صاف ہے میری۔ نہیں یقین تو اپنی آنکھوں میں دیکھ لو۔ اس وقت میرا ہی عکس ہے ان میں۔" وہ دیدے پھاڑے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔ وہ چہرے سے نادیدہ گرد جھاڑتے اطمینان سے گویا ہوا۔

"تم جیسا ڈھیٹ میں نے آج تک نہیں دیکھا۔" وہ زچ ہوتی یہی کہہ سکی۔

"اور ان شاء اللہ۔ کبھی دیکھو گی بھی نہیں۔ کیونکہ قدرت نے یہی ڈھیٹ تمہاری قسمت میں لکھ رکھا ہے۔ اور بہت باتیں کر لیں تم نے۔ یہ تو میں ہی شریف آدمی ہوں جس نے سن بھی لیں۔ اور دیکھو کیسا بے وقوف ہوں۔ ساری زندگی کے لیے یہ اعزاز دل و جان سے لینے کو بھی تیار ہوں۔ تمہیں تو فخر ہونا چاہیے۔ ایک کاٹھ کا الو مل رہا ہے۔ مگر تم فضول اکڑ رہی ہو۔ اتنا غصہ کرو گی تو۔ شادی والے دن چہرے پر کیا خاک روپ آئے گا۔"

"آؤ اب گھر چلیں۔ کافی دن نکل آیا ہے۔ تم نے تو کالج بھی جانا ہوگا نا۔ میرا خیال ہے آج ہی چھٹی کے لیے درخواست دے آنا اور پورے دس دن کی۔ کیونکہ نکاح کے فوراً بعد میرا ہنی مون کا پلان بھی ہے اور....."

"مسٹر سجاول جلبانی کیا دماغ کے ساتھ کان بھی خراب ہو چکے ہیں تمہارے۔ اونچا سنتے ہو۔ میں کہہ چکی ہوں۔ مجھے تم سے شادی نہیں کرنا۔ اور پھر بھی تم....."

"لیکن مجھے تو تم سے ہی شادی کرنا ہے نا۔ کیونکہ یہ ہماری روایت ہے کہ کوئی بھی عزت دار اور غیرت مند نوجوان اپنی بچپن کی منگیتر سے کسی صورت دستبردار نہیں ہوتا۔ چاہے اس کے لیے اسے جان ہی کیوں نا لینی پڑے یا پھر دینا پڑے۔ اور یاد رکھو اگر تم نے مجھے اکسایا تو میں کچھ بھی کر گزروں گا۔ سمجھیں۔ اب چلو۔ دیر ہو رہی ہے۔ ماسی اسے لے کر آؤ میں گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں۔"

صاف اور دوٹوک لہجے میں کہتا وہ قدم اٹھا چکا تھا۔ وہ پوری جان سے سلگی۔

☆☆☆

اور اتنے کم وقت میں ایسی بہترین شاپنگ ثوبیہ اور مکرم کی ہی محبت تھی۔ ان کا بس چلتا تو شاید اس کے آنچل پر ٹانکنے کو تارے بھی توڑ لاتے۔ سب ہی سراہ رہے تھے۔ سرخ راجھستانی شرارے میں مرک کی چھب ہی نرالی تھی۔ اس پر نوٹ کر روپ آیا تھا۔ بیوٹیشن نے تو آج کل کی دلہنوں کی طرح اس کا دوپٹہ ماتھے تک ہی سیٹ کیا تھا۔ مگر اماں نے اس کی من موہنی صورت پر اک نظر ڈالتے ہی سختی سے آرڈر جاری کر ڈالا۔ گھونگٹ چہرے پر گراؤ۔ اور اسے ان پر خوب پیار آیا۔ ماں تھیں نا سمجھ سکتی تھیں اس کے احساسات۔ انہوں نے تو بن کہے اس کی ایک بڑی مشکل حل کر دی تھی۔ وہ جس کیفیت میں گھری تھی۔ جی چاہ رہا تھا۔ نہ کسی کو دیکھے اور نہ کوئی اسے۔ وہ کہیں چھپ جائے۔ یا پھر بس چلتا تو اٹھ کر کہیں دور بھاگ جاتی۔ حویلی میں جشن کا سماں تھا۔

کتنے جان سل لمحوں کے بعد سب ٹوٹے رشتے پھر سے یک جان ہو رہے تھے۔ سب ہی کے چہرے اس خوشی سے دمک رہے تھے۔ گولڈن اور سیاہ رنگ کی خوب صورت شیروانی میں ملبوس اونچا کلاہ سر پر سجائے سجاول کسی ریاست کے شہزادے سے کم نہیں دکھ رہا تھا۔ خوبرو صورت پر چھلکتی بے پایاں خوشی کا رنگ اس کے روپ کو اور نکھار رہا تھا۔ تائی حفیظہ نے تو کئی بار دونوں کی نظر اتاری۔ شادی کی سب رسمیں یوں تو بہت خوب صورت ہوتی ہیں۔ لیکن ان کے ہاں ایک رسم بڑی دلچسپ تھی کہ گھوٹ (دلہا) کنوار (دلہن) کو گود میں اٹھا کر کمرے تک لے جاتا ہے۔ ادی حسنہ راہ روکے کھڑی تھیں۔ سجاول سب کے ساتھ ہنستا ہر رسم کو خوب انجوائے کر رہا تھا۔ اب بھی کسی بڑے کے کہنے سے پہلے جب لپک کر اسے

TAGPK.COM

بازوؤں میں اٹھایا۔ تو شور مچ گیا۔

''میرا نیگ تو دے دیتے پہلے۔'' ادی چیخ رہی تھیں۔

''ادھار کر لیں ادی۔ کل صبح سب سے پہلے آپ کا قرض چکاؤں گا وعدہ۔'' اس نے مسمسی سی شکل بنائی تھی۔ انہیں ترس آ گیا۔

''ہائے ادی صدقے جائے۔ تیرے وعدے پر پورا اعتبار ہے مجھے۔ چل جا کیا یاد کرے گا۔ لے جا اپنی کنوار۔'' انہوں نے بنا کسی بحث کے راستہ چھوڑ دیا۔ پیچھے سب آوازیں کس رہے تھے۔

''کاش اتنے مان سے کسی اور نے بھی اعتبار کیا ہوتا۔'' وہ اک ٹھنڈی آہ بھرتا سرگوشی کر گیا تھا۔ جسے وہی سن پائی۔ اور جی بھر کر کلسی۔ کمرے میں پہنچتے ہی اس کے بازوؤں سے نکلی تھی۔ اس تیزی کا نتیجہ بھی فوراً ہی بھگتنا پڑا۔ سجاول کا دھیان دروازہ کی طرف ہوا تھا۔ اس کا پاؤں شرارے میں الجھا جس کے باعث منہ کے بل گرتے سارا وزن اک ہاتھ پر آ گیا۔ بے اختیار حلق سے کراہ نکلی۔

''اوہ میرے خدا۔ مرک..... آر یو او کے؟'' وہ دروازہ دھکیل کر اس پر جھکا۔ شانوں سے پکڑ کر سیدھا کیا۔ وہ لب بھینچے دایاں ہاتھ جھٹک رہی تھی۔ جس میں درد کی دوڑتی تیز لہریں پہلے سے ہی بھرے بادل بنی آنکھوں کو اذن برسات دینے لگیں۔

''سلی گرل۔ یہ کیا کیا ہے تم نے۔ کس بات کی جلدی تھی۔ میرے بازو تھے کانٹے تو نہیں۔ جو تمہیں چبھ رہے تھے۔ حد ہے بے وقوفی کی بھی۔'' سہارا دے کر اٹھاتے وہیں قریبی صوفے پر بٹھایا۔ اور خود دوزانو ہو کر اس کا ہاتھ پکڑا۔ جسے چھڑانے کی کوشش اس کی اک کڑی نگاہ نے بے کار کر دی۔ اچھی طرح دیکھتے اندازہ ہوا۔ صرف ہلکا سا دباؤ آیا تھا۔ شکر ہے کوئی فریکچر نہیں تھا۔ اس کی جان میں جان آئی۔ وہ تو ڈر ہی گیا تھا۔ اف یہ لڑکی۔ جی چاہا کس کر ایک لگائے۔ اس کے ہاتھ دبانے پر درد کی لہریں اٹھ رہی تھیں۔ مگر پہلی عزت افزائی کافی تھی۔ مرک نے چہرہ موڑ لیا۔ سجاول نے رخسار پر گرتی بوندیں دیکھیں۔ تو غصہ کچھ اور سوا ہوا۔ مگر پہلے اٹھ کر سائڈ ٹیبل کی دراز سے دوا نکال لایا۔ جو نرمی سے اس کے ہاتھ پر لگاتے اتنے ہی نرم لہجے میں کہا۔

''اگر درد زیادہ ہے تو ڈاکٹر کو کال کروں؟''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ شکریہ۔'' وہ اسی طرح منہ پھیرے ہوئے تھی۔ اس خیال سے ہی گھبراہٹ ہوئی۔ باہر اتنے مہمان جمع تھے۔ اگر جو سب کو پتا چلے تو..... خاندان والوں کو تو یوں بھی اک موضوع چاہیے ہوتا ہے۔ اس کا بھی مذاق بنا ڈالتے۔ وہ جھرجھری لے کر رہ گئی۔

''میں دیکھتا ہوں کوئی پین کلر مل جائے۔ تو جلدی آرام آ جائے گا۔ میں ادی حسنہ کو کال کرتا ہوں۔ ساتھ چائے بھی بھجوا دیں تو زیادہ بہتر رہے گا۔'' اس نے فون کان سے لگایا۔ جلدی جلدی کچھ ہدایات دیں۔

وہ سر جھکائے ایک ہاتھ سے دوسرے کو دبا رہی تھی۔ ٹپ ٹپ کرتے کتنے ہی آوارہ آنسو پلکوں کی باڑ پھلانگ رہے تھے۔ دل کا درد کم تو نہیں تھا کہ اب یہ درد بھی اور وہ کس درد کو رو رہی ہے۔ خود کو ہی خبر نہ تھی۔ وہ فون آف کر کے اس کی جانب مڑا۔ اک ہاتھ بڑھایا۔

''اٹھو تمہیں بیڈ تک لے جاؤں۔''

''میری کلائی پر چوٹ لگی ہے۔ پاؤں سلامت ہیں۔ میں خود بھی جا سکتی ہوں۔'' سوں سوں کرتے اس نے ہاتھ کے بجائے ٹکا سا جواب پکڑایا تھا۔ وہ مسکرا دیا۔

''تمہیں یہاں تک اٹھا کر لانے والے کو بیڈ تک اٹھا کر لے جانے میں بھی کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ لیکن خیر پہلے یہ بتاؤ مسئلہ کیا ہے تمہارے ساتھ۔ جب سے واپس آیا ہوں لڑ لڑ کے تھکنے کا نام نہیں لیتی ہو۔ الزام پر الزام الگ لگائے مجھ معصوم پر۔ میں نے تو سنا تھا۔ فاصلے محبتیں بڑھاتے ہیں۔ مگر یہاں تو الٹا پہیہ گھوم گیا۔ تمہیں تو نفرت ہو گئی مجھ سے۔ اور وہ بھی اتنی شدید کہ میری کوئی بات سننا بھی گوارا نہیں۔ کتنی بار آیا تمہارے پاس۔ اور تم ہر بار

TAGPK.COM

میرا ہاتھ جھٹک کر دور جا کھڑی ہوئیں۔ بس اتنے ہی دعوے تھے تمہاری محبت کے۔ اتنا ہی اعتبار تھا مجھ پر۔'' وہ سخت کبیدہ خاطر نظر آتا تھا۔

وہ اس کے چہرے کو دیکھتی تو خبر ہوتی کہ وہ کس قدر تھکا ہوا ہے۔ اب شجر محبت تلے ستانے کی چاہ اس کی آنکھوں میں ہلکورے لے رہی ہے۔ مگر وہ تو خود ترسی کے سب سے اونچی مینار پر چڑھی صرف اپنے پیروں کے آبلے دیکھ رہی تھی۔ بھڑک کر کہا۔

''میری محبت اور میرے اعتبار پر انگلی اٹھانے کے بجائے بہتر ہوگا۔ یہی انگلی اپنی طرف موڑ لو۔ اور پوچھو خود سے۔ تم نے کتنا اعتبار قائم رکھا میرا۔ میں تو اندھا اعتماد کرتی تھی تم پر۔ اور محبت کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ مگر تم کیا نکلے۔ وہی مردوں کے وحشی قبیلے سے جو محبت کے نام پر عورت کو غیرت کے پنجرے میں قید کر ڈالتا ہے۔ مجھ سے شادی اسی وجہ سے تو کی تم نے۔ یہی کہا تھا نا۔'' اس کا لہجہ زہر خند تھا۔ سجاول نے اس کا پور پور سجا روپ پورے دھیان سے دیکھا۔ اور شدید متاثر ہونے والے انداز سے منہ بنایا۔

''واؤ..... کتنی گہری باتیں کرتی ہو تم۔ رئیلی آئی ایم امپریسڈ۔ میں نے تو سنا ہے کہ تم نے فزکس پڑھی ہے۔ مگر تمہاری باتوں سے لگ رہا ہے تم نے تو فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگری بھی لے رکھی ہے۔ اتنا عمیق مشاہدہ۔ واہ۔ واہ۔ کیا بات ہے۔ کیا نتیجے نکالتی ہو تم۔'' وہ سر دھن رہا تھا۔ وہ برا مان گئی۔

''ہاں تو کیا تم نے نہیں کہا۔ تم نے مجھ سے شادی اسی لیے تو کی ہے۔ بچپن کا سنگ ہے نا ہمارا۔ یہ ٹوٹ جاتا۔ تو تمہاری مردانگی پر حرف نہ آجاتا..... بہت..... بہت دکھی کیا ہے تم نے مجھے سجاول جلبانی۔ تم پہلے ہی اتنا کچھ کر چکے تھے کم از کم یہ تو نہ کہتے۔ میرا ذرا سا بھرم تو قائم رہنے دیتے کہ تمہیں اب بھی مجھ سے محبت ہے۔ مگر تم نے تو.....'' وہ بولتے بولتے تھک کر پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔ سارے درد برداشت کر لیے تھے۔ لیکن اگر کچھ نہیں سہا گیا تو اس کا اس دن کا وہ جملہ۔ جو اس لمحے سے لے کر اب تک پتھر کیے ہوئے تھا۔ اب تو جیسے اس پتھر سے آنسوؤں کا جھرنا بہہ نکلا تھا۔ سجاول لبوں پر اک ہاتھ کی مٹھی رکھے اس کے جھٹکے کھاتے وجود کو دیکھے گیا۔ کچھ کہنے کو تھا کہ دروازے پر ہوتی دستک نے توجہ کھینچ لی۔ آنے والی ادی حسنہ تھیں جو مطلوبہ ٹرے لیے اندر آئیں۔ اسے چھکوں پھکوں روتے دیکھا۔ تو الٹا اسی پر ہی ناراض ہونے لگیں۔

''کیا کر ڈالا ہے بے وقوف لڑکے۔ دھیان کہاں تھا تمہارا۔ لے کے اسے چوٹ لگا دی۔''

''ہاں تو کیا کرتا ادی! میں نے کون سا پہلے تین چار کنوار گود میں اٹھائی ہیں۔ یہ میرا پہلا تجربہ تھا۔ بس ہو گیا بلنڈر۔'' اس کی مسکینی سے دی گئی توجیہہ پر انہوں نے ہنستے ہوئے اک چپت لگا دی۔

''نالائق کہیں کا۔ یہ پہلی غلطی ہے۔ اس لیے چھوڑ رہی ہوں۔ لیکن خیال رہے آئندہ کوئی بلنڈر برداشت نہیں کیا جائے گا۔ اتنی منتوں سے تو دل کی مراد ملی ہے۔ اسے تو پلکوں پر بٹھا کر رکھو تو بھی کم ہے۔ اب ہٹو راستے سے میں اسے بیڈ تک لے جاؤں۔ آرام سے بیٹھے گی تو درد بھی کم محسوس ہوگا۔ اور تم اس کے لیے کپ میں چائے نکالو۔''

''جو حکم مادام۔'' وہ کورنش بجا لایا تھا۔ وہ اس کی اداکاریوں پر جل بھن گئی۔ ادی حسنہ اتنا ہی قربان ہو رہی تھیں۔

''بہت قسمت والی ہے ہماری مرک۔ دیکھو تو کیسا تابعدار شوہر ملا ہے۔ سچ میں دیوانہ ہے یہ تو۔ اللہ تم دونوں کو سدا ہنستا بستا رکھے۔ تم بھی دل سے قدر کرنا اس کی۔ بہت کچھ سہا ہے اس نے تمہاری محبت میں۔ اب تم بھی کوئی دکھ مت دینا۔'' وہ ایسے ہی نصیحتیں کرنے لگیں۔ مرک کی بیزاری اور سوا ہوئی تھی۔

سارے اس کے ہی ہمدرد تھے۔ ایک اکیلی وہی رہ گئی تھی بھرے زمانے میں۔ اسے اور رونا آیا۔ ادی تو زبردستی دوا اور دو گھونٹ چائے پلا کر سجاول کو تاکیدیں کرتی چلی گئیں۔ وہ سامنے آ بیٹھا تھا۔ اس کے آنسو اب بھی بہہ رہے تھے۔ کافی دیر رو چکنے کے بعد دل کا بوجھ

TAGPK.COM

قدرے ہلکا ہوا تھا۔ تو ایک نیا دکھ جاگا۔ کلس کر سوچا۔

''کتنا بے حس آدمی ہے۔ پاس بیٹھا مزے سے دیکھ رہا ہے۔ آنسو پونچھنا تو دور کی بات مجال ہے جو ایک حرف تسلی ہی کہا ہو۔ خود ہی ڈھیٹ بن کر بھاری کا مدار دوپٹے سے گال پونچھنا چاہے۔ جو آنسو تو کیا صاف کرتے الٹا رخسار چھیل کر رکھ دیے۔ اسی تذبذب میں تھی کہ ایک رومال سامنے آیا تھا۔

''اگر پتوار کمزور ہوں۔ تو کشتی دریا میں اتارنا نری حماقت کے سوا اور کچھ نہیں۔ پتا نہیں کس طرح فزکس کے ڈھیروں کے حساب میں کلیے اور مفروضے سمجھے ہوں گے تم نے۔ عقل تو اتنی سی ہے کہ محبت کا ایک کلیہ تک سمجھ نہیں سکی ہو اب تک۔ جو صرف دینے کا نام ہے۔ مگر تم تو لینے پر تلی ہوئی ہو اور وہ بھی سجاول جلبانی کی جان۔ توبہ ہے لڑکی! تم نے تو خود سے ہی مفروضے گھڑ گھڑ کے میرے خلاف پورا نصاب مرتب کر ڈالا۔ اتنے الزامات لگانے کے بعد کیا ایک موقع ملے گا اس ناچیز کو کہ یہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکے۔'' وہ کچھ اور قریب ہو بیٹھا تھا۔ وہ کچھ اور سمٹ گئی۔ سجاول اس ادا پر مسکرا کر رہ گیا۔

''خیر اب جتنا مرضی خفا ہو لو۔ ایک بات تو طے ہے کہ اب تم مجھ سے ہاتھ چھڑا کر کہیں نہیں جا سکتیں۔ اب یہ ہاتھ میں نے پورے حق سے پکڑا ہے۔ اب ذرا چھڑا کر دکھاؤ تو مانوں۔ اور بہت سنا چکیں تم۔ آج میری باری ہے۔ اب تم چپ چاپ سنو گی۔ ویسے میرا دل تو آج بھی تمہارے نام پر دھڑکتا ہے۔

تم مجھ سے خواہ مخواہ ہی بدگمان ہو چکی ہو۔ اور میرے لیے ضروری ہے کہ نئی زندگی کی شروعات سے پہلے تم سے چند باتیں کہہ دوں۔'' وہ اس کا دکھتا ہاتھ نرمی سے سہلا رہا تھا۔ وہ مجبوری میں ہی سہی نہ اب ہاتھ چھڑانے پر قادر تھی۔ نہ ہی کان بند کر سکتی تھی۔ اب جو بھی تھا سننا تو تھا۔

''تو یہ بات شروع ہوتی ہے اس وقت سے جب دادا سائیں کی وفات کے بعد ادا پیرل کی نام نہاد چڑ اور دشمنی کی وجہ سے بابا سائیں بھی ان کی باتوں میں آ گئے تھے۔ ادا مکرم کے ساتھ بے جا پنگے، حویلی کا دولخت ہونا، اور تمام جائداد کی غیر منصفانہ تقسیم۔ یہ وہ سب عوامل تھے۔ جن پر میں نے بلا خوف و خطر اپنے باپ اور بھائی سے بحث کی تھی۔ میں ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے ان سے اختلاف کی جرأت کی۔ جبکہ اس وقت چاچا سائیں بھی اپنے باپ دادا اور حویلی کا تماشا بننے کے خوف سے چپ چاپ وہ ستم سہہ گئے تھے۔ یہی سوچ کر کہ دنیا کیا کہے گی۔ باپ کے مرتے ہی بھائی، بھائی کا دشمن بن گیا۔ اور کاش بڑا بھائی ہونے کے ناتے یہ سوچ بابا سائیں کی ہوتی تو ہمیں اتنے کٹھن دن دیکھنا ہی نا پڑتے۔ ہم سب کی زندگیاں سہل اور خوشیوں سے منور ہوتیں۔ مگر جانے اس وقت ان کے سر میں کیا سودا سما گیا تھا۔ جو وہ اتنی بڑی اخلاقی تنزلی کا شکار ہوئے۔ مجھے یہ سب ناقابل قبول تھا۔ اور انہیں میری مخالفت۔ اس دن پہلی بار ان کے سامنے میری آواز اونچی ہو گئی۔ بابا نے مجھے دھمکایا کہ اگر میں نے اس بات پر اپنا منہ بند نہ کیا تو وہ میرا رشتہ تم سے توڑنے کے ساتھ ساتھ مجھے جائیداد سے بھی عاق کر دیں گے۔

تب وہ مجھے کیا عاق کرتے میں نے ہی حویلی چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ شدید رنج اور غصے میں خالی ہاتھ نکل کھڑا ہوا۔ لیکن جانے سے پہلے تمہارے نام ایک خط میں ساری تفصیل لکھ گیا تھا۔ اور وہ خط کسی اور کے ہاتھ نہ لگے۔ احتیاطاً ایک اخبار میں لپیٹ کر ماسی شریفاں کے ذریعے تم تک بھجوا دیا تھا۔ کیا تم نے دھیان سے نہیں پڑھا تھا؟''

بے توجہی سے اس کی کتھا سنتی مرک کو اس کے سوال نے بے تحاشہ چونکا دیا۔ کچھ یاد آ رہا تھا۔ اور ہاں..... ذہن میں جھماکا سا ہوا۔ وہ نفاست سے تہہ کیا ہوا پرانا اخبار۔ جسے اس نے بے کار سمجھتے ہوئے کھڑکی سے باہر اچھال دیا تھا۔ اس میں خط تھا؟ کیا واقعی۔ اس وقت تو اس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ اسے خط لکھ سکتا ہے۔ اگر اس وقت وہ ذرا دھیان سے دیکھ لیتی تو کتنی اذیت سے بچ جاتی۔

''اوہ۔ میرے اللہ۔'' ایک جھٹکے سے گردن

TAGPK.COM

اٹھائی۔ وہ متحیر سی اس کے ہلتے ہونٹ دیکھ رہی تھی۔ سجاول اپنے دھیان میں بولتا جا رہا تھا۔

''میں جس کیفیت میں تھا۔ تمہارا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ نہ تمہارے کسی سوال کا جواب تھا میرے پاس۔

بس تب ہی رخت سفر باندھتے ایک الوداعی ملاقات بھی نہ کر سکا۔ تب کوئی راستہ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اتفاقاً اختر ماما کی کال آئی تھی۔ اور میں نے ان پر بھروسا کرتے ہوئے سب حالات کہہ سنائے۔ وہ بھی یہ سب سن کر بابا اور ادا پیرل پر شدید ناراض ہوئے۔ اور میرا پورا ساتھ دینے کا وعدہ کیا۔ انہی دنوں ان کے ایک دوست کو اپنے اسٹور کے لیے قابل بھروسا ملازم کی ضرورت تھی۔ یوں میرا کام بھی آسان ہو گیا۔ جلد ہی ماما سائیں نے مجھے اپنے پاس بلا لیا۔ میں زاد راہ میں یہ اطمینان ساتھ لے گیا کہ تم سب حالات جانتی ہو۔ اسی محبت اور صبر سے میرا انتظار کرو گی۔

وہاں میں نے دن بھر کام کے علاوہ شام میں اپنی تعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ حویلی سے میرا رابطہ ختم ہو چکا تھا۔ تم سے رابطہ یوں نہ کیا کہ خود کو بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں۔ تمہاری آواز مجھے وہاں سکون نہ لینے دیتی اور تمہارے آنسو تو سارے عہد بھلا ڈالتے۔ میں اتنا عرصہ دور رہ ہی نہ پاتا۔ سب چھوڑ چھاڑ کے آ جاتا۔ اور پھر ہمیں مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ بابا کی کرنیوں کے باعث میں بھی اپنا بھروسا اور اعتماد گنوا چکا تھا۔ ایک بے آسرا اور بے یار و مددگار شخص جو کسی قابل نہیں تھا۔ وہ چاچا سائیں کے نزدیک ان کی اکلوتی لاڈوں پالی کے لائق کیسے ہو سکتا تھا۔ یہی سوچا خود کو اتنا مضبوط کرنا ہے کہ جب واپس پلٹوں تو کوئی ہاتھ جھٹک نہ سکے۔

اب یہی دیکھ لو حویلی چھوڑ جانے کا مجھے کم از کم اتنا فائدہ تو ہوا کہ میں نے دن رات کی محنت سے اپنی ایک الگ پہچان بنائی۔ اور یہی وجہ ہے کہ آج اس قابل ہوا کہ تمہارے لیے اپنے خوابوں جیسا ایک گھر بنا سکوں۔ یہ اس گھر کی چابی ہے۔ اسے تم اپنی منہ دکھائی بھی سمجھ سکتی ہو۔''

سجاول کے چہرے پر ایک پرسکون مسکراہٹ اتری تھی۔ ایک کی چین اس کی گود میں رکھی۔ وہ کی چین کو گھورے چلی گئی۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو۔ کیا اب بھی کسی طرح کا شک ہے مجھ پر۔ ویسے یار تم نے بھی بے اعتباری کی حد کر دی۔ تم نے جو سنا وہ تو میری غصے میں کہی ایک بات تھی۔ اماں کو جب خبر ہوئی میں ماما سائیں کے پاس ہوں تو وہ ہر دوسرے روز فون کرنے لگیں۔ مجھے واپسی پر اکساتیں۔ وہ ہر بار مجھے شادی کا بھی کہتیں۔ اور بتاتیں کہ انہوں نے میرے لیے کتنی پیاری پیاری لڑکیاں دیکھ رکھی ہیں۔ ان کی انہی باتوں سے چڑ کر ایک بار میں نے ان سے کہہ دیا۔ کہ میں نے تو یہاں آتے ہی ایک انگریز لڑکی سے شادی کر لی تھی۔ اور میری قسمت خراب اگر مجھے علم ہوتا کہ تم بھی وہیں آس پاس ہو۔ تو میں کبھی یہ الفاظ منہ سے نہ نکالتا۔ جو میرے اعتبار میری محبت حتیٰ کہ میری جان کے ہی دشمن ہو گئے۔ جبکہ اگلی کال پر میں نے اماں کو تو حقیقت بتا دی تھی۔ کہ ایسا کچھ نہیں۔ اس دن میں نے وہ سب غصے میں کہا تھا۔'' اور مرک کی نظر بے اختیار اس سے چار ہوئی۔ لانبی پلکوں تلے آنسو ٹھہر سے گئے۔ عارض کچھ اور گلابی ہوئے۔ یہ کیسا انکشاف تھا۔ کچھ کہنے کی کوشش میں لب کپکپا کر رہ گئے۔

''بلیو می یار۔ ایسا ہی ہے۔ لیکن تم نے تو ایک ذرا سی بات کا پورا افسانہ بنا ڈالا۔ کیا ضرورت تھی۔ شہلا بھابھی کے گلے لگ کر دکھ رونے کی۔ یہ تو بالکل ایسا ہی ہوا کہ جیسے بندر کے ہاتھ ماچس آ گئی ہو۔ انہوں نے تو ہر طرف آگ ہی لگا دی۔ جب سے واپس آیا ہوں۔ خاندان کا کون سا شخص ہے جس نے میری پہلی شادی کے متعلق استفسار نہ کیا ہو۔ میں تو حیران تھا کہ جب اماں نے میری غصے میں کہی بات بھی کسی سے نہیں کہی تو یہ افواہ یہاں کیسے پھیلی؟ وہ تو اس دن تم نے پردہ چاک کیا۔ کہ خیر سے یہ اعلا درجے کی بے وقوفی تمہاری ہی طرف سے ہوئی ہے۔ اور تمہیں پتا ہے۔

TAGPK.COM

تمہارے رشتہ طے ہونے کی بات بھی مجھے شہلا بھابھی نے ہی بتائی تھی۔ وہ تو اللہ زندگی صحت دے ادا مکرم کو جن کی کوشش سے وہ لوگ دوبارہ حویلی کا رخ نہیں کر پائے۔ ورنہ چاچی تو کر چکی تھیں مجھ غریب کی زندگی اندھیر۔ جس شام تم نے میری ایک نہیں سنی تھی۔ میں اس دکھ سے آب دیدہ حویلی سے نکل رہا تھا۔ تو وہ ادا مکرم ہی تھے۔ جس نے مجھے گلے لگایا۔ میرے آنسو پونچھے۔ اور وہی تھے جنہوں نے چپ چاپ میری ساری الف لیلیٰ سنی۔ اور میرے بکھرتے خوش رنگ خوابوں کو ایک نئی امید کی ڈور سے باندھا۔ میں ان کی محبت پر دل سے ان کا مشکور ہوں۔ بہت بڑا دل ہے ان کا۔ ہماری خوشیوں کے لیے انہوں نے پچھلی ہر بات ہنس کر بھلا دی۔''

اس کا لہجہ مکرم کے ذکر پر کیسا ممنونیت سے پر تھا۔ اور اس پر انکشاف کا یہ اگلا در کھلا تھا۔ اتنے سالوں جسے اپنی خوشیوں کا بیری سمجھتی رہی۔ وہی تو اصل خیر خواہ نکلا۔ اور وہ کیسے زندگی کے ہر مقام پر اس کی چھایا بنے رہے۔ تعلیم سے لے کر جاب تک ہر مرحلے میں اسی کی پشت پناہی تھی۔ جو وہ من مرضی کرتی گئی۔ اور اب سخت پچھتاوے نے گھیرے میں لے لیا۔ لگ رہا تھا اس بوجھ سے کمر جھک جائے گی۔ سجاول اس کے خیالات سے بے خبر اپنی کہے جا رہا تھا۔

''سچ میں اگر وہ میرا اعتبار نہ کرتے۔ اور چاچا سائیں کو میرے حق میں نا سمجھاتے تو اس لمحے تم بھی میرے پاس نہ۔''

''آہ میرا ہاتھ۔'' وہ بولتے بولتے بے خیالی میں کچھ زیادہ ہی دبا گیا تھا۔ مرک کی بے اختیار سسکی نکل گئی۔

''اوہ۔ سوری۔ سوری..... میں تو بھول ہی گیا تھا۔'' سجاول نے گھبرا کر ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کے چہرے پر امڈتی درد کی لہر پشیمان کر گئی۔ جھٹ موتی پوروں پر چنے۔ خفت مٹانے کو وہی ہاتھ ہونٹوں سے چھولیا۔ اور تسلی آمیز انداز سے کہا۔

''ڈونٹ وری۔ اب دیکھنا جلد ہی سارا درد دور ہو جائے گا۔'' اس کی اس بے ساختہ ادا نے مرک کے روتے چہرے پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھیر دی۔ وہ اس روپ میں کتنا وجیہہ، کس قدر پیارا لگ رہا تھا۔ چہرے پر پھیلی محبت کی روشنی اس کے روپ کو اجال رہی تھی۔ وہ بے دھڑک ناز سے ناک چڑھا کر بول گئی۔

''میں اب چھوٹی بچی نہیں ہوں جسے بہلانے کو تم دادا سائیں والا مرہم لگاؤ گے۔''

''یس آئی نو دیٹ۔ یو آر ناٹ آ چائلڈ۔ اب تم میری پیاری بیوی ہو۔ سو میں نے بھی اپنا ہی مرہم لگایا ہے۔'' سجاول نے شرارت سے ایک آنکھ دبائی تھی۔ وہ بری طرح شرما گئی۔ اس کے ریشمی عارض پر اترتی حیا کی لالی ایسا دلفریب منظر تھا کہ وہ مبہوت رہ گیا۔ کتنے عرصے بعد یوں چھوئی موئی بنتے دیکھ رہا تھا۔ وہ بے خود سی سجاول کی بند پلکوں کو دیکھ رہی تھی۔ ہجر کے کتنے ہزاروں سلگتے لمحے تھے۔ جو اس دید کی آس میں کاٹے تھے۔ کتنا کٹھن سفر کیا تھا۔ کتنے درد سہے تھے۔ اور آج وہ ان سب تکلیفوں کا اجر بن کے ملا تھا۔ وہ یقیناً اس کے لیے قدرت کا انعام تھا۔ اس کا دل آسمان پر تیرتی سفید بدلی سے بھی ہلکا ہو گیا تھا۔ وہ آنکھیں جو کچھ دیر قبل دکھ کے نیر بہا رہی تھیں۔ اب ان سے تشکر کا قطرہ گرا تھا۔ وہ بھی سجاول کے چہرے پر۔

''اوہ یار۔ کیا کروں میں تمہارا۔ کیا آج بھی کان پکڑ کے معافی مانگنا پڑے گی تم سے۔ ہر ایک نے سب پرانی باتیں بھلا دیں۔ لیکن اگر کسی کا دل صاف نہیں ہوا تو وہ صرف تم ہو۔ اب بتاؤ، میں ایسا کیا کروں جو تم پر میری سچائی کو آشکار کرے؟'' وہ جھنجھلاتا اٹھ بیٹھا۔

''تم نے سوچ بھی کیسے لیا تھا مرک! کہ میں تمہارے علاوہ کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل کر سکتا ہوں۔ کیا تمہیں خود اپنی محبت پر یقین نہیں تھا؟'' اور اس کے سوال پر اس نے جھکی گردن اٹھائی تھی۔ پورے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''تھا۔ اپنی محبت پر تو پورا یقین تھا۔ لیکن..... وہ جو کانوں سنا۔ وہ کیسے جھٹک دیتی۔ کوئی اور کہتا تو میں کبھی نہ مانتی۔ وہ تو تم ہی تائی سے کہہ رہے تھے نا۔

TAGPK.COM

تو پھر میں۔"

"اور اگر وہ سچ ہوتا تو....." سجاول کو اس کا یوں مطمئن انداز سے بات کرنا بہت اچھا لگا تھا۔ مسکرا کر شرارتی لہجے میں پوچھا۔

"تو پھر تم دیکھتے، میں تمہارا وہ حال کرتی کہ....."

"خیر..... خیر وہ تو میں نے دیکھ ہی لیا تھا۔ جب سے آیا ہوں۔ جان نکال کے ہی رکھی تم نے تو میری۔ جب بھی ملیں غصہ ناک پر دھرا ملا۔ میں تو ڈر ہی گیا تھا کہ پتا نہیں تمہاری خفگی دور بھی کر پاؤں گا کہ نہیں۔ اور میرے خیال میں اب تو سب باتیں صاف ہو گئیں۔ اب تو کوئی ناراضی نہیں ہے نا اس بندہ ناچیز سے؟"

"نہیں ایک ناراضی تو اب بھی ہے۔" اس کے اطمینان کو مرک کے سنجیدگی سے کہے جملے نے بھک سے اڑایا تھا۔ وہ کراہ اٹھا۔

"اوہ میرے خدا۔ اب وہ کیا ہے؟ کیا اب بھی میرا کوئی امتحان باقی ہے۔ مرک شہزادی بتانا پسند فرمائیں گی آپ۔"

"ہاں بالکل۔ اگر آپ میرے اس بھاری دوپٹے سے ذرا ہٹ جائیں تو میں اپنی گردن سیدھی کر لوں۔ ہاتھ تو توڑ ہی ڈالا ہے شہزادہ حضور نے۔ اب کم از کم میری جان پر ہی رحم کھائیں۔" وہ انتہائی انکساری سے ملتمس ہوئی تھی — وہ اس الزام پر تڑپا۔

"سراسر غلط بیانی ہے یہ۔ ہاتھ کی چوٹ تمہاری اپنی غفلت کا نتیجہ ہے۔ کس نے کہا تھا ٹارزن کی خالہ بننے کو۔ اب پتا چلا۔ سجاول جلبانی سے ذرا سا بھی دور ہونے کی کوشش کرو گی تو ایسے ہی درد ہو گا۔ اور خبردار جو آئندہ ایسی حماقت کی ہو تو۔" وہ سرزنش نہ بھی کرتا تو اب وہ کبھی بھول کر بھی ایسی خطا کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے سر جھکاتے گویا اپنی غلطی کو تسلیم کیا تھا۔ بیڈ پر رکھا کی چین اس کے دل کی طرح جگمگا رہا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اٹھایا۔

"عجیب و غریب تحفے دینا تو پرانی عادت ہے تمہاری۔ اب یہ منہ دکھائی میں گھر کی چابی دینے کا مطلب سمجھتے ہو کیا ہے؟" اس نے سوال کیا تھا۔ سجاول نے شانے اچکاتے لاعلمی ظاہر کی۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم اس حویلی سے دور سب سے الگ رہیں گے۔ لیکن کیوں بھئی؟ تم کیوں ایسا چاہتے ہو۔ جبکہ مجھے یہ ہرگز قبول نہیں۔ یہ حویلی پہلے ہی بہت سے پیارے لوگ چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ اگر ہم بھی چلے گئے تو سوچو۔ باقی رہ جانے والوں کے دل پر کیا گزرے گی۔ اور تایا سائیں..... کیا تم انہیں ایسی حالت میں چھوڑ کر کہیں جا سکتے ہو؟ کیا تم کبھی ادا پیرل بن سکتے ہو؟"

اس کے سوال نے سجاول کو اپنی کم فہمی کا ادراک دیا تھا۔ واقعی ایسا تو اس کے لیے بھی ممکن نہیں تھا۔ بیمار باپ کو چھوڑ کر کیسے چلا جاتا۔ اس کا سر بے اختیار نفی میں ہلا۔ ساتھ ہی اپنی سیانی مرک پر پیار آیا تھا۔ جو سچ میں دادا سائیں کی جانب سے ایک خوب صورت تحفہ تھی اس کے لیے۔

"سچ میں۔ میرا تو اس طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا۔ واقعی ہم حویلی سے دور نہ جا سکیں گے۔ ہمارے اپنوں کے ساتھ تو ہماری خوشیاں جڑی ہوتی ہیں۔ چلو پھر تمہاری منہ دکھائی مجھ پر ادھار رہی۔ اب اگلا ہر تحفہ تمہاری مرضی کا ہو گا۔" اس نے محبت سے پیشکش کی تھی۔ لیکن ادھر بھی مرک جلبانی تھی جو اٹھلا کر کہہ اٹھی۔

"بھول گئے۔ میں نے کبھی کوئی ادھار نہ کیا نہ رکھا۔ یہ ادھار والے معاملات اوروں تک ہی رکھنا۔ میرا حساب تو ابھی کے ابھی چکتا کرنا ہو گا۔ تو پھر لاؤ میری منہ دکھائی۔ جس میں تمہیں اپنا سارا اعتبار اور وفائیں میرے نام کرنا ہوں گی۔" وہ مسکراتی ہوئی ہتھیلی پھیلائے اپنا مطالبہ سامنے رکھ گئی تھی۔

سجاول نے اس کی ہتھیلی پہ ہاتھ رکھ کر اپنی وفا کا یقین دلایا تھا۔ ساری فضا بھی اس ہنسی میں شامل تھی۔ کھڑکی سے جھانکتے چاند نے بھی ہنس کر دیکھا اور اپنی راہ ہو لیا۔

☆

TAGPK.COM

نرمین اسکول میں پڑھنے والی ایک غریب لڑکی ہے۔اس کا باپ شکر قندی اور مونگ پھلی کی ریڑھی لگاتا ہے۔ بیوی کی بیماری کی وجہ سے وہ اپنی دکان منشی اکرم کے پاس گروی رکھتا ہے اور سود بھرتا ہے۔

نرمین اور افشاں اسکول سے واپسی پر باتیں کرتی آتی ہیں، راستے میں مراد کا رکشہ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اس میں بیٹھ کہتی ہے، میں تو رکشہ چلاؤں گی۔ اسی وقت سامنے والے گھر کا دروازہ کھلتا ہے، مراد کے باہر نکلنے پر دونوں بھاگ جاتی ہیں۔ نرمین اپنا بیگ بھول جاتی ہے۔

گھر پہنچ کر بیگ کا خیال آتا ہے۔ وہ ماں سے کہتی ہے کہ کتا پیچھے لگ گیا تھا، بیگ گر گیا راستے میں۔ فرخ کے ہمراہ ثمینہ اسے بیگ لینے بھیجتی ہے لیکن وہاں رکشہ نہیں ہوتا۔ فرخ کہتا ہے کہ وہ لا دے گا، رکشہ والا اس کا استاد ہے۔

مراد اس کا بیگ گھر دے جاتا ہے لیکن بیگ کھولنے پر اسے نرمین کا نام پتا چل جاتا ہے۔ وہ نرمین کے بہن بھائی کو پیسے دیتا ہے مونگ پھلی کھانے کے لیے۔

وہ فرخ کے گھر جاتی ہے۔ فرخ کے کمرے کے دروازے میں آٹومیٹک لاک لگا ہوا ہے، وہ بند ہو جاتا ہے۔ نرمین ایک دم چیختی ہے۔ ثمرین جو بہن کو بلانے آتی ہے اس کی چیخ سن کر گھر سے باہر نکلتی ہے، جہاں خالی آ رہی تھیں، وہ ان کو بتاتی ہے۔

راحت جبیں

زندگی ہم تجھے گزاریں گے

TAGPK.COM

TAGPK.COM

نرمین اسکول میں پڑھنے والی ایک غریب لڑکی ہے۔اس کا باپ شکر قندی اور مونگ پھلی کی ریڑھی لگاتا ہے۔ بیوی کی بیماری کی وجہ سے وہ اپنی دکان منشی اکرم کے پاس گروی رکھتا ہے اور سود بھرتا ہے۔

نرمین اور افشاں اسکول سے واپسی پر باتیں کرتی آتی ہیں، راستے میں مراد کا رکشہ کھڑا ہوتا ہے۔ وہ اس میں بیٹھ کہتی ہے، میں تو رکشہ چلاؤں گی۔ اسی وقت سامنے والے گھر کا دروازہ کھلتا ہے، مراد کے باہر نکلنے پر دونوں بھاگ جاتی ہیں۔ نرمین اپنا بیگ بھول جاتی ہے۔

گھر پہنچ کر بیگ کا خیال آتا ہے۔ وہ ماں سے کہتی ہے کہ کتا پیچھے لگ گیا تھا، بیگ گر گیا راستے میں۔ فرخ کے ہمراہ ثمینہ اسے بیگ لینے بھیجتی ہے لیکن وہاں رکشہ نہیں ہوتا۔ فرخ کہتا ہے کہ وہ لا دے گا، رکشہ والا اس کا استاد ہے۔

مراد اس کا بیگ گھر دے جاتا ہے لیکن بیگ کھولنے پر اسے نرمین کا نام پتا چل جاتا ہے۔ وہ نرمین کے بہن بھائی کو پیسے دیتا ہے مونگ پھلی کھانے کے لیے۔

وہ فرخ کے گھر جاتی ہے۔ فرخ کے کمرے کے دروازے میں آٹومیٹک لاک لگا ہوا ہے، وہ بند ہو جاتا ہے۔ نرمین ایک دم چیختی ہے۔ ثمرین جو بہن کو بلانے آتی ہے اس کی چیخ سن کر گھر سے باہر نکلتی ہے، جہاں خالی آ رہی تھیں، وہ ان کو بتاتی ہے۔

راحت جبین

زندگی ہم تجھے گزارینگے

TAGPK.COM

TAGPK.COM

منشی اکرم، انور حسین کے گھر آتا ہے جہاں نرمین کو دیکھ کر اس کی نیت پھسل جاتی ہے۔ وہ اس کو پانچ سو روپے دے کر جاتا ہے اور انور حسین سے اس کا رشتہ مانگتا ہے۔ انور حسین انکار کر دیتا ہے۔

ہوٹل میں مراد کو انور حسین ملتا ہے، وہ اسے اپنے رکشہ پر گھر چھوڑ دیتا ہے۔

TAGPK.COM

TAGPK.COM

نرمین افشاں اوران کی امی کے ساتھ بازار جاتی ہے جوتا خریدنے، وہاں مراد اسے دیکھتا ہے وہ جس چیز کو دیکھتی ہے، ہاتھ میں لے کر وہ سب خرید کر اس کے گھر دے جاتا ہے۔

افشاں رکھ لیتی ہے لیکن نرمین ڈر کے مارے ثمینہ کو سب بتا دیتی ہے۔

مراد کاکے سے کہتا ہے کہ وہ شادی کرنا چاہتا ہے۔ کاکا کہتا ہے کہ وہ اور منشی رشتہ لے جائیں گے۔

ملک صاحب کے بیٹی کی شادی میں پھاتا اور رشیداں کام کر رہی ہیں۔

ثریا کو تھرکتا دیکھ کر رشیداں کو غصہ آیا ہے۔

نرمین پانچ سو کی ٹیوشن پڑھانے لگتی ہے۔ انور حسین ثمینہ کے منع کرنے کے باوجود اجازت دے دیتا ہے۔ وہ نمبردار کے گھر بھی ہوآتا ہے۔

ثریا ملک صاحب کے گھر سے کھانا چوری کر کے لے کر آتی ہے۔ وہاں اس کی ملاقات بشیر سے ہوتی ہے۔

رشیداں کو ملک صاحب کے گھر سے چاول ملتے ہیں۔ رفیق اسے گالیاں بکتا ہے۔

مراد کو بخار ہو جاتا ہے۔ کاکا اسے دیکھنے آتا ہے اور مشورہ دیتا ہے کہ اسے اب شادی کر لینی چاہیے۔ وہ انور حسین کی بیٹی نرمین کا کہتا ہے۔ کاکا رشتے کے لیے منشی کو لے جانے کا بھی کہتا ہے۔ منشی ہامی بھر لیتا ہے۔

مراد اور کاکا، انور حسین کے گھر منشی کا انتظار کر کے چلے جاتے ہیں۔ منشی بھی وہاں پہنچ جاتا ہے۔ اسے پتا چلتا ہے کہ مراد کو بھی یہیں آنا تھا تو وہ انور حسین سے کہتا کہ تو نے یا تیری بیٹی نے مراد کو پھنسایا ہے۔

مراد منشی کو گھونسا مارتا ہے۔ اس کی ناک سے خون نکلتا ہے۔ کاکا زبردستی مراد کو لے جاتا ہے منشی بھی دھمکیاں دیتا چلا جاتا ہے۔

مراد فرخ کو بتاتا ہے کہ وہ نرمین کے لیے رشتہ لے گیا تھا۔ اور منشی کا بھی بتایا ہے۔ فرخ صدمے سے وہاں سے آجاتا ہے۔

ثریا بشیر سے ملنے باغ میں جاتی ہے وہ دوبارہ رشتہ لانے کی بات کرتا ہے۔

رشیداں ثریا کے لیے رشتہ دیکھتی ہے وہ لوگ آئے بیٹھے تھے کہ ثریا بشیر سے مل کر آتی ہے وہ انکار کر کے چلے جاتے ہیں۔ افشاں نرمین کو زبردستی مراد کی گلی سے لے کر آتی ہے مراد کے ملنے پر اسے خوش خبری سناتی ہے کہ نرمین کے ابا مراد کو ہاں کہنے والے ہیں۔

فرخ اپنی ماں سے نرمین کی بات کرتا ہے وہ اسے ڈانٹ کر چپ کرا دیتی ہیں۔ وہ غصے میں نرمین کے گھر جاتا ہے جہاں افشاں اسے نرمین کی شادی کی خبر سناتی ہے۔

منشی انور حسین سے پورے پیسے دینے کا کہتا ہے۔ وہ پریشان گھر آتا ہے ثمینہ اسے کہتی ہے کہ فوراً مراد سے نرمین کا نکاح کر دو، انور حسین منشی سے کچھ وقت مانگ لیتا ہے۔

رفیق رشیداں سے کہتا ہے کہ اسے اسپتال لے جائے۔ کیوں کہ اس کے زخم پک رہے تھے۔ نرمین ٹیوشن پڑھانا چھوڑ دیتی ہے۔ مراد گھر پہنچتا ہے تو اس کا سامان باہر پڑا ہوتا ہے۔

کاکا اس کے گھر میں رنگ و روغن کروا دیتا ہے۔ فرخ نرمین کو مراد سے شادی نہ کرنے کا کہتا ہے۔ نرمین اسے گھر سے بھگا دیتی ہے۔ دروازے پر مراد آتا ہے۔ اس وقت ثمینہ اور افشاں کی امی بھی آجاتی ہیں۔ مراد بچوں کے لیے پزا لے کر آتا ہے۔ ثمینہ کہتی ہے کہ نرمین وہ تیرا بہت خیال رکھے گا، بڑے دل والا ہے۔ وہ ثمینہ سے نرمین کو بازار لے جانے کا کہتا ہے۔ افشاں اور اس کی امی کے ساتھ ثمینہ، نرمین کو بھیج دیتی ہے۔ اسی دوران منشی آجاتا ہے، ثمینہ اسے دروازے سے ہی ٹرخا دیتی ہے۔ منشی کو گلی سے نکلتے ہوئے مراد کا رکشہ نظر آتا ہی، وہ انتقامی کارروائی کا سوچتا ہے۔

رشیداں کے ٹوکنے پر ثریا اس پر گرم چائے پھینک دیتی ہے۔ رفیق کے زخم سڑ جاتے ہیں۔ رشیداں اس کے بھائی کو

TAGPK.COM

بلاتی ہے، وہ اسے لاہور لے جاتا ہے لیکن رفیق مر جاتا ہے۔

نرمین کے گھر میں بارات کے استقبال کی تیاریاں ہو چکی تھیں۔ نرمین دلہن بن چکی تھی۔ انور حسین بارات کا انتظار کر رہا تھا کہ کاکا آ کے بتاتا ہے کہ مراد کو پولیس پکڑ لے گئی۔

شادی کے گھر میں یہ خبر بجلی بن کر گرتی ہے کہ مراد کو پولس پکڑ کر لے گئی ہے۔

رفیق کے مرنے کے بعد اس کا بھائی شفیق اپنے بیٹے سے ثریا کا نکاح کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ ثریا کو عین وقت پر پتا چلتا ہے کہ اس کی شادی بشیر سے نہیں کسی اور سے ہو رہی ہے تو وہ غصہ کرتی ہے۔ رشیداں کے دیے سوٹ کو آگ میں جھونک دیتی ہے اور بشیر سے رابطہ کر کے عین شادی کے وقت گھر سے بھاگ جاتی ہے، انصیٰ کو دھمکا کر جاتی ہے۔

نکاح کے لیے آنے والوں کو پتا لگتا ہے تو سب باتیں بناتے ہیں۔

منشی، انور حسین کو دھمکیاں دیتا ہے کہ وہ اس کے سارے بچوں کو اور اسے جیل بھیج دے گا، وغیرہ وغیرہ۔ انور حسین مان جاتا ہے۔ ثمینہ اور خدیجہ نرمین سے کہتی ہیں کہ وہ بھاگ جائے لیکن نرمین باپ کی حالت دیکھ کر منشی سے شادی پر رضا مند ہو جاتی ہے۔

ثریا کے بشیر کے ساتھ بھاگ جانے پر بارات واپس چلی جاتی ہے۔ کاکے کو یہ سن کر بہت افسوس ہوتا ہے کہ انور حسین، نرمین کا نکاح منشی سے کرنے پر راضی ہے۔ خدیجہ گھر آتی ہیں تو فرخ بہن کے گھر سے واپس آ چکا تھا۔ وہ بتاتا ہے کہ منشی کو مراد کے نکاح کی خبر اسی نے دی تھی۔ خدیجہ اسے مارتی ہیں۔

کاکا مراد کو جا کر بتاتا ہے کہ منشی کے دھمکانے پر انور حسین، نرمین کا نکاح منشی سے کرنے پر راضی ہے۔ مراد کو غصہ آتا ہے۔

صبح ہو جاتی ہے منشی نہیں آتا۔ خبر آتی ہے کہ منشی کو کسی نے قتل کر دیا۔ منشی کی بیوی اسپتال میں بیان دیتی ہے کہ وہ نہیں جانتی کہ حملہ آور کون تھے۔ منشی بچ جاتا ہے۔ نسیمہ کے بھائی اس کا علاج کرواتے ہیں۔ بشیر نسیمہ کو بچانے کے لیے منشی کو مارتا ہے۔ بشیر کے گھر پہنچ کر پتا چلتا ہے کہ بشیر پہلے سے شادی شدہ ہے۔ اس کی بیوی ثریا کو مارتی ہے۔

مراد جیل سے نرمین کو پیسے بھیج کر یہ احساس دلاتا ہے کہ وہ اس مشکل گھڑی میں اس کے ساتھ ہے۔ فرخ کہتا ہے کہ اگر اسے پیسے چاہیے تھے تو وہ اس سے کہتی..... کہ یہ پیسے نہیں اس کا کھویا ہوا راستہ ہے۔ نرمین ان پیسوں سے سامان خرید کر ریڑھی لگا لیتی ہے۔ پکوڑے، چنے، آلو کی ٹکی وغیرہ۔ ثمینہ کے منع کرنے کے باوجود وہ اپنے فیصلے پر اٹل ہوتی ہے۔

وہ اسکول کے پاس ریڑھی لگاتی ہے۔ اس کا سامان ایک گھنٹے کے اندر اندر بک جاتا ہے۔ فرخ اسے ریڑھی لگائے دیکھتا ہے تو بہت برا مانتا ہے۔

ثریا اور بشیر ہنسی خوشی رہتے ہیں۔ رفیق علی کا بھائی ان کا مکان بیچ دیتا ہے۔ وہ ایک جگہ باڑے میں جھونپڑی ڈال لیتی ہیں۔

نرمین مراد کے رکشے میں پیپر دینے جاتی ہے۔ خدیجہ خالہ اپنی بہن کے گھر سے واپس آتی ہیں تو انہیں پتا چلتا ہے وہ حیران رہ جاتی ہیں۔

منشی نرمین کو ریڑھی لگائے دیکھتا ہے تو اسے تنگ کرتا ہے۔ منشی کے نہ پیش ہونے پر چند یکطرفہ پیشیوں کے بعد مراد کے حق میں فیصلہ ہو جاتا ہے۔ مراد رہا ہو جاتا ہے۔

دسویں قسط

خاموش گھر کی فضا میں بسی سرخ گلابوں کی باسی خوشبو نے اسے اداسی سے دیکھا۔ جو چھوٹے سے گھر کے کونے کونے میں پھرتا، نجانے کیا ڈھونڈ رہا تھا۔ اس نے نہا کر کپڑے بدل لیے تھے اور گیلے بالوں سے

TAGPK.COM

ٹپکتا پانی اس کا کالر بھگو رہا تھا۔

جب وہ یہاں سے گیا تھا تو سارے گھر کو پھولوں سے سجایا گیا تھا۔

اور اب صاف ستھرا گھر خالی اور اداس تھا۔

مراد کا دل چاہا بستر پر لیٹے اور لمبی تان کر سو جائے۔ کئی دنوں کا رتجگا اور تھکن اس کے اعصاب کو نڈھال کر رہی تھی۔ مگر وہ جانتا تھا جب تک اسے ایک نظر دیکھ نہیں لیتا، چین آئے گا نہ نیند۔

تب ہی باہر نکل کر دروازہ لاک کرنے لگا۔

فرخ مراد کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

''لگتا ہے اب رستہ بدلنا پڑے گا۔'' وہ زیر لب بڑبڑایا۔ تب ہی مراد پلٹا تو نظر سیدھی فرخ پر گئی۔ وہ کھل کر مسکرایا۔

فرخ کو ناچار آگے بڑھنا پڑا۔

''کیسے ہو فرخ؟'' مراد نے بشاشت سے پوچھا۔

''رہائی ہوگئی؟'' فرخ کا انداز سپاٹ سا تھا جسے مراد نے اپنے جوش میں محسوس ہی نہیں کیا۔

''وہ تو ہونا ہی تھی۔ جیت سچائی کی ہی ہوتی ہے۔''

''جی.....!'' فرخ جانے کے لیے پر تولنے لگا۔

''نرمین کیسی ہے؟''

''ٹھیک ہی ہوگی۔'' مراد کے لہجے میں جتنا اشتیاق تھا، فرخ نے اتنی ہی رکھائی اور بے زاری سے جواب دیا۔

''تمہارا سامنا نہیں ہوتا؟'' مراد نے تعجب سے اسے دیکھا۔

''مصروفیت بہت ہے مراد بھائی! وقت ہی نہیں ہوتا۔ ابھی بھی ٹیوشن کے لیے جا رہا تھا۔'' صاف نظر آتا تھا کہ وہ جان چھڑانے کے موڈ میں ہے۔

''مجھے تو لگا تھا تم اس مشکل میں اسے اکیلا نہیں چھوڑو گے۔''

''اسے کسی کی ضرورت نہیں، اپنی مرضی کی مالک ہے..... اور میری رشتے دار تو ہے نہیں، جو میں ہر پل اس کا خیال رکھوں۔''

''لگتا ہے تمہاری نرمین سے لڑائی ہوگئی ہے۔'' مراد مسکرایا۔

''مراد بھائی! اب مجھے اجازت دیں، میں لیٹ ہو رہا ہوں۔'' فرخ نے گویا جان ہی چھڑائی۔ اور خدا حافظ کہہ کر چلا گیا۔

''اسے کیا ہوا۔''

مراد اس کی رکھائی، بے زاری پر حیرت زدہ رہ گیا۔ نہ اس کی رہائی پر کوئی جوش یا خوشی کا اظہار..... اس پر نرمین سے اتنی لاتعلقی لیکن اس سب پر سوچنے کے لیے اس کے پاس کچھ زیادہ وقت نہیں تھا، اسے اپنے گوہر نایاب کی ایک جھلک دیکھنا تھی۔

کاش میں اس کے لیے کوئی تحفہ لاتا
زیادہ نہیں بس ایک ٹکڑا ساون کا
جیب میں قوس خزاں کے رنگ
چار پھول گلابوں کے

TAGPK.COM

کچھ رت جگے بے خواب راتوں کے
جو درخشاں تھی اس کی چاہت سے
ایک میٹھی ہنسی ہی ہوتی ..... یا

بے ربط خیالوں کو جوڑتا وہ زمین کے گھر تک آیا تو قدم ٹھٹک کر رکے۔

گھر کی دہلیز پر بیٹھا، اپنی داڑھی کے لمبے بالوں میں انگلیاں چلاتا، بے مقصد ادھر ادھر گردن گھماتا وہ کوئی اور نہیں..... انور حسین تھا۔

جسے مراد کوئی مخبوط الحواس فقیر سمجھ کر بھگانے والا تھا۔

مراد بے اختیار اس کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھا۔

''چاچا.....!''

کاکے نے کچھ بتایا تو تھا۔ مگر یہ اس بتانے سے کہیں زیادہ تھا۔

انور حسین نے خالی خالی نظروں سے سامنے بیٹھے نوجوان کو دیکھا۔

''چاچا.....'' مراد نے اس کا گھٹنا ہلایا۔

''کون ہے؟'' انور حسین کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

''میں مراد علی۔''

''کون مراد علی؟'' وہ آنکھیں سکوڑ کر مراد کو دیکھنے لگا۔

''میں مراد علی..... آپ کا مراد.....'' داماد کہتے کہتے رک گیا۔ جو رشتہ تھا بھلا اس کا تعارف کیا کرنا۔

''مراد.....'' ثمینہ اسے دیکھ کر نہال ہو گئی۔ ''کب آئے بیٹا! کسی نے بتایا ہی نہیں، تم رہا ہونے والے ہو۔''

''چاچا نے تو مجھے پہچانا ہی نہیں.....'' مراد کھڑا ہوا۔

''یہ تو اب خود کو بھی نہیں پہچانتے.....'' ثمینہ نے افسردگی سے بتایا۔

''ایسا کیا ہو گیا چاچی.....'' مراد نے بے حد صدمے سے انور کو دیکھا جو اٹھ کر زمین پر بکھری ٹہنیاں اور پتے اٹھا اٹھا کر دور پھینک رہا تھا۔

''اندر آؤ، بتاتی ہوں۔''

مراد نے مڑ کر انور کو دیکھا اور انور نے ہاتھ روک کر مراد کو۔

آنکھوں میں شناسائی کی چمک جاگی۔

''تم زمین کو کیوں نہیں لائے.....؟'' وہ پاس آیا۔ ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی تھی۔

مراد نے الجھ کر ثمینہ کو دیکھا۔

''یہ سمجھتے ہیں تمہاری اور زمین کی شادی ہو گئی ہے۔'' ثمینہ نے آہستہ سے بتایا۔

''زمین کہاں ہے.....؟'' کچھ انہونے سے خدشات مراد کے دل کو گھیرنے لگے۔

''زمین تو.....'' ثمینہ متذبذب تھی۔ مراد زمین کا ہونے والا شوہر تھا۔ اس کا منگیتر تھا۔ ہو سکتا ہے اسے زمین کا ریڑھی لے جانا پسند نہ آئے۔

''زمین کہاں ہے چاچی؟'' مراد کی آواز بلند ہوئی اور انور حسین نے ہاتھ میں پکڑی پتلی سی چھڑی گھما کر مراد کی پشت پر دے ماری۔

''بے غیرت، بے شرم..... میری نمو سے کام کرواتا ہے۔''

چھڑی پتلی تھی مگر چوٹ بڑی گہری دے گئی۔

TAGPK.COM

''تیرے ہاتھ ٹوٹے ہیں، اپاہج ہے، جو خود ریڑھی لے کر نہیں جا سکتا۔ میری جوان بچی کو سڑکوں پر رولنے کے لیے بھیج دیا۔''

''چاچا..... چاچا میری بات تو سنیں۔ میں نے کیا کیا ہے؟'' مراد خود کو بچانے کی سعی کرنے لگا۔ ثمینہ ہراساں سی دہلیز سے باہر آ نکلی۔

''اندر چل.....'' انور حسین چلایا۔

ثمینہ کے قدم جکڑے گئے۔

''لولا، لنگڑا ہے۔ ہاتھ پیر ٹوٹے ہیں۔ بے غیرت انسان، کوئی اس طرح گھر کی عزت کو سڑکوں پر رولتا ہے۔ مرجا..... ڈوب کے مرجا.....''

ثمینہ نے دانتوں میں دوپٹا لے کر چیخیں روکیں۔

اور مراد دیوار سے پشت ٹکائے انور حسین کو دیکھنے لگا۔ جواب مراد کو نہیں، خود کو گالیاں دے رہا تھا۔

مراد کو نہیں، خود کو پیٹ رہا تھا۔

دنیا میں سب سے تکلیف دہ چیز کیا ہے؟

بے بسی.....

مراد زمین پر گرا تھا۔ رفیق اسے پیٹ رہا تھا اور بے بسی۔ وہ رشیداں کی آنکھوں میں خوف بن کر کنڈلی مارے بیٹھ گئی۔

☆☆☆

''کیسی ملوکی سی تھی، جیسے مکھن سے گندھی ہو۔ میں تو دیکھتے ہی مر گیا تھا۔''

منشی سامنے آ کھڑا ہوا۔

ماں نے پوچھا تھا اگر سامنے آ گیا تو.....

''خاموش نہیں رہوں گی۔ اتنا چلاؤں گی کہ ساری دنیا جمع ہو جائے۔''

نرمین نے متوحش ہو کر ادھر ادھر دیکھا۔ سڑک سنسان تھی۔

بہت دور حوا کی بیٹی نے اپنا بھاؤ طے کر لیا تھا..... اور موٹر سائیکل کی پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر جا چکی تھی۔

''اللہ کرے مر جاؤ، تمہیں قبر نصیب نہ ہو۔'' اس کی پھنسی پھنسی آواز میں اتنا دم کہاں کہ منشی کو اس سنسان سڑک پر ڈرا سکے، الٹا اس نے ڈرایا۔ منشی کھل کر ہنسا۔

''مجھے بددعائیں نہیں لگتیں، ہاں تمہیں لگ گئی ہیں۔ حال دیکھ..... سوکھ کر لکڑ ہو گئی ہے۔'' منشی نے اس کی کلائی دبوچی۔

''چل آ جا بہت مال دوں گا۔ بیٹھ کر کھائے گی۔''

تھر تھر کانپتی کمزور لڑکی کو اس نے گاڑی کی طرف کھینچا۔

''بٹھا کر تو میں تمہیں کھلاؤں گا بڈھے۔'' کسی کی ٹھوکر اس کی پنڈلیوں میں پڑی۔ وہ دہرا ہو کر گاڑی پر گرا۔

مراد نے اسے کالر سے کھینچ کر سیدھا کیا اور تابڑ توڑ مکے اس پر دے مارے پھر گلا دبوچ لیا۔

''آنکھیں کھول کر مجھے غور سے دیکھ..... میں مراد علی ہوں۔''

منشی آنکھیں کھولنے کے قابل ہی کہاں تھا۔ مگر اس نے کھولیں۔

سامنے مراد علی نہیں گویا اس کا بھوت تھا۔

''ایک پیغام بھجوایا تھا تھانے سے، لگتا ہے ملا نہیں۔''

TAGPK.COM

''مل گیا..... مل گیا..... میں تو بس پوچھ رہا تھا، کوئی مسئلہ ہے تو بتائے۔ میری نیت بری نہیں تھی۔''
پھنسی پھنسی آواز، ٹوٹتے الفاظ۔
اکیلی لڑکی کو دیکھ کر شیر ہونے والا گیدڑ کی طرح کانپنے لگا۔
''تو پھر نکل لے..... یا قسم کھالی ہے مجھے قاتل ہی بنا کر چھوڑے گا۔''
غریب آدمی بدمعاش ہو جائے تو بڑا خطرناک ہو جاتا ہے اور یہ تو تھانے کی شکل بھی دیکھ آیا تھا۔ بچی کھچی عقل نے سمجھایا کہ نکل جا منشی۔
''قسم کھاتا ہوں۔ میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی..... زمین سے پوچھ لے۔ اب نہیں آؤں گا۔ نہ راستے میں نہ اس علاقے میں۔''
''تیرے لیے یہی بہتر ہے۔'' مراد نے اسے عقب میں دھکا دیا۔ منشی کا بس چلتا تو گاڑی کو کندھوں پر اٹھا کر بھاگتا۔ کیونکہ اسے لگ رہا تھا گاڑی بھی رفتار سے نہیں چل سکتی۔
مراد نے مڑ کر زمین کو دیکھا جو دونوں ہاتھ ریڑھی پر ٹکائے ٹکر ٹکر اسے دیکھ رہی تھی۔
مراد نے اسی غصے میں ریڑھی کو دھکیلا، وہ سڑک پر دور تک پھسلتی چلی گئی۔
''چلو میرے ساتھ.....''

☆☆☆

وہ کب سے سر جھکائے بیٹھا کچھ کہنے کے لیے لب کھولتا، بند کر لیتا۔ کہنے کو بہت کچھ تھا مگر جو کچھ دیکھا اس نے دماغ ماؤف کر دیا تھا۔
مراد نے گردن موڑ کر دوسری چارپائی پر دیکھا۔ دورے کے بعد انور حسین نشیوں کی طرح دھت سو رہا تھا۔ اسی کی پائنتی کی طرف بیٹھی ثمینہ کب سے آنسو بہائے جا رہی تھی۔ اور عقب میں..... مراد کے عین عقب میں وہ دیوار کے ساتھ مانند تصویر ایستادہ تھی۔ مراد اس کی خاموشی کو سن رہا تھا۔ سمجھ رہا تھا۔
''ایسا نہیں کہ لوگ مدد نہیں کرتے۔ کرتے تھے مگر کب تک..... اتنے پیٹ روٹی مانگتے تو تن کپڑا، دوا دارو کوئی کہاں تک کرتا۔ اس نے ہمت کی تو تمہارے سامنے بیٹھے ہیں۔ کاش کوئی بیٹا ہوتا تو یوں رسوا تو نہ ہوتے۔ لوگوں نے تو نجانے کیا کیا باتیں بنا ڈالیں۔''
زمین تیزی سے باہر نکل گئی۔
مراد نے سرد سی آہ بھری۔
''تم زمین پر غصہ نہ ہونا۔ بہت مجبوری میں یہ قدم اٹھایا ہے۔'' ثمینہ کو اس کی خاموشی سے خوف آنے لگا۔ مراد کی شکل میں بیٹا نظر آتا تھا۔ غصے میں رشتے توڑ گیا تو؟
''میں زمین سے بات کر لوں۔'' مراد کھڑا ہوا۔
''ہوں۔'' ثمینہ نے اثبات میں گردن ہلا دی۔
وہ مٹی سے بھرے ڈبوں کے پاس کھڑی تھی۔ جن میں کوئی ایک پھول بھی نہ کھلا تھا۔ سوکھی ٹہنیاں، خشک پتے، مرے ہوئے پودے۔
وہ لوگ بھی مر کر مٹی میں ملنے کے عمل سے گزر رہے تھے۔
''تمہارے پرچے کیسے ہوئے؟''
''اچھے ہوئے ہیں۔'' زمین نے چپکے سے آنسو صاف کیے۔
''وہ اب تمہارے راستے میں نہیں آئے گا۔''

TAGPK.COM

''جانتی ہوں۔''

''جانتی ہو..... تو یہ بھی سن لو.....'' مراد نے اسے بازو سے پکڑ کر رخ اپنی طرف کیا۔ کمزور چہرہ، روئی سوجی آنکھیں۔ پھیکی رنگت۔

کاش وہ اسے اپنے دل میں چھپا سکتا۔

اس کی ساری تکالیف، ساری مشکلات لے کر اس کے ہونٹوں پر بس ہنسی سجا سکتا۔

''تم اب کام نہیں کرو گی؟''

''تو کون کرے گا؟ ابو جی.....'' استہزائیہ انداز میں مسکراتے ہوئے نرمین بازو چھڑا کر پیچھے ہٹی۔

''تمہیں میں نظر نہیں آتا۔'' مراد نے افسوس سے نرمین کو دیکھا۔ نرمین اسے بتا نہ سکی۔ وہ تو طاق میں جلتا دیا ہے جس کی روشنی میں وہ اپنا راستہ تلاشتی تھی۔

''میں سب کچھ کروں گا۔ سب سنبھال لوں گا۔''

''ہم نے بھیک مانگنا چھوڑ دی ہے۔'' وہ تلخی سے گویا ہوئی۔

''کیوں فضول باتیں کرتی ہو، بھیک کیسی..... کیا یہ میرا فرض نہیں ہے؟'' وہ جھنجلایا۔ اس چھوٹی سی لڑکی کی عقل بھی چھوٹی تھی۔

''نہیں.....'' نرمین نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

''نرمین.....'' مراد نے بمشکل اپنا غصہ کنٹرول کیا۔ ''جو کچھ آج ہوا وہ دوبارہ بھی ہو سکتا ہے۔''

''میں تب بھی گھر میں نہیں بیٹھوں گی۔''

''تمہارا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا۔''

''ہو گیا ہے اور شکر کرو جو کچھ ہم پر بیتی ہے، اس کے بعد میں ابو جی کی طرح پاگل نہیں ہو گئی۔''

''میں آ تو گیا ہوں۔ سب سنبھال لوں گا۔''

''تم کون ہو.....؟'' عجیب، بے تکا سوال تھا۔

''مجھ سے پوچھ رہی ہو، میں کون ہوں؟'' وہ ششدر رہ گیا۔

''تم ہمارے محسن ہو۔''

''بس.....؟'' وہ نجانے کیا سننا چاہتا تھا۔

''بس.....'' نرمین نے بات ہی ختم کر دی۔ کب سے ضبط کرتی ثمینہ لپک کر باہر آ گئیں۔

''اس کا ابھی دماغ خراب ہے چاچی! میں بعد میں آ جاؤں گا۔''

کیا کچھ سوچ کر آیا تھا۔ سب دھرے کا دھرا رہ گیا۔ وہ غصے اور جھنجلاہٹ میں بھرا واپس ہو لیا۔

''مجھے اس طرح مت دیکھیں امی۔'' نرمین نے نظریں چرائیں۔

ثمینہ نے کچھ کہنے کو منہ کھولا۔ پھر جھنجلا کر کمرے میں چلی گئی۔ نرمین پر اتنا غصہ تھا کہ کچھ کہہ ہی نہ پائی۔

نرمین نڈھال سی چارپائی کے کنارے بیٹھ گئی۔

میں ہوں بھی تو لگتا ہے کہ جیسے میں نہیں ہوں
تم ہو بھی نہیں اور یہ لگتا ہے کہ تم ہو

''کیسے بتاؤں، تم میرے لیے کیا ہو مراد.....''

تاروں بھرا تھال سر پر جھکا آ رہا تھا۔ کہیں دور سے آتی موتیے کی مہک اس کی کلائی سے لپٹ گئی۔ اس نے مراد سے وہ ساری باتیں کیں جو کرنا چاہتی تھی۔ رو پہلے خواب اوڑھ کر سونے کی عمر تھی مگر اس نے نیند مستقبل کے

TAGPK.COM

خدشوں میں لپیٹ کر گھر کے عقب میں پھینک دی کہ اسے حقیقت کی سنگلاخ سڑک پر ننگے پاؤں چلنا تھا۔

''میری محبت موتیے کی خوشبو نہیں ہے جو تمہیں میرے دل کی داستاں سنائے۔ آج سے میری محبت سیپ میں بند موتی کی طرح ہے۔ نجانے اس کے نصیب میں کیا ہے؟ سمندر کی تہہ..... یا تمہاری ہتھیلی۔''

☆☆☆

ثریا نے بڑے اہتمام سے بھنڈی گوشت بنایا۔ ان برتنوں میں اور گیس کے چولہے پر پکانے کا اپنا ہی لطف تھا۔ نہ دھواں، نہ کالک..... اسے تو گرمی بھی محسوس نہ ہوتی۔ گرم گرم روٹی پکائی۔ سلاد، رائتہ بنا کر خود دوبارہ سے تیار ہوگئی۔ سرخ لپ اسٹک سے ہونٹ رنگے تو رشیداں یاد آ گئی۔

''کنواری لڑکیاں اتنی گوڑھی لپ اسٹک نہیں لگاتیں۔'' وہ ہمیشہ ٹوک دیتی تھی۔ ثریا پھر بھی باز نہ آتی اور اب تو خیر اس کا حق بنتا تھا۔ اس لیے دل کھول کر ہونٹ رنگتی۔

''کاش چند سال پہلے شادی ہو جاتی۔'' اسے اپنی روکھی پھیکی نوعمری کے گزر جانے کا غم ستایا۔

''خیر اب بھی دیر نہیں ہوئی۔''

بالوں کو کندھوں پر پھیلاتے اس نے خود کو آئینے میں دیکھا۔ اور جس لمحے وہ خود پر واری صدقے جا رہی تھی۔ بشیر سکینہ کے پہلو میں بیٹھا اس کی منتیں ترلے کر رہا تھا۔

''اتنے دن ہو گئے۔ گھر گھر نہیں لگتا۔ مجھے تو عادت تھی، گھر آتے ہی تمہاری صورت دیکھنے کی۔''

''کیوں اس باندری سے بور ہو گئے ہو۔'' سکینہ نے غصے سے پرے دھکیلا۔

''گلے پڑ گئی تھی کیا کرتا؟ پھر بے سہارا، یتیم..... مجبور ہو گیا۔ مگر محبت تو تم سے ہی کرتا ہوں۔''

''دیکھ لی تمہاری محبت۔ دوسری شادی کر لی، سوکن کو گھر لے آئے اور کہتے ہو محبت کرتے ہو۔'' سکینہ رونے لگی۔ کونے میں کھیلتے بیٹے نے ماں کو روتے دیکھا تو بھاگ کر ماں باپ کے درمیان آ گیا۔

''پاپا! میری مما کو کیوں ڈانٹتے ہو۔'' ننھی آنکھوں میں غضب کا غصہ تھا۔

بشیر نے اسے بانہوں میں بھر لیا۔ اسی کی محبت تھی۔ جو اسے منتیں کرنے پر مجبور کر رہی تھی۔ بیٹے سے بہت پیار کرتا تھا۔ ثریا کا خمار اترا تو بیٹا شدت سے یاد آیا۔ تب ہی تو گھر جانے کے بجائے یہاں آ گیا۔

''میری کیا مجال؟ تمہاری مما مجھے ڈانٹتی ہے۔''

تب ہی بشیر کا موبائل بج اٹھا۔

''لو، آ گیا فون..... اب بتاؤ اس چڑیل کو کہ تم میرے پاس بیٹھے ہو۔''

''ضروری تو نہیں اسی کا..... بشیر نے نمبر دیکھا تو کھسیانا ہو کر ہنسا۔

سکینہ کو مزید غصہ آ گیا۔

''لاؤ، میں بات کرتی ہوں۔''

''حوصلہ تو کرو، کیا ہو گیا ہے.....'' بشیر نے اسے چپ کا اشارہ کر کے کال لی۔

''کہاں رہ گئے ہو بشیر! کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے اور سنگھار باسی۔'' ثریا کی چہکتی کھلکھلاتی آواز بنا اسپیکر سکینہ کے کانوں سے ٹکرائی تو تن بدن میں آگ لگ گئی۔

''تم کھانا کھا لو۔ میں کہیں پھنس گیا ہوں، کام نبٹا کر آتا ہوں۔'' سکینہ کے تیور دیکھتے ہوئے اس نے فوراً کال کاٹ دی۔

''ضرورت کیا ہے بہانا بنانے کی۔ جاؤ سولہ سنگھار کر کے بیٹھی ہے تمہاری لاڈو رانی۔''

''کتنے ہی سنگھار کر کے، تمہارا مقابلہ تو نہیں کر سکتی۔''

TAGPK.COM

''بہلاوے نہ دو، اس کو طلاق دو۔ تب ہی گھر آؤں گی ورنہ خدا کی قسم! بیٹے کی شکل دیکھنے کو ترس جاؤ گے۔'' وہ بھڑکی۔

''نہ کر..... اسے تو دیکھ کر جیتا ہوں۔ میری جان ہے۔'' بشیر نے بچے کا منہ چوم لیا۔ سکینہ کو ایک دم اپنی پوزیشن اور مضبوطی کا احساس ہوا۔

''تو ٹھیک ہے، اسے طلاق دے کر گھر سے نکالو۔''

سکینہ نے بازو سے کھینچ کر بیٹے کو قریب کیا۔

''بس ایک طلاق کی بات رہنے دے، باقی جو کہے گی، کروں گا۔'' وہ منتوں پر اتر آیا۔

''پکی بات ہے۔''

''تمہاری قسم۔''

سکینہ نے سوچ لیا تھا، اسے بشیر سے کیا منوانا تھا۔

☆☆☆

کاکے نے پرجوش انداز میں مراد کا استقبال کیا۔

''میرا شہزادہ آ گیا۔'' گلے لگایا۔ پیٹھ تھپتھپائی۔

''بہت شکریہ بھائی! آپ نے میرا ساتھ دیا۔'' دونوں ہوٹل کے عقب میں آ کر چارپائی پر بیٹھ گئے۔

''تو تو اپنا جگر ہے، جان بھی حاضر ہے۔'' کاکے نے سینے پر ہاتھ پھیرا۔

''اور سنا، اپنی ہونے والی سسرال گیا تھا۔''

''کاکا! آپ نے مجھے سارے حالات کیوں نہیں بتائے؟'' مراد نے شکوہ کیا۔

''بتایا تو تھا، اب اس سے زیادہ کیا بتاتا..... اور تھانے میں بیٹھ کر تو اس سے زیادہ ان کے لیے کر ہی کیا سکتا تھا۔'' کاکے نے نظریں چرائیں۔

''مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا۔ نرمین کا اس طرح محنت مشقت کرنا۔''

''کیا برائی ہے، محنت ہی تو کر رہی ہے۔''

''برائی محنت میں نہیں، برائی معاشرے میں۔ یہ امریکہ، برطانیہ نہیں ہے جہاں لوگ بوٹ پالش کر کے بھی عزت سے پیسے کما لیتے ہیں۔ یہاں تو ایسے کام کرنے والے مردوں کی عزت نہیں۔ وہ تو پھر لڑکی ہے۔ آج منشی نے راستہ روکا، کل کو کوئی اور ہاتھ پکڑ لے گا۔ میں کہاں کہاں سے اسے بچاؤں گا۔'' وہ جھنجلا کر جذبات میں کھڑا ہو گیا۔

''تو ٹھیک ہے۔'' کاکا دونوں ہاتھوں پر ہاتھ ڈال کر کھڑا ہوا۔ ''اس کا بہت ہی آسان حل ہے، جو رشتہ ادھورا رہ گیا، اسے مکمل کر لو۔ شادی کرو۔ اس طرح تم زیادہ اچھے طریقے سے اس کے خاندان کا خیال رکھ سکو گے۔''

''آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ مجھے فوراً اس سے شادی کرنا ہوگی۔ یہی طریقہ ہے اسے محفوظ رکھنے کا۔'' مراد نے فیصلہ کن انداز میں کاکے کو دیکھا۔

''چھوٹی چھوٹی باتوں پر پریشان ہو جاتا ہے۔ دیکھنا، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تمہیں بھی ایک خاندان مل جائے گا۔''

خاندان پر مراد کا ذہن بھٹکا، مگر اس نے جھٹک دیا۔

اسے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا تھا۔ یہی اس کا فیصلہ تھا۔

TAGPK.COM

☆☆☆

''شادی.....'' نرمین نے بے حد حیرت سے ماں کو دیکھا۔

''ہاں، تیری شادی ہوگی۔ اپنے گھر جائے گی۔ یاد ہے نا، ہم نے کتنے ارمانوں سے تیاری کی تھی۔''

ثمینہ نے پیار سے اس کی ٹھوڑی چھوئی۔ دونوں ماں بیٹی کچن میں سامان کی تیاری کر رہی تھیں، جو نرمین کو لے کر جانا تھا۔ آج کل وہ ڈبل شفٹ لگا رہی تھی۔ اسے رزلٹ آنے سے پہلے پیسے جمع کرنے تھے۔ کالج میں داخلہ لینا تھا۔

نرمین نے ہاتھ پر رکھے آلو کے ملیدے کو دیکھا جسے وہ ٹکی کی شکل دینے والی تھی۔

''مگر امی.....!''

''کیا اگر مگر..... بس تم اپنے گھر کی ہو جاؤ تو میں بھی سکون میں آ جاؤں۔ مراد نے وعدہ کیا ہے، وہ ہمارے گھر کا خیال رکھے گا۔''

ثمرین ایک ٹوکری میں چپس کے لیے آلو کاٹ رہی تھی۔ طلحہ اور حذیفہ اخبار کاٹ کر لفافے بنا رہے تھے۔

''آپی کی شادی ہوگئی تو کام کون کرے گا؟'' ثمرین کے سوال پر نرمین نے چونک کر دیکھا۔ وہ جیسے آپی کی شادی کا سن کر ہی پھر سے بھوک جھیلنے کے خوف میں مبتلا ہوگئی تھی۔

''ہم کریں گے، ہم بڑے ہوگئے ہیں۔'' جڑواں نے سینہ پھلا کر کہا۔

نرمین نے گردن موڑ کر ماں کو دیکھا۔ وہ نظریں چراتی بچوں کو ڈانٹنے لگیں۔

نرمین نے خاموشی سے ٹھوڑی گھٹنے پر ٹکائی اور ٹکیاں بنانے لگی۔ الجھتے سلجھتے ریڑھی تیار ہوئی تو اس نے دوپٹا پھیلا کر اوڑھا۔

طلحہ، حذیفہ نے بھاگ کر دروازہ کھولا۔

تب ہی انور حسین تیر کی طرح نکلا اور نرمین اور ریڑھی کے درمیان حائل ہوگیا۔

''کیا ہوا ابو جی؟''

وہ خاموشی سے اسے گھورتا رہا۔

''کچھ چاہیے ابو!''

''ریڑھی لے کر تم نہیں جاؤ گی۔''

''تو کون جائے گا؟'' نرمین نے تحمل سے پوچھا۔ انور حسین نے داڑھی کھجائی۔ ادھر اُدھر دیکھا تو نظر طلحہ اور حذیفہ پر گئی۔

''یہ کس لیے پیدا کیے ہیں؟''

''یہ بچے ہیں ابو جی!'' نرمین نے ضبط سے کام لیا۔

''اچھا.....'' اس نے نظروں ہی نظروں میں بچوں کے قد ناپے، پھر اپنے سینے پر ہاتھ مارا۔

''میں جاؤں گا۔''

''مگر ابو جی! آپ تو بیمار ہیں۔''

نرمین نے کچھ کہنا چاہا مگر ثمینہ لپک کر انور حسین کے پاس آئی۔

''ہاں تو ٹھیک ہے نا، کل کو نمو کی شادی ہو جائے گی تب بھی تو آپ ہی کو جانا پڑے گا۔ ثمرین! فضہ! ابو کا صافہ لا کر دو۔''

نرمین نے حیرت سے ماں کو دیکھا جو خوشی خوشی انور حسین کو بھیجنے کو تیار ہوگئی تھی۔

TAGPK.COM

''امی! ابو سب برباد کر دیں گے۔''

''کچھ برباد نہیں ہوگا۔ انہیں عادت پڑے گی۔'' ثمینہ خوشی سے نہال انور کو رخصت کرنے لگی۔

نرمین غیر مطمئن سی انہیں دیکھتی رہی۔ ثمینہ نے کچھ پڑھ کر پھونکا۔ بچے باپ کے اردگرد پھدکتے جا رہے تھے۔

''زیادہ دور مت جانا۔''

ثمینہ نے مڑ کر نرمین کو دیکھا، مسکرائی۔

''زیادہ فکر نہ کرو۔ وہ آہستہ آہستہ ٹھیک ہو رہے ہیں۔ تم بس شادی کا سوچو۔'' وہ پیار سے اس کا ماتھا چوم کر اندر چلی گئی۔

مگر نرمین مطمئن نہیں تھی۔ تب ہی تو چند لمحے سوچنے کے بعد اس نے باپ کے پیچھے قدم بڑھا دیے۔ آہستہ آہستہ ریڑھی دھکیلتا وہ مختلف گلیوں سے ہوتا کالونی کے آخری بنگلے کے سامنے بنے چبوترے کے پاس رکا۔ جہاں عین سامنے ایک پرائیوٹ اسکول کے بند گیٹ پر شام اترتی تھی۔

حذیفہ اور طلحہ نے چبوترے پر پھیلے نیم کے درخت کے نیچے بکھری نمولیاں چن کر جیبیں بھرنی شروع کر دیں۔

کالونی میں داخل ہونے والی سڑک گھر واپسی کے شور سے بھری تھی، جس کے پار کھیت نئی موسمی سبزیوں کی پنیری سے لدے تھے۔ ایک طرف املی، آلو بخارے کے شربت کی ریڑھی تھی۔ نرمین دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی۔ وہ یہاں سے بخوبی باپ کو دیکھ سکتی تھی۔ وہ ریڑھی کھڑی کر کے ایک طرف اینٹوں والے چبوترے پر بیٹھ کر لاتعلقی سے داڑھی کھجانے لگا۔ کچھ بچوں نے آ کر ٹکیاں مانگیں تو بے نیازی سے سر ہلا دیا کہ ''نہیں ہیں'' نرمین نے طویل سانس بھری اور آہستہ سے آ کر ریڑھی پر کھڑی ہوگئی۔ ماں کہتی تھی۔

''رو پہلے خواب اوڑھو اور دھنک سی ہو جاؤ۔ کیسے سمجھاؤں ماں خواب تو شیشہ ہوتے ہیں..... اور شیشے کا مقدر کرچی کرچی ہونا ہے۔''

اس نے اپنے رو پہلے خوابوں، خواہشوں اور ارمانوں کو حقیقت کی سنگلاخ چٹان پر مار کر ریزہ ریزہ کر ڈالا۔

☆☆☆

''شادی نہیں کروں گی۔''

جس وقت مراد ثمینہ کے ساتھ بیٹھا معاملات طے کر رہا تھا، نرمین دروازے میں آ کھڑی ہوئی۔

مراد نے تعجب سے اور ثمینہ نے دانت پیس کر بیٹی کو دیکھا۔

بجھے چہرے اور بجھی آنکھوں کے ساتھ وہ اسی کو دیکھ رہی تھی۔

''جاؤ، یہاں سے.....'' ثمینہ نے غصے سے ٹوکا۔ رات سے یہی رٹ لگا رکھی تھی۔ غصے سے ثمینہ نے تھپڑ کھینچ مارا تو چپ کر کے چادر اوڑھ کر لیٹ گئی۔ ثمینہ نے سمجھا عقل ٹھکانے آ گئی ہے، مگر نہیں۔ وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔

نرمین ڈانٹ کھا کر خاموشی سے مڑ گئی۔

''پریشان ہے، میں بات کرتی ہوں۔'' ثمینہ نے اٹھنا چاہا۔

''نہیں۔ میں بات کرتا ہوں۔'' مراد کھڑا ہوا۔

ثمینہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

وہ کمرے میں جانے کو تھی، جب مراد نے سامنے آ کر راستہ روکا۔

TAGPK.COM

''شادی نہیں کرنی یا مجھ سے نہیں کرنی؟''

نرمین نے تڑپ کر دیکھا۔ وہ اس کی محبت سے انجان تھا۔

''میں خود غرض نہیں ہوں۔''

''میں نے کہا نا، میں سنبھال لوں گا۔ تمہارا ساتھ دوں گا۔ تمہارے گھر والوں کو اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔''

''کب تک؟'' نرمین کو غصہ آ گیا۔ ''ایک وقت آئے گا، تم بھی تھک جاؤ گے۔ اکتا جاؤ گے، کیونکہ یہ تمہارا خاندان ہے نہ تمہاری ذمہ داری۔''

چھوٹی سی لڑکی نجانے کہاں سے بڑے بڑے سبق پڑھ آئی تھی۔ شاید زندگی سب سکھا دیتی ہے۔

''تمہیں مجھ پر اعتبار کرنا ہوگا۔ تم سے محبت کرتا ہوں۔ تمہارے لیے کچھ بھی کروں گا۔''

مراد جھنجلا گیا۔ ''کیا اب تک میں نے تمہارا ساتھ نہیں دیا۔''

''ساری عمر نہیں دے سکو گے۔ سب کچھ بدل جاتا ہے۔ تم بھی بدل جاؤ گے۔''

نرمین نے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

''غور سے اس گھر کو دیکھو، میرا باپ پاگل ہو گیا۔ میرے چھوٹے چھوٹے بہن بھائی ہیں۔ تعلیم، بیماری، گھر کا خرچا تم کیا کیا دیکھو گے۔ تم ہمارے محسن ہو مراد علی! تم نے اس وقت ہماری مدد کی۔ جب کوئی نہیں تھا۔ میں چاہتی ہوں، تم اسی طرح رہو۔ ہمیں بھیک کا عادی نہ بناؤ۔ اپنا بوجھ خود اٹھانے دو۔ میں بیٹا نہیں تو کیا ہوا، دیکھو.....''

نرمین نے دونوں ہاتھ سامنے پھیلائے۔

''میرے پاس دو ہاتھ ہیں۔ دماغ ہے۔ میں اس گھر کی بڑی بیٹی ہوں۔ میں انہیں سنبھال لوں گی۔''

''میں تمہیں کس بات سے روک رہا ہوں۔ تمہارا جو دل چاہے کرنا۔'' مراد نے اس کے پھیلے ہاتھ تھامے۔

''تم کرو گے؟'' نرمین کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ پھیلی۔

''تم..... جس نے پلٹ کر یہ بھی نہیں دیکھا کہ تمہارے سگے کس حال میں ہیں؟''

مراد کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

ثمینہ تیر کی طرح اڑتی آئی۔

''چپ کر نمو!''

''کیوں چپ رہوں؟ یہ ہماری بات کرتا ہے۔ اس نے ایک بار بھی سوچا، جو سوتیلا باپ اس کو مار مار کر نیلو نیل کر دیتا تھا، وہ اس کی بہن کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوگا۔'' وہ جیسے پھٹ پڑی۔

''جو اس کی ماں کو بات بات پر گھر سے نکال دیتا تھا، اب کیا کرتا ہوگا..... اس نے تو اپنی زندگی بنالی اور خود غرض ایسا کہ مڑ کر ان کا حال تک نہ پوچھا اور میرے خاندان کو سنبھالنے کی بات کرتا ہے..... میں کیسے اس پر یقین کر لوں امی!''

''بہت زبان چلتی ہے..... کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر بولی جا رہی ہو۔''

ثمینہ نے اسے پیٹ ڈالا۔

مراد کا دماغ بھک سے اڑ گیا۔ نرمین نے آئینہ اس کے ہاتھ میں دے کر کہا تھا۔

''لو مراد علی! اپنا چہرہ دیکھو۔''

وہ چہرہ کیا دیکھتا۔ قدم قدم پیچھے ہٹا اور وہاں سے بھاگ گیا۔

''مراد..... مراد..... میری بات تو سنو..... بیٹا رکو!'' ثمینہ دروازے تک اس کے پیچھے بھاگی، پھر دوبارہ

TAGPK.COM

زمین پر برس پڑی۔

''اب نہیں آئے گا۔ اپنی خوش قسمتی کو خود گھر سے باہر نکالا۔ اب ساری زندگی ریڑھی پر پکوڑے، سموسے بیچنا۔ اب یہی تمہاری قسمت ہے۔ لیکن مراد جیسا لڑکا دوبارہ تمہاری زندگی میں نہیں آئے گا۔ لکھ کر رکھ لے زمین!''

لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ بات تو نیزے کی انی کی طرح زمین کے دل میں کھب گئی تھی۔

اس نے مراد کو کھو دیا تھا۔ شاید ہمیشہ ہمیشہ کے لیے.....

چاند کل رات بہت بے چین تھا
کبھی بادل میں چھپتا تھا
کبھی باہر نکلتا تھا
کبھی حیران دکھتا تھا
کبھی اداس لگتا تھا
بڑا عجیب منظر تھا
کچھ کچھ مجھ سے ملتا تھا
جو تری یاد آئے تو میں بھی بے تاب ہوتا ہوں
کبھی باہر کو تکتا ہوں، کبھی اٹھ کر ٹہلتا ہوں
بڑا خاموش رہتا ہوں
جو تیری یاد آئے تو، میں پاگل سا لگتا ہوں
ادھورے چاند کی مانند بجھتا جلتا ہوں

(صائمہ ارسلان)

وہ رات ان دونوں کے لیے بہت بھاری تھی

زمین کی چھت پر چاند اس کے آنسوؤں میں ڈوب گیا۔

''کیا بتاؤں مراد! یوں جدا ہونا آسان ہے، میرے پاس یہ بھرم تو ہے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ مگر ایک وقت آتا تم تھک جاتے۔ محبت بوجھ بن جاتی..... اور میں تمہاری آنکھوں میں حقارت نہیں دیکھ سکتی تھی۔''

زمین کے دل پر فرخ کا حقارت و بے زاری بھرا لہجہ نقش تھا۔

''میں تو مزدور کی بیٹی ہوں۔ مزدوری میری قسمت ہے۔ تم میری مشقت ساری عمر کہاں بانٹ سکتے ہو۔ تم مجھے چھوڑ کر جاتے، اس سے بہتر ہے میں راستہ بدل لوں۔''

وہی چاند نہر کے پانیوں میں، مراد کی نظروں کے سامنے غروب ہو گیا۔

''ٹھیک تو کہتی ہے۔''

ساری رات جلنے کڑھنے اور غصہ کرنے کے بعد مراد نے ہار مان لی۔ آئینے میں اپنا چہرہ دیکھا اور سورج کی پہلی کرن کے ساتھ وہ چک 59 جانے والی ویگن پر سوار ہو گیا تھا۔

☆☆☆

بشیر دوپہر کو کھانے پر نہیں آیا تھا۔ مطلب اب اسے شام کو ہی آنا تھا۔ ثریا نے ساری دوپہر لگا دی۔ سکینہ کی جتنی چیزیں استعمال والی تھیں، خود رکھ لیں۔ بچے کی چیزوں کا بکسا بھر کر سائیڈ پر لگا دیا۔ گھر کی صفائی ستھرائی کی۔ باقی دوپہر سو کر گزاری۔

TAGPK.COM

کتنی گہری، میٹھی اور پرسکون نیند تھی۔
تازہ دم ہو کر اٹھی تو بشیر کو فون کیا مگر اس نے اٹھایا ہی نہیں۔
''کام میں مصروف ہوگا۔''
اس نے پھر سے نہا کر جوڑا نکالا۔ خود کو آراستہ کیا، بڑا مگ دودھ پتی کا بنا کر برآمدے میں آ گئی۔
''یہ میرا گھر ہے۔'' اس نے فخر اور غرور سے ادھر اُدھر دیکھا۔ کرسی پر ٹانگ پر ٹانگ چڑھا کر بیگم صاحبہ بن کے بیٹھ گئی۔
''اقصیٰ اور رشیداں مجھے دیکھیں تو جل بھن جائیں گی۔''
کسی خیال کے تحت اس نے نمبر ملا لیا۔
اقصیٰ نلکا کھول کر بالٹی بھر رہی تھی۔ اسے بکریوں کو پانی پلانا تھا۔ رشیداں جانوروں کو ٹوکرا بھر بھر چارہ ڈال رہی تھی۔ جب بلو بھاگا آیا اور سیدھا اقصیٰ کے پاس آ کر رکا۔
''تجھے چلنا نہیں آتا، جب دیکھو دوڑیں ہی لگاتا ہے، جیسے کٹا کھل گیا ہو۔''
اقصیٰ نے ناگواری سے ٹوکا۔
''ہاہاہا..... جانوروں میں رہتی ہے تو مثالیں بھی وہی دے گی۔'' بلو نے دانت نکال کر مذاق اڑایا۔
''ٹھہر جا۔'' اقصیٰ نے چپل پاؤں سے نکالی۔
''بعد میں مار لے، پہلے فون تو سن لے۔'' بلو نے موبائل سامنے کیا۔ اقصیٰ نے بڑی آس میں فون پکڑا۔
کیا پتا کسی چاچے، مامے، تائے کا ہو، جو انہیں اس مشقت بھری زندگی سے نکال لے جائیں۔ جس دن ان کی چھت اڑی، رشیداں، بکری اور اقصیٰ نے رسولاں کے گھر پناہ لی تھی۔ پھر گاؤں کے سرکردہ لوگوں نے سر جوڑ کر اس مسئلے کا حل نکالا۔ انہیں ابھی ان ہی کے گھر میں ایک کمرا مل گیا اور تازہ بنے جانوروں کے باڑے میں کام بھی۔ اقصیٰ اتنا رو چکی تھی کہ اب روبوٹ بنی گوبر اکٹھا کر کے پاتھیاں تھاپتی۔ یہ گوبر انہیں مفت میں ملتا تھا۔ بونس کے طور پر وہ یہ اپلے بیچ لیتیں۔
کبھی کبھی وہ ہاتھ روک کر بے حد حسرت سے گاؤں کے اوپر سے گزرتی پکی سڑک کو دیکھنے لگتی۔ جہاں ویگن آ کر رکتی اور ان لڑکیوں کو اٹھاتی تھی جو گاؤں سے شہر کالج میں پڑھنے جاتی تھیں۔
ان میں ایک لڑکی اقصیٰ بھی ہو سکتی تھی۔ مگر وہ نہیں تھی..... وہ یہاں تھی..... جانوروں کے باڑے کی نگران بن کر اپلے تھاپ رہی تھی۔
''کیسی ہو اقصیٰ؟'' ثریا کی آواز میں ایسی چہکار تھی، جو آسودگی اور بے فکری کی دین تھی۔
اقصیٰ کچھ بول ہی نہ پائی۔ کوئی پوچھتا کیسی ہو تو وہ رونے بیٹھ جاتی۔
ایسی تھی وہ.....
اسے فون پر کسی سے بات کرتا دیکھ کر رشیداں ہاتھ جھاڑتی پاس آ کھڑی ہوئی۔ اسے پاس دیکھ کر اقصیٰ نے اسپیکر آن کر دیا۔
''ہائے اللہ، تمہیں تو چپ ہی لگ گئی۔ میرا حال ہی پوچھ لو۔''
''کیسی ہو آپا؟''
''کچھ نہ پوچھ۔ مجھے تو لگتا ہے جنت میں آ گئی ہوں۔ آسمانوں پر اڑ رہی ہوں۔ تم کبھی لاہور آؤ تو میرا گھر دیکھنا، پورا پکا ہے۔ پتھر لگا ہے۔ غسل خانہ تو ایسا ہے کہ پاؤں پھسل پھسل جائے۔''
(تو اب تک پھسلی کیوں نہیں)

TAGPK.COM

''کون سی سہولت ہے جو بشیر نے میرے لیے جمع نہیں کی۔ شہزادی بنا کر رکھا ہوا ہے۔ میں تو پچھتاتی ہوں، پہلے ہی کیوں نہ بھاگ آئی۔''

اقصیٰ کی آنکھیں چھم چھم برسنے لگیں۔

رشیداں نے موبائل اقصیٰ کے ہاتھ سے لے کر بلو کو پکڑا کر جانے کا اشارہ کیا۔

''پتا ہے آپا.....! تمہارے چاچا نے گھر بیچ دیا اور.....'' بلو بات کرتا کرتا بھاگ گیا۔

رشیداں نے اقصیٰ کو دیکھا اور نلکے کے نیچے ہاتھ کر دیے۔

وہ سوں سوں کرتی دور جا بیٹھی۔ گویا پھر سے ناراض ہو کر بیٹھ گئی تھی۔

رشیداں خود ہی نلکا کھول کر ہاتھ پاؤں دھونے لگی۔

''اماں! تم تو کہتی تھیں، برے کام کا انجام برا ہے۔ پھر وہ کیوں اتنی خوش ہے۔'' اقصیٰ نے تڑخ کر پوچھا۔

''اللہ کی مرضی۔''

''تو ہم سے کون سا گناہ ہوا ہے جو مصیبتیں ختم ہی نہیں ہو رہیں۔ اللہ کو ہم پر ترس کیوں نہیں آتا۔''

''پاگلے! کوئی زندگی رب سے مول تھوڑی خریدی ہے جو میں اس سے حساب مانگنے لگوں۔ اس کو پتا ہے، کس کو کہاں رکھنا ہے۔''

''سیکھ کچھ اپنی ماں سے۔'' رسولاں نمکین آلو والے چاولوں کی پلیٹ لے آئی۔

''اتنے سیاپے کسی اور کی جان کو لگے ہوتے تو مر کھپ جاتا۔ پر دیکھ، تیری ماں ہر دفعہ نئے نکور دکھوں کی گٹھڑی باندھ کر سر پر رکھتی ہے اور چل پڑتی ہے زندگی کے نئے سفر پر۔''

''تو کیا کروں؟ جب تک زندگی ہے، پینڈے تو کرنے ہیں۔''

رشیداں نے پلیٹ پکڑی اور اقصیٰ کو پیار سے پکارا۔

''آ جا گڈی، تجھے بھوک لگی تھی۔''

اقصیٰ غصے میں اٹھ کر باہر نکل گئی۔

''بڑا اتنا دماغ ہے اس کا۔ ہر وقت لڑتی مرتی رہتی ہے۔'' رشیداں نڈھال سی چارپائی پر بیٹھ گئی۔

''اب تیرے جیسی ہمت کہاں سے لائے۔''

''مجھ میں کون سی ہمت ہے۔ بس ایک امید ہر صبح پلو سے باندھ لیتی ہوں۔ کیا پتا.....؟''

ایک حسرت بھری آہ اس نے لبوں پر ہی روک لی۔

''اسے آنا ہوتا تو کب کا آ جاتا..... تو میری بات مان، اقصیٰ کی شادی کر دے۔''

رشیداں نے حیرت سے اپنی ہم جولی کو دیکھا۔

''تیرے سوا اس کا کوئی نہیں۔ اللہ نہ کرے تجھے کچھ ہو جائے تو اس کا کیا ہوگا؟''

رسولاں مشورہ دے کر چلی گئی۔

''ٹھیک ہی تو کہتی ہے۔'' پہلی بار تفکر کی لکیریں اس کے ماتھے پر جم گئیں۔ ابھی تو وہ اقصیٰ کا پردہ تھی، ڈھال تھی۔ آج آنکھ بند ہو جائے تو اقصیٰ کا کیا ہوگا۔

اس نے پہلی بار مراد سے ہٹ کر سوچا۔

☆☆☆

رشیداں نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ اس کے سامنے سنجبین کا جگ پڑے پڑے گرم ہو گیا تھا اور اس نے گھونٹ نہ بھرا تھا۔ یہ برادری کا واحد گھر تھا جہاں اقصیٰ کے ہم عمر لڑکے تھے۔

TAGPK.COM

رشتے میں وہ رشیداں کا چچازاد بھائی تھا۔ اور ایک گھنٹے سے دونوں میاں بیوی اس کا مدعا سننے کے بعد دوسرے کمرے میں گھسے مشورہ ہی کیے جا رہے تھے۔ رشیداں خود سوالی بن کر آئی تھی۔

''میری دھی میں کس چیز کی کمی ہے۔ قبول صورت، پڑھی لکھی، سگھڑ.....'' اندر کہیں گمان تھا کہ وہ لوگ انکار نہیں کریں گے..... مگر ہر گزرتے منٹ کے ساتھ امید دم توڑنے لگی۔

اس جاں کنی کی کیفیت سے نکلنے کے لیے وہ دوسرے کمرے میں آ رکی۔

''صاف چٹا جواب کیسے دوں؟'' چچازاد بھائی متذبذب تھا۔

''جیسے بھی دو..... میری طرف سے انکار ہے۔ اس دوبار کی بیوہ کو میرا ہی گھر ملا۔ اتنے فالتو ہیں میرے پتر۔''

''لڑکی تو ٹھیک ہے۔ میں تو کہتا ہوں کر ہی دیتے ہیں۔ اللہ ثواب دے گا۔''

''بارات لے کر کہاں جاؤں گی، بھینسوں کے باڑے میں۔''

بیوی کی بات سن کر اس کی بولتی ہی بند ہو گئی۔

''بس کہہ دو۔ ہم نے دونوں کے رشتے کر دیے ہیں۔ ایک لڑکی گھر سے بھاگ گئی، دوسری اللہ جانے کیسی ہو؟''

دونوں پکی صلاح کر کے آئے تو سکنجبین کے بھرے جگ میں مری مکھی تیر رہی تھی۔

رشیداں اس کا جواب سن کر جا چکی تھی۔

اسے اپنی وجہ سے دوسروں کو مشکل میں ڈالنے کی عادت ہی نہیں تھی۔

☆☆☆

کپاس کی چنائی کے بعد اپنی اپنی مزدوری سنبھالے وہ مکئی کے کھیتوں کے کنارے کنارے چہلیں کرتی آگے پیچھے چلی آ رہی تھیں۔ کھیتوں میں سرسراتی ہوائیں، رنگ برنگی اوڑھنیوں کے ساتھ شرارت کر جاتیں تو بلاوجہ کھلکھلا اٹھتیں۔ مگر اس کے بنجر ہونٹوں پر ہنسی کی ایک کلی بھی نہ چٹخی۔ وہ ان سب سے کٹی، اپنے ہی قدم گنتی آ رہی تھی۔

آج اماں اسے رسولاں کے سپرد کر کے نجانے کس کام سے نکلی تھی۔

نہ اقصیٰ نے کچھ پوچھا، نہ رشیداں نے کچھ بتایا۔

خودرو پیلے پھول اس کے پیروں کو چومتے اور سبز گھاس لپٹ لپٹ جاتی۔

کماد کا کھیت شروع ہو گیا۔

لڑکیاں موڑ مڑ گئی تھیں۔

تب ہی کوئی چیل کی طرح جھپٹا اور اسے اندر کھینچ لیا۔ اس کی چیخوں نے فصلوں میں چھپے پرندے اڑا دیے۔ کسی کو خبر نہ تھی کہ کون پیچھے رہا اور کون چیخا..... مگر وہ ساری واپس بھاگیں۔

اقصیٰ کھیت کے کنارے گری تھی۔ اس کا گال سرخ تھا۔ کوئی ہلکی سی جسارت کر کے بھاگ گیا تھا۔

☆☆☆

''ایسی جلن چڑھی دونوں کو کہ میری پوری بات سنے بغیر ہی بات کاٹ دی۔''

بشیر ٹی وی دیکھتا، ثریا کی باتوں سے بے زار ہو رہا تھا۔ جو اس کے کندھے پر چڑھی چنے کھاتی بولے جا رہی تھی۔

''یا تو چنے کھا لو یا مجھ سے بات کر لو۔'' اس نے اپنا کندھا چھڑایا۔

''اپنا کوئی تھاہ ٹھکانا نہیں بچا۔ چاچا نے وہ گھر بھی بیچ دیا ہے۔'' ثریا کو اس کی کوئی بھی بات بری نہیں لگتی تھی۔

''کیا مطلب؟'' بشیر ایک دم سیدھا ہوا۔ ''کیسے بیچ دیا؟''

TAGPK.COM

''جیسے بیچتے ہیں۔'' ثریا نے ناسمجھی سے دیکھا۔ ثریا نے تو گھر بکنے والی بات کو سنجیدگی سے لیا ہی نہ تھا۔
''وہ گھر تمہارے باپ کا تھا۔ وہ کون ہوتا ہے بیچنے والا؟'' بشیر کو غصہ آ گیا۔
''اچھا چلو جانے دو۔ میں ویسے بھی کسی کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی۔'' ثریا نے ٹالا۔
''ہونا بے وقوف، اپنا حق کون چھوڑتا ہے۔ لاؤ، نمبر دو۔ میں خود تمہارے چاچے سے بات کرتا ہوں۔ سیدھی طرح دے دے تو ٹھیک، ورنہ اپنے پھپھڑ کا سر پھاڑ سکتا ہوں تو چھوڑوں گا اس کو بھی نہیں۔''
ثریا ڈر گئی۔
''میرے پاس نمبر نہیں ہے۔''
''اب مجھ سے جھوٹ بولو گی۔'' بشیر نے بری طرح گھورا۔
''قسم سے.....''
''چل، میں ڈھونڈ ہی لوں گا اس کا نمبر بھی اور ٹھکانا بھی۔''
''اب چاچے کی خاطر مجھ سے لڑتے رہو گے۔ پورا دن تمہارا انتظار کرتی رہی۔ اس کا احساس تک نہیں۔''
ثریا نے لگاوٹ سے بات کو سمیٹا۔
''اب اکثر دیر ہو جایا کرے گی۔ کام بہت ہے۔'' وہ لیٹ گیا۔
''اور میں کیا کروں گی؟''
''آس پڑوس میں سہیلیاں بنا لو۔ سکینہ کی تو بہت ہوتی تھیں۔''
''یہی تو مسئلہ ہے۔ کم بخت ماریاں اس کی سہیلیاں ہیں۔ مجھ سے مل کر اس کو ایک ایک بات بتاتی ہیں۔''
ثریا نے ناک چڑھائی تو بشیر ہنسنے لگا۔
''دوسری عورت کو یہ سب تو سہنا پڑتا ہے۔''
''تو طلاق دو اسے..... جان چھڑاؤ۔''
''دیکھتے ہیں۔ کل کھانا تھوڑا زیادہ بنا لینا۔''
''کیوں، مہمان آنے ہیں؟''
''یہی سمجھ لو۔'' بشیر نے ٹی وی کی آواز بلند کی۔ گویا اب مزید بات کا ارادہ نہ تھا۔
ثریا کو بشیر کا انداز سمجھ میں آنے لگا تھا۔ وہ من موجی تھا۔ دل چاہتا تو گھنٹوں اسے سنتا، نہ دل چاہتا تو تکیہ کانوں پر رکھ کر سو جاتا۔ ثریا اندر سے بدلنے لگی تھی۔ کسی کی نہ سننے والی..... اب بشیر کے ہر ہر انداز کی پروا کرتی تھی۔
''کیا پتا بشیر کے دوست ہوں..... یا لاہور میں رہنے والا کوئی رشتے دار۔''
ثریا دل ہی دل میں پلاننگ کرنے لگی۔
اگلے دن بشیر اسے صبح ہی صبح سارا سودا دے گیا تھا۔
ثریا نے دل لگا کر پلاؤ بنایا۔ رائتہ اور سلاد..... سالن میں بشیر نے کہا تھا کوئی سبزی بنا لے تو اس نے ٹماٹر اور دہی ڈال کر آلو بینگن بنا لیے۔
''خود بھی تیار ہو جاتی ہوں۔ کیا پتا مجھ سے ملنے کو کہے۔''
نہا کر لمبے بال کھلے چھوڑے..... نارنجی سوٹ پر شوخ سا میک اپ کیا۔ اپنی حشر سامانیوں سے مطمئن ہو کر برآمدے میں ٹہلنے لگی۔
تب ہی باہر موٹر سائیکل کی آواز آئی تو دوپٹہ سر پر ٹکائے، اس نے بھاگ کر دروازہ کھولا۔ مگر موٹر سائیکل آگے نکل گئی۔

TAGPK.COM

''بدتمیز مارے، ایک جیسی ٹی ٹی کرتے ہیں۔'' اس نے ذرا سا باہر نکل کر ادھر اُدھر دیکھا۔ دکان دار دکان چھوڑ کر لپک کر پاس آیا۔

''السلام علیکم بھابھی!''

کیسا تمیز، تہذیب والا لہجہ.....اور لفظ بھابھی پر تو وہ نہال ہوگئی۔

''وعلیکم السلام بھائی جی!''

''کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتائیں۔ یہ سامنے میری دکان ہے۔''

محلے میں بشیر کی نئی بیوی کے حوالے سے بڑی چہ مگوئیاں تھیں اور وہ تو بالمشافہ ملاقات کا شرف حاصل کر رہا تھا۔

''نہیں۔ میں تو بشیر کا انتظار کر رہی تھی۔'' وہ شرمائی۔

''بڑے خوش نصیب ہیں بشیر بھائی! جنہیں آپ جیسی فرماں بردار اور محبت کرنے والی بیوی ملی۔''

تب ہی موٹر سائیکل پاس رکی۔

''السلام علیکم بشیر بھائی!'' دکان دار کا رنگ اڑ گیا اور لپک کر دکان میں گھس گیا۔

ثریا نے مسکرا کر بشیر کو دیکھا۔ جس کا چہرہ لال اور آنکھیں قہر برسا رہی تھیں۔ عقب میں ایک رکشہ بھی رکا تھا، جسے دیکھے بغیر ثریا نے دروازہ چوپٹ کھول دیا۔

موٹر سائیکل گولی کی طرح اندر آیا۔ ثریا کو لگا ستون سے ٹکرا جائے گا۔

وہ حیران پریشان دروازہ بند کرنے کو مڑی تو ششدر رہ گئی۔

سکینہ بچے سمیت رکشے سے اتری اور ساتھ میں اس کا سامان بھی تھا۔

''تم کیا لینے آئی ہو؟'' ثریا ہتھے سے اکھڑ گئی۔

''جواب مجھ سے لو۔'' عقب سے بشیر نے اسے بالوں سے پکڑا اور گھسیٹتا ہوا اندر لے گیا۔

سکینہ نے سامان دروازے سے اندر کیا اور بیٹے کی انگلی پکڑی۔

''چل تیری ساجدہ خالہ سے مل کر آتے ہیں۔''

کمرے سے گھٹی گھٹی چیخوں کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔

☆☆☆

جنگل میں آگ بھی اس سے کم عرصے میں پھیلتی ہوگی، جتنے کم وقت میں اقصیٰ کے ساتھ ہونے والے واقعے کی خبر گاؤں میں پھیلی۔

اقصیٰ چھوٹی سی کوٹھڑی میں کنڈی لگا کر چھپ گئی۔

رشیداں لوگوں کو جواب دیتے دیتے تھکنے لگی۔ کوئی ہمدردی کرتا، کوئی مشکوک ہو کر عجیب واہیات سوال کرتا۔

''کہیں پہلے سے تو کوئی چکر نہ تھا۔ بڑی والی بھی اسی طرح کھیتوں کھلیانوں میں.....''

ثریا کے قصے جو سرگوشیوں میں دہرائے جاتے، پھر سے زبان زد عام ہونے لگے۔

''ہم تو اتنے عرصے سے آتے جاتے ہیں۔ ہمارے ساتھ تو کبھی ایسا نہ ہوا۔''

ہم جولیاں کانوں میں گھسی آتیں۔

''کون تھا.....تم نے دیکھا تو ہوگا؟''

''کیا پتا تم سے سچا پیار کرتا ہو۔''

انہیں کون سمجھاتا کہ سچا پیار کرنے والے چھپ کر دھاوا بولتے ہیں، نہ ایسی مذموم حرکتیں کرتے ہیں۔ وہ شیطان جو کوئی بھی تھا، اس پر زندگی اور تنگ کر گیا تھا۔

TAGPK.COM

رشیداں نڈھال سی آئی۔
اس نے ماں کی آواز سن کر دروازہ کھولا اور روبوٹ کی طرح جا کر چارپائی کے کنارے بیٹھ گئی۔
رشیداں نے چپل اتار کر پیر اوپر رکھے جو سوج کر کپا ہو رہے تھے۔
''کچھ کھایا نہیں۔ تیرے لیے مرونڈا لائی ہوں۔''
رشیداں نے پلو کھول کر مرونڈے کی دو ٹکیاں اس کے پاس رکھیں۔
بس ماں ہی تھی جس کے لہجے میں نہ شک تھا نہ شبہ..... نہ شیرینی میں کمی آئی تھی، نہ شفقت میں..... بس گپ چپ بیٹی کی شکل دیکھتی تھی۔ جو لڑنا تو ایک طرف، بولنا بھی بھول گئی۔ مرونڈا اٹھاتی اقصیٰ نے دیکھا، ماں کے پیر دھول سے اٹے، سوجے تھے۔
پتا نہیں کہاں کہاں کا پینڈا کر کے آئی تھی۔
رشیداں لیٹ گئی۔ اقصیٰ نے دوپٹے کے پلو سے اس کے پیر جھاڑے اور نرم ہاتھوں سے ہولے ہولے دبانے لگی۔ رشیداں کے لب مسکرائے اور آنکھیں برس گئیں۔
وہ اپنی حوروں جیسی بچی کے لیے آج ہر اس گھر میں گئی تھی، جہاں کنوارے مرد یا لڑکے تھے۔
''بس نکاح کے تین بول پڑھوا کر عزت سے اسے گھر بٹھا لیں۔''
رشیداں کی ایک ہی التجا تھی اور دوسری طرف سب یوں گھن کھا رہے تھے، جیسے وہ اپنی کوڑھ زدہ بیٹی کو زبردستی ان کے گلے ڈالنے آئی ہو۔
''خدا کا خوف کھا رشیداں! جس لڑکی کے قصے کھیت کھلیانوں میں مشہور ہوں، اسے اپنے گھر کی عزت کیسے بنا لیں۔''
''رشیداں! تو نے تو بڑی عزت سے زندگی گزاری۔ لڑکیاں کیوں نہ سنبھالی گئیں۔''
تیر پر تیر کھاتی، نڈھال وہ گھر آ کر گری تھی۔
''اماں! اب کیا ہوگا؟'' اقصیٰ کی خوف زدہ آواز رشیداں کے کانوں سے ٹکرائی۔
''سامان باندھ لے کڑیے۔''
''کیوں اماں؟''
''چلتے ہیں۔'' رشیداں کے لہجے میں تھکن ہی تھکن تھی۔
''کہاں جائیں گے؟''
''اللہ کی زمین بہت ہے، جہاں بھی ٹھکانا بنا دے۔''
اقصیٰ متذبذب سی اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ یہ گھر نہیں چھوڑنا چاہتی تھی کہ ایسا نہ ہو مراد آئے تو مایوس ہو کر لوٹ جائے۔
''تو کیا اب ماں کا انتظار دم توڑ گیا تھا۔''
اقصیٰ نے پوچھ لیا۔
رشیداں نے بازو آنکھوں پر رکھ کر چپ سادھ لی۔ اقصیٰ نے گہری سانس بھری اور اٹھ کر چھوٹا موٹا سامان سمیٹنے لگی۔ کچھ بھی ہو جائے، اب اقصیٰ بھی اس گاؤں میں رہنا نہیں چاہتی تھی، پھر اس نے ہاتھ روک کر ماں کو دیکھا۔
''اماں! آپا ثریا کے پاس لاہور جائیں۔ اس کا بڑا سا گھر ہے۔ ہمیں بھی کمرا دے دے گی۔'' سوچ سوچ کر اقصیٰ نے حل نکال لیا تھا۔
''صبح ہوتے ہی نکلنا ہے۔'' رشیداں نے کروٹ بدل کر بات ختم کر دی۔

☆☆☆

''امی! میں ٹیوشن پڑھانے جا رہی ہوں۔'' نرمین ماں کے پاس رکی جہاں ثمینہ صبح صبح بچوں کے کپڑے

TAGPK.COM

دھونے بیٹھ گئی تھی۔ سارے بچے اسکول جا چکے تھے۔

''اپنے فیصلے خود کرنے کے ساتھ ساتھ جھوٹ بھی بولنا شروع کر دیا ہے۔'' ثمینہ کی ناراضی حد سے زیادہ تھی۔ نرمین شرمندہ ہو گئی۔

''وہ باجی نے کہا تھا، آج گھر میں مہمان آنے ہیں تو صبح صبح آ کر تھوڑا کام کروا دوں۔ چار پیسے مل جائیں گے۔'' وہ یہ بات ماں کو بتانا نہیں چاہتی تھی۔

''عزت کی روٹی راس نہیں تھی جو مراد تجھے گھر بٹھا کر کھلاتا۔''

''امی! اپنے لیے نہیں کر رہی۔'' نرمین کو غصہ آ گیا۔

''ہمارے لیے بھی نہ کر۔'' ثمینہ نے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔

''امی! کیا ہو گیا ہے۔''

''کہہ دیتی..... ابھی دو چار سال رک جاؤ، وہ رک جاتا۔ صاف انکار کرنے کی ضرورت کیا تھی۔ اب نہیں ملنے والا..... کیسا ہیرا لڑکا ہاتھ سے گنوا دیا۔''

نرمین خاموشی سے نکل گئی۔

پیچھے ثمینہ بڑبڑ کرتی رہی۔

''اگر میں اس سے کہہ دوں، کچھ سال میرا انتظار کر لو۔ تو کیا واقعی وہ انتظار کر لے گا۔'' لاشعوری طور پر اس کے قدم مراد کے گھر کے سامنے رکے۔

وہ متذبذب تھی۔ مراد کو کھو دینے کا احساس سوہان روح تھا۔

''کیا ہوا، اگر میں بھی تھوڑی سی خود غرض ہو جاؤں۔'' نرمین کی محبت اکسانے لگی۔

تب ہی ساتھ والے گھر کا دروازہ کھلا اور مالک مکان کا بچہ باہر نکلا۔

نرمین کو دیکھ کر رک گیا۔ وہ جانتا تھا، نرمین کی شادی مراد سے ہونے والی ہے، اس لیے اطلاع دینا ضروری سمجھا۔

''مراد بھائی تو ساری رات سے گھر نہیں آئے۔''

نرمین دل گرفتی سے سر ہلا کر آگے بڑھ گئی۔

اس نے مراد کا دل توڑا تھا۔ نجانے کہاں گیا ہو گا۔

''اگر وہ یہ گھر، یہ گلی چھوڑ گیا۔'' انجانے خدشے دل کو لاحق ہوئے۔

''تو کیا؟ رستہ تو تم نے بدلا ہے۔ وہ گھر بدل لے تو کیا؟''

ضمیر نے بڑی سفاکی سے اسے ٹوک دیا تھا۔ وہ دل گرفتہ سی نمبردار کے گھر آ گئی۔ تو پھر سارا دن کچھ سوچنے کی فرصت ہی نہ ملی۔ باجی کے ساتھ مل کر گھر چمکایا۔ کھانا بنوایا۔ بریانی بنانے کی ترکیب نوٹ کی۔ باجی نے ہی کہا تھا اسے صرف پکوڑے سموسے نہیں، بریانی بھی بیچنی چاہیے۔ صرف سڑک پر نہیں، گھر گھر بک جائے گی۔ باجی کا مشورہ نرمین کے دل کو لگا تھا۔

''اے کڑی کم کر کر کے مر جانی۔'' نمبردار صاحب نماز پڑھ کر آئے تو اسے دروازوں کے شیشے چمکاتا دیکھ کر بولے۔

نرمین کو ہنسی آ گئی۔

''بڑی سخت جان ہوں دادا جی! اتنی جلدی نہیں مروں گی۔''

''اتنی مشقت کس لیے پتری!'' انہوں نے شفقت سے سر پر ہاتھ رکھا۔

''کالج میں داخلہ لینا ہے۔ فیس کے پیسے جمع کرنے ہیں۔''

نرمین نے شیشے پر پانی چھڑک کر اخبار سے رگڑنا شروع کیا۔

TAGPK.COM

''لو..... وعدہ رہا۔ تمہیں داخل مل گیا تو فیس میرے ذمے۔''
نرمین نے شیشے میں نظر آتے ان کے عکس کو دیکھا۔ انہوں نے وعدہ کیا تھا تو مطلب ذمہ لے لیا تھا۔
''لاہور میں میرا بھتیجا ڈاکٹر ہے۔ چھٹی پر آیا تو کہوں گا تمہارے ابا کو بھی دیکھ لے۔''
وہ بے نیازی سے آگے بڑھ گئے۔
نرمین اب آئینے میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی۔
اس نے تو بس ارادہ کیا تھا، راستے اور وسیلے تو اللہ تعالیٰ نے بنانے تھے۔

☆☆☆

وہ اوندھے منہ بیڈ کے ساتھ نیچے پڑی تھی۔ پورے وجود میں درد کی ٹیسیں، سر جیسے پھٹا جا رہا تھا۔ سکینہ نے تاسف سے کھڑی بنی ثریا کو دیکھا۔ وہ بے حس و حرکت تھی۔
سکینہ کا دل دھک سے رہ گیا۔
''ہائے اللہ، کہیں مار کر تو نہیں پھینک گیا۔''
''ثریا.....'' اس نے بے اختیار کندھا ہلایا تو ثریا کے لبوں سے کراہ نکلی۔
''شکر ہے، زندہ ہو۔'' سکینہ بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ ثریا نے بمشکل سیدھی ہو کر دیوار سے ٹیک لگائی۔
اس کی حالت دیکھ کر سکینہ کو ترس آ گیا۔
''کیا ہوا؟ بشیر کو اتنا غصہ کیوں آ گیا تھا۔'' اس نے پانی کا گلاس بھر کے ثریا کو تھمایا۔
''کیا ہوا؟'' ثریا نے اپنے دکھتے دماغ پر زور ڈالا۔
''یہ تیرا گاؤں نہیں ہے، جہاں نت نئے عاشق اپنے پیچھے لگا کر فائدے اٹھاتی تھی۔ چور چوری سے جائے مگر ہیرا پھیری سے نہ جائے۔ یہاں بھی وہی گند گھولنے لگی ہے۔ پر یہ میرا گھر ہے گھر..... شریف عورت کی طرح رہ سکتی ہے تو رہ..... ورنہ کسی اور جگہ ــــ چلی جا۔''
بشیر کی تیز آواز اس کے سر میں برچھے چبھونے لگی۔
''میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا تھا۔'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
''تم کچھ نہیں بھی کرو گی، وہ تب بھی تمہارے ساتھ یہی سلوک کرے گا۔''
سکینہ نے تکیہ اٹھا کر گود میں رکھا۔
''کیونکہ مرد جس عورت کو بھگا کر لاتا ہے۔ وہ اس سے محبت تو کرتا ہے، پر عزت نہیں کرتا۔''
ثریا نے برستی آنکھوں سے سکینہ کو دیکھا۔
''وہ بھی تو میرے ساتھ بھاگا تھا۔''
''مرد کو تو سات خون معاف ہیں۔ یہ دنیا جو اس کی ہے۔''
سکینہ تکیہ سر کے نیچے رکھ کر لیٹ گئی۔
وہ اس سے زیادہ سوکن کی دل جوئی نہیں کر سکتی تھی۔
ثریا نے دھندلی آنکھوں سے سامنے کا منظر دیکھا۔
گھر کی مالکن، اس بیڈ روم کی ملکہ بڑے طمطراق سے بیڈ پر دراز تھی اور وہ کہاں تھی؟ زمین پر..... اس کے قدموں کے پاس.....
کیونکہ اس کا شوہر اس پر اعتبار نہیں کرتا تھا۔

☆☆☆

TAGPK.COM

کیکر کے پھولوں سے ڈھکی اس کے باپ کی قبر آج بھی اتنی ہی تازہ تھی۔ صاف ستھری، پانی چھڑکا ہوا، جیسے ابھی ابھی — کوئی وہاں سے ہو کر گیا ہو۔

مراد کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

اسے آس پاس اپنی ماں کی خوشبو آنے لگی۔

وہ سر اٹھا کر ادھر اُدھر دیکھنے لگا مگر شہر خموشاں میں صرف خاموشی کا راج تھا۔ وہ نڈھال سا قبر کے سامنے بیٹھ گیا۔ اس کی ہمت نہ ہوئی کہ جا کر ماں کے سامنے کھڑا ہوتا۔ تب ہی تو گاؤں جانے کے بجائے سیدھا قبرستان آیا تھا۔ اسے باپ کی قبر سے ہمت کشید کرنا تھی، تب ہی ماں کا سامنا کر پاتا۔ ماں جو اس سے کچھ ہی دور تھی۔

''جانتا ہوں ابا! آپ مجھ سے ناراض ہیں۔'' فاتحہ پڑھنے کے بعد اس نے قبر کی مٹی کو چھوا۔

(یار! اولاد نے ماں پیو کا حق تو کیا دینا ہے۔ بس کبھار کبھار آ کر فاتحہ پڑھ جانا، میری قبر ٹھنڈی رہے گی)

''کیسا بدنصیب بیٹا ہوں۔ آپ کی اتنی سی خواہش بھی پوری نہ کر پایا۔ اب آ گیا ہوں تو سمجھ میں نہیں آ رہا، ماں کو اتنے برسوں کا حساب کیسے دوں گا۔ میں آپ کا بیٹا تھا ابا! اتنا سنگ دل کیسے ہو گیا اور وہ رفیق علی..... وہ مجھے گھر میں کہاں گھسنے دے گا۔ اگر اس نے ماں سے ملنے نہ دیا تو کیا کروں گا؟''

(اوئے..... تیرا بیڑا پار..... کوئی انی سی بات پر روتا ہے..... تو تو جوان ہے جوان.....)

بچپن میں ایک بار ہاتھ میں درانتی لگ گئی تھی، باپ نے گود میں لے کر تگڑا کر دیا تھا۔ ایک دم احساس ہوا کہ وہ اب کمزور سا مراد نہیں ہے۔ ایک بھرپور جوان تھا۔ رفیق علی ہاتھ اٹھاتا تو ہاتھ پکڑنے کی طاقت رکھتا تھا۔

بچپن کے خوف سے ہاتھ چھڑاتا، باپ کی قبر کی مٹی چومتا وہ تگڑا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

''شکریہ ابا!''

وہ نم آنکھیں پونچھتا۔ مسکراتا مڑا اور ٹھٹک کر رک گیا۔

بڑے بڑے فرعون غارق سمندر ہوئے۔

وہ تو بس رفیق علی تھا۔

گورکن اسے متذبذب کھڑا دیکھ کر پاس آیا۔

''کس کی تلاش ہے پتر؟''

''یہاں تو کسی کی نہیں، گاؤں میں ڈھونڈنا ہے کسی کو۔'' مراد نے گہری سانس بھری۔

''تو گاؤں جاؤ، یہاں کیوں کھڑے ہو؟''

''یہاں بھی کچھ اپنے تھے۔''

بوڑھے نے دھندلی آنکھوں سے غور سے دیکھا تو علی بخش بے اختیار یاد آ گیا۔

''کس کو ڈھونڈتا ہے۔''

''علی بخش کی بیوہ.....'' وہ کہتے کہتے چپ ہو گیا۔

بوڑھے نے علی بخش اور رفیق کی قبروں کو دیکھا۔

''ابھی آئی تھی تھوڑی دیر پہلے..... آخری بار۔''

''آ..... خری..... بار.....''

''دنیا بڑی ظالم ہے، جینے ہی نہیں دیتی۔ گاؤں چھوڑ کر جا رہی تھی۔'' مراد کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی۔

(باقی آئندہ ماہ اِن شاء اللہ)

TAGPK.COM

دل میں اک شام سی اُتارتی ہے
خامشی اب مجھے پکارتی ہے

کیسے ویران ساحلوں کی ہوا
ریت پر زندگی گزارتی ہے

تجھ سے ہم دُور رہ نہیں سکتے
کوئی بے چینی ہم کو مارتی ہے

کھیلتی ہے مرے دُکھوں کے ساتھ
زندگی کس قدر شرارتی ہے

ہے محبت تو بس محبت ہے
جیت جاتی ہے اب یا ہارتی ہے

روز اک نقش کو اُبھارتی ہے
اَن کہی روپ کتنے دھارتی ہے

کاروباری ہیں اس کی باتیں بھی
اس کی مسکان بھی تجارتی ہے

فرحت عباس شاہ

وہ گیا تو ساتھ ہی لے گیا، سبھی رنگ اُتار کے شہر کا
کوئی شخص تھا مرے شہر میں، کسی دُور پار کے شہر کا

چلو کوئی دل تو اُداس تھا، چلو کوئی آنکھ تو نم رہی
چلو کوئی در تو کھلا رہا شبِ انتظار کے شہر کا

کئی خوشبوئیں درِ دوست تک، مرے ساتھ شمع بدست تھیں
مجھے پوچھنا نہ پڑا پتہ، مرے گل عذار کے شہر کا

یہ جو میں نے تازہ غزل کہی، سو ہے نذر اہلِ فراق کے
کہ نہ مل سکا کوئی نامہ بر، مجھے میرے یار کے شہر کا

سو متاعِ جاں کو لیے ہوئے پلٹ آئے تیرے گرفتہ دل
کسے بیچتے کہ ملا نہیں، کوئی اعتبار کے شہر کا

مری طرزِ نغمہ سرائی سے، کوئی باغباں بھی تو خوش نہ تھا
یہ مرا مزاج ہے کیا کروں، کہ میں ہوں بہار کے شہر کا

کسی اور دیس کی اور کو، سُنا ہے فرازؔ چلا گیا
سبھی دُکھ سمیٹ کے شہر کے، سبھی قرض اُتار کے شہر کا

احمد فراز احمد

TAGPK.COM

فنا ہونے سے پہلے
تھوڑا سا جینے کی خواہش ہے
ترے ہاتھوں سے ہی یہ پریم جل پینے کی
خواہش ہے
نہ کہہ پائی کسی سے جو کبھی وہ آج کہنا ہے
تمہارے ساتھ پہروں دُور تک بس
چلتے رہنا ہے
یہ پل، لمحے تمہارا ساتھ، اس کو
جی سے جینا ہے
محبت کا حسیں امرت ترے ہاتھوں سے
پینا ہے
ذرا سا اور جینا ہے
ذرا سا اور جینا ہے

فاطمہ نجیب

انصاف ظالموں کی حمایت میں جائے گا
یہ حال ہے تو کون عدالت میں جائے گا

دستار نوچ نوچ کے احباب لے اُڑے
سر بچ گیا ہے یہ بھی شرافت میں جائے گا

دوزخ کے انتظام میں اُلجھا ہے رات دن
دعوا یہ کر رہا ہے جنت میں جائے گا

خوش قسمتوں کی بھیڑ میں تُو بھول کیوں گیا
پہلے مرے گا، بعد میں جنت میں جائے گا

واقف ہے خوب جھوٹ کے فن سے یہ آدمی
یہ آدمی ضرور سیاست میں جائے گا

راحت اندوری

TAGPK.COM

TAGPK.COM

شگفتہ جاہ

زندگی ایک کھیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

حضرت ابو برزہ نضلہ بن عبید اسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا۔ میں نے عرض کیا۔

"اے اللہ کے رسولؐ! مجھے کوئی عمل بتائیے جس سے مجھے فائدہ ہو؟"

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "مسلمانوں کے راستے سے تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دیا کرو۔" (مسلم)

اقوالِ زریں۔

- جو لوگ آپ کو اپنی فرصت میں یاد کرتے ہیں، آپ کی ذات ان کے لیے محض فرصت سے بڑھ کر نہیں۔
- آپ کی طرف وہی آئے گا، جس کی روح میں آپ کی روح کا ایک حصہ موجود ہوگا۔
- کسی کا سکون چھین کر عبادتوں سے کفارہ ادا نہیں ہوتا صاحب۔
- کامیابی پر مٹھائی والے نظر آتے ہیں، تکلیفوں میں نظر نہیں آتے۔
- کچھ تکلیفیں ایسی ہوتی ہیں جن میں آنکھیں نہیں دل روتے ہیں۔
- وہ دکھی دل بڑے قیمتی ہوتے ہیں جو رب سے آپ کا تعلق گہرا کرتے ہیں۔

فوزیہ ثمر بٹ۔ گجرات

ٹیچر ہمارے عہد کے۔

ایک ٹیچر اسٹاف روم میں آتے ہی منمناتے ہوئے بولی۔

"آج کل کے بچے بچے نہیں رہے۔"

دوسری ٹیچر نے پوچھا۔ "کیوں کیا ہو گیا؟"

پہلی ٹیچر نے کہا۔ "آج کل کے بچوں کا دھیان پڑھائی پر کم، پڑھانے والی پر زیادہ ہوتا ہے۔"

دوسری ٹیچر نے پھر پوچھا۔ "آپ کو کیسے پتا چلا؟"

پہلی ٹیچر نے کہا۔ "ابھی کلاس میں ریڈنگ کرتے ہوئے راؤنڈ لگا رہی تھی کہ ایک بینچ پر بیٹھا چار پانچ سال کا بچہ دوسرے بچے سے کہنے لگا۔

"دیکھو ذرا میم کی لپ اسٹک کتنی لائٹ ہو گئی۔"

اس پر دوسرا بچہ کہنے لگا۔

"میم نے پرسوں فراک پہنا تھا۔ اس میں میم زیادہ گوری اور اسٹائلش لگ رہی تھیں۔ آج والے سوٹ کا کلر بہت لائٹ ہے۔"

دوسری ٹیچر نے پوچھا۔ "اچھا تو پھر تم نے کیا کیا؟"

پہلی ٹیچر نے جواب دیا۔ "بس میں نے بچوں کی باتیں سن کر فیصلہ کر لیا ہے کہ ہلکے کلر کے کپڑے پہننے چھوڑ دوں گی۔"

انوکھا بیج۔

ایک تاجر اپنی محنت سے کامیاب ہوا اور ایک بہت بڑے ادارے کا مالک بن گیا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو اس نے ادارے کے ڈائریکٹروں میں سے کسی کو اپنا کام سونپنے کی دلچسپ ترکیب نکالی۔ اس نے ادارے کے تمام ڈائریکٹروں کا اجلاس طلب کیا اور کہا۔

"میری صحت مجھے زیادہ دیر تک اپنی ذمہ داریاں نبھانے کی اجازت نہیں دیتی، اس لیے میں آپ میں

TAGPK.COM

سے کسی ایک کو اپنی ذمہ داریاں سونپنا چاہتا ہوں۔ میں آپ سب کو ایک ایک بیج دوں گا۔ اسے بونے کے ایک سال بعد آپ اس کی صورتِ حال سے مطلع کریں گے جس کی بنیاد پر میں اپنی ذمہ داریاں سونپنے کا فیصلہ کروں گا۔

کچھ عرصے بعد سب ڈائریکٹر اپنے بیج سے اُگنے والے پودوں کی تعریفیں کرنے لگے سوائے زید کے جو پریشان تھا۔ وہ خاموش رہتا اور اپنی خفت کو مٹانے کے لیے مزید محنت سے دفتر کا کام کرتا رہا۔ دراصل زید نے نیا گملا خرید کر اس میں نئی مٹی ڈال کر بہترین کھاد ڈالی تھی اور روزانہ پانی بھی دیتا رہا تھا مگر اس کے بیج میں سے پودا نہ نکلا۔

ایک سال بعد ادارے کے سربراہ نے پھر سب ڈائریکٹرز کا اجلاس بلایا اور کہا۔

"سب وہ گملے لے کر آئیں جن میں انہوں نے بیج بویا تھا۔"

سب خوبصورت پودوں والے گملوں کے ساتھ اجلاس میں پہنچے مگر زید جس کا بیج اُگا نہیں تھا وہ خالی ہاتھ ہی اجلاس میں شامل ہوا اور ادارے کے سربراہ سے دُور والی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اجلاس شروع ہوا تو سب نے اپنے بیج اور پودے کے ساتھ کی گئی محنت کا حال سنایا اس امید کے ساتھ کہ اسے ہی سربراہ بنایا جائے۔

سب کی تقاریر سننے کے بعد سربراہ نے کہا۔

"ایک آدمی کم لگ رہا ہے۔"

اس پر زید جو ایک اور ڈائریکٹر کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا، کھڑا ہو کر سر جھکائے بولا۔

"جناب! مجھ سے جو کچھ ہو سکا، میں نے کیا مگر میرے والا بیج نہیں اُگا۔"

اس پر کچھ ساتھی ہنسے اور کچھ نے زید کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کیا۔

چائے کے بعد ادارے کے سربراہ نے اعلان کیا کہ اس کے بعد زید ادارے کا سربراہ ہوگا۔ اس پر کئی حاضرین مجلس کی حیرانی سے چیخ نکل گئی۔ ادارے کے سربراہ نے کہا۔

"ادارے کو میں نے بہت محنت اور دیانت داری سے اس مقام پر پہنچایا ہے اور میرے بعد بھی ایسا ہی آدمی ہونا چاہیے اور وہ زید ہے جو محنتی ہونے کے ساتھ دیانت دار بھی ہے۔ میں نے آپ سب کو اُبلے ہوئے بیج دیے تھے جو اُگ نہیں سکتے۔ سوائے زید کے آپ سب نے بیج تبدیل کر دیے۔"

سہیل۔ کراچی

غلط کام

جنگِ عظیم دوم کے زمانے میں ایک امریکی سپاہی فرانس کے ریلوے اسٹیشن پر ریل میں بیٹھنے کی جگہ ڈھونڈ رہا تھا۔ ٹرین بھری ہوئی تھی۔ ایک ڈبے میں ایک فرانسیسی بڑھیا بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے برابر والی سیٹ پر اس کا پالتو کتا بیٹھا ہوا تھا۔ امریکی سپاہی میدانِ جنگ سے تھکا ہوا واپس آ رہا تھا۔ اس نے بہت ہی اخلاق سے درخواست کی۔

"کیا آپ مجھے اس سیٹ پر بیٹھنے کی اجازت دیں گی؟"

"تم امریکی بہت بدتمیز ہوتے ہو۔ کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ اس پر میرا پیارا کتا بیٹھا ہوا ہے۔"

سپاہی کچھ کہے بغیر آگے بڑھ گیا۔ پوری ٹرین میں وہ اپنے لیے جگہ تلاش نہ کر سکا تو دوبارہ بڑھیا کے پاس آیا۔ سیٹ پر بیٹھنے کی دوبارہ اجازت طلب کی۔ بڑھیا نے دوبارہ بے عزتی کر دی۔ سپاہی نے نہایت سکون سے اس کا پالتو کتا اُٹھایا اور کھڑکی سے باہر پھینک دیا اور سیٹ پر آ کر بیٹھ گیا۔ بڑھیا نے زور و شور سے چلانا شروع کر دیا۔ کچھ فاصلے پر ایک انگریز بیٹھا ہوا تھا۔ وہ شروع سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ اس نے غصے میں امریکی سے کہا۔

"تم امریکی ہر کام غلط کرتے ہو۔ کانٹا غلط ہاتھ میں پکڑتے ہو۔ گاڑی داہنی طرف غلط چلاتے ہو اور اب بھی تم نے غلط کام کیا ہے۔ تمہیں اس بڑھیا کو اُٹھا کر باہر پھینکنا چاہیے تھا۔ اور تم نے کتے کو باہر پھینک دیا۔"

طوبیٰ۔ کورنگی کراچی

TAGPK.COM

احساس

ایک دن سونے نے لوہے سے کہا۔
"یار ہم دونوں ایک ہی لوہے کی ہتھوڑی سے پٹتے ہیں مگر جب تمہاری باری آتی ہے تو تم زیادہ چیختے چلاتے کیوں ہو؟"
اس پر لوہے نے جواب دیا۔
"جب اپنا اپنے کو مارے تو درد زیادہ ہوتا ہے۔"
(اسامہ علی)

برتھ ڈے کیا ہے؟

یہ سوال بی بی سی ورلڈ کے ایک پروگرام میں موجود دنیا کی کچھ بڑی لکھی شخصیات حاضرین سے دریافت کیا گیا تھا جس کا جواب ہر کسی نے اپنے اپنے انداز میں دینے کی کوشش کی لیکن سب سے خوبصورت جواب ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام نے دیا۔ انہوں نے کہا۔
"برتھ ڈے آپ کی زندگی کا واحد دن ہے جب آپ کے رونے کی آواز سن کر آپ کی ماں مسکرائی تھی۔ اس کے بعد پھر ایسا دن کبھی نہیں آیا کہ اپنی اولاد کے رونے پر ماں مسکرائی ہو۔۔۔"

پہلا یا دوسرا

میں لفٹ سے اوپر جا رہا تھا۔ اتنے میں ایک عورت چھوٹے بچے کو گود میں لیے ہوئے لفٹ میں داخل ہوئی۔ میں نے لفٹ کا بٹن دباتے ہوئے پوچھا۔
"پہلا یا دوسرا؟"
عورت منہ پھلاتے ہوئے غصے سے بولی۔
"میرا نہیں ہے۔ پھوپھو ہوں اس کی۔"
عائشہ۔ گوجرہ

دیر آید

میکسیکو سٹی کا ایک رومانی جوڑا جلد بازی میں کوئی فیصلہ کرنے کے حق میں نہیں تھا۔ ان دونوں کا خیال تھا کہ ہر کام بہت غور و خوض کے بعد کرنا چاہیے۔ لہٰذا وہ دونوں منگنی کے بعد باسٹھ برس تک شادی کے سوال پر غور کرتے رہے اور آخر جب وہ ایک دوسرے سے مطمئن ہو گئے تو انہوں نے شادی کر لی۔ شادی کے وقت ان کی عمر بیاسی برس تھی۔
صبا سلیم۔ کراچی

خوشی اور غم

کم ظرف آدمی دوسروں کو خوش دیکھ کر ہی غم زدہ ہو جاتا ہے۔ وہ یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ لوگ خوش رہیں۔ وہ ان کی خوشیوں کو برباد کرنے پر تل جاتا ہے۔ اس کی خوشی یہ ہے کہ لوگ خوشی سے محروم ہو جائیں۔ ایک بخیل انسان نہ خوش رہ سکتا ہے نہ خوش کر سکتا ہے۔ سخی سدا بہار رہتا ہے۔ سخی ضروری نہیں کہ امیر ہی ہو۔ ایک آدمی جو غریب ہے وہ بھی سخی ہو سکتا ہے۔ اگر وہ دوسروں کے مال کی تمنا چھوڑ دے۔
(کتاب دل، دریا، سمندر سے اقتباس)
(واصف علی واصف)
نواں اختر گلشن۔ لاہور

ماں اور خالہ

ایک انسپکٹر چیکنگ کے دوران سپاہیوں سے مختلف سوال کر رہا تھا۔ گل خان جو کہ نیا آیا تھا اس کے پاس آیا اور پوچھا۔
"تمہارا نام کیا ہے؟"
اس نے کہا۔ "میرا نام گل خان ہے۔"
اس انسپکٹر نے گل خان سے پوچھا۔ "تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"
اس نے کہا۔ "سر! میرے ہاتھ میں بندوق ہے۔"
اس انسپکٹر نے کہا۔ "نہیں یہ بندوق نہیں۔ یہ تمہاری عزت ہے۔ یہ تمہاری آن ہے، یہ تمہاری ماں ہے۔"
اس کے بعد اس نے پاس کھڑے سپاہی سے پوچھا۔
"یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟"
وہ فوراً بولا۔ "سر یہ گل خان کی ماں اور میری خالہ ہے۔"
شکیلہ نور۔ لالہ موسیٰ

TAGPK.COM

خالدہ جیلانی

میری ڈائری سے

طوبیٰ ـــــــــــ کورنگی

قوی ہیں ارادے مگر نہ جانے کیوں
ڈرا ہوا ہوں دُنیا کی بے ثباتی سے

فاکہہ سہیل ـــــــــــ کراچی

کبھی پتھر کی لکیریں بھی مٹا کرتی ہیں
کتنے سادہ ہیں تیرا نام مٹانے والے

سعدیہ ـــــــــــ لاہور

اکیلے پن کی اذیتوں کا اب گلہ کیسا
فراز خود ہی تو اپنوں سے ہو گئے تھے الگ

حبیبہ ـــــــــــ کراچی

ہم ملٹ کر بھی جی رہے ہیں اس حوصلے کے ساتھ
خوشیوں کے کم دکھوں کے احسان بہت ہیں
چلیں کسی کو بنا کر ہم سفر اپنا ان کڑی راہوں پر
راستے میں چھوڑ کر جانے والے مہربان بہت ہیں

اقرا ـــــــــــ فیصل آباد

وہ مجھ کو چھوڑ گیا تب مجھے یقین آیا
کوئی بھی شخص ضروری نہیں کسی کے لیے

نازیہ ـــــــــــ گوجر خان

وہ مجھ سے بڑھ کے ضبط کا عادی تھا جی گیا
ورنہ ہر بے [illegible] تیرے بعد اسے بھی تھی
[illegible] وقت [illegible]
ورنہ وہ آنکھ اتنی [illegible] نہ تھی

[illegible] ـــــــــــ کراچی

ہوائے دشت مجھے اب تو اجنبی نہ سمجھ
کہ اب تو بھول گئے رستے بھی گھر کے مجھے
[illegible] چھوڑ گیا [illegible]
وہ دور دور سے دیکھے [illegible] کے مجھے

آسیہ جاوید ـــــــــــ علی پور چٹھہ

اس شہر بے [illegible] مجھ کو چھوڑ کر
ہر شخص [illegible] ہے ہر شخص باکمال ہے

تاہید راشد ـــــــــــ کراچی

کسی نے کب کہیں جینے کا اختیار دیا
تجھے اجل نے مجھے زندگی نے مار دیا

انایہ اویس ـــــــــــ فیصل آباد

تیرے وعدے کی حقیقت تو عیاں ہے لیکن
آہ وہ لوگ جو مجبور یقین ہوتے ہیں
کیوں نہ ایک جھوٹی تسلی پہ قناعت کر لیں
لوگ کہتے ہیں عدم خواب حسین ہوتے ہیں

اقصیٰ ناصر ـــــــــــ گلستان جوہر

ایک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا
زندگی کو کاہے کو ہے خواب ہے دکھانے کا

انابیہ بلال ـــــــــــ ڈیفنس گارڈن

دل سے لٹ کر بھی سخاوت کی تمنا نہ گئی
کوئی اجڑا ہوا آئے تو دعا لے جائے

آسیہ حفیظ ـــــــــــ کراچی

تمہاری یاد سے جب ہم گزرنے لگتے ہیں
جو کوئی کام نہ ہو بس وہ کرنے لگتے ہیں

نمرہ عاقب ـــــــــــ گرین سٹی

اس کی گلی میں سر کی بھی لازم ہے احتیاط
پتھر اٹھائے ہاتھ میں دیوانہ آئے گا
[illegible] جو پتھروں سے نوازا گیا ہوں میں
[illegible] کے جب پھولوں کا نذرانہ آئے گا

فاکہہ سہیل ـــــــــــ کراچی

مزا ہو حشر میں دونوں ہوں ایک بار طلب
[illegible] ساتھ چلو سامنے خدا کے تم

TAGPK.COM

امت الصبور

خاتون کی ڈائری

بسمہ بنت غلام کی ڈائری سے

چھوٹی بحر میں لکھی یہ غزل میں نے ایک کالم میں پڑھی تو اپنی ڈائری میں محفوظ کرلی۔ آپ سب بھی پڑھیے۔ اس کی بے ساختگی آپ کو بھی پسند آئے گی۔

دوا ہو دل میں تو دوا کیجیے
دل ہی جب درد ہو تو کیا کیجیے

ہم کو فریاد کرنا آتی ہے
آپ سنتے نہیں تو کیا کیجیے

ان بتوں کو خدا سے کیا مطلب
توبہ توبہ خدا خدا کیجیے

رنج اٹھانے سے بھی خوشی ہوگی
پہلے دل درد آشنا کیجیے

دشمنی ہو چکی بقدر وفا
اب حق دوستی ادا کیجیے

نوبیہ قطب کی ڈائری سے

کچھ دکھ اتنے جان لیوا ہوتے ہیں جو انسان کو کرچی کرچی کر دیتے ہیں۔ بظاہر ہنستا بولتا، کاروبار زندگی نبھاتا انسان اندر سے کتنا زخمی ہے، یہ کون جان سکتا ہے۔ اس نظم میں اسی ٹوٹنے کی کیفیت کی عکاسی کی گئی ہے۔ آپ سب کی نذر۔

ہم جو ٹوٹے تو اس طرح ٹوٹے
جیسے ہاتھوں سے گر کر پتھر پہ
کوئی شفاف آئینہ ٹوٹے
جیسے پلکوں سے ٹوٹتا آنسو
جیسے سینے میں اک کمان ٹوٹے
جیسے اس کی کرن کوئی برگ موسم میں ناگہاں ٹوٹے
جیسے آنکھوں میں خواب کی ڈوری وقت تکمیل سے ذرا پہلے
گردش وقت سے الجھ جائے
جیسے پیروں تلے زمین سرکے
جیسے سر پر آسمان ٹوٹے
جیسے اک شاخ پر بھروسا کیے
اس پر جتنے تھے آشیاں ٹوٹے
جیسے وحشت سے ہوش آجائے
جیسے تاخیر میں دھیان ٹوٹے
اب جو ریزہ ہوئے تو سوچتے ہیں
کس نے دیکھا ہے ٹوٹنا اپنا
ہم جو ٹوٹے تو رائیگاں ٹوٹے

حمدہ خان کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر شعیب بن عزیز کی یہ غزل آج کے دور کی ایک بڑی سچائی ہے۔

بہت فرسودہ لگتے ہیں مجھے اب پیار کے قصے
گل و گلزار کی باتیں، لب و رخسار کے قصے

یہاں سب کے مقدر میں فقط زخم جدائی ہے
سبھی جھوٹے فسانے ہیں وصال یار کے قصے

TAGPK.COM

بھلا عشق و محبت سے کسی کا پیٹ بھرتا ہے
سنو تم کو سناتا ہوں میں کاروبار کے قصے

مرے احباب کہتے ہیں یہی اک عیب ہے مجھ میں
سرِ دیوار لکھتا ہوں پسِ دیوار کے قصے

کہانی قیس و لیلیٰ کی بہت ہی خوب ہے لیکن
مرے دل کو لبھاتے ہیں رسن و دار کے قصے

میں کیسے خون روتا ہوں وطن کی داستانوں پہ
کبھی تم بھی تو سن جاؤ مرے آزار کے قصے

شعیب اکثر میں لوگوں سے اسی کارن نہیں ملتا
وہی بے کار کی باتیں وہی بے کار کے قصے

صوفیہ ارشد کی ڈائری سے

میری ڈائری میں تحریر یہ خوبصورت نظم آپ سب بہنوں کے لیے۔

سن اے غزالِ رعنا اب دل یہ چاہتا ہے
ہر روز تاکِ غزل ہم درِ مدحِ یار بھیجیں

دل یہ بھی چاہتا ہے ہجراں کے موسموں میں
کچھ قربتوں کی یادیں ہم دُور پار بھیجیں

دل یہ بھی چاہتا ہے اُن پھول سے لبوں کو
دستِ صبا پہ رکھ کر شبنم کے ہار بھیجیں

دل یہ بھی چاہتا ہے اس جانِ شاعری کو
کچھ شعر اپنے چن کر ہم شاہکار بھیجیں

دل یہ بھی چاہتا ہے سب بھید چاہتوں کے
ہر مصلحت بھلا کر بے اختیار بھیجیں

دل یہ بھی چاہتا ہے پردے میں ہم سخن کے
دیوانگی کی باتیں دیوانہ وار بھیجیں

دل یہ بھی چاہتا ہے جب بے اثر ہو سب کچھ
تجھ کو بنا کے قاصد اے یادِ یار بھیجیں

دل جو بھی چاہتا ہے لیکن فراز سوچو
ہم طوقِ آشنائی کیسے اتار بھیجیں

ثمرہ جاوید کی ڈائری سے

بھاگتے لمحوں کو ہم پکڑنے پر قادر نہیں مگر اپنی ہتھیلیوں کی دُعاؤں کو اپنی مٹھی میں بند کر سکتے ہیں۔ رابعہ رحمان کی یہ پیاری سی دُعا بہنوں کی نذر۔

کتابِ ہستی میں ہم کو یارب
لکھنا تو باکمال لکھنا
بہت سی باتیں چھپا رکھنا
فقط ہمارا جمال لکھنا
رحمتوں کا جال لکھنا
اے غم زدوں کے چارہ گر
رحمتوں کی مثال لکھنا

سکینہ علی شیر کی ڈائری سے

عشق ہو جائے تو انسان کو کسی پل چین نہیں آتا۔ اور عاشقی ہمیشہ صبر طلب ہی ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو اس غزل میں دیکھیے۔

قبر میں زندہ گاڑ دیتا ہے
صبر اینٹیں اُکھاڑ دیتا ہے

عشق، پرچھائیاں جس پر آجائیں
دو جہاں چھوڑ چھاڑ دیتا ہے

وقت سے تین پانچ مت کرنا
وقت حلیہ بگاڑ دیتا ہے

تم فقط دل کا رونا روتے ہو
عشق بستیاں اُجاڑ دیتا ہے

TAGPK.COM

بقیہ ہمارے نام

انداز..... ایسے چاند چہرے محفل میں اتنی تاخیر سے کیوں طلوع ہوئے۔ سچ آپ کے خط کو پڑھ کر بہت مزا آیا ہے ہمیں۔

خط جیسے آپ نے لکھا ہے، اسی طرح لکھیں۔ صفحے کے ایک جانب، ایک سطر چھوڑ کر اور ہمیں ہر ماہ باقاعدہ سے خط لکھیں۔ خوبیوں کے ساتھ ساتھ پرچے کی خامیوں کی بھی نشان دہی کریں۔

مونا ندیم..... ملتان

سب سے پہلے پورے شمارے کو اچھی طرح کھنگالا۔ میری عادت ہے ہر کہانی کا پہلا صفحہ موڑ کر رکھتی جاتی ہوں۔ سب سے پہلے دوڑ لگائی اپنے پسندیدہ ''رنگ ریز میرے'' کی جانب۔ شکریہ عفت جی! مجھے لگا اس بار بھی ناغہ نہ ہو جائے۔ خیر زبردست کہانی تھی۔ فرزانہ کھرل! ویل ڈن۔ ''وہ میرے کیسری پھول''۔ ''تقدیر بدلتی ہے'' کہانی خاص نہیں تھی۔ درنایاب اپنی بے وقوفی سے سب بگاڑ بیٹھی۔ اس نے اپنی پھوپھی کا بھی لحاظ نہ کیا۔ نازیہ زاق زبردست۔ مجھے لگا خود کو پڑھ رہی ہوں۔ سوچ اور خیالات ملتے جلتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے لڑکیوں کو ایسے ہی مضبوط ہونا چاہیے۔ نمرہ کے ناول کا شدت سے انتظار ہے۔

☆ پیاری مونا! آپ نے اپنے بیٹے کا نام تو لکھا ہی نہیں۔ آپ کے بیٹے کو ہماری طرف بہت سارا پیار دیں۔ پرچا پسند آیا، بہت شکریہ۔

سائرہ سید..... اوکاڑہ

سب ہی افسانے، ناول اور ناولٹ اچھے تھے لیکن میں معذرت چاہتی ہوں کہ ''وہ میرے کیسری پھول'' اس ٹاپک پر قبائلی روایات پر اتنا زیادہ لکھا جا چکا ہے کہ اب قارئین کو اس میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ پلیز آپ اچھی اچھی چیزیں منتخب کیا کریں، ہلکے پھلکے سے۔

دوسری بات یہ ہے قارئین میں ایسی خواتین بھی ہیں جو میٹرک پاس ہیں اور ایسی بھی ہیں جو ماسٹرز ہیں، ایم فل ہیں۔ پی ایچ ڈی ہیں، ڈاکٹر ہیں۔ سب کو ذہن میں رکھ کر سلیکٹ کیا کریں۔ بہرحال مزا نہیں آیا کیسری پھول پڑھ کے۔

☆ پیاری سائرہ! آپ کا خط پڑھ کر حیرت ہوئی۔ اب تک ہمیں جو خط موصول ہوئے ہیں، ان میں آپ واحد ہیں جنہیں ناول پسند نہیں آیا۔ تقریباً تمام خطوط میں اس ناول کی بے تحاشا تعریف کی گئی ہے۔

بہرحال ہمیں افسوس ہے کہ آپ کو ناول پسند نہیں آیا۔ یہ درست ہے کہ ناول قدرے مشکل تھا۔ آئندہ خیال رکھیں گے کہ عام فہم چیزیں منتخب کی جائیں جنہیں تمام قارئین سمجھ سکیں۔

عمارہ میر خان کاشمیری..... میرا پرچہ

بات ہو جائے خواتین کی تو الحمدللہ بہت کچھ سیکھنے کو ملا اس رسالے سے۔ ہر تحریر، ہر لفظ حقیقت سے قریب ہوتا ہے۔ ہر لکھاری ایک سبق دے جاتا ہے۔ ''نفسیاتی الجھنیں'' پڑھ کر اپنا حال لکھنے کا بھی دل کرتا ہے لیکن یہ امید نہیں کہ حال وہاں تک پہنچ بھی پائے گا یا نہیں۔ بعض بہنوں نے لکھا ہوا ہوتا ہے کہ وہ چھپ کر ڈائجسٹ پڑھتی ہیں، ہمیں بہت حیرت ہوتی ہے کہ ایسا کیوں ہے۔ ہمارے لیے تو ابو جان خود لے کر آتے ہیں۔ ڈائجسٹ بھی اور اخبار جہاں وغیرہ بھی۔ ڈائجسٹ تو بیسٹ فرینڈ جیسی ہوتی ہے، جو وقت بھی دیتی ہے اور ساتھ میں نصیحت بھی۔

☆ پیاری عمارہ! خواتین کی محفل میں خوش آمدید۔ آپ کے والد صاحب بہت اچھے ہیں کہ وہ آپ کے شوق کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتے بلکہ خود پرچے لا کر آپ کو دیتے ہیں۔ انہیں ہماری طرف سے سلام پہنچا دیں۔

نفسیاتی الجھنیں کے سلسلے میں شرکت کے لیے اسی طرح خط لکھ کر بھجوا دیں، ہم عدنان تک پہنچا دیں گے۔

گوشی جمال..... منڈی یزمان

موسم کی مناسبت اور آزادی کے مہینے کے حوالے سے ٹائٹل قطعاً موزوں نہیں لگا۔ آزادی کا مہینہ تھا۔ گرین اور وائٹ کے کھلے کھلے کنٹراسٹ سے سجا ٹائٹل ہونا چاہیے تھا۔

عید کے دوسرے دن، لائٹ بھی غائب۔ اماں ہاتھ میں پکھی پکڑے زور زور سے ہلاتی جا رہیں اور بادلوں کو مخاطب کرتی رہیں کہ کچھ پھینٹیں پڑیں تو ''ساہ میں ساہ'' آئے۔ ساری رات بادلوں کی گڑگڑاہٹ جاری رہی۔

دوسرے دن تھوڑی سی بارش کا چھینٹا پڑا۔ اماں اب کی بار آدھی چارپائی دروازے کے اندر اور پاؤں والا حصہ باہر کیے بارش سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ بڑی بھانجی زوباریہ جھٹ پٹ آٹے کے میٹھے پکوڑے تل کر لے آئی۔ ساتھ

TAGPK.COM

میں چائے کے جگ نمائگ بھرے ہوئے۔

''اری! عنایہ کے لیے دودھ بچایا، یا سارا پتیلا چائے کی نذر کردیا۔'' منجھلی آپا کو اپنی دو سالہ عنایہ کی فکر پڑ گئی اور ساتھ میں منہ میں گرما گرم پکوڑے ڈالے گئیں۔

''پتر ہولی ہولی۔ پکوڑے کھا، منہ جل جائے گا'' اماں نے آپا اور بھانجی کو لتاڑا۔

لو جی ادھر یہ لنگڑی لنچ ختم ہوا اور لائٹ بھاگ گئی۔ بادل اور بارش، ہوا سب ساکت۔ سب سر سے پاؤں تک پسینے میں شرابور۔ اماں کے ہاتھ میں پکڑے پنکھے کی رفتار بجلی سے بھی تیز۔

''کہنی سنی'' آزادی کے حوالے سے بہت عمدہ بات۔ ''کرن کرن روشنی'' ایمان کی روح تازہ کر گیا ہمیشہ کی طرح۔ کیا ہم اس سلسلے میں کوئی سوالات کر سکتے ہیں؟ ایسا کوئی سلسلہ شروع کرنے کے بارے میں سوچیے گا۔ نازیہ رزاق سے ملاقات خوب رہی۔ ''رنگ ریز میرے'' اور ''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' مستقل سلسلوں کے بعد شمارے کی جان۔ ''وہ میرے کیسری پھول'' فرزانہ کھرل صاحب ویل ڈن، دل موہ لیا۔ اتنا عمدہ اور مکمل ناول۔ ماریہ یاسر نیا نام لیکن کام تو بہت کمال کا کر گئیں۔ ''پتھر کا بت'' کی صورت۔ ''آپ کا باورچی خانہ'' سلسلہ میں شمولیت کی جسارت کرنی ہے۔ طریقہ کار سمجھا دیں۔ ہر کسی سے یہی سوالات ہوتے ہیں یا مختلف؟ ہم بھی کوئی اپنی من پسند ڈش کے ساتھ براجمان ہو جائیں۔

☆ پیاری گوشی! آپ کا باورچی خانہ میں ضرور شرکت کریں۔ سوالات تو سب سے یہی ہوتے ہیں لیکن آپ اپنی مرضی سے کوئی سوال، جواب شامل کرنا چاہیں تو کر سکتی ہیں۔ اپنی پسند کی ڈش کی ترکیب بھی ضرور لکھیں۔

چارپائیوں کا ڈولہ اندر باہر ہونے سے بے شک آپ سب کو تکلیف ہوئی ہوگی لیکن ہمارے لیے تو خوشی کی بات یہ ہے کہ آپ کی اماں ٹھیک ہو گئیں اور اس خط میں اپنے پرانے انداز میں نظر آ رہی ہیں، ورنہ آپ کے پچھلے خط پڑھ کر ہم ان کی صحت کے بارے میں فکر مند ہو گئے تھے۔

ڈاکٹر ہانیہ خان..... راولپنڈی

گل ارباب سے مل کر بہت اچھا لگا۔ یہ تو اپنی نکلیں یعنی پشاور سے ان کا تعلق ہے، ہمارا زیادہ تر خاندان پشاور میں ہے۔ ''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' فرحت جبیں کا یہ ناول بہت خوب صورت ہے۔ ''رنگ ریز میرے'' کی یہ قسط بہت سیڈ تھی۔ ''متاع'' میں محبت کی شرارتیں، متاع کی بہادری اور فرید اچھے لگے۔ ''بچپن'' یہ ناولٹ بہت زبردست تھا۔ ''مریض عشق'' بھی اچھا تھا۔

پرانی قارئین غائب ہیں، اس مہینے تو آدھی سے زیادہ نئی قارئین تھیں۔ سلمیٰ مسرت آپ راولپنڈی میں کہاں رہتی ہیں؟ سمیرا حمید، عمیرہ احمد اور نمرہ احمد سے مکمل ناول لکھوائیں۔ نایاب جیلانی کہاں ہیں، ان سے کچھ لکھوائیں۔

☆ ڈاکٹر ہانیہ! خواتین آپ کو پسند آیا، تہہ دل سے شکریہ۔

راحیلہ ہارون..... مظفر آباد

میں تقریباً بیس سال سے خواتین کا مطالعہ کر رہی ہیں۔ میری زندگی میں اس کتاب سے بہت زیادہ مثبت تبدیلی آئی ہے۔ میں سترہ یا اٹھارہ سال کی تھی جب میں نے خواتین اور شعاع پڑھنا شروع کیا۔ آج تک یہ ساتھ نہیں چھوٹا۔ اب میں شادی شدہ ہوں۔ ماشاءاللہ تین بچے ہیں۔

☆ پیاری راحیلہ! کہانیوں کا انتخاب کرتے ہوئے ہمارے ذہن میں بھی یہی بات ہوتی ہے کہ قارئین کو امید کا، زندگی کا پیغام دیں۔ مثبت سوچ دیں۔

آپ نے خط لکھا، بہت خوشی ہوئی۔ آئندہ کہانیوں کے بارے میں بھی لکھیے گا۔

سیدہ صائمہ کاظمی..... نامعلوم شہر

میں خواتین 2014ء سے باقاعدہ پڑھ رہی ہوں۔ مجھے خواتین کے سلسلہ وار ناول بہت پسند ہیں۔ مکمل ناول بھی بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس کیٹگری میں مجھے سمیرا حمید، ایمل رضا، سائرہ رضا اور نعیمہ ناز کے ناموں کا انتظار رہتا ہے۔

افسانے اب اکثر بہت ڈھیلے سے ہوتے ہیں لیکن بعض افسانے تو بہت ہی کمال پڑھنے کو ملے جیسے کہ ''حروف ساز، اچھوت، ولی، ابن القلم'' ناموں کی شاید کچھ غلطی ہو، مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ بس اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ ماہنامہ کی انفرادیت اپنی جگہ برقرار ہے۔

نئے ناولوں میں ''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' بہت اچھا جا رہا ہے۔ ''رنگ ریز میرے'' کی کہانی میں

TAGPK.COM

کچھ نیا پن نہیں۔ اس کی شروع کی چند اقساط پڑھیں، پھر چھوڑ دیا۔ اب مجھے نئے ناول کا شدت سے انتظار ہے، دیکھیں کون میدان میں اترتا ہے؟

☆ پیاری صائمہ! آپ نے خط لکھا، بہت خوشی ہوئی۔ برا ماننے والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے۔ یہ محفل آپ کی آرا کے لیے ہی سجائی گئی ہے اور تنقید اور تعریف دونوں ہی ہمارے لیے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ نعیمہ ناز آپ کا پیغام پہنچا دیا گیا ہے۔

صدف ناز، مقدس ناز، طوبیٰ شوال انصاری..... ملتان

فرزانہ کھرل کے تازہ مکمل ناول نے ہمیں یوٹرن لینے پر مجبور کر دیا۔ ناول کا نام باہر اور فہرست میں ''وہ میرے کیسری پھول'' جبکہ اندر ''میرے وہ کیسری پھول'' لکھا ہوا تھا، گو فرق کوئی خاص نہیں لیکن پھر بھی صحیح کسے سمجھیں؟

سرورق پر آپ نے ماڈل کا نام نساء جبیں غلط لکھا، ان محترمہ کا نام سونیا آصف ہے۔ یہ فروری میں شعاع پر بھی براجمان تھیں۔ جبکہ نساء جبیں تو دسمبر کے خواتین پر آئی تھیں تاہم آنکھوں کے پھیلاؤ کے باعث ان میں مماثلت بھی ہے۔ خیر موجودہ ٹائٹل گرل کے بارے میں مزید بتا دیں کہ ان کی چودہ سال قبل شادی ہو چکی ہے اور ان کے دو بچے بھی ہیں۔ ہم نے سوچا، آپ تو ان ماڈلز کے بارے میں کچھ بتاتی نہیں، ہم ہی یہ کام کر دیں۔ رائٹر نازیہ رزاق سے ملاقات جان دار اور شان دار رہی۔ بیک مین جنید اختر سے ملنا بھی مزا دے گیا۔ ''دُر نایاب'' قرۃ العین خرم ہاشمی کا تو نام ہی کافی ہے۔ جبیں چیمہ کا ناولٹ ''تقدیر بدلتی ہے'' اپنے لیے واہ واہ کروا گیا۔ چاروں افسانے اور نظمیں غزلیں ایک سے بڑھ کر ایک رہے۔ شمائلہ فاروق کا باورچی خانہ اچھا لگا۔

☆ صدف، مقدس اور طوبیٰ! آپ نے محفل میں شرکت کی اور اپنی رائے کا اظہار کیا، بہت شکریہ۔ آپ کے خط سے ہمیں اتنا اندازہ تو ہو گیا کہ آپ کتنی باریک بینی سے پرچے کا مطالعہ کرتی ہیں۔ ہم تو ہمیشہ ہی کہتے رہے ہیں کہ ہماری قارئین بہت ذہین ہیں اور بڑی توجہ سے پرچا پڑھتی ہیں۔

بشریٰ منیر..... کراچی

میں آپ کو اس وقت سے خط لکھنا چاہتی تھی، جب ابو سے چھپ کر ڈائجسٹ پڑھنا شروع کیا۔ سال شاید 98ء تھا، یاد نہیں لیکن پہلی کہانی کشف زارون کی تھی۔ کچھ برس مزید گزرے۔ کالج کے دنوں میں جبیں سسٹرز کی منظر نگاری اور رفعت سراج کا تیکھا انداز بار بار قلم اٹھانے پر مجبور کرتا، لیکن ڈر لگتا تھا آپ نے جواب نہ دیا تو..... پھر عنیزہ سید، عمیرہ، نمرہ، فائزہ افتخار، تنزیلہ ریاض کے شاہکار آپ کے مرہون منت ہم تک پہنچے۔ زندگی کے کئی سبق ماں کے ساتھ کہانیوں سے بھی ملتے گئے۔ جو ہم مٹھی میں تھامتے رہے۔

آج آپ کے ساتھ تعلق کو تیئس برس گزر گئے۔ میں ادارہ خواتین کو اس بات کے لیے سراہنا چاہتی ہوں کہ جس استقامت اور لگن سے اپنے معیار کو قائم رکھا بلکہ مزید بلندی تک لے کر گئے، یہ بہت قابل تحسین ہے۔ ہیرو ہیروئین کی رومانیت سے معاشرے کے تلخ و شیریں رنگوں کی جھلک کو بدلتے زمانے کے ساتھ بہت عمدگی سے پیش کیا۔

☆ پیاری بشریٰ! آپ نے جن الفاظ میں ہماری محنت کو سراہا اور پرچوں کی تعریف کی، اس کے لیے تہہ دل سے ممنون ہیں۔

ام فاتح..... اسلام آباد

ابھی ابھی خواتین کا مطالعہ مکمل کیا اور ایک لمبے عرصے بعد سارے کا سارا رسالہ ہی بہت شان دار لگا۔ ہر کہانی بہت پسند آئی۔ قرۃ العین کا ''دُر نایاب''..... نہیں حیدر ہونا چاہیے تھا۔ جسے پڑھ کر دل سے یہی دعا نکلی کہ ہمارا بیٹا بھی اتنا مؤدب اور فرماں بردار بنے، آمین۔ جبین چیمہ کا ''تقدیر بدلتی ہے'' بہت ہی اچھا لگا۔ کہانی کا موضوع بہت پسند آیا اور فرزانہ کھرل کی کہانی بہت دیر بعد کھلتی ہے..... صد شکر کہ ''رنگ ریز میرے'' تھوڑا سا آگے بڑھا۔ نازیہ رزاق کا بے چین سا انٹرویو پڑھ کر مزا آیا۔ ''زندگی تجھے گزاریں گے'' شروع کی اقساط اتنی اچھی نہیں لگیں، لیکن اب مزا آ رہا ہے۔ مجھے خواتین سے سچی والی محبت ہے۔ یہ دل کا ساتھی ہے۔ بہت تھکن ہو تو اس کا مطالعہ ساری تھکن اتار دیتا ہے۔ سب سے زیادہ یہ بات پسند ہے کہ آپ کی کوئی تحریر، کوئی قدم، کوئی بات ایسی نہیں ہوتی جو دین اسلام کے خلاف ہو۔ میری نانی جان بھی اس کا

TAGPK.COM

مطالعہ بہت شوق سے کرتی ہیں۔ میں جب بھی جاؤں تو مجھ سے کہیں گی، میری کوئی کتاب ہی لے کر آتی اور پھر اتنی مگن ہو کر پڑھتی ہیں کہ یاد دلانا پڑتا ہے کہ نانی اماں اس کا پیپر نہیں ہے اور میری امی بھی..... ان کے لیے اکٹھے کر لیتی ہوں اور جب ان کی طرف جانا ہو تو ان کو دے دیتی ہوں۔

☆ عزیز بہن ام فاتح! کہانی ضرور بھجوائیں۔ بہت اچھا خط لکھتی ہیں آپ۔ پڑھ کر دل خوش ہو جاتا ہے۔ اپنی والدہ اور نانی جان کو ہمارا سلام پہنچا دیں۔ خواتین ڈائجسٹ تین نسلوں کا پسندیدہ پرچا ہے، یہ جان کر دل باغ باغ ہو گیا۔ خوش رہیں۔

حریم نواز..... بستی سوکڑ

راحت جبیں کا ناول بہت پسند آ رہا ہے۔ باقی عفت سحر صاحبہ سے بہت معذرت۔ ان کا ناول پسند نہیں۔ اور میں نے آنٹی شاہین سے کہا تھا کہ وہ دیگر شعبوں کے لوگوں کا انٹرویو بھی لیا کریں۔ جیسے کسی بزنس مین کا، کسی پولیس والے، وکیل کا، قابل اساتذہ کا، ہنر مند افراد کا..... اور وہ دینی شخصیات کا تو بالکل انٹرویو نہیں لیتیں۔

☆ پیاری حریم! ہمیں بے حد افسوس ہے کہ آپ کے پچھلے دو خط شائع نہیں ہو سکے۔ ہماری کوشش تو یہی ہوتی ہے کہ تمام بہنوں کے خط شامل کر لیں لیکن کبھی کبھی مجبوریاں آڑے آ جاتی ہیں۔

ثناء عابد..... قلعہ احمد آباد

''ہمارے نام'' میں جو خطوط پڑھتی ہوں، ان کو دیکھ کر یہ خیال آتا ہے۔ میں پھر سے اس بار پیچھے رہ گئی ہوں۔ ٹائم ہی بہت کم ہے، رسالہ ملا ہی نہیں اتنی دیر سے..... اور یہاں گاؤں میں آدھی رات کے وقت مچھر بھی بہت کاٹ رہے ہیں جو ٹارچ کی روشنی میں۔ چارپائی پر بیٹھ کے بنا پڑھے ہی رسالہ پر تبصرہ کرنا بھلا کیسا لگتا ہے؟

مجھے پتا ہے ہر چیز ہمیشہ کی طرح ویسے ہی ہو گی۔ ہر تحریر میں کوئی نہ کوئی خاص انداز سیکھنے کی بات جسے پڑھ کر بالکل ایسا لگے گا کہ یہ چیز پڑھنے سے وقت ضائع ہوا یا بوریت محسوس ہوئی بلکہ ہر تحریر پڑھ کے جیسے موڈ فریش ہو جاتا ہے۔ اس ماہ خط لکھنے کا مقصد سہیلی کی فرمائش پر اس کی تحریر بھیجنا بھی تھا۔ دوسرا نمرہ احمد کی دوبارہ آمد کی خوشی کا اظہار بھی کرنا تھا کہ ناول شروع کر رہی ہیں۔

یہ صرف ادارے کا ہم پر احسان ہی ہے کہ اتنی کم قیمت میں ہمارے لیے رسالے میں بہت کچھ دیا ہوتا ہے۔

☆ پیاری ثناء! پرچا پڑھے بغیر اتنا اچھا خط لکھا ہے، پرچا پڑھ کر خط لکھتیں تو کیا ہی بات ہوتی۔ آپ پرچا پڑھ کر خط ضرور لکھیں، تاخیر سے ملا تو ہم آئندہ ماہ شامل کر لیں گے۔

اس میں شک نہیں کہ ادارے نے بڑھتی مہنگائی کے باوجود قیمت نہیں بڑھائی لیکن اب ہمارے لیے بہت مشکل ہو رہا ہے کیونکہ کاغذ کی قیمت میں اضافہ کے ساتھ ہمارے ہاں روپے کی قدر بھی گر رہی ہے۔

ناز..... ٹمن

حسب معمول شعاع کی ورق گردانی کر رہی تھی کہ نظر خواتین کے اشتہار پر ٹھہر گئی مانو ایک منٹ تک تو سکتہ ہی ہو گیا۔ جی جناب فرزانہ کھرل کا نام پڑھ کر تو دل باغ گلشن چمن سب ہی ہو گیا۔ سونے پہ سہاگا نازیہ رزاق کا انٹرویو اور قرۃ العین خرم ہاشمی کا نام مکمل ناول کی صورت میں..... بس پھر رہا نہیں گیا۔

سب سے پہلے ''کرن کرن روشنی'' پڑھا۔ موضوع الکتاب تھا لفظ لفظ دھیان سے پڑھا اور ان شاء اللہ عمل کا بھی ارادہ ہے۔ ''کہنی سنی'' میں مدیر صاحب دل کی بات کہتے نظر آئے۔ انشاء جی کی کاہلی نے مزا دیا۔ ہیرو صاحب کا انٹرویو بھی اچھا لگا۔ یہ بالکل حقیقت ہے کہ نازیہ رزاق کا شمار ہماری پسندیدہ مصنفین میں ہوتا ہے۔ میرے ذہن میں جو ان کا خاکہ تھا کہ وہ ہوں گی کوئی پچاس، پچپن برس کی سوبری خاتون جو کسی تعلیمی ادارے سے منسلک ہوں گی اور گھریلو ذمہ داریوں سے فارغ ہونے کے بعد ہمارے لیے اچھی سی تحریریں لکھتی رہوں گی مگر جب انٹرویو پڑھنا شروع کیا تو حیرت کا جھٹکا اتنا شدید اور مزے دار قسم کا تھا کہ بس..... ہائیں، یہ کیا..... اتنی کم عمر، نٹ کھٹ اور مصر کی بے رخ محبوبہ سی رائٹر واہ واہ جناب مزا آ گیا۔ یقین کریں ان کا انداز تحریر ان کو بالکل بھی ینگ نہیں ثابت کرتا انسانی نفسیات پر ان کی آرا اور ادب سے دلچسپی نے تو ہمیں حیران اور تھوڑا شرمندہ بھی کر دیا۔ نازیہ جی آپ کے لیے ڈھیروں ڈھیر دعائیں اور ڈھیروں ڈھیر تالیاں (بس ہمارا خاکے پر برا نہ مانیے گا

TAGPK.COM

غلطی ہوگئی..... ہاہاہا)۔ ''رنگ ریز میرے'' کی قسط شان دار تھی۔ اس دفعہ کی قسط بھرپور تھی بس ایک گلہ ہے کہ عفت جی آپ سے کتنی گزارش کی گئی کہ پلیز ''دھنک کے رنگ'' (از میر بٹ سیریز) پھر سے شروع کردیں۔ آخر کو ناول کی قسط بھی تو بھیجتی ہیں۔

''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' لاجواب تحریر۔ اب باری آئی اپنی پسندیدہ مصنفہ فرزانہ صاحبہ کی تو جناب ان کے نام نے تو ٹائٹل کو بھی چار چاند لگا دیے تھے۔ کہانی اور مصنفہ دونوں بے حد تعریف کے قابل۔ قرۃ العین خرم ہاشمی کی تحریر نے دل جیت لیا، کہیں بھی جھول نہ تھا۔ ویل ڈن قراۃ جی۔ جبیں چیمہ کی ''تقدیر بدلتی ہے'' نے اچھی اور روشن تقدیر پر ایمان کو مزید مضبوط کردیا۔ افسانوں میں اول نمبر پر ''وقت کا آئینہ'' تھا۔

''ہمارے نام'' سب سے بہترین سلسلہ۔ اس محفل میں ڈاکٹر فریال کو بہت یاد کیا، کہاں غائب ہیں وہ؟

☆ پیاری ناز! سب سے پہلے تو اتنا اچھا خط لکھنے کے لیے شکریہ۔ پھر ہمیں یہ بتائیں کہ آپ اب تک کہاں تھیں۔ بھئی جب اتنا اچھا تبصرہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں تو آپ کو تو بہت پہلے خط لکھ دینا چاہیے تھا۔ بہرحال دیر لگی آنے میں پر شکر ہے آئے تو۔

عفت سحر تک آپ کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ ہم خود بھی بے چینی سے ازمیر بٹ کا انتظار کررہے ہیں شاید عفت ناول کی مصروفیت کی وجہ سے نہیں لکھ پائیں۔

عائشہ قبول خان..... نامعلوم شہر

''کرن کرن روشنی'' نے اللہ سے ملاقات کرادی۔ جب سورۃ فاتحہ کے بارے میں پڑھا تو ایسا محسوس ہوا۔ جیسے اللہ میرے بہت بہت قریب ہے اور اللہ کے سوا کوئی پیارا نہیں۔ زاروقطار آنسو جاری تھے۔ اللہ کا بہت پیارا پاکر۔ سورۃ فاتحہ کے بارے میں جو پڑھا۔ اس کو چوما۔

سب سے پہلے نمرہ احمد کے ناول ''حالم'' کے بارے میں لکھوں گی۔ حالم شروع سے اینڈ تک مجھے بہت پسند رہا۔ نمرہ احمد کی یہ کوالٹی ہے، وہ ہر بار ایک نئی کہانی ہی لے کر آتی ہیں۔ عفت سحر کا ناول ''رنگ ریز میرے'' ایک زبردست ناول ہے۔ جو کسی وجہ سے ہی آپ اقساط نہیں لکھ پاتی ہوں گی۔ آخر کار اپنے اختتام کو پہنچ ہی گیا ہے۔ راحت جبیں کا ناول بھی اچھا رہا ہے۔ زمین کا مضبوط ہونا اور اپنے ابا کی ریڑھی لگانا بہت بھایا۔ مکمل ناول بھی دونوں اچھے تھے۔ ناولٹ اور افسانے بھی پسند آئے۔ زینب نور آپ کو افسانے اور ناولٹ چھپنے پر مبارک باد۔ ''نفسیاتی الجھنیں'' عدنان بھائی کے مشورے بہت اچھے ہوتے ہیں۔ نازیہ رزاق کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ گل ارباب کے بارے میں بھی جان کر اچھا لگا۔ ہندکو ہماری بھی مادری زبان ہے۔ جائے پیدائش کوہاٹ کی وجہ سے.....

☆ پیاری عائشہ! آپ کا خط پڑھ کر بہت افسوس ہوا۔ آپ کے صبر کو سلام۔ اتنا طویل عرصہ آپ نے اس اذیت میں گزار دیا، باوجود اس کے کہ اپنے پیروں پر کھڑی ہیں، پڑھی لکھی ہیں، کبھی اپنے حقوق کا مطالبہ نہیں کیا۔

حسد ساری نیکیوں کو کھا جاتا ہے، اسی لیے کہا گیا ہے۔ زندگی کتنی مختصر ہے، گزر جاتی ہے۔ پتا بھی نہیں چلتا۔ انسان کیا پاتا ہے، کچھ بھی نہیں۔ سوائے ان نیکیوں کے جو وہ دوسروں کے ساتھ بھلائی کرکے ان کا دل خوش کرکے پاتا ہے۔

ہم نے آپ کا خط شائع نہیں کیا کہ مبادا اس سے آپ کی زندگی متاثر ہو کیونکہ خط میں آپ کا نام شامل ہے۔ آپ شعاع میں ناتا جوڑا ہے کے سلسلے کے لیے ضرور لکھیں۔

سحر وقاص راجپوت..... لاہور

اس بار کا ٹائٹل پیارا تھا۔ خاص کر جیولری کا انتخاب۔ جنید اختر کی باتیں اچھی لگیں اور نازیہ رزاق صاحبہ سے ملاقات تو بہت زیادہ اچھی تھی۔

''زندگی ہم تجھے گزاریں گے'' اس بار زمین نے تو حیران ہی کردیا اور مراد تم نے ایک بار پھر دل جیت لیا۔ رشیداں کو اس کے بیٹے سے ملوا دیں۔ ''تقدیر بدلتی ہے'' جبیں چیمہ اک بار پھر دل جیت گئیں۔

''وہ میرے کیسری پھول'' فرزانہ کھرل صاحبہ کی تحریر ہو اور دلچسپ نہ ہو۔ ورشہ اور قسام کی جوڑی پیاری لگی۔ ''خاتون کی ڈائری'' میں ماریہ عمران کا انتخاب اچھا لگا۔ شمائلہ فاروق کا باورچی خانہ اچھا تھا اور ان کی کچن ٹپ بھی۔

ج: پیاری سحر! آپ نے تمام کہانیوں پر تفصیلی تبصرہ کیا جو ہم شائع تو نہیں کرسکتے لیکن آپ کا تبصرہ ہم نے پورا پڑھا اور ہمیں بہت پسند آیا۔ آئندہ بھی ہماری محفل میں شرکت کرتی رہیے گا۔

☆

TAGPK.COM

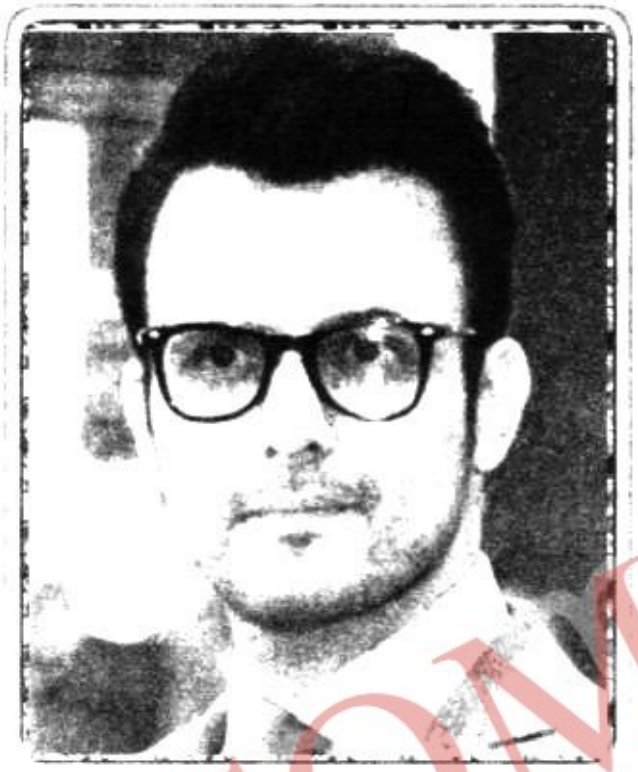

ایک ویڈیو بیان جاری کیا، جس میں انہوں نے خواتین کی طلاق، ان پر گھریلو تشدد اور شادیوں کی ناکامی پر جذباتی انداز میں بات کی۔ نمرہ خان نے کہا کہ حالیہ دنوں میں ان کی صحت کے علاوہ جو باتیں بھی پھیل رہی ہیں، ان پر بات نہیں کرنا چاہتی۔ بس اتنا کہنا چاہتی ہوں کہ انسان کو اپنی غلطیوں سے سیکھنا چاہیے۔ اپنی نہیں تو دوسروں کی غلطیوں سے سیکھنے کی کوشش کریں۔

انہوں نے والدین کو پیغام دیا کہ ''طلاق یافتہ بیٹی مردہ سے زیادہ اہم اور بہتر ہوتی ہے۔'' (بہت اچھی بات کہی ہے نمرہ آپ نے۔ کاش لڑکیاں اور ان کے والدین بھی یہ بات سمجھ لیں)

تاثر

عثمان مختار جنہیں آج کل آپ ''ہم کہاں کے سچے'' میں دیکھ رہے ہیں۔ اداکاری کے علاوہ ہدایت کار بھی ہیں۔ انہوں نے اداکاری کا آغاز 2017ء

خبریں وبریں

واصفہ سہیل

تصدیق

چند دن قبل اداکارہ نمرہ خان کی طلاق کی خبر اس وقت موضوع گفتگو بنی جب ان کے سابق شوہر راجا اعظم نے انتہائی نامناسب الفاظ میں نمرہ خان سے طلاق کی خبر کی تصدیق کی۔ اس بیان کو سوشل میڈیا سمیت کچھ ٹی وی چینلز نے بھی بار بار دکھایا۔

نمرہ خان اور ان کے گھر والوں کو یقیناً اس سے تکلیف پہنچی۔ نمرہ خان اس سے قبل ایک ٹی وی شو میں کہہ چکی ہیں کہ ان کی شادی ختم ہو چکی ہے اور انہیں اپنی نجی زندگی کے بارے میں خبر پھیلانے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ نمرہ خان نے اپنے سابق شوہر کے بارے میں کوئی بات نہیں کی نہ ان پر کوئی الزام لگایا۔

لیکن جب راجا اعظم کی طرف سے ایسی باتیں کی گئیں اور اس پر بحث ہونے لگی تو نمرہ خان نے

TAGPK.COM

سے کیا۔ اس کے علاوہ وہ تھیٹر بھی کر چکے ہیں۔ ان کے مطابق تھیٹر ایک اکیڈمی کی طرح ہے جہاں سے بہت کچھ سیکھنے کو ملتا ہے۔ تھیٹر کے ذریعے آرٹسٹ میں ڈسپلن اور پروفیشنلزم آ جاتا ہے اور اسے پتا چل جاتا ہے کہ بنیادی طور پر اداکاری ہوتی کیا ہے۔

عثمان مختار دو فلموں میں بھی اداکاری کر چکے ہیں۔ ان کی ایک شارٹ فلم نے نیویارک میں ہونے والے ساؤتھ شارٹ فلم فیسٹول میں بہترین مختصر فلم کا اعزاز بھی حاصل کیا تھا۔

فلم انڈسٹری کے متعلق عثمان مختار کا خیال ہے کہ ہمارا تکنیکی شعبہ اتنا آگے نہیں گیا، اس لیے فلم میں ڈرامے کا رنگ نظر آتا ہے۔

فلم میں کام کرنا ہر فنکار کا خواب ہوتا ہے۔ اچھی آفر آئے تو وہ ضرور کرے گا۔ کامیڈی کردار کرنے کے متعلق عثمان مختار کا کہنا ہے کہ ہمارے ہاں کامیڈی ڈرامے روٹین میں بنتے ہی نہیں (اور بنتے ہیں تو سالوں بلاوجہ پھکڑ پن سے چلتے رہتے ہیں جیسے کہ ''بلبلے'')۔ عید پر کوئی کامیڈی پلے بن جاتا ہے، اس کے علاوہ ڈراموں میں کوئی کامیڈی کردار نہیں رکھا جاتا۔ اگر کوئی اچھا کامیڈی کردار ملا تو ضرور کروں گا، ویسے بھی میں اس تاثر کو ختم کرنا چاہتا ہوں کہ میں سنجیدہ کردار کرنے والا اداکار ہوں۔ میں جتنا سنجیدہ لگتا ہوں، اتنا ہوں نہیں۔''

پچھتاوا نہیں

مانی اور حرا کی شادی کے متعلق شادی کے اتنے سال بعد بھی باتیں ہوتی ہیں۔ حرا ہر جگہ مانی کی تعریف کرتی نظر آتی ہیں۔ اپنی ہر کامیابی کا کریڈٹ وہ مانی کو دیتی ہیں (سن لیں ساری بیویاں)۔

اکثر لوگ حرا پر تنقید کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی دوست کو دھوکا دیا (تو لوگوں کو یہ بتایا کس نے؟) حرا مانی اس سلسلے میں کہتی ہیں کہ میں نے اپنی دوست کے موبائل سے مانی کا نمبر چرا کر ان سے رابطہ کیا تھا مجھے اس بات پر کوئی پچھتاوا نہیں جنہیں تنقید کرنی ہے، وہ کرتے رہیں۔ جس دوست کے موبائل سے میں نے مانی کا نمبر نکالا تھا، اس سے اب تک ہماری دوستی ہے۔ مانی سے شادی کے متعلق وہ کہتی ہیں کہ مانی اتنے رئیل ہیں کہ اگر وہ شادی شدہ ہوتے تو بھی میں ان ہی سے شادی کرتی (اور اب اگر کوئی اور مانی کے متعلق یہ سوچے تو؟)

ڈراموں میں رونے دھونے کے سین کے بارے میں حرا مانی کا کہنا ہے کہ ڈراموں میں ہیروئین پر الزام لگتے ہیں، وہ روتی ہیں اور آخر میں سب اسے ٹھیک کہتے ہیں تو میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا۔ میں نے دو منگنیاں توڑیں بعد میں جو وجوہات سامنے آئیں، اس کے بعد گھر اور خاندان والوں نے اسے ٹھیک فیصلہ قرار دیا۔

کچھ ادھر اُدھر سے

☆ کیا طالبان نہیں جانتے کہ گزشتہ بیس برس میں ان پر کتنی لعن طعن کی گئی۔ اب اگر امریکا فوجیں واپس بلا رہا ہے تو اپنے سیاسی نظریات بھی اپنے پاس ہی رکھے۔ پاکستان ہو کہ افغانستان ان کی عورتیں موم کی گڑیا نہیں ہیں۔ آمریت کے دور میں انسانیت کی تذلیل ہوئی اور خواتین کا اس پر ردعمل ساری دنیا نے دیکھا ہوا ہے۔ گری ہوئی دیواریں دوبارہ نہیں کھڑی کی جا سکتیں۔ وہ حکومت کرنا چاہ رہے ہیں۔ وہ ایک ملک میں ہیں جس کی سینکڑوں سالہ تاریخ میں کوئی قوت ان کو زیر نہیں کر سکی۔ البتہ یہ لونڈے جو ایئرپورٹ پر جہازوں سے لپٹ رہے تھے، یہ سب بے روزگاری کے ستائے ہوئے تھے۔

(کشور ناہید..... یہ باطن نکوکار)

TAGPK.COM

آپ کا باورچی خانہ

صبا شفیق..... جہلم

1۔ پاکستان کے اسی فیصد گھرانوں کی طرح ہمارے ہاں بھی غذائیت اور صحت کو کوئی لفٹ نہیں کراتا لہٰذا ہمارے کھانے کا دارومدار پسند و ناپسند پر ہی قائم ہے مگر جب کنبہ آٹھ یا نو افراد پر مشتمل ہو تو سب کی پسند کا خیال رکھنا مشکل ہے اور ایسی صورت میں کام آتا ہے آپ کے ہاتھ کا ذائقہ جو کہ ہونا ضروری ہے اور ہم ٹھہرے اردو اسپیکنگ جن کے بنائے کھانے اور ان کا ذائقہ اپنی مثال آپ ہے۔ چٹنی، اچار اور تلی ہوئی مرچوں کے بغیر ہمارا لنچ ہو یا ڈنر مکمل نہیں ہوتا تو اگر کسی کی پسند کا سالن نہ بھی پکے تو ان چیزوں سے گزارا بلکہ اچھا خاصا گزارا کرلیا جاتا ہے۔ میری بڑی سسٹر (آپی) جو جلد ہی پیا گھر جانے والی ہے آج کل وہی کچن کو پیاری ہے اور روز صبح جب وہ یہ پوچھتی ہے کہ آج کیا پکائیں تو ہم جواب بعد میں دیتے ہیں پہلے اللہ میاں سے کہتے — ہیں کہ کیا ہوتا اگر جو ''من وسلویٰ'' آج بھی جاری رہتا۔

2۔ ہمارے گھر میں کم ہی ایسا ہوا ہے کہ مہمان جن کے لیے کھانا بنانا پڑے بغیر بتائے تشریف لائے ہوں کیونکہ اگر فون نہیں کیا جاتا تو ایک ایس ایم ایس ہی بھیج دیا جاتا ہے کہ ہم تیار رہیں، بعض اوقات تو ایسا لگتا ہے کہ نت نئی ٹیکنالوجیوں نے بڑے خوب صورت سے سرپرائزز ہم سے چھین لیے ہیں۔ اب تو چونکہ پہلے ہی سے پتا ہوتا ہے لہٰذا آرام سے سب ریڈی ہو جاتا ہے۔ ہمارے گھر مہمان آئے یا ماموں کے دوستوں کی دعوت ہو میری امی کے ہاتھ کی بریانی تو ضرور بنتی ہے، جو امی بہت لذیذ بناتی ہیں اور جو یہ بریانی کھالے وہ اس کا ذائقہ کبھی بھول ہی نہیں سکتا۔ چکن بریانی کس کو بنانا نہیں آتی، اس لیے ترکیب نہیں لکھ رہی۔ میں نے بھی بہت جگہ بریانی کھائی ہے مگر اپنے گھر کا ذائقہ کہیں نہیں پایا۔

3۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ اگر کسی عورت کا سلیقہ دیکھنا ہو تو اس کے گھر کا کچن دیکھو ہمارا کچن بالکل سادہ طرز پر بنا ہوا ہے۔ کچن کی صفائی کے لیے ضروری چیز تو یہ ہے کہ آپ جو بھی چیز نکالیں، استعمال کے بعد اپنی جگہ پر واپس رکھیں۔ اس طریقے سے کچن میں گند نہیں پھیلتا اور کھانا بنانے کے بعد روز کے روز صفائی کی جاتی ہے۔ بہرحال کچن کی ہفتہ وار صفائی نادیہ کے ذمے ہے جو کہ نہایت صفائی سے کچن کی صفائی کرتی ہے اور بعض اوقات بہت کارآمد اشیا بھی ڈسٹ بن کی نذر ہو جاتی ہیں کیونکہ جب ہمیں کوئی چیز نہیں ملتی تو ہم یہی کہتے ہیں کہ نادیہ نے پھینک دی ہوگی۔

4۔ ناشتہ ہمارے ہاں بے حد سادہ بنتا ہے جو کہ روٹی سالن اور چائے پر مشتمل ہوتا ہے۔ کبھی کبھار پراٹھے بھی بنالیے جاتے ہیں۔ اصل میں ہمارے گھر کوئی بھی زیادہ بھاری ناشتہ پسند نہیں کرتا، سوائے چھوٹے بھائی (ارسم) کے..... اس کے بس میں ہو تو دن میں تین ٹائم صرف اور صرف پراٹھا کھائے۔ سردیوں میں کبھی حلوہ پوری یا نان کا ناشتہ منگوا کر عیش بھی کرلیا جاتا ہے۔ گھر پر اگر مہمان ہوں تو امی کی کوشش ہوتی ہے کہ ناشتہ گھر پر تیار کیا جائے کیونکہ حلوہ پوری اور نان یہ ہم گھر پر خود ہی بنا لیتے ہیں۔ اس حوالے سے ایک مزے دار سی بات آپ سے شیئر کرتی ہوں کہ میری آنٹی کی شادی ہوئی تو وہ فیصل آباد سے اپنے شوہر کے ساتھ پہلی بار ہمارے گھر آئیں تو ہم نے ان کو حلوہ پوری کا ناشتہ کروایا اور انکل نے اس کی بے حد تعریف کی اور کہا کہ گھر کی حلوہ پوری کا مزا ہی اور ہے۔ کچھ عرصے کے بعد وہ لوگ

TAGPK.COM

ہمارے گھر دوبارہ آئے تو ہم نے ان کے لیے مرغ چنے اور نان بنائے تو انکل نے برجستہ خوش ہو کر کہا کہ جہلم والے ہمیشہ سب سے ڈفرنٹ کرتے ہیں۔ جس پر میری سسٹر ظہیرہ نے کہا کہ ''انکل! جہلم والے ہیں ہی سب سے ڈفرنٹ'' اس فقرے کو ہم آج بھی یاد کر کے انجوائے کرتے ہیں۔ اب میں آپ کو مزے دار قسم کے آملیٹ پراٹھے کی ترکیب بتاتی ہوں۔ میرے ہاتھ کا بنا یہ پراٹھا میری تینوں بہنیں جویریہ، ظہیرہ اور صالحہ بہت شوق سے بنواتی ہیں۔ ترکیب حاضر ہے۔

آملیٹ پراٹھا

ایک عدد انڈا لے کر خوب پھینٹیں اور اس میں باریک کٹی پیاز، ٹماٹر، ہری مرچ اور نمک شامل کریں۔

آٹے کا بھاری سا پیڑہ لیں اور اسے خوب بل دے کر پراٹھے کی شکل دیں اور گھی میں ہلکا سا سینکیں۔

پھر پراٹھے کی آہستہ سے تہیں کھول کھول کر اس میں انڈہ ڈالتی جائیں اور خوب اچھی طرح پراٹھے کو سینک لیں۔

مزیدار آملیٹ پراٹھا تیار ہے امید ہے آپ کو پسند آئے گا۔

5۔ یہ پوچھ کر آپ نے ہماری دکھتی رگ کو چھیڑ دیا ہے کیونکہ باہر کھانا کھانے تو ہم جب جائیں جب کوئی لے کر جائے۔ ویسے کوئی سالگرہ ہو یا خوشی کا موقع ہم ضرور سیلیبریٹ کرتے ہیں مگر گھر پر اور کھانا باہر سے منگوا لیتے ہیں۔ خوب انجوائے کرتے ہیں لیکن اب آپ یہ بھی مت سمجھنا کہ ہم کبھی باہر گئے ہی نہیں اکثر کزنز وغیرہ آئے ہوں تو ان کے ساتھ چاٹ کھانے، ماموں کے ساتھ آئس کریم کھانے ہم ضرور باہر جاتے ہیں۔

ایک بار سخت سردی کے موسم میں جب ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی تو میں اور نادیہ اپنے کزن کے ساتھ روڈ پر نکلے سردیوں کی شامیں، ہلکی ہلکی بارش، سنسان سڑکیں اور ہمارے ہاتھوں میں جوس کے ڈبے سلانٹی کے پیکٹ کتنا مزہ آیا میں بتا ہی نہیں سکتی۔

6۔ ہمارے ہاں موسم کو مدنظر نہیں رکھا جاتا گرمیوں کی تپتی دوپہروں میں جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں تو ہم پکوڑے بنا کر املی کی چٹنی کے ساتھ کھا رہے ہوتے ہیں اور آپ حیران ہوں گے کہ ہم نے سخت سردیوں میں ٹھنڈے ٹھنڈے جوسز کا لطف لیا ہے یعنی موسم ہم پر اثر انداز نہیں ہوتے اس معاملے میں ہم کافی ڈھیٹ ثابت ہوئے ہیں۔

7۔ اچھا پکانے کے لیے محنت اولین شرط ہے ہم لوگ سادہ دال روٹی کے علاوہ نت نئی ڈشز بنانے میں بالکل عار محسوس نہیں کرتے۔ چاہے وہ کتنی ہی محنت طلب کیوں نہ ہو بعض عورتیں گرمی میں کڑھی نہیں بناتیں اس لیے کہ ٹائم بہت لگتا ہے اور کچن میں کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ کچھ تو یہ بھی کہتی ہیں کہ ہمارے بچے پسند نہیں کرتے ہم کیا بنائیں اور وہی بچے جب ہمارے گھر آئیں تو سب کھا لیتے ہیں مقصد کسی کی برائی کرنا نہیں بلکہ یہ بتانا ہے کہ جو چیز بھی محنت اور دل سے بنائی جائے وہ ضرور اچھی بنتی ہے اور سب پسند بھی کرتے ہیں۔

8۔ مٹر اگر کچھ عرصہ فریزر میں پڑے رہیں تو ان کا ذائقہ تبدیل ہو جاتا ہے اگر آپ چاہتی ہیں کہ مٹر ویسے ہی فریش رہیں تو مٹر چھیل کر دھو لیں اور کھولتے ہوئے گرم پانی میں دو تین منٹ کے لیے مٹروں کو ڈال دیں ساتھ میں ایک ٹیبل اسپون چینی اور سرکہ بھی ڈال دیں۔

پھر مٹر چھلنی میں نکالیں اور ٹھنڈے ہونے کے بعد شاپرز میں ڈال کر فریز کر دیں اس طرح مٹر آپ کو ہمیشہ تازہ ہی ملیں گے۔

TAGPK.COM

موسم کے پکوان

خالدہ جیلانی

آلو کے کٹلٹس

اشیاء:۔

آلو	آدھا کلو
پودینہ	آدھا کپ
ہری مرچیں	چار عدد
زیرہ	ایک چائے کا چمچہ
بریڈ کرمبز	ایک کپ
کالی مرچیں	آدھا چائے کا چمچہ
کٹی لال مرچیں	آدھا چائے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد
انڈے	حسب ضرورت
نمک	حسب ذائقہ
تیل	حسب ضرورت

ترکیب:۔

کسی برتن میں ابلے ہوئے آلو مسل کر پودینہ، ہری مرچیں، کٹا ہوا زیرہ، پیاز، آدھا کپ بریڈ کرمبز، نمک، کٹی ہوئی کالی مرچیں اور کٹی ہوئی لال مرچیں ڈال کر مکس کر دیں آلو کے آمیزے سے کباب بنا کر انڈے میں ڈبوئیں پھر بریڈ کرمبز اچھی طرح لگائیں پھر پندرہ سے بیس منٹ ریفریجریٹر میں رکھیں۔

کڑاہی میں تیل گرم کر کے کٹلٹس ڈال کر درمیانی آنچ پر تل لیں، دونوں طرف سے سنہری ہو جائیں تو پلیٹ میں نکال لیں، کیچپ کے ساتھ گرما گرم پیش کریں۔

سہ رنگی سلاد

اشیاء:۔

پنیر	آدھا پاؤ
پیاز	ایک عدد
گاجر	دو عدد
شملہ مرچ	ایک عدد
کریم	چوتھائی کپ
ہرا دھنیا	ایک کھانے کا چمچہ
پسی کالی مرچ	آدھا چائے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ

ترکیب:۔

ایک ڈش یا پیالے میں پنیر، گاجر، شملہ مرچ، پیاز، کریم، ہرا دھنیا، نمک اور پسی کالی مرچ ایک ساتھ ڈال کر مکس کریں۔ فریج میں رکھ کر ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

ماربل اسٹرابیری کھیر

اشیاء:۔

اسٹرابیری	ایک پاؤ
چاول کا آٹا	آدھا کپ
دودھ	ایک لیٹر
چینی	ایک کپ
چینی	دو کھانے کے چمچے
کریم	ایک کپ
اسٹرابیری ایسنس	چند قطرے

ترکیب:۔

دودھ کو پکانے رکھیں۔ چاول کا آٹا تھوڑے دودھ میں ڈال کر مکس کریں۔ چمچہ چلاتی رہیں۔ ہلکی آنچ پر پکنے دیں۔

جب کھیر گاڑھی ہو جائے تو چینی ڈال کر پکائیں۔ چینی کا پانی خشک ہو جائے تو اسٹرابیری ایسنس مکس کر دیں اور تھوڑا ٹھنڈا کر لیں۔

تین سے چار اسٹرابیری بچا کر باقی اسٹرابیری کو دھو کر پیس لیں اور دو کھانے کے چمچے چینی ملا کر پکا لیں۔ گاڑھا ہونے پر ٹھنڈا کر لیں۔ کھیر میں کریم مکس کر دیں اور سرونگ ڈش میں نکال لیں۔ اسٹرابیری کا ساس ڈش میں تھوڑے تھوڑے فاصلے پر ڈالیں، کسی لکڑی کی اسٹک سے ساس کو گول گھما دیں اور ٹھنڈا کریں۔ اسٹرابیری سے سجا کر پیش کریں۔

☆

TAGPK.COM

عادل

نفسیاتی الجھنیں

نغمہ.....کراچی

میری شادی کو چھ ماہ ہوئے ہیں۔ ایم اے فائنل ایر میں تھی تو شادی ہوگئی۔ سسرال والوں نے کہا کہ امتحان شادی کے بعد دلوادیں گے۔ قریبی رشتہ دار تو نہیں تھے لیکن برادری ایک تھی۔ دور پار کا تعلق تھا۔ شادی سے پہلے امی، ابو کئی بار ان کے گھر گئے۔ وہ لوگ بھی آئے لیکن کوئی ایسی غیر معمولی یا بڑی بات محسوس نہیں ہوئی۔ بڑی بات تو اب بھی نہیں ہے بلکہ شاید آپ کو لگے کہ میں چھوٹی چھوٹی باتوں کو محسوس کر رہی ہوں یا مجھ میں برداشت کی کمی ہے لیکن کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں، وہ بظاہر چھوٹی ہوتی ہیں لیکن دل بہت بری طرح دکھا دیتی ہیں۔ میری سسرال میں سب کو نکتہ چینی، طنز کرنے اور مذاق اڑانے کی عادت ہے لیکن ایک دوسرے کے ساتھ نہیں، یہ رویہ صرف میرے ساتھ ہے۔ کھانے کی میز پر میں پلیٹ میں سالن نکالوں تو سب کی نظر ہوتی ہے۔ ساس کہتی ہیں، بہو کو گوشت کھانے کا شوق ہے۔ نند فوراً جواب میں کہتی ہے ان کے میکے میں تو گوشت پکتا ہی نہیں۔ دیور فوراً لقمہ دیتا ہے، تب ہی تو سب سے پہلے یہ گوشت کی ڈش پر ہاتھ ڈالتی ہیں۔ اگر سبزی نکالوں تو کہتے ہیں، کبھی گوشت کھایا ہو تو عادت ہو۔ بچپن سے سبزیاں ہی کھائی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ میری بھوک مر جاتی ہے اکثر میں کھانا چھوڑ کر، کچھ کھائے بغیر اٹھ جاتی ہوں۔

گہرے رنگ کے کپڑے پہنوں تو ساس لہجے میں بڑی مٹھاس بھر کر کہتی ہیں۔ بہو تمہارا رنگ کم ہے، تم ہلکے رنگ پہنا کرو۔ گہرے رنگ میں تمہارا رنگ دب جاتا ہے۔ نند کہتی ہے، ایسا کریں بھابھی! اپنے گہرے رنگ کے سارے کپڑے مجھے دے دیں۔ میں کھسیانی سی ان کی باتیں سنتی، چپ رہ جاتی ہوں۔ ایسے موقعوں پر جٹھانی زیر لب مسکراتی رہتی ہیں۔ مجھے لگتا ہے جیسے میں بالکل جاہل ہوں۔ میں اپنا اعتماد کھوتی جا رہی ہوں۔ امتحان دلوانے کا کہا تھا، اس کا تو یہاں کوئی ذکر بھی نہیں کرتا۔ مجھے لگتا ہے کہ اگر میں نے اس بارے میں بات کی تو میرا مذاق اڑانے کو انہیں نیا موضوع مل جائے گا۔ شوہر سے میں نے گھر والوں کے رویے کے بارے میں بات کی تو انہوں نے میرا وہم کہہ کر بات ٹال دی۔ گھر میں اپنی امی سے بات کی تو انہوں نے صبر کرنے کا مشورہ دے کر بات ختم کر دی۔ اب مجھے بتائیں، میں کیا کروں۔ ہر وقت کڑھ کڑھ کر میں بیمار ہو جاؤں گی۔ ویسے بھی ساس ہر آئے گئے کے سامنے کہتی رہتی ہیں، بہو تو شکل سے ہی فاقہ زدہ اور بیمار لگتی ہے، کیسی روتی شکل ہے، کبھی خوش ہی نہیں دیکھا۔

ج: اچھی بہن! جو باتیں آپ نے لکھی ہیں، ہمارے ہاں بہت سے گھرانوں میں اب بھی معمول کا حصہ ہیں۔ جب نئی بہو گھر میں آتی ہے تو گھر کے سارے افراد اس کے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور ہنسنے بولنے پر نظر رکھتے ہیں اور اس کو تنقید کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس کا ایک ہی حل ہے کہ آپ ان باتوں کی پروا نہ کریں۔ زندگی آپ نے اپنے شوہر کے ساتھ گزارنی ہے۔ نند شادی ہو کر اپنے گھر چلی جائے گی اور دیور کی جس دن شادی ہوئی، وہ یہ باتیں کرنا بھول جائے گا۔ ویسے بھی چھ ماہ کی مدت بہت کم ہوتی ہے۔ تھوڑا وقت دیں ان کو۔ ان لوگوں کی باتوں کو ہنس کر ٹال دیں۔ خود ہی تھک کر خاموش ہو جائیں گے۔

TAGPK.COM

ن۔س.....سعید آباد

س: کیا کہوں، کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔ آپ سے ایک گزارش ہے کہ کچھ سال پہلے ایک قسط وار ناول تھا ''دشت جنوں'' اس میں جو معاویہ یا شاید آئے کت کا جو تیسرا دوست تھا نام مجھے یاد نہیں آرہا، اس کو جو بیماری تھی، جو وہ نیند میں گھٹن محسوس کرتا تھا جس کی وجہ سے اس کی موت بھی ہوئی تھی۔ ویسی میری بھی حالت ہے۔ رات کو نیند میں مجھے بھی گھٹن ہوتی ہے، سانس ہی جیسے بند ہو جاتی ہے۔ پھر جب آنکھ کھلتی ہے تو جیسے پانی میں ڈوبنے والا باہر آکر سانس لیتا ہے نا، میں بھی ویسا ہی محسوس کرتی ہوں پھر گھنٹے یا آدھے گھنٹے بعد جا کے سانس ہموار ہوتی ہے۔ پلیز میری مدد کریں، اس بیماری کا نام کیا ہے، مجھے اس کے بارے میں کچھ تفصیل سے بتائیں تاکہ میں کسی ڈاکٹر کو دکھاؤں۔ پہلے تو دو یا تین ماہ میں ایسا ایک بار ہوتا تھا، پر اب تو ہر دو یا تین رات کے بعد ہوتا ہے۔ میں بہت تکلیف میں ہوں۔ اس بیماری کے بارے میں کسی ڈاکٹر سے تفصیلی انٹرویو لیں یا مجھے کچھ معلومات دیں تاکہ ڈاکٹر کو بتانے میں آسانی ہو اور کچھ دنوں سے تو مجھے نیند بھی نہیں آرہی، اگر آتی ہے تو بھی میں خوف کی وجہ سے سو نہیں پاتی کہ کہیں گھٹن نہ ہو۔

عجیب عجیب سے خیال آتے ہیں۔ بیٹھے بیٹھے سوچتی ہوں کہ بچے بھی نہیں ہیں اور شوہر بھی جاب پر..... تو خودکشی کر کے دیکھتی ہوں کہ بچ جاتی ہوں یا مرتی ہوں پھر یہ خیال آتا ہے کہ میں پاگل نہ ہو جاؤں۔ کوئی گھریلو ٹینشن نہیں، نہ پیسے، کھانے پینے کی کمی ہے نہ ہی شوہر کے پیار، محبت، احساس، قدر میں کمی ہے۔ بے انتہا خیال کرنے والا شوہر ہے پھر بھی پتا نہیں کیوں ایسا ہے۔ اگر اس مسئلے پر عدنان بھائی کچھ میری مدد کریں تو اللہ رب العزت آپ کو اجر دے گا۔ اللہ کا واسطہ مجھے اس بیماری اور کیفیت سے نکالیں۔ اس وجہ سے سر میں درد بھی رہنے لگا ہے۔ بال بھی بہت تیزی سے جھڑ رہے ہیں، ویسے مجھے دمہ یا استھما کی شکایت ہے جو کہ کبھی کبھی ہوتی ہے۔ تیل والی چیزیں کھانے سے زیادہ ہو جاتی ہے۔

ج: اچھی بہن! جب تک صحیح معائنہ نہ کیا جائے کچھ کہنا مشکل ہے۔ ویسے لگتا ہے کہ آپ کے ماہانہ نظام میں بے قاعدگی ہے یا نظام ہاضمہ ٹھیک نہیں ہے۔ اکثر اس طرح کی کیفیت ان مسائل کی وجہ سے بھی ہوتی ہے۔ یہ خیال دل سے نکال دیں کہ آپ کو کوئی بڑی یا مہلک بیماری ہے۔ اس تکلیف کا علاج ممکن ہے۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ آپ نے کسی ڈاکٹر کو دکھایا یا نہیں۔ بہتر یہ ہے فوری طور پر ڈاکٹر کو دکھائیں۔ ضروری نہیں کہ ڈاکٹر کو بیماری کا نام بتایا جائے، آپ اپنی تکلیف بتائیں۔ بیماری تشخیص کرنا ڈاکٹر کا کام ہے۔

آپ کو استھما اور دمہ کی شکایت تو ہے اس وجہ سے بھی گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ کبھی کبھی الرجی کی وجہ سے بھی ایسا ہو جاتا ہے۔

سلطانہ خان

ج: اچھی بہن! بچپن میں آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا، اس کے آپ کے ذہن پر برے اثرات ہوئے۔ آپ ہجوم سے، لوگوں سے گھبراتی، تنہا گھر سے باہر جانے سے ڈرتی ہیں تو یہ فطری بات ہے۔ پہلے بھی لکھا جا چکا ہے کہ کمسن بچیوں کو نہ صرف تنہا باہر نہیں بھیجنا چاہیے بلکہ گھر میں بھی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ گھر میں اگر مرد رشتہ دار یا لڑکوں کی آمد و رفت ہو تو بچیوں کو اپنی نظروں کے سامنے رکھیں۔

آپ شادی سے خوف زدہ نہ ہوں۔ آپ کی آئندہ زندگی پر اس کا اثر نہیں ہوگا اور یہ بات کسی کو نہ بتائیں، شوہر کو تو ہرگز نہیں۔ بتانے کا کوئی فائدہ بھی نہیں ہے۔ البتہ نقصان ہو سکتا ہے۔

☆

TAGPK.COM

امت صبور

بیوٹی بکس

صبا ناز.....نارووال

س: میرے بازو پر زخموں کی وجہ سے نشان رہ گئے ہیں۔ میں گاؤں میں رہتی ہوں، کوئی گھریلو ٹوٹکا بتادیں؟

ج: زخموں کے نشانات ختم ہونے میں وقت لگتا ہے۔ مندرجہ ذیل آسان ٹوٹکے اپنا کر آپ ان نشانات سے چھٹکارا حاصل کرسکتی ہیں۔

ایلوویرا جیل لے کر نشانات پر دائروں کی صورت میں لگائیں اور آدھے گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں پھر اس جگہ کو دھولیں (کھلے زخموں پر نہ لگائیں)۔

نیم گرم ناریل کے تیل سے متاثر حصے کا دس سے پندرہ منٹ مساج کریں۔ یہ زخموں کے نشانات کو تیزی سے صاف کرتا ہے۔

ایک چائے کا چمچہ صندل پاؤڈر، دو چائے کے چمچے عرق گلاب یا دودھ میں ملا کر پیسٹ بنالیں اور ہلکے ہاتھ سے نشانات پر ملیں۔ دس منٹ بعد دھولیں۔

خضرا مجید.....ملتان

س: مجھے ایکنی کا مسئلہ ہے۔ گرمی کے موسم میں چہرے پر پسینہ اور تیل جلدی بہنے لگتا ہے۔ مجھے کوئی آسان سا ایکنی ماسک بتادیں۔ میری جلد بہت حساس ہے۔

ج: حساس جلد کے لیے آدھا کپ دہی میں ایک چائے کا چمچہ ہلدی مکس کرکے چہرے پر لگائیں۔ آپ کی جلد کا آئل بھی کنٹرول کرے گا اور ٹھنڈک کا احساس بھی دے گا۔

چکنی جلد کے مسائل سے نجات کے لیے آپ کریلے کا ماسک لگائیں۔ کریلے کا جوس، کدوکش کیے ہوئے کھیرے کے ساتھ مکس کریں۔ اس ماسک کو چہرے پر لگائیں اور تیس منٹ بعد دھولیں اور قدرتی ہوا میں خشک ہونے دیں۔ ہفتے میں دو مرتبہ اس ماسک کا استعمال کرسکتی ہیں۔

زرینہ عالم.....لانڈھی

س: میں گرمیوں کے موسم میں اکثر ڈی ہائیڈریشن کا شکار ہوجاتی ہوں، پلیز کوئی حل بتادیں۔ پانی بھی زیادہ پیتی ہوں۔

ج: موسم گرما میں ہونے والی (پانی کی کمی) ڈی ہائیڈریشن کو آپ گنے کے رس سے دور کرسکتی ہیں۔ آپ گنے کا رس، کالا نمک، لیموں شامل کرکے مفید بناسکتی ہیں۔ یہ کولیسٹرول گھٹانے میں بھی مدد کرتا ہے۔

مہرین سلیم.....کراچی

س: میں کالج جاتی ہوں۔ اس لیے دھوپ میں نکلنے کی وجہ سے میرا رنگ سنولا ہوگیا ہے۔ رنگ نکھارنے کے لیے کوئی آسان ٹوٹکا بتادیں۔

ج: بیسن میں تھوڑا سا کچا دودھ اور لیموں کا رس ملالیں، اس سے چہرے کو دھوئیں۔ اس عمل سے بھی چہرے پر نکھار آجاتا ہے۔

☆ باریک کٹا ہوا ٹماٹر دو سے تین چمچے لے کر اس میں پانچ چھ قطرے لیموں کا رس ملائیں اور چہرے پر لگائیں۔ اس سے جلد تروتازہ اور چہرہ نکھر جاتا ہے۔

یہ ماسک چکنی کے حامل افراد کے لیے بہترین ہے۔

☆

TAGPK.COM

امت صبور

بیوٹی بکس

صبا ناز.....نارووال

س: میرے بازو پر زخموں کی وجہ سے نشان رہ گئے ہیں۔ میں گاؤں میں رہتی ہوں، کوئی گھریلو ٹوٹکا بتادیں؟

ج: زخموں کے نشانات ختم ہونے میں وقت لگتا ہے۔ مندرجہ ذیل آسان ٹوٹکے اپنا کر آپ ان نشانات سے چھٹکارا حاصل کرسکتی ہیں۔

ایلوویرا جیل لے کر نشانات پر دائروں کی صورت میں لگائیں اور آدھے گھنٹے کے لیے چھوڑ دیں پھر اس جگہ کو دھولیں (کھلے زخموں پر نہ لگائیں)۔

نیم گرم ناریل کے تیل سے متاثر حصے کا دس سے پندرہ منٹ مساج کریں۔ یہ زخموں کے نشانات کو تیزی سے صاف کرتا ہے۔

ایک چائے کا چمچہ صندل پاؤڈر، دو چائے کے چمچے عرق گلاب یا دودھ میں ملا کر پیسٹ بنالیں اور ہلکے ہاتھ سے نشانات پر ملیں۔ دس منٹ بعد دھولیں۔

خضرا مجید.....ملتان

س: مجھے ایکنی کا مسئلہ ہے۔ گرمی کے موسم میں چہرے پر پسینہ اور تیل جلدی بہنے لگتا ہے۔ مجھے کوئی آسان سا ایکنی ماسک بتادیں۔ میری جلد بہت حساس ہے۔

ج: حساس جلد کے لیے آدھا کپ دہی میں ایک چائے کا چمچہ ہلدی مکس کرکے چہرے پر لگائیں۔ آپ کی جلد کا آئل بھی کنٹرول کرے گا اور ٹھنڈک کا احساس بھی دے گا۔

چکنی جلد کے مسائل سے نجات کے لیے آپ کریلے کا ماسک لگائیں۔ کریلے کا جوس، کدوکش کیے ہوئے کھیرے کے ساتھ مکس کریں۔ اس ماسک کو چہرے پر لگائیں اور تیس منٹ بعد دھولیں اور قدرتی ہوا میں خشک ہونے دیں۔ ہفتے میں دو مرتبہ اس ماسک کا استعمال کرسکتی ہیں۔

زرینہ عالم.....لانڈھی

س: میں گرمیوں کے موسم میں اکثر ڈی ہائیڈریشن کا شکار ہوجاتی ہوں، پلیز کوئی حل بتادیں۔ پانی بھی زیادہ پیتی ہوں۔

ج: موسم گرما میں ہونے والی (پانی کی کمی) ڈی ہائیڈریشن کو آپ گنے کے رس سے دور کرسکتی ہیں۔ آپ گنے کا رس، کالا نمک، لیموں شامل کرکے مفید بناسکتی ہیں۔ یہ کولیسٹرول گھٹانے میں بھی مدد کرتا ہے۔

مہرین سلیم.....کراچی

س: میں کالج جاتی ہوں۔ اس لیے دھوپ میں نکلنے کی وجہ سے میرا رنگ سنولا ہوگیا ہے۔ رنگ نکھارنے کے لیے کوئی آسان ٹوٹکا بتادیں۔

ج: بیسن میں تھوڑا سا کچا دودھ اور لیموں کا رس ملالیں، اس سے چہرے کو دھوئیں۔ اس عمل سے بھی چہرے پر نکھار آجاتا ہے۔

☆ باریک کٹا ہوا ٹماٹر دو سے تین چمچے لے کر اس میں پانچ چھ قطرے لیموں کا رس ملائیں اور چہرے پر لگائیں۔ اس سے جلد تروتازہ اور چہرہ نکھر جاتا ہے۔

یہ ماسک چکنی کے حامل افراد کے لیے بہترین ہے۔

☆